UNIVERSAL
LIBRARY
OU_224337
UNIVERSAL
LIBRARY

دائرۃ المعارف

یعنی

مَعارِفِ عظم اعظم گڈھ

کی

بیسویں جلد

از

جولائی سنہ ۱۹۲۷ء تا ستمبر سنہ ۱۹۲۷ء

مُرتّبۂ

سید سلیمان ندوی

باہتمام مسعود علی ندوی،

مطبع معارف دارالمصنفین اعظم گڈھ

CHECKED 1956

۵۵ ف

فہرست مضمون نگاران معارف،

جلد بستم جولائی ۱۹۲۷ء، دسمبر ۱۹۲۷ء

بہ ترتیب حروف تہجی

CHECKED.

نمبر شمار	اسمائے گرامی	صفحہ	نمبر شمار	اسمائے گرامی	صفحہ
۱	مولانا ابوالکلام صاحب ندوی	۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴	۱۳	مولانا سید سلیمان صاحب ندوی	۱۵۶/۸۹۱، ۸۴۲، ۱۰۱۶۶/۱۴۲/۱۵۶، ۲۵۲/۲۶۳/۲۲۳، ۴۰۲/۳۱۲، ۴۰۶۹۱/۴۱۸
۲	مولوی ابوالخیر صاحب مودودی کن دارالترجمہ	۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰	۱۴	جناب محمد عبدالرؤف صاحب بی اے، حیدرآباد	۳۸۵
۳	مولوی اکرام الحق صاحب ایم اے	۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸	۱۵	مولانا عبدالسلام صاحب ندوی	۲۰۳/۱۵۱/۱۴۱، ۲۹۹/۲۲۴، ۴۱۰/۳۴۳/۴۰۷
۴	مولوی حامد حسن صاحب قادری پروفیسر سنسکرت چاند کالج آگرہ	۲۸۹	۱۶	نواب عماد الملک بلگرامی مرحوم	۵۰
۵	شیخ خلیل الرحمن صاحب مترجم شیخ طیب، انجیل لاناس	۱۰۰	۱۷	شیخ عنایت اللہ صاحب ایم اے	۱۳۲/۲۱۰/۲۵۸، ۴۷۲
۶	مرحوم شہود صدر الصدور خانی خان	۹۵	۱۸	جناب مصطفیٰ کامل صاحب بی اے کراچی	۵۷
۷	مولوی زبید احمد صاحب ایم اے	۲۵۹	۱۹	جناب سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم اے	۴۵۱
۸	سید یاست علی ندوی رفیق دارالمصنفین	۶۳، ۶۴، ۶۶، ۷۸، ۱۳۶، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۵۹، ۲۰۶، ۲۱۵، ۲۲۰، ۲۳۵، ۲۳۸، ۳۰۹، ۳۸۱، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۰۲، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۷، ۴۶۹، ۴۷۳	۲۰	جناب پروفیسر نواب علی صاحب ایم اے کالج بڑودہ	۶
			۲۱	جناب سید وقار احمد صاحب متعلم ایم اے عثمانیہ یونیورسٹی	۲۸۳
۹	جناب ریاض الحسن صاحب بمبئی	۳۷۴	۲۲	جناب محمد یوسف صاحب صدیقی بمبئی	۱۶
				شعراء	
۱۰	مولوی سید صاحب انصاری جامی بی اے	۲۱۲	۱	اثر۔ جناب اثر صہبائی	۱۵۰-۳۹۱
۱۱	مولانا سعید الدین خانصاحب متوسل سرکار بھوپال	۲۵۵	۲	ثاقب۔ جناب یمین السلطنت مہاراجہ کشن پرشاد	۱۴۸
۱۲	جناب سردار محمد صاحب پروفیسر کیمسٹری لعلی کالج لاہور	۱۰۱	۳	شیر۔ جناب شیخ شبیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹر	۱۴۹

Checked 1965

فہرست مضامین

جلد ہشتم جولائی ۱۹۲۷ء، دسمبر ۱۹۲۷ء

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱	**شذرات**	۲-۸۲، ۲۶، ۸۲، ۲۶، ۴۲، ۴۲
۱	**مقالات**	
	ابن رشد کی تصنیفات	۵۰
۲	اسلامی شمسی قمری - سال	۳۶۷
۳	امریکہ کولمبس سے پہلے معلوم تھا	۱۰۱
۴	پرنس کائتانی کی ایطالی تواریخ اسلام	۳۵۸-۴۴۴
۵	حکیم تالسٹائی اور مشرقی اثرات	۵۷
۶	دار الضرب سورت سے کے سکے	۱۶
۷	روداد ترتیب رقعات عالمگیری	۵۱ ۴
۸	سرود کی زندگی کا ایک کہنہ ترین ورق	۵۸ ۴
۹	سوشیالسٹ حکومت	۴۱، ۲۰۳
۱۰	عربوں کی تہذیب	۳۷۴
۱۱	عرب قدیم پر مستشرقین کی ایک نئی کتاب	۲۱۰
۱۲	غزوات نبوی اور فلسفہ جنگ	۶
۱۳	غنی کشمیری	۲۴۶، ۲۸۰ ۴
۱۴	فضائے آسمانی یا حجرِ سما	۸۹ ۴

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱۵	القضاء الاسلامی	۳۲۹، ۲۷، ۴
۱۶	کیا ولی کی اجازت کے بغیر کوئی عورت نکاح ثانی کر سکتی	۱۶۶
۱۷	لفظ "صلوٰۃ" قرآن شریف میں	۲۵۹
۱۸	مثنوی فتح گجرات علامہ فیضی	۲۹۵
۱۹	مدینۃ الابرار	۱۸۰
۲۰	مرہٹہ ہیرو	۱۹۵
۲۱	مزدک	۳۸۳
۲۲	مسلمان عورتوں کے حقوق کا مسئلہ	۸۹
۲۳	معیارِ تاویل	۲۵۳
۲۴	ہندوستان کی معاشی حالت پر ایسٹ انڈیا کا اثر	۳۱-۱۱۵
	تلخیص و تبصرہ	
۱	اتحادِ اسلام	۶۶
۲	آلۂ پارچہ بافی کا انگریز موجد	۱۳۷
۳	امریکہ کی مالی اور تعلیمی حالت	۴۶۱
۴	ایک نوجوان ترک پروفیسر کے جدید نظریئے،	۴۸۲

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
	تلخیص و تبصرہ	
۵	جاپانی اخبار نویسی	۴۶۳
۶	جامعۂ آل البیت	۳۸۱
۷	چین کی تعلیمی زبان	۶۳
۸	چھٹا حاسہ ؟	۶۷
۹	خدا اور روح	۳۸۵
۱۰	ریڈانڈین کون ہیں،	۲۱۳
۱۱	عربوں کے شمسی مہینے	۱۴۱
۱۲	عورتیں بابل کے قانون میں	۲۱۷
۱۳	فلسطین میں تعلیمی جد و جہد	۳۰۳
۱۴	کیا سری کرشن ایک اسرائیلی پیغمبر تھے	۴۶۳
۱۵	مصر کا ایک نیا دیوتا	۲۱۵
۱۶	مصر کا قانونِ نکاح	۲۹۹
۱۷	یورپ اور روزہ	۱۴۲
	اخبار علمیہ	۶۹، ۲۰۱، ۳۰۶، ۴۰۶، ۴۶۹، ۴۹۶، ۵۰۶
	ادبیات	
۱	جامِ صہبائی	۱۵۰، ۳۹۱
۲	"غزالِ چہار چشم"	۱۹۹

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۳	نغمۂ شاد	۱۴۸
	باب التقریظ والانتقاد	
۱	اردو کے نئے اخبارات و رسائل	۷۳
۲	برہان اور عبرت	۳۹۶
۳	تاریخ مسیح	۲۳۵
۴	تاریخ فلسفۂ اسلام	۲۱۲
۵	تلقیح فہوم اہل الاثر	۳۹۲
۶	رحلتِ مصطفےٰ	۴۷۳
۷	شاہ عزیز صاحب صفی پوری کی فارسی تصنیفات	۱۵۱
۸	شرح قصائد خاقانی جلد دوم	۳۱۵
۹	شعر و شاعری عرفی	۲۲۴
۱۰	عروسِ رب	۱۵۶
۱۱	کلیاتِ دلی	۴۷۶
۱۲	مخزنِ خیال	۱۵۷
۱۳	مرآۃ احمدی	۳۱۰
۱۴	مشرقی قلمی پنجابہ کی فارسی کتابوں کی مجموعی فہرست	۳۹۴
۵	نقشِ ارژنگ	۲۳۲
	مطبوعاتِ جدیدہ	۶۸-۱۵۹، ۲۳۸، ۳۱۸-۳۹۰، ۴۷۹

مجلد بستم | ماہ محرم الحرام ۱۳۴۶ھ مطابق ماہ جولائی سنہ ۱۹۲۷ء | عدد ۱

فہرست مضامین

شذرات	سید سلیمان ندوی	۲ - ۵
غزوات نبوی اور فلسفۂ جنگ	پروفیسر نواب علی ایم اے بڑودہ کالج	۶ - ۱۵
دار الضرب سورت کے سکے	جناب محمد یوسف صاحب صدیقی بمبئی	۱۶ - ۳۰
ہندوستان کی معاشی حالت پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا اثر،	مولوی ابو الخیر صاحب مودودی رکن دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ،	۳۱ - ۴۰
سوشیالسٹ حکومت	مولانا عبد السلام صاحب ندوی،	۴۱ - ۴۹
ابن رشد کی تصنیفات	نواب عماد الملک بلگرامی مرحوم،	۵۰ - ۵۶
حکیم ٹالسٹائے اور مشرقی اثرات	جناب مصطفےٰ کامل صاحب بی اے، کراچی،	۵۷ - ۶۲
چین کی تعلیمی زبان	" ز "	۶۳ - ۶۶
اتحادِ اسلام	"	۶۶ - ۶۷
چھٹا حاشیہ	" ز "	۶۷ - ۶۸
اخبار علمیہ	"	۶۹ - ۷۲
اردو کے نئے اخبارات و رسائل	" ج "	۷۳ - ۷۷
مطبوعاتِ جدیدہ	" ر "	۷۸ - ۸۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شذرات

آج عدالت عالیہ پنجاب کے ایک فیصلہ سے ہندوستان کی فضا کدر، اور مسلمانون کے دل ملول و آزردہ بلکہ ایک حد تک غم و غصہ سے لبریز ہین، وہ قانون جس کے ذریعہ سے ہمیشہ سے بزرگان دین اور شارعین مذہب کی تحقیر و تذلیل کرنے والے سزایاب ہوتے تھے، عدالت عالیہ پنجاب نے اسی کے رو سے اس قسم کے ایک ملزم (راجپال) کو بے قصور پاکر رہا کر دیا، اور عین اسوقت جب اسی عزت و اختیار کی ایک اور صوبہ کی عدالت عالیہ (الہ آباد) اسی قانون کے رو سے ایک مجرم کو سزا دے رہی تھی، پنجاب کی عدالت عالیہ اس قانون کے رو سے اسی قسم کے مجرم کو بری کر رہی تھی،

بسوخت عقل زحیرت کہ این چہ بوالعجبی است

شاید لوگون کو یاد ہو کہ آج سے غالباً اٹھائیس اونتیس برس پہلے ایک پادری نے اسی قسم کی ایک کتاب مہمات المومنین لکھی تھی تو وہ بھی مسلمانون کی چیخ پکار پر ضبطی کے قابل قرار پائی تھی، اور ایک مسلمان عالم اڈیٹر تحفہ محمدیہ کانپور اس کتاب کا اسی رنگ مین سخت جواب لکھنے کے باعث ملزم قرار پائے تھے، اس قسم کے بیسیون واقعے انگریزی حکومت کی تاریخ ہند مین ملون اور مشہور ہین

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مسلمان اس شور و غل اور فریاد و بکا سے یہ نہین چاہتے کہ اسلام پر سنجیدہ مخالفانہ اعتراضات بند ہون، بعض عیسائی مستشرقین اور پادریون نے اپنی تصنیفات مین اسلام اور شارع اسلامؐ کی نسبت نہایت سخت اعتراضات کئے ہین، نولڈیک، میور، مارگولیتھ اور پادری فنڈر سے بڑھکر سیرت نبوی کے متعلق دل آزارانہ کتابین اور کیا ہو سکتی ہین، اور وہ برابر ہندوستان مین فروخت ہو رہی ہین، مگر کبھی مسلمانون نے ان کے خلاف کوئی آواز

نہین بلند کی کہ وہ کسی قدر گستاخانہ ہون، تاہم وہ تضحیک و تحقیر کے پرواز پر نہین لکھی گئی ہین، مگر ایک ایسی کتاب پر جسکا نام تک مسلمان اپنی زبان سے نہین لے سکتے اور جو سرتاپا تضحیک و تحقیر ہو وہ کبھی صبر نہین کر سکتے،

مسلمان اپنے مذہب اور شارع مذہب پر اعتراض سے نہین گھبراتے کہ وہ اس کے مقابلہ کے لیے تو ہر وقت سینہ سپر ہین، مگر سب و شتم اور گالی گلوچ کو وہ برداشت نہین کر سکتے، اور اس کے لیے مذہب اسلام مین وہی سزا ہے جو ایک قاتل کیلئے ہے، ایک معصوم نبی کی عزت لینا، ایک انسان کی جان لینے سے کم اہم نہین ہے، یہ نہ خیال کیا جائے کہ یہ حکم صرف غیر مسلمون کے لیے مخصوص ہے، بلکہ ایک مسلمان بھی کسی سچے پیغمبر کی تذلیل کرے تو وہ بھی اسی سزا کا مستحق ہے، اس قانون کے رو سے اسلام نے ہر مذہب کے پیغمبرون کی عزت و ناموس کو برابر درجہ مین محفوظ رکھا ہے،

یہی وجہ ہے کہ مسلمانون کو ہندوستان آئے بارہ سو برس ہو گئے، مگر انھون نے ہندوستان کے کسی رشی مہاتما، اور اوتار کے خلاف ایسی نازیبا حرکت نہین کی ہے، حالانکہ ان کا انبیا مین سے ہونا مسلمانون کو یقین معلوم بھی نہین ہے، تاہم امکان ہے، اسلیے انھون نے اس امکان کا ہمیشہ پاس کیا، مگر ہمارے ہموطنون نے ہمارے ان جذبات کی قدر نہ کی، اور اپنے اس فعل سے اپنے اُس دھرم کو بھی بدنام کیا، جسکے متعلق ہم سنا کرتے ہین کہ اسکی وسعت پہنائی مین سمندرون سے بھی زیادہ ہے،

مسلمانون کا اس معاملہ مین جوش و خروش اور واویلا ایک جائز حق کے مطالبہ کے لیے ہے، بلکہ چون کہ یہ قانون صرف شارع علیہ السلام کے لیے نہ ہوگا، بلکہ تمام شارعین مذاہب اور بانیان دین اور بزرگان عالم کے لیے ہوگا، اسلیے اس ملک کے تمام باشندون کا خواہ وہ کسی مذہب اور دھرم کے ہون فرض ہے کہ وہ اس تحریک کی دل و جان سے تائید کرین، اور مسلمانون کے دوش بدوش ہو کر اس کے لئے کوشش کرین اور اس غرض سے ایک غیر مشتبہ قانون کے وضع کرنے پر حکومت کو مجبور کرین،

آریہ ہندوؤن نے جابجا خاص طور سے اپنے ان بہادرون کی برسی منانے کی کوشش کی ہین جنھون نے اسلامی سلطنتون کا کامیاب مقابلہ کیا ہی، ہندوستان کا کوئی عاقل باشندہ یہ نہین کہہ سکتا کہ مرے ہوئے بادشاہون اور مٹی ہوئی حکومتون کے خلاف ملک مین نفرت کے جذبات پیدا کرنے سے اس ملک کی موجودہ صورت حال کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہی، بجز اس کے کہ اپنے مسلمان ہمسایون کی دلآزاری مقصود ہو، مسلمانون نے بھی اس کے جواب دینے کی کوشش کی، چنانچہ اسی سال ۱۷ اور بعض ملحقہ علاقون مین محمد بن قاسم ثقفی کی برسی منائی گئی ہے ہندوؤن نے دکن و گجرات مین سیواجی کی برسی بڑی دھوم دھام سے منائی، اسکے جواب مین وہان کے مسلمان اب محمد اورنگ زیب **عالمگیر** کا عرس کرنے کا تہیہ کر رہے ہین،

افسوس ہی کہ ہم پرائے شگون پر ناک کٹانے کا مشورہ نہین دے سکتے، مسلمانون مین مذہبی بزرگون کے عرسون کی محفلین کیا کم تھین کہ اب سیاسی عرسون کا بھی آغاز کیا جائے، اور جو آگے چلکر بہرحال مذہبی حیثیت اختیار کرلینگے، اس نقالی سے مسلمانون کو کوئی فائدہ نہ پہنچیگا، بلکہ الٹا اس سے ان کے مذہب مین نئی بدعات کا آغاز ہوگا، بہرحال اس سلسلہ مین متعدد اصحاب نے عالمگیر کی ولادت اور وفات کا سال دریافت کیا ہے ادنکی اطلاع کے لیے عرض ہے، کہ اس مرحوم بادشاہ کی تاریخ ولادت یکشنبہ کی رات پندرہ ذیقعدہ ۱۰۲۷ھ اور تاریخ وفات جمعہ کا روز بعد طلوع آفتاب اٹھائیس ذیقعدہ ۱۱۱۸ھ ہے،

رقعات عالمگیری کی جمع و ترتیب کا جو کام ہمارے ہان شروع ہوا تھا، مولوی ابوالخسنات ندوی مرحوم رفیق دارالمصنفین کی وفات سے بند ہوگیا تھا، اب چند مہینون سے ہمارے ایک دوسرے باہمت رفیق سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم اے نے شروع کیا ہے، "عالمگیریات" کے سب سے بڑے ماہر ہندوستان مین مشہور بنگالی مورخ بابو جدوناتھ سرکار مانے جاتے ہین نجیب اشرف صاحب پٹنہ کالج مین ان کے شاگرد رہ چکے ہین، اس تعلق سے

وہ سرکار صاحب کی سرکار مین استفادہ کی غرض سے کلکتہ گئے ہین، سرکار صاحب کے پاس عالمگیر کی تاریخ کا بڑا ذخیرہ فراہم ہے، ہم مشکور ہین کہ موصوف نے یہ تمام ذخیرہ ہمارے رفیق کو استعمال کی غرض سے عنایت کیا ہے،

سید نجیب اشرف صاحب کا جو خط آیا ہی اس سے معلوم ہوتا ہی کہ یہ مجموعہ کئی جلدون مین سمائے گا، رقعات پر تاریخین نہین ہین، اسلیے انکی تاریخین واقعات کی مدد سے مرتب کیجارہی ہین، مختلف مقامات سے رقعات کی فراہمی کا سلسلہ جاری ہی، اور رقعات کے ذیل مین مفید حواشی کا اضافہ ہو رہا ہی، اس مجموعہ کی پہلی جلد ابتدا سے تخت نشینی تک کے خطوط پر مشتمل ہوگی، تقریباً ۱۳ برس کے رقعات اس مین ہونگے، یہ جلد بھی دو حصون پر منقسم ہوگی، پہلے حصہ مین اہل خاندان اور اعزہ کے اور دوسرے مین شاہجہان کے اور اسکے اپنے ماتحت افسرون کے نام کے خطوط ہونگے، دعا ہی کہ اللہ تعالیٰ دارالمصنفین کو اس کار نامہ کی تکمیل مین کامیابی عطا فرمائے، یہ مجموعہ تاریخ ادب کے سلسلہ مین انشاء اللہ عجیب چیز ہوگا،

لاہور مین ایک نوجوان باہمت صاحب قلم مولوی حفظ الرحمان صاحب نے صرف اپنی ذاتی محنت اور شوق مین اردو انسائیکلوپیڈیا کیلئے مضامین، مواد اور مسالہ جمع کرنے کا خیال پیدا کیا، اور سالہا سال سے وہ اس دھن مین لگے ہوئے ہین، چند اصحاب اور مشیرون کی ایک کمیٹی بھی بنائی ہے جسمین ہندو اور مسلمان دونون جماعتون کے سربرآوردہ اصحاب کے نام شامل کئے ہین، گذشتہ اپریل مین مجھے انھون نے اپنے دفتر حفظ العلوم مین بیجا کر یہ سارا سامان دکھایا تھا، اب سید حسرت موہانی صاحب نے اسکو دیکھا ہی اور اپنی ہمدردانہ رائے اسکے متعلق ظاہر کی ہی ہمارے خیال مین موصوف نے انسائیکلوپیڈیا کے بجائے اردو لغات، محاورات اور اسمار و اعلام کا ایک تاریخی و ادبی قاموس تیار کیا ہے، جس طرح موجودہ عربی مین فرید وجدی نے کنز العلوم واللغۃ لکھا ہے، بہرحال آغاز کار ہونا چاہیئے، خواہ وہ کسی قدر ناتمام شکل مین ہو، موصوف کا یہ ذخیرہ کئی ہزار صفحات پر مشتمل ہے، اسی طرح ایوت محل (برار) مین ایک صاحب ذوق اردو مین ایک اسلامی اصطلاحات کا لغت مرتب کر رہے ہین،

مقالات

غزواتِ نبویؐ

فلسفۂ جنگ اور گذشتہ انبیاء اور اقوام کی لڑائیاں

از

پروفیسر نواب علی ایم اے، بڑودہ کالج،

یاد ہوگا کہ مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کے سلسلہ مین ہم نے لکھا تھا کہ ہمارے دوست پروفیسر نواب علی صاحب انسائیکلوپیڈیا مذکور مین اسلام اور پیغمبر اسلامؐ پر جو بے بنیاد اعتراضات کئے گئے ہین، ان کے جواب مین "وہ سیرۃ رسول اللہ" اصلعم کے نام سے ایک کتاب لکھ رہے ہین جس کے اب تک تقریباً دو سو صفحے ہو چکے ہین، اور جنہین وہ غزوۂ بنی نضیر تک پہنچے ہین، غزوات کے باب کا یہ پہلا ٹکڑا معارف کے لیے انھون نے بھیجا ہے، جسکو ہم شکریہ کے ساتھ شائع کرتے ہین،

پروفیسر نواب علی انگریزی تعلیم یافتہ گریجوایٹون مین پہلے شخص ہین جنھون نے آج سے ۱۸-۱۹ برس پیشتر تذکرۃ المصطفیٰ کے نام سے سیرت پاک پر اردو مین ایک کتاب لکھی تھی، امید ہے کہ اس طویل عرصہ مین موصوف کو مغرب و مشرق کے جو جدید معلومات حاصل ہوئے ہونگے یہ زیر تالیف کتاب ان سب کا مجموعہ ہوگی، اردو سے زیادہ اس کتاب کی انگریزی مین ضرورت ہے، اور وہ اس پر قادر ہین، کاش وہ پہلے اسی ضرورت کو پورا کرتے،

"اڈیٹر"

قبل اس کے کہ ہم غزوات کا ذکر شروع کرین مسئلۂ جنگ کو جس حیثیت سے کہ وہ مختلف اقوام و

و مذاہب مین مانا جاتا ہے، مجملاً بیان کرتے ہین،

"انسان کے ظاہری اعضا کی ساخت اور قوت غضبی کا وجود جس سے وہ جلب منفعت اور دفع شر کرتا ہے اس امر کے شاہد ہین کہ افراد و قبائل اور پھر رفتہ رفتہ اقوام مین جنگ کا سلسلہ اس وقت سے شروع ہوا ہے جب سے وہ اس دنیا مین جہان تنازع للبقا کا خونخوار تماشا نظر آتا ہے آباد ہے، زن، زمین، زر ان تین چیزون کی ہوس نے اس کرۂ خاک مین وہ قیامت برپا کی ہے جس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہین، اگر دیار مصر کے اہرام کو جو فراعنہ کے جاہ و جلال کی یادگار ہین کشتون کا پشتہ کہا جائے تو فرات و دجلہ کو خون کی ندیان کہنا چاہیئے، جو بابل اور نینوا کی خونریزیون سے رنگین ہوئین، اگر سرزمین ہند آریون کے ہاتھون ایک قربانگاہ سمجھی جائے جہان غیر آریون کے لاشۂ بے سر تڑپتے تھے تو ملک عجم کو آتش سوزان کہنا چاہیئے، جس نے ایرانیون اور تورانیون کے خرمن ہستی کو خاک سیاہ کر دیا، اگر تختۂ یونان کو آفت روزگار کہا جائے جسکی ایک مرغولہ موسینہ نے تڑائے اور اس کے دلیرون کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اور جسکے ایک نو عمر فرزند نے فرکیانی کو خاک مین ملا کر مشرق سے مغرب تک ہلا دیا، تو دولت روما کو خونخوار بھیڑیا سمجھنا چاہیئے جس نے یورپ، ایشیا اور افریقہ کے کالے اور گورون کے تکے بوٹے کر ڈالے تھے، اگر کارتھیج کو زندہ نگل گیا تو اسرائیلی گلون کو چیر پھاڑ ڈالا اگر بہادران یونان کا خون پی گیا تو پہلوانان عجم کو جب موقع ملا زخمی کر دیا،

تاریخ کے صفحات اگرچہ ان خونی واقعات سے رنگین ہین، لیکن مشہور بانیان مذاہب، ہادیان ملت اور حکما نے اپنی تعلیمات سے بہت کچھ اس خطرناک مسئلہ کی آگ کو ٹھنڈی کر دیا ہے، آریون کی جنگ جوئی اگرچہ زبان زد خاص و عام ہے، اور چار ذاتون مین ایک ذات چھتری کا دھرم ہی یہی تھا کہ مارین اور مرین لیکن دیکھو مہابھارت کی ہولناک جنگ مین سری کرشن کس طور سے ارجن کو فلسفہ جنگ سمجھاتے ہین،

"نیکون کی حفاظت، بدون کو غارت کرنے اور دھرم کو قائم کرنے کے لیے مین ہر جگ مین جنم لیتا ہون"

(بھگوت گیتا)

اس طرح گوتم بودہ نے اپنے اعلیٰ اخلاقی اور فلسفیانہ تعلیم سے آتشِ جنگ کو ٹھنڈی کرنے کی کوشش کی ہے، منو کا مشہور مقنن منو جنگ کی حالت مین دیکھو کس طور سے چند امور کے لحاظ کرنے کا حکم دیتا ہے،

"حصولِ منفعت کے لیے راجہ فوج کشی کرسکتا ہے، اسکو چاہیئے کہ بگلے کی طرح منصوبہ باندھے، شیر کی طرح اپنی طاقت دکھائے بھیڑیے کی طرح شکار پر جھپٹے اور خرگوش کی طرح پس پائی کے وقت عمل کرے لیکن اسکو یہ بھی چاہیے کہ رحیمانہ اور شریفانہ طور پر جنگ کرے، وہ ایسے ہتھیارون سے حملہ نہ کرے جو چھپے ہوئے ہون، یا زہر آلود ہون، یا جنکے سرے شعلہ زن ہون، اگر دشمن بھاگ کر پناہ مانگے تو پھر اس کو نہ مارے، اسی طرح ہجڑے کو قتل نہ کرے اور نہ ایسے شخص کو جو ہاتھ جوڑے کھڑا ہو یا اس طرح بھاگے کہ ہوا مین اس کے بال اڑ رہے ہون، اگر دشمن کا ہتھیار ٹوٹ جائے تو حملہ سے ہاتھ روک لے اسی طرح اس شخص پر ہاتھ نہ اٹھائے جو زخمون سے چور چور ہوگیا ہو"

(سلسلۂ کتب مقدسہ مشرقیہ
قانون منو صفحہ ۲۳۱ و صفحہ ۲۳۲)

حکمائے یونان نے مسئلۂ جنگ کو علم النفس کی روشنی مین دکھایا، انسان مین جبلی قوت غضبی جب حدِ اعتدال کو پہنچے تب فضیلتِ شجاعت حاصل ہوتی ہے ورنہ حدِ افراط یعنی تہور اور حدِ تفریط یعنی جبن دونون مذموم ہین، یہی حال تمام صفات حسنہ کا ہے، اسلیے عدالت جامع فضائل ہے اور یہی معیار ہے، افلاطون اپنی کتاب قوانین مین کہتا ہے کہ حاکم عادل کا فرض اولین یہ ہے کہ ملک و ملت کو صلح و آشتی سے آباد کرے، اور صرف ضرورت کے وقت جنگ مین مشغول ہو، لیکن جب معاملہ وحشی اقوام سے پڑے تو عدالت کے قوانین پر عمل دشوار ہوجاتا ہے، ارسطو اپنی کتاب سیاست مدن مین کہتا ہے کہ حفاظتِ ملت بدیہی فرض ہے افزائشِ ملت جنگ کے ذریعہ سے روا ہے، بشرطیکہ جائز طریقہ سے ہو، ایسی اقوام جنکی طینت مین محکومی ہے، ان پر استیلا روا ہے تاکہ امن و امان قائم رہے، ارسطو کا یہ آخر الذکر قول جو اسکندر کے حرصِ فتوحات کے لیے ایک دستاویز تھا دولتِ روما اور بعد کو اس کے جانشینون یعنی موجودہ یورپین سلطنتون کی جس ملک گیری

اور اقوامِ عالم کو اپنا محکوم بنانے کے لیے ایک بہانہ ہوگیا ہو، جسکے نتائج نہایت خوفناک ہین،

دولتِ روما اس مسئلہ مین یونان کی شاگرد تھی سسرو جو ان کا بہترین شارح ہے کہتا ہے،

"یہ خیال کہ صلح کو جنگ کے واسطے مستعد ہونے کے لیے استعمال کرنا چاہیئے روا نہین صلح مطمحِ نظر ہے اور جنگ کو صرف ایک ذریعہ اس کے حصول کا سمجھنا چاہیئے، منافشات دور کرنے کے لیے جنگ ایک وحشیانہ اور غیر عاقلانہ طریقہ ہے ناجائز لڑائیان وہ ہین جن سے طمع کی وجہ سے غیر دن کے مقبوضات حاصل کئے جائین، جائز لڑائیان وہ ہین جو تحفظِ ملت کے واسطے ہون اور جنسے دفع شر کیا جائے، تاوان حاصل کیا جائے، سزا دیجائے، یا جن قومون سے قدرتی تعلقات ہین، یا معاہدہ ہے ان کی اعانت کے لیے جنگ کیجائے، اقتضائے عدالت یہ ہے کہ اعلانِ جنگ باقاعدہ مذہبی رسوم کے ساتھ ہو اور اسی طرح اس کا خاتمہ بھی ہو،

انبائے بنی اسرائیل | حضرت موسیٰؑ پر جو احکام عشرہ نازل ہوئے تھے، ان مین ایک یہ تھا کہ قتل حرام ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ خاص حالتون مین لڑائی کی اجازت تھی، توریت کتاب خروج مین لکھا ہے کہ خداوند یہوواہ فرماتا ہے کہ "بے گناہ اور نیکون کو قتل مت کرنا، کیونکہ مین بدون کا طرفدار نہین ہون، پردیسی پر ظلم مت کرنا، اسرائیل تجھکو معلوم ہے کہ اس کے دل کی کیا حالت ہوتی ہے کیونکہ تو خود بھی مصر مین غریب الدیار تھا" اور جب تم دشمنانِ دین سے لڑنے کو نکلو تو پہلے انھین صلح کا پیغام دو، اگر وہ مان جائین تو ان کو اپنا باجگذار بنالو، لیکن اگر وہ انکار کرین تو پھر محاصرہ کرو اور فتح کے بعد مردون کو قتل کرو، لیکن عورتون اور بچون پر ہاتھ نہ اٹھاؤ، اور جو کچھ مالِ غنیمت ملے اس کو اپنے صرف مین لاؤ،

بنی اسرائیل کو جن قومون سے سابقہ پڑا تھا وہ بڑی خونخوار اور بیرحم تھین، اسرائیلی آبادیون کو جلا کر خاک سیاہ کر ڈالا، اسیرانِ جنگ کو بے دریغ قتل کیا، حاملہ عورتون کے پیٹ چاک کر ڈالے، صلح کرکے پھر دھوکہ دیا، اور قتل و خون کا بازار گرم کر دیا، بنی اسرائیل نے بھی اس کے جواب مین ویسے ہی

وحشیانہ فعل کئے حالانکہ ان کے پیغمبرون نے ان کو منع کیا لیکن انھون نے انکی تعلیمات پر عمل نہ کیا اور خشک فقیہانہ بحثون مین مبتلا ہو کر ایسے ظاہر پرست، قسی القلب اور گمراہ ہو گئے کہ خود اپنے پیغمبرون اور ناصحون کو قتل کرنے لگے، حضرت عیسیٰؑ کی مختصر زندگی تمامتر اسی کوشش مین صرف ہوئی کہ کسی طرح پتھر کے دل موم ہون اور روحانیت پیدا ہو، مشہور پہاڑی والے وعظ مین جو آپ کی پاکیزہ تعلیمات کا گل سرسبد ہے وہ پیغمبر برحق جو روح اللہ ہے کس دلکش طریقہ سے روحانیت کی تعلیم دیتا ہے، انجیل متی باب ۵ مین یہ وعظ مفصل مذکور ہے، سب سے پہلے آپ عجز و انکسار، نرم دلی، رحم، تقوی، صفاے باطن، تحمل و حلم کے فضائل بیان فرماتے ہین، پھر ارشاد ہوتا ہے، "یہ مت سمجھنا کہ مین توریت اور تعلیماتِ انبیاء کو غارت کرنے آیا ہون، مین صرف ان کو پورا کرنے آیا ہون" اس تمہید کے بعد آپ احکام عشرہ پر تبصرہ کرتے ہین اور فرماتے ہین ایک حکم یہ تھا کہ قتل مت کرنا، اب میری بات سنو مین کہتا ہون کہ اگر کوئی اپنے بھائی پر غصہ کرے اور برا کہے وہ بھی گنہگار ہے اور اگر اسکو کہے اے احمق تو عذابِ جہنم کا مستحق ہے،

ایک حکم یہ تھا کہ آنکھ کے عوض آنکھ، اور دانت کے عوض دانت، لیکن اب مین تم سے کہتا ہون کہ برائی کا بدلہ نہ لو اگر تمہارے ایک گال پر کوئی طمانچہ مارے تو دوسرا بھی اس کے سامنے پیش کر دو اور اگر کوئی تیرے پیراہن پر دعوی کرے تو اسکو اپنی ردا بھی دیدے اور اگر کوئی ایک میل تک تجھے بیگار مین پکڑے تو دو میل اس کے ساتھ چلا جا،

ایک حکم یہ بھی تھا کہ اپنے ہمسایہ سے محبت اور دشمن سے نفرت کرو، اب میری بات سنو، اپنے دشمنون سے محبت کرو، جو تم پر لعنت کرین، ان کو برکت دو، جو تم سے نفرت کرین ان سے نیکی کرو، اور جو تم کو آزار پہنچائین ان کے لیے دعا کرو تاکہ تم آسمانی باپ کے فرزند کہلاؤ، اسکا آفتاب نیکون اور بدون سب پر چمکتا ہے اور اس کے بادل عادل اور ظالم سب پر برستے ہین،

روحانی تعلیم کے ان نازک پھولون کو افسوس سیاہ دل یہود کے ناپاک ہاتھون نے مسل ڈالا

اور اس معصوم نبی اللہ کو نہایت بے دردی سے سولی پر چڑھا دیا، آخر خداوند یہواہ کا غضب نازل ہوا، رومیون نے سنہ ۷۰ء مین بیت المقدس کو تاخت و تاراج کر کے خاک سیاہ کر ڈالا یہود جو قتل و غارت سے بچے وہ سب کے سب جلا وطن کر دیئے گئے، اور اقصائے عالم مین منتشر ہو کر ذلیل و خوار پھرنے لگے سچ ہے ؎

حلم حق با تو مواسا ہا کند چونکہ از حد بگذرد رسوا کند

مسیحی دنیا کا ایک مغالطہ | چوتھی صدی عیسوی مین جب رومیون کے بادشاہ قسطنطین نے دین مسیحی اختیار کیا، اور نصاری محکوم سے حاکم بنگئے تو اس وقت سے آج تک سلطنت کے نشہ مین حضرت مسیح کی روحانی تعلیم کو پس پشت ڈال دیا ہے، طمانچہ کھا کر دوسرا رخسار پیش کرنے کے عوض انھون نے شمشیر آبدار کے جوہر دکھائے ہین، پیرہن لینے والے کو ردا کے عوض دار پر کھینچ دیا ہے دشمنون سے محبت کرنے کے عوض انھون نے اس درجہ عداوت کی ہے کہ دنیا کو نمونہ جہنم بنا دیا ہے، یورپ کے ڈیڑھ ہزار سال کی تاریخ اٹھا کر دیکھو مسیحی فرقون کی باہمی جنگ و جدال، صلیبی لڑائیون کا سلسلہ، اسپین کے ہولناک مظالم، پردول یورپ کے اقصائے عالم پر جائز اور ناجائز طریقہ پر دست درازیان، یہ وہ خونی داستان ہے جس سے ہمارے بیان کے ایک ایک حرف کی تصدیق ہو جائے گی، لیکن ہم کو یہان اس سے بحث نہین ہے کہ مسیحی دنیا نے ایسا کیون کیا اور اب تک ایسا کیون کر رہی ہے، ہم کو یہ دکھانا ہے کہ کس طرح روما کا خونخوار بھیڑیا مسیحی میمنہ کی کھال اوڑھ کر اہل عالم کو فریب دے رہا ہے،

مذکورہ بالا پہاڑی والے وعظ کے حوالہ سے مسیحی دنیا نہایت بلند آہنگی سے یہ دعوی کرتی ہے کہ ایسی سراپا رحم و کرم تعلیم کسی مذہب مین نہین، مسیح نے مذہب کے لیے نہ خود تلوار اٹھائی اور نہ اس کے اٹھانے کی اجازت دی ہے لیکن ان کا یہ دعوی واقعات پر مبنی نہین ہے، خود اسی پہاڑی والے وعظ مین جب حضرت مسیح نے تمہید مین پہلے یہ بیان کر دیا کہ آپ احکام توریت کو غارت کرنے نہین آئے بلکہ ان کو پورا کرنے آئے ہین تو جہاد کا حکم باقی رہا، ہان یہود مین جس قسم کی ظاہر پرستی اور قساوت پیدا ہو گئی تھی اسکی

درستی کی طرف آپنے اپنی اس پاکیزہ تعلیم سے توجہ کی، یہ صرف ہماری تشریح نہین ہے بلکہ ذیل مین ہم مشہور مسیحی پیشوایانِ دین کے اقوال ترجمہ کرکے درج کرتے ہین،

"مسیحی اصولون پر جنگ بعض اوقات جائز ہے جیسا کہ اگسٹائن کا فتوی ہے کہ اگر (۱) حکم خدا سے کوئی جنگ ہو (۲) ایک قوم دوسری قوم پر بلا وجہ لوٹنے کے لیے حملہ کرے تو یہ حملہ ایسا ہے جیسے قتل کرنا اور ڈاکہ ڈالنا، اسلیے ایسی حالت مین بھی جنگ جائز ہے .. .. .. اگسٹائن نے جو تحریر مرقلینوس کو بھیجی اسمین بت پرستون کا یہ اعتراض دفع کیا ہے کہ پہاڑی والے وعظ کی تعلیم جو عدم مقابلہ پر مبنی ہے وہ پبلک کے اصول کے خلاف اور ملت کے حق مین مضر ہے، حضرت مسیح کا یہ حکم کہ طمانچہ کھاکر دوسرا گال بھی پیش کردینا اس کو محض لفظی معنون مین لینا نہ چاہیئے، کیونکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ظالم کے مقابلہ مین بالقوہ صابرانہ فراخدلی کی خو ڈالی جائے، نہ یہ کہ بالفعل بھی ہمیشہ ایسا ہی کرتا رہے کیونکہ خود جناب مسیح نے ظلم کے مقابلہ مین اپنی آواز بلند کی ہے (دیکھو یوحنا ۱۸ : ۲۳ اور اعمال ۲۳ : ۳) ہم کو ہمیشہ نرمی کی روح سے متاثر رہنا چاہیئے اور بدی کے عوض نیکی کرنا چاہیئے لیکن بہت سے ایسے امور بھی ہین کہ جنمین ہم کو صرف ہمارے ترحمانہ رجحان کا حیال نہ کرنا چاہیئے بلکہ دوسرون کے اصلی مفاد کا لحاظ چاہیئے، جو اگرچہ ہمارے نرم جذبات کے خلاف ہون، لیکن وہ مقتضی اس کے ہین کہ کسی قدر مشفقانہ درشتی سے عمل کیا جائے، اس کے ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ صلح کی غایت کیلئے جنگ صرف ایک ذریعہ ہے، بہتر اور عمدہ بات یہ ہے کہ صلح بجائے جنگ کے آشتی کے ذریعہ سے حاصل کیجائے"

طاس اکوئنا مین نے جس طور سے رفع اعتراض کیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت مسیح کے اس ارشاد مین کہ جو کوئی تلوار اٹھائے گا، تلوار سے غارت ہوگا، تلوار اٹھانے کے معنی ناجائز طور پر اٹھانا ہین اور اس ارشاد سے عوام کو بلا حکم شرع تلوار اٹھانے کی ممانعت ہے، متی ۵ : ۳۸ مین اگرچہ یہ لکھا ہے کہ برائی کا مقابلہ نہ کرو اور بدلہ نہ لو لیکن ان احکام کی تعمیل نرم خوئی کے اکتساب سے حاصل ہوتی ہے اور اسکی ضرورت نہین کہ ہم بدی کو بغیر سزا دیئے ہوئے رائج رہنے دین اور ہماری وجہ سے یہ بلا دور نہ ہونے پائے، صلح کرانے والون

کو برکت اور جنگ کرنے والون کو بد دعا اگرچہ دیگئی ہے لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ کبھی صلح کی غایت حاصل کرنے کے لیے صرف جنگ ہی سب سے بہتر اور واحد ذریعہ رہ جاتی ہے،

لوتھر نے مسیحی سپاہی کی حمایت زور شور سے کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ انجیل مین قدرتی حقوق اور فرائض تسلیم کئے گئے ہین، کالون کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ جنگ عدالت کی عاملانہ کارروائی ہے، جسے خدا نے مجسٹریٹ کے سپرد کی ہے، اور اخلاقی طور پر جس طرح پولیس کی ضرورت ہے کہ باشندون کو بدمعاشون سے محفوظ رکھے جنگ کی بھی ایسی ہی ضرورت ہے،

عدم مقابلہ کی تعلیم کے ساتھ ہی مسیح نے مسئلۂ سزائے اعمال پر بھی زور دیا ہے، آپ نے فرمایا کہ بیت المقدس ایسی کورانہ درشتی اور عدول حکمی کے باعث تباہ ہو جائے گا، (متی ۲۳/۳۷) اور قیامت کے احوال مین آپ نے بدون اور توبہ نہ کرنے والون کے عذاب کا ہولناک نقشہ کھینچ دیا (متی ۲۵/۴۱) پس جب قانون الہی یہی ہے کہ بدون کو سزا دیجائے جبکہ خود خدا جو اگرچہ توبہ قبول کر کے عفو کرتا ہے، باغیون کو جو اس کے احکام کسی طرح قبول نہین کرتے شان قہاری کے ساتھ سزا دیتا ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دین عیسوی کسی قوم کو طریق الہی کے اتباع سے منع کرے اور بدی کو منع نہ کرے اور عدل قائم نہ ہونے دے، عدم مقابلہ کے قائل اگر اپنے مسئلہ کو اقوام کے لیے ایک قانون کی حیثیت سے جس پر عمل لازمی کر دیا ہے جاری کردین تو اس احکم الحاکمین پر جس طور سے کہ وہ عالم پر حکومت کر رہا ہے، بڑا سخت الزام عائد ہوتا ہے...

مسیحی علما نے مسیح کی مجموعی تعلیم کے صرف ایک جز کو پیش نظر رکھکر فتوی دیا ہے یعنی وہ مسیح جو اخلاق الہی کا مظہر تھا جو عدل و محبت اور بردباری کا آئینہ تھا، اس نقطۂ نظر سے دین عیسوی ضمیر صاف کیسا ایسی جنگ کی اجازت دیتا ہے جو بہ اتباع احکام الہی ایسی دنیا مین برپا ہو جہان ظلم و ناانصافی کا زور ہو جہان اس کے احکام توڑے جائین اور جہان اس کے حقانی اقتدار کا مقابلہ کیا جائے،

(انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد ۱۲ ص ۶۷۹ و ۶۸۰)

آغازِ غزوات

حضرت مسیحؑ نے اس پُرفتن دنیا سے رخصت ہوتے وقت فرمایا تھا،

"مجھے ابھی تم سے بہت سے امور کہنا تھے لیکن اب تم کو ان کے تحمل کی طاقت نہیں لیکن جب وہ روحِ حق آئیگا وہ تمھین تمام حق کی طرف ہدایت کریگا، کیونکہ وہ خود اپنے نفس سے کچھ نہ کہیگا بلکہ جو کچھ سنیگا وہ کہیگا" (یوحنا ۱۶/۱۳)

وہ روحِ حق جسکی شان یہ تھی وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی، اس نے مکہ مین تیرہ برس تک نہایت صبر اور تحمل کے ساتھ حضرت مسیحؑ کی شان جمالی دکھائی اور ایسے نفوس کو شفیعۃ حق بنا دیا جنکا صدق و عدل، علم و علم دنیا کو ہمیشہ یاد رہیگا پھر جب وہ مدینہ مین آیا اور اس قوم سے سابقہ پڑا جس نے مسیح کو دار پر کھینچا تھا تو اس نے حضرت موسیٰؑ کی شانِ جلالی کا جلوہ اس طور سے دکھایا جس سے وما ساربك بظلام للعبید کی جھلک صاف نظر آتی تھی،

ارباب سیر اور مغازی نے غزوات کا آغاز اس طور سے کیا ہے کہ یہ صاف نظر نہین آتا کہ وہ وجوہ اور اسباب کیا تھے جنکی بنا پر اس طرزِ عمل کے بدلنے کی ضرورت پیش آئی جسکو تیرہ برس تک مکہ مین آنحضرت صلعم اور آپکے اصحاب نے اختیار کر رکھا تھا، اس فن کے سب سے قدیم اساتذہ ابن اسحٰق اور واقدی ہین جو ایسے زمانہ مین تھے جب مسلم اور غیر مسلم سب ہی دین و مذہب کے لیے لڑنا فرض عین سمجھتے تھے اور اس لیے انھون نے مستقل طور پر ان وجوہ پر بحث نہین کی لیکن اس دورِ تہذیب مین جبکہ مذہب کو بالائے طاق رکھکر دنداں آز تیز کرکے جنگ کا شکار سیاسیات کی ٹٹی کی آڑ سے اس طرح کھیلتے ہین کہ شیطان بھی پناہ مانگتا ہے، آنحضرتؐ پر اس وجہ سے کہ آپنے جہاد کیا طرح طرح کے اعتراض کرتے ہین، ایک کہتا ہے کہ آپ نے قزاقی کا پیشہ اختیار کیا، دوسرا بول اٹھتا ہے مدینہ مین آکر آپ جاہ طلب اور عیش پرست ہو گئے تیسرا غل مچاتا ہے پیغمبری کیسی

حکومت کا نشہ تھا غرضکہ ؎

ہر کسے از ظن خود شد یار من ۔۔۔ وز درونِ من نجست اسرار من

کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا،

مدینہ کی زندگی کی کشمکش انصار کا مخلصانہ خیر مقدم اگرچہ ایک دلخوش کن نظارہ اور ترقی دین کے لیے نہایت ہمت افزا تھا لیکن چونکہ اب قصبہ کی مختلف الخیال اور مخلوط آبادی سے سابقہ تھا اور واقعۂ ہجرت سے قریش کے غیض و غضب اور جوشِ انتقام کا طوفان افقِ مدینہ پر اٹھتا ہوا نظر آرہا تھا، آنحضرت صلعم اور غریب الدیار مہاجرین کو اطمینان سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا، یہ شہر مکہ نہ تھا جہاں چار ماہ تک لڑائی حرام سمجھی جاتی تھی اور جہاں اطرافِ عرب سے مختلف قبائل حج کے لیے آتے تھے جن سے ملکر آنحضرتؐ فرضِ تبلیغ ادا فرماتے تھے، یہ مدینہ تھا جہاں ہر وقت جان کا خطرہ تھا اور تبلیغ کا دائرہ محدود ہوگیا تھا، یہاں صرف قریش کا ایک ہی قبیلہ آباد نہ تھا جس کے افراد آنحضرتؐ اور مہاجرین بھی تھے، یہاں ایک دوسرا قبیلہ آباد تھا جو اوس و خزرج کے نام سے مشہور تھا اور ایک اور گروہ بھی آباد تھا جو مذہبًا اور معاشرۃً ان سب سے بالکل الگ تھا، یہ یہود کے بنی قینقاع، بنی نضیر اور بنی قریظہ تھے جو زمیندار کی حیثیت سے آراضی کے بڑے حصہ پر قابض تھے اور سودی لین دین کرکے کاشتکاروں کا خون چوستے تھے، اوس و خزرج ان کے مقروض رہتے تھے، قرضہ کی کفالت میں عورتیں اور بچے تک رہن ہو جاتے تھے، بنی قینقاع صناع تھے اور زرگری اور حدادی کا پیشہ کرتے تھے، عربی اور یہودی خون کی آمیزش سے یہ لوگ شجاع اور سرشور تھے، ان کے پاس اسلحۂ جنگ کا ذخیرہ موجود رہتا تھا اور کسی کی کچھ ہستی نہیں سمجھتے تھے، گذشتہ صدی کے مشہور جرمن مستشرق پروفیسر گرائز مدینہ کے یہود کی حالت اور انکا برتاؤ رسول اللہؐ کے ساتھ جس طور سے بیان کرتا ہے اس کا ترجمہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں، پروفیسر موصوف نے یہود کی ایک مفصل اور مبسوط تاریخ عہدِ حضرت ابراہیمؑ سے ۱۸۷۰ء تک لکھی تھی، اس کا ترجمہ انگریزی میں پانچ ضخیم جلدوں میں ہوا، اور ۱۸۹۲ء میں لیڈن سے شائع ہوا ہے،

(باقی)

دار الضرب سورت کے سکّے[1]

از

جناب محمد یوسف صاحب صدّیقی بمبئی

اکبر اعظم نے ۲۳ شوال ۹۸۰ھ مطابق ۲۰ فروری ۱۵۷۳ء مین سورت فتح کیا، اس کے قبل سلاطین گجرات کے سکّے عموماً احمد آباد یا یہ تخت گجرات سے مسکوک ہوتے تھے، سنہ فتح کے وقت سورت مین دار الضرب نہین تھا، ۹۸۵ھ مین دار الضرب سورت مین قائم ہوا، اور اکبر اعظم کا سکہ جو محمودی کے نام سے مشہور ہی، مسکوک ہوا، سکۂ محمودی دو پیانہ کا مسکوک ہوا، ایک روپیہ کے برابر اور دوسرا اٹھنّی کے برابر، سکۂ محمودی مدور ہے، بڑا ۱/۱۰ انچ قطر کا ہے اور چھوٹا ۱/۱۲ انچ قطر کا، یہ سکّہ ادنیٰ درجہ کی چاندی کا ہے، اور دار الضرب احمد آباد کے سکوتن سے جو اس وقت مسکوک ہوتے تھے کم درجہ کا ہے،

محمودی سکّے ۹۸۵ھ سے ۱۰۲۷ھ تک مسکوک ہوتے رہے جنپر یہ عبارت نقش ہے،

نمبر ۱ رو — بادشاہ اکبر محمد جلال الدین

پشت — لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

---

[1] فہرست ماخذ

۱- کٹلاگ برٹش میوزیم لندن

۲- " انڈین میوزیم کلکتہ

۳- " لاہور میوزیم

۴ ضمیمہ جات شعبہ مسکوکیات جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ، ۵- جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی،

۶- جرنل انجمن مسکوکیات ہند،

۷- مرأت احمدی، (۸) مرأت سکندری،

۸- تاریخ گجرات مؤلفہ برڈ،

۱۰۳۷ھ کے بعد کا کوئی محمودی سکہ دیکھنے مین نہین آیا اور نہ کہین ذخیرہ مین موجود ہے، اس کے بعد دو سو سال تک محمودی سکے مسکوک نہین ہوئے، ۱۲۱۵ھ اور ۱۲۱۷ھ مین محمودی سکے پھر مسکوک ہوئے جو اکثر ذخیرون مین پائے جاتے ہین،

بیالیس سال تک یعنی ۹۰۵ھ لغایۃ ۱۰۲۷ھ جو محمودی سکے مسکوک ہوتے رہے ان مین صرف حاشیہ ہین وقتاً فوقتاً محض خفیف تبدیلیان ہوتی رہین اور سنہ مسکوک درج کئے گئے ۱۰۲۷ھ کے بعد دار الضرب سورت بہت ترقی کر گیا، اور اس دار الضرب مین سونے چاندی اور تانبے کے سکے مسکوک ہوئے،

اکبر کی وفات ۱۰۱۴ھ مین ہوئی لیکن اس کے بعد بھی عہد جہانگیری مین نیز دو سو سال کے بعد جو محمودی سکے مسکوک ہوئے ان پر اکبر کا نام بدستور قائم رکھا گیا، صرف سنہ مسکوک ان پر درج کئے گئے،

ذیل مین ایک نقشہ دیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ کن کن بادشاہون کے سکے دار الضرب سورت سے مسکوک ہوئے اور ان سکون کے فلز کیا تھے،

نام بادشاہ	فلز
۱- جہانگیر	طلا، سیم، مس،
۲- شاہجہان اوّل	〃 〃
۳- مراد بخش	سیم، مس،
۴- اورنگ زیب عالمگیر	طلا، سیم، مس،
۵- اعظم شاہ	سیم،
۶- شاہ عالم اول	طلا، سیم، مس،
۷- جہاندار شاہ	〃 〃 〃
۸- فرخ سیر	سیم، مس،

نام بادشاہ	فلز
۹- رفیع الدرجات	سیم، مس
۱۰- شاہ جہان دوم	طلا، سیم
۱۱- محمد شاہ	طلا، سیم، مس،
۱۲- احمد شاہ	سیم
۱۳- عالمگیر دوم	〃
۱۴- شاہجہان سوم	〃
۱۵- شاہ عالم دوم	طلا- سیم

اب ہم ان بادشاہون کے سکّون کی کیفیت درج کرتے ہین،

جہانگیر

سنہ ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء لغایتہ سنہ ۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۷ء

دور اول سنہ ۱۰۱۴ھ لغایتہ سنہ ۱۰۳۳ھ- اس دور مین روپیہ اور اٹھنی مسکوک ہوئے جنپر یہ عبارت نقش ہے،

نمبر۲



ان سکون مین سنہ ہجری و سنہ جلوس دونون درج ہین، لاہور میوزیم مین (کٹلاگ- نمبر۱۳۰ و نمبر۱۷۹) اس نمونہ کے دو روپیے ہین جنمین لفظ الٰہی یائے مجہول سے لکھا ہوا ہے، ایک مین لفظ سنہ لکھا ہوا نہین ہے، دونون روپیون کی پشت کی عبارت اس طرح پر ہے،

(۱) ماہ آبان الٰہی ضرب ۱۷ سورت

(۲) ماہ بہمن الٰہی ضرب سورت سنہ

دور دوم سنہ ۱۰۳۳ھ لغایت سنہ ۱۰۳۷ھ، اس دور مین جتنی مہرین، روپیہ اور اٹھنیان مسکوک ہوئین ان پر ایک شعر درج ہوا، رو کی جانب مصرعہ اول ہے جسمین جہانگیر کا نام ہے اور پشت کی جانب دوسرا مصرعہ ہے جس پر نورجہان بیگم کا نام ثبت ہے، وہ شعر یہ ہے،

زحکم شاہ جہانگیر یافت صد زیور

بنام نورجہان بادشاہ بیگم زر

اس نمونہ کی ایک مہر برٹش میوزیم مین ہے (کٹلاگ میوزیم نمبر ۵۱۳) دوسرے ذخیرون مین روپیہ اور اٹھنیان موجود ہین،

نمبر ۳

رو



پشت



شاہ جہان

۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۸ء لغایت ۱۰۶۹ھ / ۱۶۵۹ء

عہد شاہ جہانی مین مدور و مربع پر دو اقسام کے سکے دارالضرب سورت سے مسکوک ہوئے، عبارت اور نقوش بھی اُن کے مختلف ہین،

سنہ ۱۰۳۷ھ جلوس کا ایک روپیہ ہے جس پر یہ عبارت نقش ہے،

نمبر ۴

رو



پشت



اسی سنہ کا ایک اور روپیہ بھی ہے جس پر یہ عبارت نقش ہے،

نمبر ۵

رو



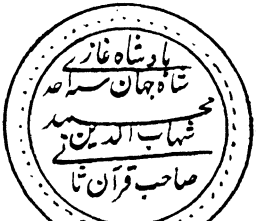
پشت



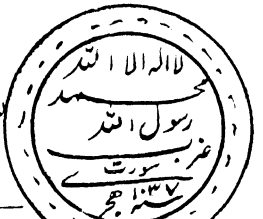
اسی سنہ کے دو خوبصورت سکّے روپیہ اور اٹھنی ہین جنپر ذیل کی عبارت درج ہے، ان سکون کی عبارت دو دائرون سے گھری ہوئی ہے اور دونون دائرون کے درمیان مین ایک دائرہ نقطون کا ہے

نمبر ۶

رو



پشت



ہجری کا لفظ اسی سنہ سے سکون پر درج ہونا شروع ہوا، اس عہد کے چند روپیہ ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی کے ذخیرہ مین موجود ہین جنپر سنہ جلوس ثبت نہین ہے،

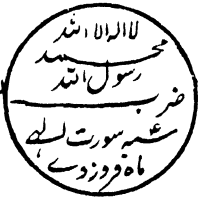
سنہ الہی کی دو طلائی مہرین اس عہد کی پائی جاتی ہین، ایک مہر برٹش میوزیم مین ہے، اور دوسری مہر لاہور میوزیم مین، ان پر یہ عبارت نقش ہے،

نمبر ۷

رو



پشت



سنہ ۱۰۴۶ کا ایک روپیہ ہے جس پر عبارت کا ایک حصہ وسطی مربع جگہ مین ہے اور بقیہ عبارت اس کے چارون طرف درج ہے، نمونہ درج ذیل ہے،

نمبر ۸ رو



پشت



اس سکہ مین سنہ ہجری و سنہ جلوس دونون پشت کی طرف درج ہین،

سنہ ۱۰۴۷ھ کا ایک طلائی سکہ (مہر) ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی کے ذخیرہ مین موجود ہے، جس پر سنہ جلوس رُو اور پشت دونون طرف ثبت ہے،

سنہ ۱۰۴۸ھ کا ایک روپیہ ہے جس پر سنہ جلوس بجائے پشت پر مربع حصہ مین درج ہونے کے رو کی جانب داہنی طرف حاشیہ پر اس طرح درج ہے، محمد صاحبؔ، عبارت بالکل نمبر ۹ کی طرح ہے،

سنہ ۱۰۵۲ھ سے سنہ ۱۰۶۷ھ تک جتنے روپیہ مسکوک ہوئے ان پر عبارت تو مثل نمبر ۹ کے ہے لیکن سنہ جلوس عموماً رو کی جانب مربع حصہ مین داہنی طرف گوشہ مین درج ہے، دار الضرب سورت کے شاہجہانی سکّے عموماً اسی نمونہ کے ہین،

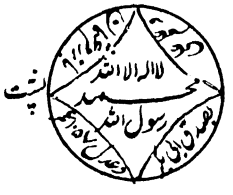
عہد شاہ جہانی کے مربع سکّے بھی دو ایک ذخیرون مین پائے جاتے ہین، غالباً وہ سکّے سنہ ۱۰۵۵ھ یا سنہ ۱۰۵۹ھ کے ہین،

سنہ ۱۰۵۷ھ ۲۱ جلوس کے روپیہ اور اٹھنی پر یہ عبارت اس طرح نقش ہے،

نمبر ۹

رو

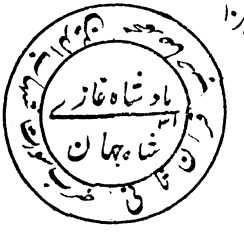


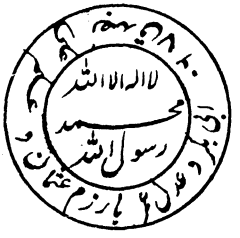


سنہ ۱۰۶۷ھ ۳۱ جلوس کا ایک روپیہ ہے جس پر یہ عبارت نقش ہے،

نمبر ۱۰

رو





۳۱ جلوس ۱۰۶۸ھ کا ایک روپیہ ہے جس پر پشت کے حاشیہ کی عبارت داہنی طرف سے شروع ہوتی ہے،
انڈین میوزیم کے ذخیرہ مین ایک روپیہ سنہ ۱۰۶۸ھ ۳۱ جلوس کا ہے جس پر ۳۱ کا ہندسہ رو کی جانب لفظ شاہ کے نیچے درج ہے، پشت کی عبارت مثل نمبر ۱ کے ہے،

عہد شاہ جہانی کے دو فلوس (مسی) سنہ ۳۰ و ۲۹ جلوس کے بعض بعض ذخیرون مین پائے جاتے ہین، ان کی عبارت ایک ہی ہے جو حسب ذیل ہے،

نمبر ۱۱

رو
شاہ جہانی
فلوس ۳۰

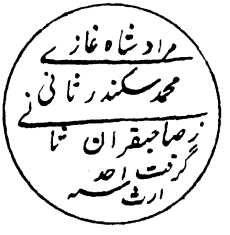
مراد بخش
سنہ ۱۰۶۸ھ
۵۸-۱۶۵۷ء

پشت
سورت
ضرب سنہ ۳۰
۱۰۶۷

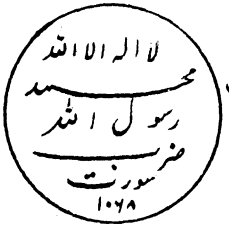
شاہجہان جب مرض الموت مین مبتلا ہوا تو شاہزادہ مراد بخش یہ خبر سنتے ہی تخت سلطنت پر جلوس کیا اور اپنا لقب مروج الدین قرار دیکر اپنے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کیا، مراد بخش کے عہد مین دو اقسام کے روپیہ اور اٹھنی مسکوک ہوئے جنپر علی الترتیب یہ نقوش ہین،

نمبر ۱۲

رو



پشت



مراد بخش کا ایک فلوس بھی جس پر یہ عبارت درج ہے (جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال سنہ ۱۹۰۷ء ضمیمہ مسکوکیات)

نمبر ۱۳-

رو



پشت



نمبر۱۴ رو مراد شاہی
فلوس

سورت احد پشت
ضرب

اورنگ زیب عالمگیر

سنہ ۱۰۶۹ھ / ۱۶۵۹ء نہایتہ سنہ ۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۷ء

سنہ جلوس ۱، سنہ ۱۰۶۸ھ مین جو سکّے مسکوک ہوئے ان پر یہ شعر نقش ہے

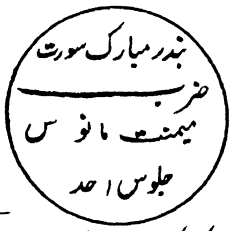
سکہ زد در جہان چو بدر منیر — شاہ اورنگ زیب عالمگیر

نمبر۱۵

رو



پشت



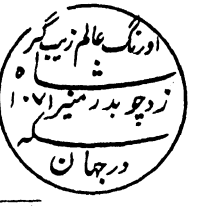
یہ سکّہ اس لحاظ سے بہت دلچسپ ہے کہ صرف اسی سنہ کے سکہ پر سورت کا لقب بندر مبارک درج ہے، اس لقب کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس وقت سورت ہی وہ بندر تھا جہان سے ہندوستانی حجاج بغرض حج مکہ جاتے تھے، اور اسی مناسبت سے اس بندر کا لقب بندر مبارک رکھا گیا،

ڈاکٹر فرائر جو بغرض سیاحت سنہ ۱۶۷۳ء مین ہندوستان آیا وہ لکھتا ہے کہ "اورنگ زیب کے چار جہاز ہمیشہ سورت مین تیار رہتے تھے اور حاجیون کو حج کے لیے بلا کرایہ لے جاتے تھے"،

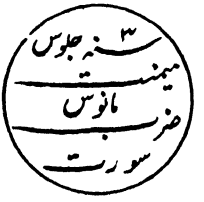
سنہ ۱۰۷۱ھ مین جو سکّے مسکوک ہوئے ان کی عبارت تو اوّل الذکر سکہ کے مثل ہے صرف کسی قدر الفاظ کی نشست مین فرق ہے، ان سکون پر رو اور پشت کے نقش اس طرح پر ہین،

نمبر۱۶

رو



پشت



سنہ جلوس ۸ کی ایک مہر برٹش میوزیم کے ذخیرہ مین موجود ہے (کٹلاگ میوزیم نمبر ۷۰)

اس سنہ مین جو مہرین، روپیہ اور اٹھنیان مسکوک ہوئین ان پر یہ نقش درج ہے،

نمبر ۱۷ رو



پشت



سنہ ۱۰۶۹ھ جلوس ۱۱ و سنہ ۱۰۸۰ھ جلوس ۱۲ مین جو روپیہ مسکوک ہوئے ان پر بعض مین پشت کی عبارت مثل نمبر ۱۶ کے ہے اور بعض مین مثل نمبر ۱۷ کے،

سنہ ۱۰۸۹ھ جلوس ۲۲ مین جو سکے مسکوک ہوئے ان پر عبارت اس طرح نقش ہے،

نمبر ۱۸

رو



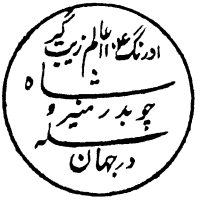
پشت



سنہ ۱۱۰۴ھ جلوس ۳۶ کا ایک روپیہ ہے جس پر عبارت اس طرح نقش ہے،

نمبر ۱۹

رو



پشت



سنہ ۱۰۹۰ھ جلوس ۲۲ سے سنہ ۱۱۱۸ھ جلوس ۵۱ تک جتنی مہرین، روپیہ اور اٹھنیان دار الضرب سورت سے مسکوک ہوئین وہ عموماً اسی نمونہ کی ہین، انڈین میوزیم مین تین مہرین سنہ ۲۹ جلوس، سنہ ۳۰ جلوس اور سنہ ۴۲ جلوس کی ہین،

اورنگ زیب کے عہد مین دار الضرب سورت سے دو نمونے کے مسی فلوس مسکوک ہوے جنپر علی الترتیب یہ عبارت درج ہے،

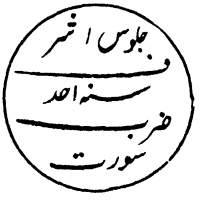
نمبر۲۰- رو  (۱) پشت  رو  (۲) پشت 

اعظم شاہ

سنہ ۱۱۱۸-۱۹ھ
۱۷۰۷ع

اعظم شاہ کا ایک روپیہ سنہ ۱۱۱۹ھ کا ہے جسپر یہ شعر درج ہے،

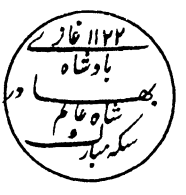
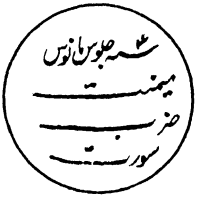
سکہ زد در جہان بدولت و جاہ بادشاہ ممالک اعظم شاہ

نمبر۲۱ رو  پشت 

شاہ عالم اول

سنہ ۱۱۱۹ھ ۱۷۰۷ع لغایۃ سنہ ۱۱۲۴ھ ۱۷۱۲ع

اس عہد مین دار الضرب سورت سے مہرین، روپیہ، اور اٹھنیان مسکوک ہوئین جنپر عبارت اس طرح نقش ہے، شاہ عالم اول کی ایک مہر انڈین میوزیم کے ذخیرہ مین موجود ہے (کٹلاگ صفحہ ۵۰ نمبر ۱۰۹۰)

نمبر۲۲ رو  پشت 

جہاندار شاہ

سنہ ۱۱۲۴ھ
۱۷۱۲-۱۳ع

جہاندار شاہ کے روپیہ اور اٹھنی پر یہ شعر نقش ہے،

بزد سکہ برزر چو صاحب قرآن

جہاندار شہ بادشاہ جہان

نمبر ۲۳



رو



پشت

ایک دوسرا روپیہ اس عہد کا پایا جاتا ہے جسپر رو کی جانب بجائے لفظ زر کے مہ ہے،

اس عہد کی مہرون اور روپیون پر یہ شعر بھی درج ہے ؎

در آفاق زد سکہ چو مہر و ماہ ابوالفتح غازی جہاندار شاہ

نمبر ۲۴



رو



پشت

جہاندار شاہ کا ایک فلوس (دمسی) بھی دار الضرب سورت کا ہے جسپر یہ عبارت درج ہے

نمبر ۲۵



رو



پشت

فرخ سیر

سنہ ۱۱۳۱-۱۱۲۴ھ
۱۷۱۹-۱۷۱۳ع

دار الضرب سورت سے چاندی کے جو سکے فرخ سیر کے عہد مین مسکوک ہوئے ان پر یہ شعر نقش ہے

سکہ زد از فضل حق بر سیم و زر

بادشاہ بحر و بر فرخ سیر

نمبر ۲۶



رو



پشت

ایک فلوس بھی اس عہد کا پایا جاتا ہے جسپر یہ عبارت درج ہے،

نمبر ۲۷



رو



پشت

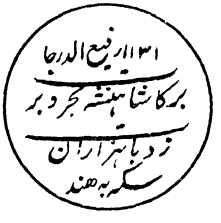
رفیع الدرجات

سنہ ۱۱۳۱ھ
۱۷۱۹ء

رفیع الدرجات نے اپنے چند ماہہ دورِ حکومت مین حسب ذیل مہتم بالشان بیت کو اپنے روپیون کی زیب و زینت مین صرف کیا، وہ شعر یہ ہے،

زد سکہ بہند با ہزاران برکات شاہنشہ بحر و بر رفیع الدرجات

نمبر ۲۸



رو



پشت

ایک فلوس بھی اس عہد کا ہے جسپر یہ عبارت درج ہے،

نمبر ۲۹ رو رفیع الدرجا پشت سنہ احد جلوس ضرب سورت

شاہ جہان دوم

سنہ ۱۱۳۱ھ
۱۷۱۹ء

اس عہد مین جو سکّے مسکوک ہوئے ان پر یہ عبارت درج ہے،

نمبر ۳۰ 



رو پشت

محمد شاہ

۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء تا ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء

اس عہد مین مہرین، روپیہ اور پیسے مسکوک ہوئے، ایک مہر برٹش میوزیم (کٹلاگ نمبر ۹۵۳) کے ذخیرہ مین موجود ہے، مہر اور روپیہ پر ایک شعر درج ہے، وہ شعر یہ ہے ؎

سکہ زد در جہان بلطف الٰہ بادشاہِ جہان محمد شاہ

روپیہ پر یہ شعر اس طرح درج ہے،

نمبر ۳۱ 



رو پشت

اسی عہد کی ایک اور مہر (دیکھو کٹلاگ برٹش میوزیم نمبر ۱۹۶ الف) اور روپیہ ہے جن پر یہ نقش ثبت ہے،

نمبر ۳۲ 



رو پشت

دو نمونے کے مسی فلوس اس عہد مین مسکوک ہوئے جنکے نمونے یہ ہین،

نمبر ۳۳ رو محمد شاہ
فلوس پادشاہ ۱۱۳۲ مثل نمبر ۱۹ پشت

نمبر ۳۴ محمد شاہ غازی
فلوس..... مثل نمبر ۱۹

احمد شاہ

سنہ ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء لغایتہ سنہ ۱۱۶۷ھ / ۱۷۵۴ء

اس عہد کا ایک روپیہ پایا جاتا ہے جس پر یہ نقش درج ہے،

نمبر ۳۵



رو

پشت

عالمگیر ثانی

سنہ ۱۱۶۷ھ / ۱۷۵۴ء لغایتہ سنہ ۱۱۷۳ھ / ۱۷۵۹ء

ایک عہد کا ایک ڈبل روپیہ اور روپیہ پایا جاتا ہے جنپر یہ عبارت نقش ہے،

نمبر ۳۶



رو

پشت

شاہ جہان سوم

سنہ ۱۱۷۳-۱۱۷۴ھ / ۱۷۵۹-۱۷۶۰ء

اس عہد مین روپیہ اور اٹھنیان مسکوک ہوئین، عبارت اس طرح نقش ہے،

نمبر ۳۷



رو



پشت

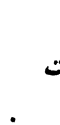
شاہ عالم ثانی

سنہ ۱۱۷۳ھ / ۱۷۵۹ء لغایتہ سنہ ۱۲۲۱ھ / ۱۸۰۶ء

اس عہد مین ڈبل روپیہ، روپیہ، اٹھنی اور دوانی مسکوک ہوئے، روپیہ پر یہ عبارت نقش ہے،

نمبر ۳۸





رو پشت

سنہ ۱۲۱۵ھ سے شاہ عالم کے نام کے سکّے ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے مسکوک ہونے لگے۔ ۱۸۰۰ء رو اور پشت کی نقش بالکل شاہ عالم کے روپیہ کی نقل ہے، کمپنی مذکور کا آخری سکہ جو شاہ عالم کے نام سے مسکوک ہوا، اس پر ۴۶ سنہ جلوس درج ہے، اس کے بعد کا کوئی سکّہ نہیں پایا جاتا، ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے سنہ ۱۲۱۵ھ ۱۸۰۰ء مین اکبر کے نام سے محمودی سکّے بھی دوبارہ مسکوک ہوئے اور دو سال تک مسکوک ہوتے رہے، اس کے بعد یہ سکہ بھی مسکوک ہونا بند ہوگیا،

السیرۃ النبویۃ

حصّہ سوم

جس کے مقدمہ مین نفس معجزہ کی حقیقت اور اس کے امکان وقوع پر فلسفۂ قدیمہ، علم کلام، فلسفۂ جدیدہ اور قرآن مجید کے نقطہ ہائے نظر سے مبسوط بحث و تبصرہ ہے، اور اس کے بعد خصائص نبوت یعنی مکالمۂ الٰہی، وحی، نزول ملائکۂ عالم رویا، معراج اور شرح صدر کا بیان ہے، پھر وہ آیات و معجزات ہین جنکا ذکر قرآن مجید مین ہے، بعد ازین وہ ہین جو مستند روایات سے ثابت ہین، پھر معجزون کی نامعتبر روایات کی تنقید کا باب ہے، اور اس کے بعد وہ بشارات نبویہ ہین جو صحف سابقہ مین موجود ہین، اور جنکے حوالے قرآن مجید و حدیث مین مذکور ہین، اور آخر مین خصائص محمدی کا باب ہے،

طبع اوّل تقطیع کلان، ضخامت ۵۹۶، قیمت باختلاف کاغذ عہ/ سے /

"منیجر"

ہندوستان کی معاشی حالت پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا اثر،

از

مولوی ابو الخیر صاحب مودودی، رکن دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ

ذیل کا دلچسپ اور پر از معلومات مضمون آیا ہوا، کاغذات مین پڑا رہ گیا تھا، صاحب مضمون کی داد دینی چاہیے کہ انھون نے "صبر ایوبی" سے کام لیا، اور دستور زمانہ کے مطابق انھون نے اسکی اشاعت کا کبھی تقاضا نہین کیا، آج ہم اس امانت کو اصل مالکون (ناظرین) تک پہنچانے کا فرض ادا کرتے ہین، صاحب مضمون بہتر ہوتا، اگر اس کے اصل ماخذ کا پتہ بھی بتا دیتے، کہ حوالہ اور مزید استفادہ مین آسانی ہوتی،

"معارف"

کمپنی کی ابتدا | سولہوین صدی کا آخری دن، انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی کا پہلا دن تھا، انگلستان کے تاجر مشرق کی زرخیز منڈی، اور خاصکر ہندوستان کی بے پایان دولت کے افسانے سن سنکر للچا رہے تھے، جس پر ایک صدی سے ان کا بحری رقیب (پرتگال) بلا شرکت غیرے قابض تھا، اور اس کی زبردست قوت ان کی نوخیز جوشیلی امنگون کو طعن دلا رہی تھی کہ یہ بھی اپنے استعمار بحری کی کوششون کا مرکز اسی کے ساحلون کو بنائین، اگرچہ انگریز تاجرون کے کاروبار جزائر شرق الہند مین اب بھی پھیلے ہوئے تھے، لیکن اوّل تو اتنے دور دراز مقامات مین تجارت کی انفرادی کوششون کے لیے کامیابی کے مواقع بہت کم تھے، دوسرے اس زمانہ مین پرتگال مشرق کا تنہا بحری مالک

بنا ہوا تھا، جس کی منتظم قوت کے مقابلہ مین انگریز تاجرون کی انفرادی جد وجہد کسی طرح بار آور نہین ہوسکتی تھی، اسلیے لندن کے انگریز تاجرون نے یہ محسوس کیا کہ انھین متحدہ قوت اور سرمایہ سے باقاعدہ تجارت کرنی چاہیئے، اور حکومت سے علاوہ تجارت کی اجازت کے جان و مال کی حفاظت کے لیے دفاعی قوتین رکھنے کا بھی اختیار حاصل کرنا چاہیئے، اس زمانہ مین انگلستان کے تخت پر ملکہ الزبتھ متمکن تھی، جو اپنی قوم کو دنیا کے چپہ چپہ پر پھیلا ہوا اور آباد و خوش حال دیکھنا چاہتی تھی، اس نے انگریز تاجرون کے اس ترقی خواہ شوق کی قدر کی، اور ۳۱ دسمبر ۱۶۰۰ء کو اپنی قوم کی عزت، رعایا کی دولت، جہازرانی کی ترقی اور مرتب و منتظم تجارت کے ذریعہ دولت عامہ کے ازدیاد کی خاطر کمپنی کو ایک منشور عطا کیا، جو راہ ترقی مین انگریز قوم کا پہلا مگر مضبوط ترین قدم تھا، اور جس کا نتیجہ ہندوستان پر برطانی حکومت ہے، یہ کمپنی لندن کے (تقریباً) ۲۰۰ تاجرون نے ارل آف کمبرلینڈ کی رہنمائی مین ۷۰ ہزار پاؤنڈ کے سرمایہ سے قائم کی تھی، اور اس کا نام "جزائر شرق الہند مین تجارت کرنے والے لندن کے گورنر اور تاجر" تھا، کمپنی کو اس منشور کی رو سے، راس امید سے میجلان کی آبناؤن تک، (عیسائی حکومتون کے مقبوضات کو چھوڑکر) تمام آبادیون مین تجارت کی اجازت ملگئی، انفرادی تجارت بند کردی گئی، اور ان انگریز تاجرون کو جو بحر ہند مین کمپنی سے علٰحدہ رہ کر تجارت کر رہے تھے تاج کا نافرمان قرار دیا گیا، اسی کے ساتھ کمپنی کو جنگی جہازون، بحری فوج اور سامان جنگ کے متعلق بھی خاص رعایتین عطا کین، اور یہ حق بھی دیا کہ جو انگریز تاجر بحر ہند مین انفرادی تجارت کرتے پائے جائین، ان کا مال و متاع معہ جہازون کے ضبط کرلے،

کمپنی کا کام کمپنی نے منشور حاصل کرتے ہی سواحل ہند کے ادنی افسرون سے ملکر مختلف مقامات پر کاروبار پھیلا دیئے، اور پھر جگہ بجگہ زمینین لے لے کر کوٹھیان، بحری اسٹیشن، اور مال گودام بنانے شروع کر دیئے لیکن بغیر شاہی حکومت کی اجازت کے، اس طرح زیادہ مدت تک کام نہین چل سکتا تھا، اور کاروبار مین ترقی و توسیع کی تو بالکل کوئی صورت ہی نہ تھی، اس لیے کمپنی نے اپنی ملکہ سے شہنشاہ اکبر کے دربار مین سفارت بھیجنے کی درخواست کی، سر جان ملڈن ہال، الزبتھ کا پہلا سفیر تھا جو ۱۶۰۳ء مین آگرہ پہنچکر ۱۶۰۸ء تک مقیم رہا،

بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اکبر سے ویسی ہی مراعات حاصل کرنے مین کامیاب ہوگیا تھا جیسی مراعات کچھ عرصہ قبل دولت عثمانیہ سے انگریز تاجرون کو حاصل ہوچکی تھین، لیکن یہ بات قابل اعتبار نہین ہے، ملڈن ہال کے بعد ہاکنس، کیننگ، کیرج اور ایڈورڈ کیے بعد دیگرے سفیر ہوکر آئے، مگر وہ مشرق کے درباری آداب سے ناواقف ہونے کے باعث کوئی اثر پیدا نہ کرسکے، آخر ۱۶۱۵ء مین چارلس اول نے سر تھامس رو کو سفیر مقرر کرکے بھیجا، وہ اس سے پہلے عثمانی دربار مین رہ کر مشرقی آداب سے واقف ہوچکا تھا، اس لیے وہ بہت کامیاب رہا، اور اس نے جہانگیر کی حکومت مین اچھے اثرات پیدا کرکے انگریزی تجارت کے لیے بہت سی رعایتین حاصل کرلین،

اتفاق سے اسی زمانہ مین کچھ ایسے اسباب پیدا ہوگئے، جنھون نے مغل فرمانرواؤن کو ان کی طرف مائل کردیا، پرتگالی قوار بحری ایک عرصہ سے بحر ہند مین پھیلے ہوئے تھے، اور ہمیشہ ہندوستان کے ساحلون پر چھاپے مارتے رہا کرتے تھے، حکومت مغلیہ اپنے انتہائی عروج کے زمانہ مین بھی، سمندرون مین کمزور تھی، اسلیے ان قزاقون کا تدارک اسکی قدرت سے باہر تھا، اسکی وجہ سے یہان کی بحری تجارت بالکل برباد ہورہی تھی، اور حج کی راہ بھی اتنی پرخطر ہوگئی تھی کہ صرف وہی لوگ طواف کعبہ کا ارادہ کرتے تھے جنھین راہ حج مین شہادت کی تمنا ہوتی تھی، ایسی صورت مین نوخیز انگریزی قوت کا ہندوستان کے ساحلون پر نمودار ہونا بہت بروقت تھا، جو حسن اتفاق سے پرتگال کی رقیب تھی، اس پر انھون نے ساحلی حاکمون سے اپنا اس طرح تعارف کرایا کہ ۱۶۱۲ء کے اواخر مین) پرتگالیون کے ایک زبردست بیڑے کو اپنی مختصر سی قوت سے تاپتی کے دہانہ پر شکست فاش دے کر بھگا دیا، مغلئی حاکمون پر ان کی اس فتح کا بہت اچھا اثر ہوا، انھین پرتگال کے بحری قزاقون کا قلع قمع کرنے کے لیے جس قوت کی ضرورت تھی، وہ ان مین موجود تھی، اسلیے وہ انھین ایک کارآمد قوم سمجھنے لگے، اور بندرگاہ سورت، کیمبے، گوگو، اور احمد آباد مین کوٹھیان بنانے کی اجازت دیدی،

پرتگالیون نے ۱۶۱۳ء مین اس ہارے ہوئے میدان کو پھر جیتنا چاہا، اور اپنی ساری قوتین جمع کرکے پھر اسی جگہ لڑائی کی ٹھانی، جہان شکست کھائی تھی، انگریزون مین اس مقابلہ کا بالکل دم نہ تھا، مگر قسمت نے

ان کی مدد کی، پرتگالیون نے حماقت سے دریا کے کنارے پر رگیستانی سواحل کے پر پیچ رستون مین اپنی زبردست قوت کو آوارہ کرکے برباد کردیا، یہ دیکھ کر انگریزون کی ہمتین بڑھ گئین، اوران کی مٹھی بھر فوج نے پرتگالیون کو ایسی شکست دی جو نومبر ۱۶۱۲ء کی شکست سے بھی زیادہ فاش اور فیصلہ کن تھی، اس کے بعد بحر عرب مین پرتگال کی قوت روز بروز کمزور ہوتی گئی آخر ۱۶۳۲ء کی آخری شکست نے میڈرڈ کا صلح نامہ مرتب کرایا، جس مین پرتگال نے مشرق کا میدان بالکل ہار دیا، اور انگلستان کے لیے ہندوستان کی تجارت کا رستہ بہت کچھ صاف کردیا،

کمپنی کی ترقی | پرتگالیون کو شکستین دے کر ان کی بحری قوت کو توڑ دینے کی وجہ سے کمپنی کو مغلون کی بحری پولیس کا درجہ حاصل ہوگیا، اور اس پوزیشن نے اسے فطری چالاکیون کے باعث ہندوستان کے ساحلون کا مالک بنا دیا، پہلی ہی کوشش مین ایک اچھا بحری موقف (سورت) اس کے ہاتھ آگیا تھا، مگر یہ برابر اسی کوشش مین لگی رہی کہ تمام اچھے اچھے ساحلی اور غیر ساحلی مقامات مین اپنی کوٹھیان قائم کردے، اور بالآخر اس مین کامیاب ہوئی ۱۶۱۶ء مین زمیرین نے اپنے پایۂ تخت کالی کٹ مین جگہ دی ۱۶۳۳ء مین ہگلی پر کوٹھی قائم کرنے کی اجازت ملی، ۱۶۲۶ء مین مدراس سے ۱۰ میل اوپر ارگیمان مین کوٹھی اور قلعہ بنانے کی منظوری ملی، ۱۶۲۴ء مین ہبلی (بنگال) مین تجارتی مرکز قائم کرنے کا فرمان ملا، اور ۱۶۳۹ء مین چندرگری کے راجہ سری رنگا رائیل نے فرانسس ڈے کو ترچناپلی مین قلعہ بنانے کی اجازت دی، جو سینٹ جارج کے نام سے مشہور ہے، اور جسے موجودہ شہر مدراس کا بنیادی پتھر کہنا چاہیئے پھر ۱۶۶۱ء مین چارلس اول نے پرتگال کی شہزادی کیتھرائن برگانزا سے شادی کرکے جہیز مین بمبئی کا بہترین قدرتی بندرگاہ حاصل کیا، اور فوراً ہی ۱۰ پونڈ سالانہ (لگان) پر کمپنی کو دے دیا، اس کے بعد ۱۶۹۰ء مین جاب چرنک نے فورٹ ولیم تعمیر کیا، جو ترقی کرکے کلکتہ کا عظیم الشان شہر بنگیا،

مقبوضات کی تنظیم | اس روز افزون ترقی و کامیابی نے کمپنی کے حوصلے بہت بڑھا دیئے اور اب اس نے

تمام کوٹھیون کے ساتھ تھوڑے تھوڑے علاقے ملحق کرکے ان کو بحری استحکامات سے مستحکم کرنا شروع کر دیا، اس کو سرانجام کرکے اپنے مقبوضات مین چھوٹی چھوٹی حکومتین قائم کین، اور مدراس و بمبئی کو ان کا مرکز قرار دیا، ان مین ایک کے ماتحت مشرقی ساحل تھے اور دوسری کے ماتحت مغربی، بات یہ تھی کہ یہ مقامات دارالسلطنت سے بہت دور تھے، اور حکومت کو ان کی طرف کچھ زیادہ توجہ بھی نہ تھی، اسلیے یہان کمپنی کو من مانے عمل دخل کا موقع مل گیا، مگر بنگال کے علاقہ مین اسکی گنجائش نہ تھی، کیون کہ وہان حکومت کی قوت پوری طرح مضبوط تھی، اور اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ نمائی گورنر کے ماتحت محدود تجارت کرے،

یورپین حریف قومین کمپنی نے جب ہندوستان کے ساحلون پر قدم رکھا تو یہان بحری تجارت کا میدان اس کے لیے خالی نہ تھا، بہت سی یورپین قومین اسکی حریف تھین؛ معاملات مین دوست دشمن تھے، کمپنی کو کامل ڈیڑھ سو برس اپنے ان حریفون سے مقابلہ کرنے پڑے، اور بالآخر وہ نہایت شدید معرکون کے بعد اپنا تفوق قائم کرنے مین کامیاب ہو گئی، یہ معرکے جن حریف رقیبون سے ہوئے ان مین ڈچ، پرتگیز اور فرنچ خاص طور پر نمایان ہین،

سترہوین صدی کے اوائل مین ڈنمارک نے مشرقی تجارت کا حصہ دار بننا چاہا، اور ۱۶۱۷ء مین ایسٹ انڈیا کمپنی قائم کرکے کاروبار شروع کر دیا، مگر تھوڑے ہی دنون مین تجارت نے مذہبیت اختیار کر لی، اور ڈچ پادری ٹرانکیبار، تنجور، بالاسور اور سیرام پور وغیرہ مین مذہبی تبلیغ کرنے لگے، تاہم ان لوگون نے نہایت عمدہ اصولون پر تجارت کی، اور اگر مرکزی حکومت کمپنی پر قبضہ کرکے نااہل منتظم مامور نہ کرتی، تو بہت ممکن تھا کہ یہ کمپنی برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کا چراغ نہ جلنے دیتی،

دوسری حریف قوت پرتگال تھی، جو ایک صدی سے بحر ہند کی تجارت پر قابض تھی، لیکن اس کے مذہبی تعصب لوٹ مار، قتل و غارت اور وحشیانہ برتاؤ نے ملک و حکومت کو اس سے متنفر کر دیا تھا، اس لیے سواحل ہند پر انگریز کمپنی کے نمودار ہوتے ہی پرے تپاک سے اس کا خیر مقدم کیا گیا، اور اس طرح

یہ آغاز ہی مین اپنے ایک زبردست حریف کو دبا لینے مین کامیاب ہوگئی،

لیکن انگریزی تفوق کے سب سے زیادہ حریف فرانسیسی ثابت ہوئے، پہلے پہل ۱۶۶۸ء مین فرنچ ایسٹ انڈیا کمپنی نے سورت اور گول کنڈہ مین کوٹھیان بنائین، پھر ۱۶۷۲ء مین پانڈے چری کو خرید کر وہان قلعہ اور کوٹھی تعمیر کی، انگریزون کی طرح ان کا مطمح نظر بھی یہی تھا کہ ہندوستان کی بحری تجارت پر قبضہ کرین، اور بحر ہند مین کسی ایسی قوت کو نہ رہنے دین جو کسی وقت ہمارے تفوق کو چیلنج دے سکے، یہان دونون مین یہ خیال تھے کہ وہان دونون کے درمیان ایک طویل جنگ جاری ہوگئی، جس کے بہانے تو بہت تھے، مگر اصل مقصد وہی بحری و بری تفوق تھا، اس وقت فرانس کی استعماری پوزیشن ہر جگہ بہت بڑھی ہوئی تھی، جسے دیکھ کر ولیم آرنج کو رشک پیدا ہوا، اور اس نے فرانس کی استعماری کامیابیون کو روکنے کے لیے دول یورپ سے ساز باز کیے، جس کا نتیجہ جنگ صد سالہ (۱۶۸۹ تا ۱۷۸۳) تھا، یہ عداوت ہندوستان کے انگریز اور فرنچ تاجرون مین بھی منتقل ہوئی، وہ ایک دوسرے کے خلاف کوشین اور سازشین کرنے لگے، مگر ۱۷۴۰ء تک دونون کے درمیان کوئی اہم تصادم نہین ہوا حالانکہ یورپ مین ایک دو جنگین (ہشت سالہ ۱۷۴۸ء تا ۱۷۶۹ء اور یازدہ سالہ ۱۷۰۲ء تا ۱۷۱۳ء) ہو چکی تھین، اور تیسری کی طیاری تھی آخر یہان بھی دلون کے غبار نکلے کرناٹک کے مسئلے نے دونون آتشگیر مادون کو ٹکرایا، اور ۲۰ برس کے لیے جنوبی ہند کو آتش زار بنا دیا، کرناٹک کی پہلی جنگ ۱۷۴۶ء مین شروع ہوئی، (یہ وہ زمانہ تھا جب یورپ کے میدان مین انگلستان، آسٹریا کی حمایت مین لڑ رہا تھا) اور ٹھیک اس زمانہ مین ختم ہوئی جب یورپ مین ایکس لاچیپل کی صلح (۱۷۴۸ء) ہوئی، اس لڑائی مین فوجی تصادم کے لحاظ سے اگرچہ فرانسیسی کامیاب اور انگریز ناکام تھے، مگر نتائج کے اعتبار سے غالب و مغلوب دونون برابر تھے، فرانسیسیون کی کامیابی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کا قائد اعظم ڈوپلے ایک مدبر جنرل تھا، اور اس نے ہندوستانی سپاہیون کو فرنچ طریقہ پر تربیت دے کر اپنی قوت بہت بڑھالی تھی، دوسری جنگ ۱۷۴۹ء مین شروع ہوئی، اب کے انگریزون کے پاس کلائیو جیسا پیدائشی جنرل

تھا، اور فرنچ گورنمنٹ نے ڈوپلے کی راہ مین انتہائی مشکلات پیدا کرکے اسے بالکل نہتا کر دیا تھا، اس لیے انگریز غالب اور فرانسیسی مغلوب تھے، انھون نے ترچناپلی مین ہتیار ڈالدیئے، (۱۷۵۴ء) لیکن فرنچ گورنمنٹ کی آنکھین اس کے بعد بھی نہ کھلین، اس نے ۱۷۵۴ء مین ڈوپلے کو واپس بلا لیا، اور اسکی جگہ ایک ایسا نااہل گورنر بھیجا، جس مین نہ حالات کو سمجھنے کی صلاحیت تھی، نہ قوتِ عمل، اس کا نقطۂ نظر بالکل تاجرانہ تھا، اور وہ اس اصول سے قطعاً بے خبر تھا کہ ایک ایسی قوم کے مقابلہ مین جو تلوار سے اپنا تجارتی تفوق قائم کرنا چاہتی ہو، صرف تلوار ہی سے اپنی تجارت کو قائم رکھا جا سکتا ہے، اس کے بینے پن اور فرنچ گورنمنٹ کی کمزور پالیسی نے فوراً اپنا اثر دکھایا، ڈوپلے کے جاتے ہی سانڈرس کی گورنمنٹ نے اعلان جنگ کر دیا، کرناٹک کی تیسری جنگ بھی اپنے فیصلہ کن نتائج کے ساتھ شروع ہوگئی (جنوری ۱۷۶۰ء) اور سر آئرکوٹ نے وانڈی واش پر فرنچ قوت کو بالکل توڑ دیا، پھر ۱۷۶۱ء مین ایرکوٹ کے آگے فرنچ انڈیا کا دارالحکومت (پانڈے چری) بھی تسلیم کر دیا گیا، اور آخر ۱۷۶۳ء کی صلح پیرس پر کرناٹک کی جنگ معہ ڈوپلے، بسی، اور لالی کی پریشان خوابیون کے ختم ہو گئی،

اب ہندوستان انگریزون کے تمام یورپین حریفون سے خالی تھا،

کمپنی کا مقصد لیکن باوجود ان فوجی کارروائیون کے نہ صرف سترہوین بلکہ اٹھارہوین صدی کے اوائل تک انگریزون کو ہندوستان پر حکومت کرنے کا خیال نہ تھا، اور نہ مغلون کی عظیم الشان قوت کی موجودگی مین انھین اپنے چند جنگی جہازون پر اتنا غرہ ہو سکتا تھا، ایک صدی تک ان کا مقصد محض تاجرانہ تھا، اور ان کی ساری کوششین اسی مقصد کی کامیابی مین مرکوز تھین، وہ اس سے زیادہ کچھ اور نہ چاہتے تھے کہ بھر ہند سے تمام یورپین رقیبون کو نکال کر ہندوستان کی تجارت کو اپنے لیے مخصوص کر لین،

لیکن پھر سوال یہ ہے کہ یہ تجارتی مقصد حکومت اور ملک گیری کی صورت مین کیسے بدل گیا؟ یہ مسئلہ ہندوستان کی تاریخ کا ایک دلچسپ باب ہے، مگر یہان اتنی گنجائش نہین ہے کہ اس پر تفصیلی

بحث کیجائے، یہ گفتگو ایک مستقل صحبت چاہتی ہے، یہان قارئین کرام کے لیے اتنا اشارہ کافی ہے کہ یہ مطمح نظر انگریزون کا اپنا نہ تھا، بلکہ ایک فرنچ مدبر سپاہی کا تھا، جس نے متخیلۂ دماغ مین فرنچ امپائر کا قصر تعمیر کرنے کا منصوبہ باندھا تھا، انھون نے یہ عظیم الشان سلطنت اسی کے نظام عمل کو دیکھ راہ بنا کر حاصل کی ہے،

دولت مغلیہ کا تنزل ۱۷۰۷ء مین، اورنگ زیب کی آنکھ بند ہوتے ہی دولت مغلیہ جسم بے جان ہو گئی، اورنگ زیب نے اس پورے ملک کو ایک علم کے نیچے لانے کے لیے جو زبردست کام شروع کیا تھا، موت نے اس کے سرانجام سے پہلے ہی مستقبل کے آگے اسکو سر جھکانے پر مجبور کر دیا، اس کے بعد اس کے جانشینون مین ایک بھی ایسا نہ ہوا، جو مزید فتوحات نہ سہی، کم از کم اپنی حاصل منزلت ہی کو قائم رکھ سکتا، آخر اصل کارفرما قوت کے روز افزون ضعف سے سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا، نئی نئی قوتین ابھرنے لگین، سارا ملک خود مختاری و لامرکزیت کے جراثیم سے ماؤف ہو گیا، شاہی دربار کی بدعنوانیون سے صوبہ دارون کو خود مختاریون کے اعلان پر مجبور ہو جانا پڑا، دکن مین نظام الملک آصف جاہ نے، اودھ مین سعادت علی خان برہان الملک نے، اور بنگال مین جعفر خان مرشد قلی نے اپنی اپنی آزاد حکومتین قائم کین، مرہٹون کی نوخیز منچلی قوت جس کو پوری طرح کچلنے سے پہلے اورنگ زیب کا انتقال ہو گیا تھا، پھر ابھری، اور اس شد و مد سے ابھری کہ سارے ملک مین پھیل گئی، اور اگر پانی پت کے میدان مین احمد شاہ ابدالی سے ٹکرا کر پاش پاش نہ ہو جاتی تو شاید آج سارا ہندوستان اسی کی رونق مین ہوتا، پنجاب مین سکھون کی جوان قوت نے غیر معمولی جنگی روح کے ساتھ جنم لیا، اور بدامنی کا ایک مستقل سلسلہ قائم کر دیا، غرض ایک طرف سارا ہندوستان خود مختاریون، اور نئی نئی قوتون کے باہمی تصادم سے پامال ہو رہا تھا، اور دوسری طرف دہلی شاہجہانی تخت پر ایسے کمزور و آرام طلب بادشاہ متمکن تھے جو بادشاہ گر جنرلون، خود غرض وزیرون، نکمے امرا درباریون اور محلسرا کی عورتون کے ہاتھون مین کٹھ پتلی کی طرح حرکت کرتے تھے،

تجارت سے ملک گیری ان حالات مین ایک امنگون بھری نوخیز قوت کے لیے کسی زرخیز ملک کو فتح کرنے کا

خیال ایک فطری بات ہے، فرنچ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹر جنرل، ڈوپلے نے اس موقع سے بہترین فائدہ اٹھانے کے لیے ہندوستان کی حریف قوتون کو "تفریق وحکومت" کے اصول پر باہم ٹکرانے اور حکومت کرنے کی اسکیم طیار کی، اس نے ایک حکومت کے دو دعوے دارون مین سے کمزور کا ساتھ دینے اور اس کو برائے نام تخت پر بٹھا کر عملاً خود حکومت کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا، اور اس مین خاصا کامیاب رہا، لیکن انگریزون کا ستارہ عروج پر تھا، فرنچ گورنمنٹ نے اپنے لیے یورپ کے میدان کو زیادہ مفید سمجھا اور ڈوپلے کو واپس بلا لیا، مگر انگریزون نے تجویز کے اس نقشہ پر پورا پورا عمل کیا، اور اسی مین اپنی تمام قوتین مرکوز کر دین، جسکا نتیجہ صرف یہی نہین ہوا کہ فرنچ قوت کا ہندوستان سے کلیتہً استیصال ہوگیا، بلکہ اسکی وجہ سے انگریز قوم سارے یورپ کے علی الرغم ایک شاندار مستقبل کے حاصل کرنے مین کامیاب ہوگئی،

غاصبانہ فتوحات کمپنی نے اس سلسلہ مین پہلا ہاتھ بنگال پر مارا، جو اسکی تمناؤن کا دیرینہ کاشانہ تھا، اور ۱۷۵۷ء مین سراج الدولہ کو آخری شکست دے کر بنگال، بہار، اور اڑیسہ کو ٹھیکہ پر دینے لگی، پھر ۱۷۶۵ء مین شاہ عالم ثانی سے "دیوانی" کی سند لیکر نوابی کا برائے نام سلسلہ بھی ختم کر دیا، ۱۷۷۵ء مین نواب آصف الدولہ سے بنارس کا علاقہ لے کر راجہ چیت سنگھ کو آئے دن کے گرانقدر مطالبون سے تنگ کر دیا، اور جب اس نے انکی ادائی سے معذوری ظاہر کی تو معزول کر کے قید کر دیا، میسور کی زبردست قوت، جو یکے بعد دیگرے حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی قیادت مین کمپنی کے لیے ایک زبردست خطرہ تھی، ۱۷۹۹ء مین ٹیپو کی جان کے ساتھ ختم ہوگئی، سعادت علی خان شجاع الدولہ کو طرح طرح سے مجبور کیا کہ وہ اپنے ملک کا پورا انتظام کمپنی کے حوالہ کر دے یا کم از کم اس کا نصف حصہ ہی انگریزی کنٹنجنٹ کے اخراجات کے لیے دیدے، اور آخر زبردستی اسی دوسری بات کو منوا کر ۱۸۰۱ء مین علاقۂ دوآبہ پر قبضہ کر لیا، کرناٹک کے نواب محمد علی کے مرتے ہی اسکی ریاست پر قبضہ جمایا، اور جب اس کا بھائی اپنے حق سے دست بردار ہونے پر طیار نہ ہوا تو ایک دوسرے دعویدار کو کھڑا کر کے اسے پنشن لیکر چپ ہو رہنے پر مجبور کر دیا، فرخ آباد کا نابالغ نواب بلوغ کو پہنچنے والا ہی تھا

کہ زبردستی اسکی پنشن کرکے ریاست کو اپنے انتظام مین لے لیا، ۱۸۱۷ء مین مرہٹون کی طوفانی قوت بھی غبار ہوگئی، پیشوا، بھونسلا کے وسیع علاقے بمبئی اور صوبہ متوسط کے ساتھ ملحق ہو گئے، سندھیا، ہلکر، گیکواڑ نے برطانی اطاعت قبول کرلی، اس کے بعد ۱۸۴۹ء مین پنجاب بھی قبضہ مین آگیا، اور پھر ۱۸۵۷ء مین وہ آخری کانٹا بھی نکل گیا جو اگرچہ ہندوستان پر انگریزی تسلط کی تکمیل مین کچھ بھی حارج نہ تھا مگر تاہم سنگ راہ تھا، اور اس لیے وجہ خلش تھا،

الفاروق

علامہ شبلی

حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت، اگرچہ مسخ شدہ صورت مین معمولی کاغذ پر اس گران پایہ کتاب کے بیسیون اڈیشن فروخت ہو رہے ہین، مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ ایڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام و سعی بلیغ سے اس کا نیا ایڈیشن تیار کرایا ہے، جو حرف بحرف نامی پریس کانپور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت، اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مطلا ٹائیٹل، ضخامت ۳۱۲ صفحے، قیمت للہ

المامون

علامہ شبلی

خلیفہ مامون الرشید کے عہد سلطنت کے حالات، اب تک اس کے بازاری نسخے عام طریقے سے فروخت ہوتے تھے، اب مطبع معارف نے خاص اہتمام سے طبع کرا کے شائع کیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی بہترین ہے، ضخامت ۲۲۴ صفحے قیمت عجالۃً

"منیجر"

سوشیالسٹ حکومت

از

مولانا عبدالسلام صاحب ندوی،

(۳)

سوشیالزم اگر سوشیالسٹ گروہ کی خواہشوں کے مطابق کامیاب ہوگئی، تو ایک ایسی جمہوری حکومت قائم ہو جائے گی، جس سے بہتر جمہوریت کا تخیل قائم نہیں کیا جا سکتا، لیکن اس حالت میں اصلی سوال یہ ہے کہ سوشیالزم کے اصول مساوات اور اصول جمہوریت میں باہم توافق و اتحاد ہو سکتا ہے یا نہیں؟

فلسفہ طبعی کا یہ ایک متداول مسئلہ ہے کہ جب ماحول میں بتدریج مستمراً تغیر پیدا ہوتا ہے، تو اس سے انسانی، حیوانی اور نباتاتی زندگی میں بھی تغیر پیدا ہو جاتا ہے، ماحول کا ایک فوری اور کلی تغیر تو بے شبہہ ہلاکت و بربادی کا سبب ہوتا ہے، لیکن استمراری طور پر خفیف تدریجی تغیرات سے ترقی و نشو و نما ہوتی ہے،

فطرت کا یہ ایک ابدی قانون ہے اور وہ صرف محسوسات ہی پر نافذ نہیں ہے، بلکہ اجتماعی زندگی پر بھی حاوی ہے، اسلیے فتوحات و محاربات سے اجتماعی زندگی میں جو فوری اور کلی تغیر پیدا ہو جاتا ہے، وہ جس طرح تمدن و تہذیب کو تباہ و برباد کر دیتا ہے، اسی طرح ایک مستمر اور تدریجی تغیر جو مختلف اسباب کا نتیجہ ہوتا ہے تمدن و تہذیب میں ایک ایسا معتدل لطیف اور لچکدار تغیر پیدا کرتا رہتا ہے، جس سے انسان نہایت آہستہ آہستہ اس جدید تمدن کے لیے اپنے آپ کو موزون بنا لیتا ہے، آج تک دنیا کے قدیم اور دنیائے جدید میں اسی اصول کے مطابق، غیر محسوس طور پر تدریجی تعلق پیدا ہوا ہے لیکن اس زمانے میں علمی اختراعات اور صنعتی تغیرات نے موجودہ فضا میں ایک ایسا غیر معمولی کلی اور فوری تغیر پیدا کر دیا ہے، جسکی نظیر سے دنیا

کی تاریخ خالی ہے، کیونکہ یہ تمدنی فضا اس قدر جلد بدل گئی ہے کہ انسان کو اسقدر کافی وقت نہین مل سکا ہے، جس مین وہ اپنے آپ کو اس کے لیے موزون بنا سکے، اس لیے ایک فوری اور کلی تغیر وانقلاب کی مہلک صورت پیدا ہو گئی ہے، اسلیے جو قدیم تمدنی اصول، دنیائے جدید کے تو پیدا تمدنی اصول کے ساتھ تدریجاً توافق واتحاد پیدا کر لیتے تھے، اب باہم مناقض اور حریف نظر آتے ہین، اور دنیائے جدید دنیائے قدیم سے بالکل الگ اور بے میل ہو گئی ہے، لیکن بہرحال اتنا یقینی طور پر معلوم ہے کہ اجتماعی زندگی کوئی مصنوعی چیز نہین ہے بلکہ اس کو بھی اسی قانون نے پیدا کیا ہے، جو انسانی، حیوانی اور نباتاتی زندگی کو عالم وجود مین لایا ہے، اور وہی قانون اپنی ہلاکت آفرین صورت مین اس کو تباہ و برباد بھی کر سکتا ہے، لیکن شورش فرانس کے زمانے تک علوم جدیدہ نے بہت کم ترقی کی تھی، اسلیے اس شورش کے بانیون نے فلاسفہ کے خواب وخیال کو حقیقت سمجھ کر "اصول انسانیت" کی تائید کی، اور بڑی بڑی عمارتون پر حریت، مساوات اور اخوت کے دلفریب الفاظ کندہ کئے، یہ اصول قائم کرلئے کہ "انسان کی فطری حالت یہی تھی" اور "انسان کی فطری اصلاح کا یہی طریقہ ہے"، تمدن نے بے شبہہ اس فطری حالت کو بدل دیا ہے، لیکن خود اس ظالمانہ اور غیر مساویانہ تمدن کو بدلا جا سکتا ہے، گویا ان کے نزدیک تمدن ایک مصنوعی چیز تھا جسمین قانونی وسیاسی حیثیت سے تغیر و انقلاب پیدا کیا جا سکتا تھا، لیکن مسئلۂ ارتقا نے ان کے ان مساویانہ نظریات وخیالات کو دفعتہً متزلزل کر دیا کیونکہ اس مسئلہ سے نہایت واضح طور پر یہ ثابت ہو گیا کہ دنیا مین ایک دائمی جنگ قائم ہے، جو ضعیفون کو ہمیشہ تباہ و برباد کرتی رہتی ہے، اور گویہ ایک نہایت ظالمانہ اور خونریز جنگ ہے، لیکن اسی سے دنیوی ترقی وابستہ ہے، اور اگر اس کا وجود نہ ہوتا تو انسان دورِ وحشت سے نکلکر تمدنی مرغزارون مین گلگشت کرتا ہوا نظر نہ آتا،

اس فطری جنگ کی بنا پر قوانینِ فطرت سے زیادہ کوئی چیز شخصیت پسند نہین، اسلیے ایک شخص نے کس قدر سچ کہا ہے کہ:-

جس طرح انتخاب، انواع کا اصول ہے، اُسی طرح شخصیت اجتماع انسانی کا قانون ہے۔

لیکن یہ خوبصورت علمی نظریہ جمہوری اصول محبت واُخوت کے دلفریب خواب سے، بالکل مختلف ہے، اور ان دونوں مین بظاہر کسی طرح توافق و اتحاد نہین پیدا ہوسکتا، لیکن باین ہمہ یہ تناقض و تضاد صرف نظری حیثیت رکھتا ہے، عملی طور پر اگر جمہوریت کی صحیح تعریف کردیجاے تو ان دونون مین کوئی اختلاف باقی نہین رہتا کیونکہ مسئلۂ ارتقا کے موافق جمہوریت بھی شخصیت پسند واقع ہوئی ہے، یعنی وہ انسان کے بہترین اوصاف کا جنمین حسب ونسب کا ظاہری شرف بھی شامل ہے، انتخاب کرتی ہے، اس لیے وہ بھی قدیم شخصی حکومتون کی طرح انسانون کے منتخب برگزیدہ، اور طاقتور گروہ کو ترجیح دے کر قانون فطرت کے ساتھ توافق واتحاد پیدا کرلیتی ہے، لیکن اس حقیقت کے واضح کرنے کے لیے ہم کو جمہوریت کی لفظی تعریف کو چھوڑکر اسکی روح سے بحث کرنی چاہیئے، اور موسیو (بورجیہ) نے اس روح کی تشریح ان الفاظ مین کی ہے،

"شخصیت اکابر کی ایک مختصر سی جماعت کو نمایان کرتی ہے، اور جمہوریت جمہور کی تہذیب وتربیت کرتی ہے، اور ان کی زندگی کو ترقی دیتی ہے، اسلیے شخصیت خواص کی ایک جماعت کو جو ہزاردن فرمانبردار لوگون کا خلاصہ ہوتی ہے، پیدا کرتی ہے، اور جمہوریت ایک ایسے اجتماع عام کو عالم وجود مین لاتی ہے جس مین عمل، اور عمل کی پیدا کردہ نعمت انسانون کی ایک بہت بڑی تعداد پر تقسیم ہوجاتی ہے"

اس بنا پر علمی اور نظری حیثیت سے جمہوریت اصولاً حقوق وآزادی مین کامل مساوات پیدا کرتی ہے لیکن اس مساوات سے طاقتور لوگون کے سوا دوسرا کون متمتع ہوسکتا ہے؟ اُن لوگون کے سوا جو لوگ موروثی قابلیت رکھتے ہین، اور تربیت اور دولت نے جنکی اس قابلیت کو ترقی دی ہے ان کے سوا ان حقوق کا حق دار کون ہوسکتا ہے؟ بلکہ جمہوری حکومت مین ان لوگون کے انتخاب کی شخصی حکومت سے بھی زیادہ گنجائش نکل آتی ہے، اسلیے اجتماعی زندگی مین جمہوریت اور ہر قسم کے طرز حکومت سے زیادہ ناہمواری پیدا

کرتی ہے، شخصی حکومت تو صرف یہ کرتی تھی کہ جو محدود نامہواری پہلے سے موجود تھی اسکو قائم رکھتی تھی، لیکن جمہوریت ایک غیر محدود نامہواری پیدا کرکے صرف منتخب برگزیدہ اور طاقتور لوگون کو فائدہ پہنچاتی ہے کیونکہ قدیم زمانے کی شخصیت جس طرح مخصوص موروثی اوصاف کی بنا پر انسانون کے مختلف مدارج اور مختلف طبقات قائم کردیتی تھی، بعینہ اسی طرح جمہوریت بھی اسی قسم کے مدارج اور طبقات قائم کردیتی ہے، چنانچہ موسیو (تارو) فرماتے ہین،

"ہمارے نظام جمہوریت کی طرح ہر جمہوری نظام مین مستقل و مستمر مدارج، یا نوپیدا مراتب یقینی طور پر پائے جاتے ہین اور اب جو چیز قدیم حسب کی قائم مقام ہوگئی ہے، اس سے واقف ہونا دشوار نہین ہے کیونکہ یہ چیز ان دفتری مراتب کا سلسلہ ہے جو اپنے مختلف مدارج کے لحاظ سے نہایت پیچدار ہوگیا ہے، اور وہ جنگی سلسلہ بھی اسی کی ایک کڑی ہے جسکو موجودہ زمانے مین یورپ کی حکومتون نے مجبوراً عام فوجی نظام کے قالب مین ڈھال لیا ہے، پادریون، امیرون، رہبانون، شرفاون، گرجون، اور قدیم یادگار عمارتون کو اپنے درجون سے صرف اسلیے گرایا گیا ہے کہ اخبارون کے اڈیٹر، سرمایہ دار، ارباب فن، مدبرین سیاست، بھٹیہ، بنک، شراب خانے، اور فوجی چھاؤنیان اور اس قسم کی دوسری شاندار عمارتین جو ان دارالسلطنتون مین قائم ہین جو شہرت کا مرکز ہین انکے زوال سے فائدہ اٹھائین، کیا شہرت اور شرف ان بلند مراتب کے سلسلے سے الگ ہین جسپر جمہور قابض ہین؟ اسی بنا پر ہم یہ کہتے ہین کہ جمہوری انقلاب شاندار شخصیت کے شرف یعنی جگمگاتے ہوئے تخت و کرسی کی عزت کو کم نہین کرتا بلکہ اونکی عظمت کو اور بڑھاتا ہے۔"

ان تصریحات کی بنا پر یہ تسلیم کرنا پڑیگا، کہ جمہوریت اور شخصیت دونون یکسان طور پر انسانی گروہ کو مختلف مدارج و طبقات مین تقسیم کرتے ہین، البتہ ان دونون مین صرف یہ فرق ہے کہ جمہوری نظام مین ہر شخص اپنے آپ کو کسی طبقہ کی طرف منسوب کرسکتا ہے، لیکن جب تک موروثی قابلیتین اس کو ان لوگون

سے ممتاز نہ کر سکین، جو ان قابلیتون سے محروم ہین، وہ کسی ممتاز طبقے مین کیونکر شامل ہو سکتا ہے؟ اب لامحالہ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جمہوری نظام بھی منتخب اشخاص کا خیر مقدم کرتا ہے، اس لیے اس سے صرف منتخب گروہ مسرت اندوز ہو سکتا ہے،

شخصیت اور جمہوریت کے ان یکسان اور ہموار نتائج کے ساتھ جمہوریت کی حقیقت دوسرے خطرات سے بھی گھری ہوئی ہے جن مین

۱- پہلا خطرہ یہ ہے کہ جمہوری نظام حکومت نہایت قیمتی گران اور کثیر المصارف ہے، چنانچہ (لیون سی) کہتا ہے کہ عنقریب نظام جمہوریت ہر نظام حکومت سے گران قیمت ہو جائیگا، اور ایک اخبار نے حسب ذیل الفاظ مین نہایت خوبی سے اسکی تفصیل کی ہے،

شخصی حکومت کی فضول خرچی، اور بادشاہ کے مشیر کارون پر جو اس کو فضول خرچی پر اسلیے آمادہ کرتے تھے کہ وہ ان پر دولت اور وظائف کی بارش کرتا رہے، رائے عام بالکل صحیح طور پر غضبناک ہوتی تھی، لیکن جب سے خود قوم بادشاہ ہو گئی ہے، کیا یہ مشیر کار فنا ہو گئے ہین؟ کیا اُن پر پریسیڈنٹون کی خواہش کے مطابق جنسے کوئی باز پرس نہین کیجا سکتی ان مشیر کارون کی تعداد مین اضافہ نہین ہو گیا ہے؟ تاریخی محل فرسا سے مین جہین بادشاہ کے تمام زرین مشیر کار سما جاتے تھے بے شبہہ یہ مشیر کار باقی نہین رہے، لیکن اب ہمارے شہرون، ہمارے دیہاتون، ہمارے ضلعون، اور ان تمام مقامات مین جہان انتخاب عام کو خود تھوڑا بہت حاکمانہ اقتدار حاصل ہے، اور وہ دوسرون کو تھوڑا بہت اقتدار عطا کر سکتا ہے، ان مشیر کارون کی تعداد بڑھ رہی ہے، اس اقتدار کو جہان کہین محتاج کر دینے والی فیاضی کی بشارت ملتی ہے، یا وہ زائد از ضرورت ملازمت کے ایجاد کرنے اور غیر مفید کام اور پبلک ملازمون کے دست دینے کا موقع پاتا ہے، اپنے ساتھ ان مشیر کارون کو بھی لے چلتا ہے،

ان مشیر کارون کا اصطلاحی نام جمہوری نظام حکومت مین ووٹر رکھا گیا ہے، اور ان ووٹرون کے مطالب و مقاصد اگرچہ بعض حالتون مین نہایت غیر معتدل ہوتے ہین، لیکن انتخابات کے ایک امیدوار کو مجبوراً ان کا احترام کرنا پڑتا ہے، اور گو بسا اوقات اس کے انتخاب کرنے والے شراب فروش، چھوٹے چھوٹے سوداگر، اور ضعیف العقل لوگ ہوتے ہین لیکن اسکو ان کے سامنے سر جھکانا پڑتا ہے، اسلیے اگر انتخاب کرنے والا ایک امر محال کی بھی خواہش کرتا ہے، تو وہ اس کے پورا کرنے کا وعدہ کر لیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہم قبل از وقت اصلاحات کی تائید کر دیتے ہین، اور اس کے نتائج سے بالکل آنکھ بند کر لیتے ہین، کیونکہ جو پارٹی جمہوری حکومت کے اختیارات پر قبضہ کرنا چاہتی ہے، وہ یہ جانتی ہے کہ جب تک وہ اپنی حریف پارٹیون سے زیادہ وعدے نہ کریگی اس کو کامیابی حاصل نہ ہو سکے گی،

۲۔ جمہوری نظام حکومت مین عوام کی مداخلت، کا صرف یہی نتیجہ نہین ہوتا کہ مصارف مین غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے بلکہ اس نظام حکومت مین جو اجتماعی دشواری بھی پیش آجاتی ہے، عوام کے نزدیک قانون پاس کر دینے سے ان کا ازالہ ہو سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ پارلیمنٹون مین نہایت کثرت سے قوانین وضع کئے جاتے ہین، اور مختلف نظام بنائے جاتے ہین، لیکن ان کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہین ہوتا کہ افراد کی آزادی پہلے سے زیادہ شکنجے مین جکڑ جاتی ہے، اور اس دشواری مین اور بھی شدت پیدا ہو جاتی ہے، چنانچہ اقتصادی عالم موسیو لوزاتی لکھتے ہین کہ:-

"حکومت جو نظام قائم کرتی ہے وہ نہ ہماری بدبخت فطرت مین کوئی تغیر پیدا کرتا، نہ ہم مین وہ فضائل پیدا کرتا جن کی ہم کو ضرورت ہے، نہ مزدوری مین اضافہ کرتا کہ دولت مین اضافہ ہو اور روپیہ پیسہ اندازکیا جا سکے، اور یہ سب کچھ اسلیے ہوتا ہے کہ ہم عام قومی اقتصادی قوانین کے آگے سر جھکا دیتے ہین جو نہایت سخت ہوتے ہین،

۳۔ جمہوری نظام حکومت مین وزارتین بھی جلد جلد بنتی رہتی ہین جس سے بہت سے نقصانات

پیدا ہوتے ہین، البتہ ان نقصانات کی تلافی اس طرح ہو جاتی ہے کہ یہ تبدیلی حقیقی اقتدار کو متعدد دفترون مین محدود رکھتی ہے جو ایک وزیر کی نگرانی مین ہوتے ہین لیکن اس تبدیلی سے اسکو اتنا وقت نہین ملتا کہ وہ قدیم نظام اور قدیم طریقون کو جو ان دفترون کی طاقت کا اصلی ذریعہ ہوتے ہین بالکل بدلدے، اس لیے اس تغیر سے نظام حکومت مین کوئی مضر تغیر نہین پیدا ہونے پاتا، اس کے ساتھ ہر وزیر کو کام کرنے کا وقت چونکہ کم ملتا ہے، اسلیے اوسکی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اس مختصر سے زمانے مین وہ اپنی کوئی عمدہ یادگار چھوڑ جائے، اسلیے وہ بہت سے شریفانہ مطالبات کو نہایت فراخدلی کے ساتھ قبول کرلیتا ہے، اس تبدیلی سے شورشین بھی بہت کم پیدا ہوتی ہین، اور اس سے قوم کو بہت فائدہ پہنچتا ہے،

۴- جمہوری نظام حکومت کا سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ وہ نہایت معمولی سمجھ کے لوگون کو ارباب حل وعقد کے زمرے مین شامل کردیتا ہے جنمین صرف یہ قابلیت ہوتی ہے کہ بغیر غور و فکر کے ہر موضوع پر تقریر کرنے کے لیے تیار رہتے ہین اور کثرت دلائل سے اپنے حریفون کو خاموش کردیتے ہین، اسلیے عالی دماغ لوگون کو جو بولنے سے پہلے غور و فکر کے عادی ہوتے ہین، نیابتی حکومتون مین کوئی جگہ نہین مل سکتی، اور باسکال اور نیوٹن جیسے دماغ رکھنے والے لوگ بھی مردود بناکر ان سے الگ کردیئے جاتے ہین،

اس پرگوئی کے علاوہ ان معمولی اشخاص کے نفوذ و اثر کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جمہوری حکومتون مین تفوق و امتیاز کو نہایت ناگواری کے ساتھ دیکھا جاتا ہے، اسلیے جو لوگ قوم کی نمائندگی کرتے ہین وہ قوم مین صرف اسطرح بارسوخ ہوسکتے ہین کہ وہ قومی خواہشون اور ضرورتون کی تائید و توصیف مین اپنی پرگوئی سے کام لین، اور قوم سے غیر ضروری وعدے کرین اور چونکہ انسان فطرۃً اپنے ہی درجہ کے لوگون سے انس و محبت رکھتا ہے، اسلیے جمہوری حکومتون مین اس قسم کے معمولی لوگون کو نہایت آسانی کے ساتھ بارمل جاتا ہے، چنانچہ ایک سیاسی اور نیابتی اخبار لکھتا ہے، کہ:-

"جماعت پست دماغ لوگون کو عالی دماغ لوگون پر ترجیح دیتی ہے، اور خاموشی کے ساتھ

غور و فکر کرنے والون سے زیادہ غور کرنے والون اور بہت بولنے والون کی طرف مائل ہوتی ہے، جسکی وجہ وہ بیان کرتی ہے کہ یہ خاموش غور و فکر کرنے والے اپنی رائے اور انتخاب کا اظہار مشکل سے کرتے ہین، اس طرح جو معاملات پیش کئے جاتے ہین، جو احکام نافذ ہوتے ہین، جن کامون کے کرنے کا ارادہ کیا جاتا ہے، جن اشخاص کی حمایت مین آواز بلند کیجاتی ہے اور جو اسباب ان لوگون کو مدد دیتے ہین، ان سب کی سطح نہایت پست ہوجاتی ہے اور ہم اس کو اپنی آنکھون سے دیکھتے ہین،

د۔ جمہوری نظام حکومت کی ایک اور نمایان خصوصیت رشوت خواری ہے، جسکا رواج امریکہ مین اس قدر زیادہ ہوگیا ہے کہ ہر قسم کا عہدہ، ہر قسم کا ووٹ، اور ہر قسم کا تفوق و امتیاز روپیہ کے ذریعہ سے خریدا جاسکتا ہے، چنانچہ مجلہ عصریہ کے ایک مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ ولایات متحدہ مین صدر جمہوریہ کے انتخاب پر ۲۰۰ ملین صرف کیا جاتا ہے، اور یہ رقم وہان کے دولتمند لوگ ادا کرتے ہین، اور جو پارٹی انتخاب مین کامیاب ہوجاتی ہے اس کو اس سے زیادہ رقم حاصل ہوجاتی ہے، جتنی اس نے اپنی انتخابی جدوجہد مین صرف کی ہے، کیونکہ یہ کامیاب پارٹی سب سے پہلے قدیم عہدہ دارون کو علٰحدہ کردیتی ہے تاکہ یہ عہدے اسکی جگہ جدید پارٹی کے ممبرون کو حاصل ہوسکین، پارٹیون کے لیڈر اس سے بھی زیادہ حریص ہوتے ہین، اور انتخابات مین ان کے سامنے بڑی بڑی رقمین پیش کیجاتی ہین، اگرچہ یورپ بھی امریکہ ہی کی طرح مال و دولت کا حریص ہے، لیکن ابھی یورپ مین اس علانیہ رشوت ستانی کا رواج نہین ہوا ہے، کیونکہ یورپ مین قدیم رسم و رواج کی بنا پر ابھی تک اہل ثروت نہایت حقیر نگاہون سے دیکھے جاتے ہین، اور ان کو "خوش قسمت ڈاکو" کا لقب دیا جاتا ہے، اسلیے وہ علماء، ارباب فن، اور افسران جنگ کے برابر نہین خیال کئے جاتے، اور جب اُن کو مالی تفوق و امتیاز کی بنا پر کامیابی ہوجاتی ہین، تو ان کو رشک و حسد کی نگاہون سے دیکھا جاتا ہے، لیکن امریکہ مین انسان کی اجتماعی قدر و قیمت کا معیار صرف روپیہ ہے

اور وہان اسی کے ذریعہ سے انسانون کے مختلف مدارج قائم کیے جاتے ہین، اسلیے یورپ مین عقلی و دماغی تفوق نے جو انسانی طبقے قائم کر دیئے ہین، ان کا امریکہ مین وجود نہین ہے، صرف تجارت اور صنعت و حرفت کی گرم بازاری ہے، اور ایک جج کی وقعت ایک معمولی تاجر سے زیادہ نہین ہے بلکہ سرکاری عہدون کی قدر و قیمت کا اندازہ صرف تنخواہ کے مالی فوائد سے لگایا جاتا ہے، اور سیاست و پالیٹکس کو ہر امریکن ایک تجارتی چیز خیال کرتا ہے، اسلیے جو شخص یہ تجارت کرتا ہے وہ غیر معمولی معاوضہ کا مستحق سمجھا جاتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ امریکہ مین اگرچہ مدبرین سیاست کا عقلی اور اخلاقی پایہ اس قدر پست ہو گیا ہے کہ لوگ ان کو غارتگر سمجھتے ہین، لیکن باین ہمہ ان سے ناراضی ظاہر نہین کرتے، لیکن چونکہ وہان مدبرین سیاست وقعت کی نگاہ سے نہین دیکھے جاتے اس لیے اس کا کچھ بہت زیادہ نقصان بھی نمایان نہین ہونے پاتا، کیونکہ ولایات متحدہ مین حکومت کی مداخلت نہایت محدود ہے، اس لیے مدبرین سیاست، اور بعض تجارت پیشہ اور اہل حرفہ لوگون کے سوا یہ اخلاقی انحطاط عام طور پر نظر نہین آتا، اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جمہوری نظام حکومت صرف انھین قومون مین کامیاب ہوتا ہے، جو خود اعتمادی اور قوت ارادی کے اوصاف سے متصف ہوتی ہین، اور حکومت کی مداخلت کے بغیر بھی اپنے قومی مشاغل کو جاری رکھ سکتی ہین، حکومت کا یہ محدود اقتدار سرکاری عہدہ دارون کی رشوت خواری کو بھی بہت زیادہ عام اور بہت زیادہ نقصان رسان نہین ہونے دیتا، لیکن جہان حکومت کے اختیارات وسیع اور غیر محدود ہو جاتے ہین، وہان اس اخلاقی پستی کا اثر ہر چیز مین نظر آتا ہے، اور لوٹ مار کا بازار عام طور پر گرم ہو جاتا ہے، یہ تو جمہوری حکومتون کی کیفیت ہے، جو صرف منتخب اور برگزیدہ لوگون کی جد و جہد سے قائم ہوتی ہے، اسلیے سوشیالسٹ حکومت جو محض عوام کے زور بازو سے قائم ہو گی اس مین یہ خطرات اور بھی زیادہ سخت ہو جائین گے

یادگار عماد الملک

ابن رشد کی تصنیفات

نواب عماد الملک مرحوم کا ایک غیر مطبوع مضمون

نواب عماد الملک مرحوم کے علمی اور ادبی مضامین کا مجموعہ "رسائل عماد الملک" کے نام سے تو ان کی زندگی ہی مین شائع ہو گیا تھا، لیکن بعض کارآمد اور مفید چیزین جنکے طبع کرنے کا خیال غالباً نواب صاحب مرحوم کو تھا رہگئی ہین، علامہ ابن رشد کے مصنفات کی ایک مختصر فہرست تو رسائل مین شائع ہو گئی ہے، لیکن ایک دوسری فہرست بھی ہم کو نواب صاحب مرحوم کے مسودات مین ملی ہے، جو معلوم نہین کن اسباب کی بنا پر رسائل کے ساتھ شائع نہ ہو سکی، علامہ ابن رشد کی تصانیف کا تذکرہ ہماری تاریخی کتابون مین خال خال نظر آتا ہے، اسلیے یہ اہم فہرست ارباب علم کی دلچسپی کے لیے شائع کیجاتی ہے،

سید ہاشم ندوی
جامع تذکرۂ عماد الملک،
دائرۃ المعارف حیدرآباد، دکن،

ذکر مصنفات ابن رشد بطور اجمال

رینان لکھتا ہے کہ موجودہ پائے تخت ہسپانیہ (ماڈرڈ) کے شاہی کتاب خانہ مین ایک فہرست شیخ رئیس اور فارابی اور ابن رشد کے تصنیفات کی دیکھنے مین آئی جسمین اس حکیم کی اٹھتر کتابون کا نام موجود ہے، عیون الانباء مین پچاس کتابون کا ذکر ہے، ذہبی کی فہرست اُس کتاب سے منقول ہے، ابن آبار فقط چار ہی کا نام لیتا ہے، رینان نے جو فہرست یورپ کے کتاب خانون سے تیار کی اوسکی نقل ذیل مین درج کیجاتی ہے، اس مین شروح ارسطو شامل نہین ہین، ان کا تذکرہ علٰحدہ کیا جائے گا،

فلسفیات،

تہافت التہافت، امام غزالی کے تہافت الفلاسفہ کے جواب مین نفس کتاب تین برس کے آگے مصر مین چھپی ہے، اس کا عبری اور لاطینی ترجمہ یورپ مین موجود ہے،

مقالہ فی الجرم السماوی، اس بحث مین کئی رسالہ ابن رشد نے تحریر کئے ہین اور یہ کتاب ان کا مجموعہ ہے، ترجمہ لاطینی اور عبرانی مین موجود ہین،

اتصال العقل بالانسان مین دو کتابین ہین، لاطینی اور عبرانی ترجمہ انکے بھی موجود ہین،

کتاب فی الفحص ہل یمکن العقل الذی فینا وہو المسمی بالہیولانی ان یعقل الصور المفارقۃ بآخرہ او لا یمکن ذلک وہو المطلوب الذی کان ارسطوطالیس وعدنا بالفحص عنہ فی کتاب النفس،

یہ کتاب جسکے اتنے طول طویل نام سے مذکور ہے عبری مین ترجمہ ہوئی تھی اور رسالہ فی العقل الہیولانی نام رکھا گیا تھا، لاطینی مین بھی ترجمہ اس رسالہ کا اور اسی مبحث مین اور دو رسالون کا موجود ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ابن رشد نے اس مبحث پر چار مستقل رسالے تحریر کیے ہین، اور علاوہ اس کے ارسطو کی کتاب کے باب روح کی تیسری فصل کی شرح مین بہت طویل بحث اسی مسئلہ پر لکھ گیا ہے،

۶ شرح رسالہ اتصال العقل بالانسان لابن الصائغ،

۷ بعض مقامات منطق ارسطو پر بحث، اس نام کے دو رسالے عبری مین موجود ہین،

۸ مقالۃ فی المقاییس الشرطیہ،

۹ کتاب علی المقولۃ الاولی،

۱۰ کتاب الضروری فی المنطق،

۱۱ المقدمات الفلسفیہ اسکا اصل عبری نسخہ آکسفورڈ کے شاہی کتاب خانہ مین موجود ہے، یہ بارہ مقدمات پر مشتمل ہے، بایں تفصیل، (۱) مقدمۃ فی الموضوع والمحمول (۲) فی المعرف (۳) فی انا لوطیقا الاول والثانی (۴) فی القضایا (۵) فی القضیۃ من حیث الصدق والکذب (۶) فی القضایا الضروریۃ والنظریۃ (۷) فی البرہان (۸) فی لزوم الاتباع (۹) فیما یقول الفارابی فی البرہان (۱۰) فی القوی العقلیۃ (۱۱) فی الحواس (۱۲) فی الصفات الاربعۃ"

۱۲ جوامع سیاست افلاطون، یہ کتاب افلاطون کی "ریپبلک" کی شرح ہے، اسکا ترجمہ عبری اور لاطینی زبان مین موجود ہے،

۱۳ مقالۃ فی التعریف بحجۃ نظر ابی نصر فی کتبہ الموضوعۃ فی صناعۃ المنطق التی بایدی الناس وبحجۃ نظر ارسطو فیہا ومقدار ما فی کتاب کتاب من اجزاء الصناعۃ الموجودۃ فی کتب ارسطاطالیس ومقدار ما وقع الاختلاف فی نظرہما،

۱۴ کلام علی قول ابی نصر الفارابی فی المدخل والجنس والفصل، اس مین فارابی کے بعض منطقی مسائل کی شرح شامل ہے،

۱۵ کتاب فی ما خالف ابو نصر ارسطو فی کتاب البرہان من ترتیبہ وقوانین البراہین والحدود،

۱۶ مقالۃ فی الرد علی ابی علی بن سینا فی تقسیمہ الموجودات الی الممکن علی الاطلاق والممکن بذاتہ والی الواجب بغیرہ والواجب بذاتہ،

۱۷ تلخیص الالہیات لبنقولاوس،

۱۸ مسئلہ فی ان اللہ تبارک وتعالیٰ یعلم الجزئیات،

۱۹ مقالہ فی الوجود السرمدی والوجود الزمانی،

۲۰ کتاب فی الفحص عن مسائل وقعت فی العلم الالہی فی کتاب الشفاء لابن سینا،

۲۱ مقالہ فی فسخ شبہۃ من اعترض علی الحکیم وبرہانہ فی وجود المادہ الاولی وتبین ان برہان ارسطو ہو الحق المبین

۲۲ مسئلہ فی الزمان،

۲۳ مسائل فی الحکمۃ،

۲۴ مقالہ فی العقل والمعقول، اسکا عربی نسخہ ماڈرڈ کے شاہی کتاب خانہ مین موجود ہے (نمبر ۹۰۸ کتابخانہ اسکوریل)

۲۵ شرح مقالۃ الاسکندر الافرودشی فی العقل، اسکا عبری ترجمہ موجود ہے،

۲۶ مسئلہ فی العلم النفس سئل عنہا فاجاب فیہا،

۲۷ مقالہ فی العلم النفس ومقالہ اخری فی علم النفس، یہ دونو رسالہ ہین،

۲۸ کلام علی مسئلہ من السماء والعالم،

علم کلام

۱ فصل المقال فیما بین الحکمۃ والشریعۃ من الاتصال، اس کا عربی نسخہ مونخ مین طبع ہوا ہے اصل نسخہ ماڈرڈ مین موجود ہے، (نمبر ۹۲۹ کتاب خانہ اسکوریال) اور عبری ترجمہ پیرس اور لندن مین موجود ہے

۲ فصل المقال کا ایک خلاصہ موسو مورنے طبع کیا ہے، یہ وہی صاحب ہین جو خود فصل المقال کے چھاپنے کے تہیہ مین ہین،

۳ مقالہ فی ان مایعتقدہ المشاؤن ومایعتقدہ المتکلمون من اہل ملتنا فی کیفیۃ وجود العالم متقاربۃ المعنی

کتاب[1] منہاج الاولیا، یہ ماڈرڈ مین کتاب خانہ اسکوریال مین موجود ہے (نمبر ۶۲۹) اسکو بھی موسو مولر چھاپنے والے ہین،

شرح[2] عقیدۃ الامام المہدی، یہ شاید عبداللہ محمد ابن تومرت بانی دولت موحدین سے متعلق ہے،

فقہ

نہایۃ[1] المقتصد و غایۃ المجتہد فی الفقہ،

اختصار[2] المستصفی للغزالی،

ایک[3] کتاب تین جلدون مین جسمین بعض فتاوی کی خطاؤن سے بحث ہے، اسکا پہ لاؤن افریقی کی کتاب مین ملتا ہے،

فتاوی[4] تین جلدون مین، اسکا عربی نسخہ کتاب خانہ اسکوریال مین موجود ہے (نمبر ۹۸۸)

کتاب[5] جامع فقہ مین، اسکا عربی نسخہ اسی کتاب خانہ مین موجود ہے، (نمبر ۱۰۲۱ و ۱۰۲۲)

کتاب[6] کفارہ ایضاً نمبر (۱۱۲۶)

کتاب[7] خمس ایضاً ایضاً

ایک[8] کتاب منافع ناجائز کے بیان مین، ایضاً (نمبر ۱۱۲۷)

ان کے علاوہ صاحب عیون الانبا فی طبقات الاطبا اور دو کتابون کو ابن رشد کے ساتھ منسوب کرتا ہے ایک کتاب التحصیل فی الفقہ اور دوسری المقدمات فی الفقہ مگر مونتک اور ڈوزی کی تحقیق سے بطور یقین کہا سکتا ہے کہ یہ کتابین ابن رشد کے دادا ابو الولید کی تصنیفات سے ہین،

ہیئت

مختصر[1] المجسطی اسکا عبری ترجمہ بہت سے کتابخانون مین موجود ہے،

ما یحتاج[2] الیہ من کتاب اقلیدوس نے المجسطی (لفظ اقلیدوس فہرست اسکوریال مین مشکوک ہے،

ریناں لکھتا ہے کہ شاید اس سے گلدویس مراد ہے، مگر ممکن ہے کہ اقلیدس ہو)

۳۳ کلام علی حرکۃ الجرم السماوی،

۳۴ کلام علی رویۃ الاجرام الثابتۃ بالدوار

علوم عربیہ

۱ الضروری فی النحو،

۲ کلام علی الکلمۃ والاسم المشتق،

طب

۱ الکلیات، سات جلدون مین چھپی جلد اسکوریال کے کتاب خانہ مین موجود ہے،

۲ شرح الارجوزۃ السینائیۃ اس کے عربی نسخے کئی کتابون مین موجود ہین،

۳ مقالہ فی الترياق، اسکا عربی نسخہ کتاب خانہ اسکوریال مین موجود ہے (نمبر ۸۷۹)

۴ مقالہ فی الاسہال،

۵ تلخیص کتاب الحمیات لجالینوس،

۶ تلخیص القوی الطبیعیہ لجالینوس،

۷ تلخیص کتاب العلل والاعراض لجالینوس،

یہ تینون تلخیص کتاب خانہ اسکوریال مین موجود ہین (نمبر ۸۷۹)

۸ تلخیص کتاب التشخیص لجالینوس،

۹ شرح کتاب الاسطقسات لجالینوس،

۱۰ تلخیص کتاب المزاج لجالینوس،

۱۱ تلخیص کتاب الادویۃ المفردۃ لجالینوس،

۱۱ کتاب علی مسئلۃ من العلل والاعراض،

۱۲ مقالہ فی المزاج اصل عربی نسخہ کتاب خانہ اسکوریال مین موجود ہے،

۱۳ مقالہ فی المفردات،

۱۴ مقالہ فی المزاج المعتدل

۱۵ مقالہ فی الادویۃ المسہلۃ،

۱۶ مسئلہ فی نوائب الحمی،

۱۷ مقالہ فی الحمیات العفن،

۱۸ المراجعات والمباحثۃ مابین ابی بکر بن الطفیل وبین ابن رشد فی رسمہ الدودانی کتابہ الموسوم بالکلیات،

عربی کی دو نادر تاریخی کتابین

عربی زبان کی دو تاریخی کتابین مطبوعۂ یورپ ہمارے یہان زیادہ آگئی ہین، جن صاحب کو ضرورت ہو ان کو خرید سکتے ہین، ایک عبدالواحد مراکشی کی المعجب فی تلخیص اخبار المغرب مراکش اور اسپین کی تاریخ ہے، مجلد مطبوعۂ لیڈن قیمت ۳ مارک

دوسری خطیب بغدادی کی تاریخ بغداد کا مطبوعۂ ٹکڑا ہے، جسکو جارجیس سالون نے ۱۹۰۸ء مین شائع کیا تھا، غیر مجلد مطبوعۂ پیرس، قیمت ۱ مارک

یہ دونون قیمتین یورپ کی اصلی ہین

منیجر

حکیم ٹالسٹائے اور مشرقی اثرات

مترجمہ:- جناب مصطفیٰ کامل صاحب بی اے، سپروائزر اردو اسکولز، کراچی،

مندرجہ ذیل مضمون مسٹر پال بیروکف کا لکھا ہوا ہے جو ٹالسٹائے کے اواخر زندگی میں ان کے رفیق سفر رہے، اور وفات کے بعد سچے شاگرد کی طرح اس کوشش میں مصروف ہیں کہ اپنے پیشرو کی اعلیٰ زندگی کو نمایاں کرنے کے لیے جملہ خطوط، تصانیف اور دیگر قیمتی دستاویزات کو منظر عام میں لائیں جو ابھی تک ماسکو کے عجائب خانہ اور ٹالسٹائے کے کتب خانہ سے باہر نہیں نکلیں "ٹالسٹائے اور مشرقی اثرات" مصنفہ بیروکف سے یہ امر بخوبی روشن ہے کہ ٹالسٹائے اواخر زندگی ہی میں مشرقی اثرات سے متاثر ہو گئے تھے، جنہیں آخر وقت مضبوطی کے ساتھ قائم رہے، یہ مضمون اسی کتاب کے دیباچہ کا ترجمہ ہے:

"مترجم"

حیات ٹالسٹائے کی زبردست تصنیف ختم کرنے کے بعد مناسب ہوگا کہ اس عظیم الشان ہستی کی زندگی کے مخصوص پہلوؤں پر گہری نظر ڈالی جائے، سب سے پہلے میں اس ملک کو لیتا ہوں جسکی بابت خود ٹالسٹائے کو کافی واقفیت اور چشم بصیرت حاصل تھی اور جو آجکل تمام دنیا کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے، مجھے امید ہے کہ اس فلاسفر کی زندگی کا بست سالہ تجربہ کافی طور پر میری رہنمائی کریگا،

مغربی تہذیب پر جو الزامات وارد کیے جاتے ہیں کسی سے پوشیدہ نہیں، ملزمین و متہمین کا خیال ہے کہ مشرق کو صرف اس وجہ سے کہ ابھی تہذیب جدید کی زہریلی ہوا سے محفوظ ہے، مغربی اثرات سے پاک

وصاف رکھا جائے تاکہ وہ دور گذشتہ کی طرح روحانی تروتازگی کا واحد سرچشمہ بن سکے، ٹالسٹائے کی نگاہیں بھی بار بار مشرق کی طرف اٹھتی تھیں، ان کے خطوں، یادداشتوں اور دیگر تحریروں کا مطالعہ کیجیے، خود معلوم ہوجائیگا کہ ٹالسٹائے کو کس درجہ تک مشرق سے وابستگی تھی،

جب ہم ٹالسٹائے کی سوانح عمری پر نظر ڈالتے ہیں، اور اس یادداشت کو دیکھتے ہیں جو بچپن کے حالات میں قلمبند کیگئی ہے تو یہ بات صراحۃً معلوم ہوجاتی ہے کہ ٹالسٹائے کو شروع ہی سے مشرق کے ساتھ ایک قسم کا لگاؤ پیدا ہوگیا تھا، وہاں لکھتے ہیں کہ "جب میں اپنی دادی کی نوابگاہ میں جاتا اور ایک نابینا پیر مرد سے ٹمٹماتی ہوئی روشنی میں روزانہ الف لیلہ کی عجیب وغریب داستانیں سنتا تو مجھ پر بہت اثر ہوتا تھا" ان افسانوں نے خوف وبیم کا جو گہرا اثر ٹالسٹائے کے دل پر چھوڑا عمر بھر زائل نہ ہوا، یہی وجہ ہے کہ قازان کالج کی تعلیم کے زمانہ میں انھوں نے اول مشرقی علم ادب کو اپنے مطالعہ کے لیے انتخاب کیا، اور پھر بعض ناکامیوں کی وجہ سے علم فقہ کو آخر جب اس میں بھی کامیابی نہ دیکھی تو برداشتہ ہوکر دو سال کے بعد دارالعلوم کو خیرباد کہ دیا،

ٹالسٹائے نے اوائل یادداشت میں ۱۸۳۷ء کا ایک واقعہ قلمبند کیا ہے کہ جب ایک معمولی بیماری کے باعث چند دن قازان کے شفاخانہ میں گذارنے پڑے تو وہیں ایک زخمی لامہ بھی پڑا ہوا تھا جسے راستہ میں کسی ڈاکو نے لوٹ لیا تھا، ٹالسٹائے کو یہ سنکر تعجب ہوا کہ لامہ کے بدھمت کا پیرو ہونے کی حیثیت سے نہ صرف ڈاکو کا مقابلہ کرنے کو گناہ خیال کیا بلکہ آنکھیں بند کرکے التجا اور خشیاق کے ساتھ موت کا انتظار کرنے لگا، اس واقعہ نے نوجوان ٹالسٹائے کو بہت متاثر کیا اور اسی وقت سے مشرق کی قدر ومنزلت ان کے دل پر نقش ہوگئی،

قازان سے واپس ہوکر ٹالسٹائے نے جوانی کے پندرہ سال رنگ رلیوں میں گذارے تھے، کہ بڑے بھائی کے کہنے پر اسکو کوہ قاف جانا پڑا، اور وہاں اسکو مشرقی تمدن اور مشرقی آبادی سے عموماً اور مسلمانوں سے خصوصاً مدت تک واسطہ رہا، اور ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کے توکل، تدبر اور پرہیزگاری کا گرویدہ ہوگیا، "کوہ قاف" "حاجی برادر" اور اپنی دیگر تصانیف میں ٹالسٹائے نے ان تجربات کا خوب خاکہ کھینچا ہے، ۱۸۵۴ء میں فوجی ملازمت

سے علٰحدگی اختیار کی، جسکے بعد کئی سال تک وہ مشرقی ممالک سے بالکل بے تعلق اور مغربی اقوام سے متحد و متفق رہا، لیکن قلب مضطرب کو طمانیت و سکون کا کوئی پہلو نصیب نہین ہوا،

۱۸۶۲ء مین جب خرابی صحت کی بنا پر تعلیمی سرگرمیون کو خیرباد کہنا پڑا اور بہ سلسلۂ علاج سمارا کی گھاٹیون پر قوم باشقر (ایک ترکی تاتاری قوم) کے درمیان رہنے کا اتفاق ہوا تو خانہ بدوش باشقرون اور تاتاری مسلمانون کے ساتھ خیمہ مین رہا کرتا تھا اور گوڑی کے دودھ کے پنیر پر زندگی گذارتا تھا، وہ تمام رسم و رواج جو اس کی تصانیف مین مذکور ہین انھین دوستون سے اوسکو حاصل ہوئے تھے،

جنگ و صلح، و اینا کرینیا، کی تصنیف کے زمانہ مین ٹالسٹائے نے کہانیون کا جو مسلسل نصاب مرتب کیا اس مین ہندی و عربی قصص کی موجودگی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس وقت ٹالسٹائے شرقی علم ادب سے بخوبی واقفیت رکھتا تھا، مذہبی اعتقادات مین فتور آنے سے پہلے ٹالسٹائے کو مشرق سے روحانی تعلق تھا، اور اس کے بعد جب اسکی نظر ہندوستانی مذہب کے تنگ دائرہ سے نکل کر عالمگیر ہوگئی تو بھی روحانی شغف کے آثار اس مین موجود رہے،

اعترافات کو دیکھیے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ راز حیات تک رسائی محال ہے عام انسانی زندگی اور اپنی خاص زندگی کی حالت کا نقشہ کھینچنے مین، مسافر، اژدہا، شیر اور چوہیا کے مشرقی قدیمی قصے بیان کئے ہین اور اپنی سرگذشت کے ہر تاریک موقع پر مشرقی خیالات سے استنباط کیا ہے،

مندرجۂ بالا نقطۂ خیال کی بنا پر ٹالسٹائے نے تمام پادریون سے جداگانہ ایک نیا عیسائی عقیدہ وضع کیا اور اپنی طرف سے پیش قدمی کرکے بالاعلان تمام دنیا کو ریاضت و مجاہدۂ نفس کی طرف دعوت دینی شروع کی، چونکہ عیسائیت کے اصول اوسکی روحانی تسلی و تشفی مین عاجز تھے اس لیے مشرقی مذاہب کا مطالعہ کرنا ناگزیر ہوا، اور بالآخر یہین سے کمال انسانیت حاصل کرنے کا مسالہ اسکے ہاتھ لگا،

اس سلسلہ مین سب سے پہلے ٹالسٹائے نے چینی فلسفہ کی سیر کی، اور مشرقی کتب مقدسہ کا مطالعہ کرکے

متعدد یادداشتیں اپنی ڈائری میں درج کیں، چنانچہ ۱۸۸۴ء کی ایک عبارت ذیل میں درج کیجاتی ہے،

"کنفیوشش کا اصول سلامت روی، نیچر کی تکمیل کے لیے ایک عجیب وغریب عقیدہ ہے، جسے دانائی طاقت اور زندگی کا سرچشمہ نیز تکمیل فہم وادراک کا خاموش ذریعہ کہہ سکتے ہیں، اس طریقہ کے پیرو مضبوطی کے ساتھ اپنے راستے پر قائم رہتے ہیں، آئندہ فوائد کا علم تو خدا کو ہے، لیکن اتنا ضرور کہون گا کہ تمیز صفات، راستبازی اور یگانگت میں مجھے اس سے بڑا نفع پہنچا، اس کا قول ہے کہ حق وصداقت صفات خداوندی ہیں"

قدیم چینی مذہب کا مطالعہ کرنے کے بعد ٹالسٹائے نے ہندی فلسفہ پر نظر ڈالنی شروع کی میکسمولر، برنوف، رلیسڈیوڈز، سبھدر بھکشو وغیرہ کی تصانیف کو دیکھا، اور حیات بدھ کا خاکہ بھی تیار کرنا شروع کیا، جو دیگر مشاغل کی وجہ سے حد تکمیل کو نہ پہنچ سکا، وہ چاہتا تھا کہ آفتاب فلسفۂ مشرق کی شعاعیں سرزمین روس تک پہنچنی چاہئیں، چنانچہ اس نے ارادہ کیا کہ ہر ایک کے اصول اتحاد کو روشن کرنے کے لیے تمام مذاہب کا نچوڑ ایک کتاب کی صورت میں تیار کرے، مگر یہ تجویز بھی عملی جامہ سے مبرا رہ گئی، اور صرف "خیالات حکما" ترتیب دیئے جاسکے، جس میں حضرت عیسیٰ کے علاوہ سقراط، بدھ، کرشن، لاؤتسے، کنفیوشس وغیرہ رشیون کے اقوال نقل کئے گئے ہیں،

گذشتہ صدی کے اختتام یا بالفاظ دیگر آئندہ صدی کے آغاز میں ٹالسٹائے ہیں الاقوامی مدبر تسلیم کرلیا گیا، تمام دنیا نے یکسان طور پر رجوع کیا اور ہر خط کے مصنفین اور فلسفی نہ صرف اپنی تصانیف بھیجنے لگے بلکہ باہمی خط وکتابت بھی ہونے لگی، بنیہہ ٹالسٹائے مشرق کا مدح سرا تھا، اور سوامی وویکانند کے فلسفۂ تصوف بابا بھارتی کے کرشن، اور سری کرشنا چاریہ کے ویدانت یہ تصنیفات ہر وقت ان کے روبرو رہتی تھیں،

ٹالسٹائے کے تعلقات ان لوگون کے ساتھ بہت زیادہ تھے جو استعمال قوت کو پسند نہیں کرتے، وہ مشرقی اقوام سے پرزور اپیل کرتے ہیں، کہ اس قدیمی جوہر کو خاک میں نہ ملاؤ، مغربی خطرات نگاہ میں رکھو، اور حکومت کے تنخواہ دار عیسائی پادری قلوب کو مذہبی روشنی سے منور نہیں کرسکتے،

رہنمایان و مصنفین مشرق کے ساتھ متواتر رابطۂ اتحاد و تبادلۂ خیالات رہنے سے ٹالسٹائے نے یہ ضرورت محسوس کی کہ حق و صداقت کے اصول یکجا جمع کرنے کی غرض سے "حلقۂ مطالعہ" تصنیف کیجائے، اپنی زندگی کے آخری سال انھوں نے اس کام مین صرف کئے اور رفتہ رفتہ یہ تصنیف اس قابل بنگئی کہ دنیا مین ایک ایسے عالمگیر مذہب کی بنیاد پڑ سکے جس مین قوم و ملت کا امتیاز نہ ہو، اگرچہ دورانِ تالیف مین موصوف کا انتقال ہوگیا، تاہم کتاب مذکور اس قابل ہے کہ طبع ہوسکے اور اس طرح تمام بنی نوع انسان ٹالسٹائے کے روحانی ورثہ سے متمتع ہون،

جب ہم ٹالسٹائے کے مذہبی خیالات کی ارتقائی کیفیت پر غور کرتے ہین، تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نے وہ تمام مروجہ رسوم اور ظاہری اختلافات یکے بعد دیگرے ترک کر دیئے جنکی وجہ سے انسان حق و صداقت کی تلاش مین بٹ جاتے ہین،

پادریون کی مجلس نے ٹالسٹائے کو مرتد قرار دیا، تو انھون نے نہایت فصاحت کے ساتھ اپنے خیالات کو ظاہر کیا، کہ اوائل مین قومی مذہب اختیار کرنا جذبات خود غرضی کے ماتحت تھا مگر بعد مین عیسائیت کی ہمہ گیر تعلیمات کے طفیل مین نے پاک بے مثل اور عالمگیر حقانیت حاصل کر لی،

ٹالسٹائے کی پہلے سال کی یادداشت مین یہ الفاظ درج ہین، چونکہ "میرا مذہب تمام قیود سے پاک و صاف اور ہمہ گیر ہے اس لیے اگر بین الاقوامی کہا جائے تو کوئی تعجب نہین"

ہم امید کرتے ہین کہ جب دنیا اس مغربی فلاسفر کے مشرقی خیالات کا مطالعہ کریگی تو حقیقی امن و فلاح کا دور دورہ شروع ہو جائے گا، اور دنیا کے قدیم و جدید کی مختلف راہین ایک متحدہ اور عام شاہراہ پیدا کریگی،

ہندوستان کے شہرۂ آفاق شاعر ٹیگور کا خیال ہے کہ ہندوستان کی بڑی کرامت ہوگی، اگر یہان کے بڑے بڑے مذاہب مثلاً ہندو، اسلام، بدھ، اور عیسائیت سب متحدہ ہو جائین گے، یہ اتحاد تشدد یا قابل نفرین خود فراموشی سے پیدا نہ ہوگا، بلکہ مختلف افراد قوم و ملت کے باہمی تعاون و یکدلی کا نتیجہ ہوگا"

امید ہے کہ ہماری یہ کتاب اس نیک نتیجہ مین مدد معاون ثابت ہوگی، **مہاتما گاندھی** کو اس بات کا فخر حاصل ہے کہ وہ براہ راست ٹالسٹائے سے خط و کتابت کرتے رہے ہین اور مسلسل تبادلۂ خیالات سے جو تقویت مہاتما گاندھی کو اپنی قومی جد و جہد مین اس روسی شاعر کے خیالات سے پہنچی وہ خود معترف ہین، ٹالسٹائے کے جوابات ہمیشہ مؤثر اور مجاہدانہ انداز مین ہوتے تھے،

واقعی ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جس سے ٹالسٹائے کو خصوصیت کے ساتھ لگاؤ تھا، اس لیے ہم اس کتاب کو ہندوستان کی قومی جد و جہد اور اس عظیم انسان ہی کے نام نامی پر معنون کرتے ہین،

کتاب الفلاحۃ

اندلس کے مسلمانون نے فن زراعت مین جو ترقی کی تھی، اس کا یہ آئینہ ہے یحییٰ شبیلی کی یہ تصنیف ہے، جس کا ترجمہ مولوی سید ہاشم صاحب ندوی نے کیا ہے، اور معارف پریس مین چھپا ہے، تاریخ اور فن دونون کی حیثیت سے یہ پڑھنے کی چیز ہے، حجم ۶۱۲ صفحے، قیمت للعہ

نفسیات ترغیب

مصنفہ

پروفیسر وہاج الدین صاحب اورنگ آباد کالج،

کسی انسان کو کسی کام یا چیز یا تحریک کیلئے ہم کیونکر آمادہ کر سکتے ہین، اور اسکو ترغیب اور شوق دلا سکتے ہین، اس کے نفسیاتی اصول کیا ہین، اس کتاب مین انھین اصول کی تشریح ہے، تجارت، اشتہارات اور تقریر و وعظ مین ہر جگہ ان اصول کی رعایت کی ضرورت ہے، اسلیے تجارت کے مشتہرین، واعظین، مدرسین اور وکلا سب کو اس کتاب کی ضرورت ہے، قیمت عہ

مینیجر

تلخیص و تبصرہ

چین کی تعلیمی زبان

ایک مصری ادیب حسین آفندی لبیب نے چین کے موجودہ انقلاب اور جنگ آزادی کی مناسبت سے وہان کے تعلیمی جد وجہد پر ایک مقالہ لکھا ہے جو المقتطف ماہ جون ۱۹۲۷ء میں شائع ہوا ہے، وہ لکھتے ہیں عربی، فرانسیسی، انگریزی اور دیگر متعارف زبانوں میں حروف تہجی سے الفاظ اور جملوں کی ترکیب ہوتی ہے لیکن چین کی زبان ان سب سے بالکل مختلف ہے، اس میں حروف تہجی کے بجائے بعض شکلیں اور اشارے ہیں، جو علٰحدہ علٰحدہ کسی خاص معنی و مفہوم کے لیے مخصوص ہیں، اسلیے چینی زبان تلفظ کی زبان ہونے کے بجائے فکری و معنوی زبان ہے، چنانچہ جس طرح ہندسوں کا ایک خاص عدد ایک خاص معنی کے لیے معین ہے، اسی طرح چینوں میں جس قدر معانی اور مفہوم ہیں اسی قدر ہر ایک کے لیے جداگانہ اشارے اور شکلیں متعین ہیں، اہل علم نے مہمل، غیر مستعمل اور مترادف شکلوں کو حذف کرکے اسی ۲۵ ہزار شکلیں یا اشارے شمار کئے ہیں، جو ۲۵ ہزار معانی کے لیے مستعمل ہیں، درحقیقت یہ ۲۵ ہزار شکلیں متعارف زبانوں کے حروف تہجی کے مانند ہیں، اسلیے چینی طالب علم کے لیے ان اشاروں اور شکلوں کا حفظ کرلینا اسی طرح ناگزیر ہے، جس طرح عام زبانوں کے سیکھنے والوں کو ان کے ۲۱ سے ۳۲ تک حروف تہجی کا یاد کرلینا، اس سے اندازہ ہوگا کہ چینی طلبہ کو اپنی زبان سیکھنے کے لیے کتنی صعوبتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں،

اس کے علاوہ ایک اور خاص دشواری یہ ہے کہ اس میں نہ افعال کے اشتقاق ہیں اور نہ اسماء کے لیے تذکیر و تانیث اور جمع و واحد ہیں، اسلیے ان تمام چیزوں کے لیے یا تو جداگانہ اشارے معین ہیں،

یا تلفظ مین وصل، فصل، ادغام، عدد وغیرہ جیسے طریقے اختیار کرتے ہین، ان وجوہ سے اس کی صرف و نحو بھی نہایت دشوار ہے، مگر دراصل ان شکلون کی کتابت کا طریقہ اس سے بھی زیادہ دشوار ہے، کیونکہ چینی زبان کی کتابت کل چھ خطوط مین منحصر ہے، انھین خطوط کو ہیر پھیر کر اتنی شکلین تیار کیجاتی ہین،

اس پر مستزاد یہ ہے کہ یہ جس زبان کا تذکرہ ہو رہا ہے وہ وہان کی صرف علمی و تعلیمی زبان ہے ورنہ وہان کی جو ملکی زبان ہے، جس مین عام طور پر بات چیت کیجاتی ہے، وہ اس سے بالکل اسی طرح مختلف ہے، جس طرح انگریزی سے لاطینی اور یونانی زبانین مختلف ہین، اور ان دونون مین تو پھر بھی کچھ نہ کچھ تلفظ اور حروف یکسان ہوتے ہین، لیکن چین کی ان دونون زبانون مین ایک حد تک یہ قدر مشترک بھی موجود نہین ہے، اس لئے چینی طلبہ کے لئے وہان کی اس علمی و تعلیمی زبان کی تحصیل اسی طرح دشوار ہے جیسی کسی غیر ملکی طالب علم کے لئے ہو سکتی ہے،

چینیون کے پاس اعلیٰ ادبی سرمایہ مین چند مذہبی کتابین ہین جن کا حجم قرآن مجید سے زیادہ نہ ہوگا، اور ان کے علاوہ ان کے مشہور فلسفی کونفوشیس اور اس کے شاگردون کے چند آثار ہین، پھر اسی زبان مین بودھ مت اور ان کے ایک دوسرے مشہور فلسفی طاؤ (المولود ۶۰۴ ق م) کے فلسفہ و حکمت پر بھی چند کتابین ہین، پس یہی سرمایہ اس زبان کے ادبیات عالیہ کا لقب رکھتا ہے،

اور یہی کتابین اور ان کی شرحین وغیرہ وہان کے مدرسون مین پڑھائی جاتی ہین، زبان کی تحصیل کے بعد طلبہ کا جو وقت بچتا ہے وہ ان کتابون کے پڑھنے اور ان کے ازبر کرنے مین صرف ہوتا ہے، چنانچہ وہان علم و فن کے بلند ترین رتبہ پر وہی سرفراز ہوگا جسکی نوک زبان پر ان کتابون کا ایک ایک حرف چڑھ جائے،،

پھر مضمون نگار وہان کے مدرسون کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے، دیہاتون مین جا بجا چھوٹے چھوٹے مدرسے قائم ہین، جن مین یہی چیزین پڑھائی جاتی ہین، لیکن وہان مدرسون

کے لئے مستقل عمارتون کا اب تک دستور نہین ہوا ہے، بلکہ کسی کے سکونتی مکان مین سے ایک دو کمرے لیکر وہان اساتذہ اور طلبہ بیٹھ جاتے ہین، اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری ہوجاتا ہے اور نہ وہان متمدن ممالک کیطرح مدارس مین درجے قائم ہین اور نہ مدارس مین اعلیٰ اوسط، اور ادنیٰ کی کوئی تقسیم ہے ہمین سخت حیرت ہے کہ یہ مقالہ یورپ کے پروپیگنڈے کا ایک مظہر ہے، یا یہ سب صرف مقالہ نگار کی ناواقفیت پر مبنی ہے، کیونکہ چینی زبان کے یہ حالات اور مدارس وغیرہ کی یہ تقسیمین جو چین کے موجودہ انقلاب کے سلسلہ مین بیان کئے جاتے ہین، وہ تقریباً ربع صدی پیشتر کے واقعات ہین، اور ہم نے اس موقع پر اس مضمون کی تلخیص اس لئے ضروری سمجھی کہ اس سے وہان کے ربع صدی پیشتر کے تعلیمی حالات کا پتہ چلتا ہے، ورنہ چین کی موجودہ بیداری کی ابتدائے آفرینش ہی وہان کی علمی و تعلیمی ترقی کے بعد ہوئی ہے، جبکہ ہزارون چینی طلبہ یورپ اور امریکہ کے جدید و قدیم علوم و فنون سے بہرہ اندوز ہوکر اپنے وطن واپس آئے، اور ملک مین رفتہ رفتہ ابتدائی ثانوی اور اعلیٰ تعلیم گاہون کے علاوہ متعدد بلند پایہ یونیورسٹیان قائم کرکے سب کو ایک دوسرے سے منسلک کردیا، چنانچہ ایک سال ہوتا ہے کہ نانکنگ یونیورسٹی کے چانسلر پروفیسر کاڈھنے (انقلاب چین) کے عنوان سے یورپ کے کسی رسالہ مین بسیط مضمون لکھا تھا، اور اس کا خلاصہ مصر ہی کے کسی رسالہ نے درج کیا تھا، اور ہم انھین صفحات تلخیص و تبصرہ مین (چین کی موجودہ بیداری اور اس کے اسباب) کے عنوان سے اس خلاصہ کی تلخیص ماہ اپریل ۲۶ء مین پیش کرچکے ہین،

پروفیسر کاڈھنے اس مضمون مین اس قدیم چینی زبان کا اجمالی ذکر کرکے اس کی اصلاح اور چین کی موجودہ علمی و تعلیمی زبان کا تذکرہ کیا تھا، چنانچہ اسی مضمون مین ہے،

"قدیم چینی زبان کے دشوار گذار مرحلہ کو یون طے کیا گیا کہ پکنگ کالج کے پروفیسر ڈاکٹر سوہ ہوہ نے وہان کی عام فہم زبان کو جس مین ملک کے عام باشندے گفتگو کرتے ہین، ضبط تحریر

مین لانے کے لئے جدید طریقے وضع کئے، اور اس طرح عوام کی زبان قدیم زبان کے بجائے وہان کی علمی اور تحریری زبان بن گئی،، اور اسی کے بعد چین مین عام تعلیمی جدوجہد کا سلسلہ جاری ہوا، یہان تک کہ عام مزدورون اور کاشتکارون کے لئے تعلیم کا انتظام کیا گیا، جس سے رفتہ رفتہ ملک کی آبادی کا بڑا حصہ تعلیم یافتہ ہوگیا،

اس زبان کی حیرت انگیز ترقی کا پتہ صرف اس سے چلایا جاسکتا ہے کہ اس زبان کی تدوین اور فوری نشر و اشاعت کے بعد ہی ۸۰۰ اخبارات بیک وقت اسی زبان مین نکلنے لگے، اور پھر بعد کے سالون مین تو اس مین اور زیادہ حیرت انگیز ترقی ہوئی،

اتحادِ اسلام

ایشیاٹک ریویو (لندن) کے اپریل ۱۹۲۶ء کے پرچہ مین اسلام پر ایک مضمون شایع ہوا ہے، اس کی تمہید مین اسلام کی مساوات پسندی اور مذہبی اخوت کا اعتراف ان الفاظ مین کیا گیا ہے،

ابتدا ہی سے اسلام نے اپنے پیرووں کے سامنے اتحاد باہمی کا ایک نصب العین پیش کیا ہے قرآن کریم مین ہے کہ تمام مسلمان آپس مین بھائی بھائی ہین، حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نہ صرف ایک مذہب کی بنیاد رکھی بلکہ ایک ایسا سیاسی نظام قایم کیا جس مین ایک عقیدہ پر ایمان رکھنا اس کی لازمی شرط تھی،

یہ صحیح ہے کہ یہودیون اور عیسائیون کے ساتھ رواداری برتی گئی اور انھین ان کے آبائی دین پر قایم رہنے دیا گیا، لیکن پھر بھی وہ بہ حیثیت "ذمی" کے سمجھے جاتے تھے جنھین مسلمانون کی طرح حکومت کے تمام حقوق و مراعات سے فائدہ اٹھانے کا حق نہ تھا، یہ صرف دینِ اسلام پر ایمان لانے کی شرط تھی،

جس کے ذریعہ سے اس نئی ریاست کے تمام افراد باہم متحد و متفق تھے، اور اس دین کا چھوڑ دینا صرف ارتداد ہی نہین ہوتا تھا بلکہ ایک قسم کی بغاوت سمجھی جاتی تھی، اور جو مسلمان اپنے مذہب سے دوسرے مذہب مین چلا جاتا تھا، وہ قتل کا مستحق سمجھا جاتا تھا جبکہ مسلمان علما نے باقاعدہ طور سے مسلم ریاست کا نظریہ پیش کیا تو انھون نے ممالک کی دو قسمین قائم کین، ایک "دار الاسلام" دوسری "دار الحرب"، اوائل عہد کے نظریین نے مسلمانون کا یہ فرض قرار دیا تھا کہ وہ کم سے کم سال مین ایک بار غیر مسلمون کے ممالک پر فوج کشی کرین، بشرطیکہ امام وقت اس فوج کشی کو عام مفاد کے موافق سمجھتا ہو،

پہلی صدی ہجری مین جب تک عرب فتوحات کا سیلاب بڑھتا رہا اس وقت تک اس نظریہ پر عمل پیرا ہونا ممکن بھی تھا، اور جب جدید سلطنت وجود مین آئی تو اس وقت متعدد غیر مسلم اقوام مثلاً ایرانی، شامی، مصری، افریقی، اسپینی، اور ترک حلقہ اسلام مین داخل ہو چکی تھین، اور انھین برابر کے حقوق مل چکے تھے، اور حکومت کا ہر عہدہ ان کے لئے کھلا تھا، یہ صحیح ہے کہ عربون کے خود سرانہ جذبات ان غیر عربی اقوام کے ساتھ ملنے جلنے مین بہت حد تک حائل ہوتے تھے، تاہم انھین یہ گوارا کرنا ہی پڑتا تھا اور اپنے سیاسی نظریے کی رو سے انھین سب کو مساوی تسلیم ہی کرنا پڑتا تھا، قرآن کریم مین ہے کہ، وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھون نے نیک عمل کئے، وہ بہترین لوگ ہین، تاہم ان کا یہ نظریہ ڈیڑھ صدی سے کچھ زیادہ عرصہ تک نہین قائم رہا، اور اس عرصہ مین اسلامی حکومت نے جو ترقی و عروج حاصل کیا اس نے آج تک مسلمانون کی آنکھون کو خیرہ کر رکھا ہے،

چھٹا حاشیہ

اب تک حکمائے قدیم کے تمام تجربات و نظریات مین سے، حواس خمسہ، پر دور حاضر کے تمام حکما و ماہرین کو عام اتفاق تھا، لیکن اب یورپ کے جدت پسند طبقہ کو قدیم حکما کی یہ تقلید بھی گوارا نہین، اس لئے وہ کسی چھٹے اور ساتوین حاسہ کے انکشافات اور ان کو قبول عام بنانے کی فکر مین ہین،

چنانچہ اب تک صرف یہ مسلمہ تھا کہ بعض حیوانات مین اپنے اپنے طبائع اور جبلت کے لحاظ سے بعض حاسے زیادہ طاقتور ہوتے ہین چیونٹی مین سونگھنے کی طاقت زیادہ ہوتی ہے، کتون مین سننے کی قوت تمام حیوانون اور انسان سے زیادہ ہوتی ہے، اور چیلون کی قوت بصارت سب سے تیز ہے، لیکن اب یہ سوال زیر بحث ہے کہ آیا کسی حیوان یا انسان مین کوئی چھٹا یا ساتوان حاسہ بھی موجود ہے، یا پیدا ہونے کی اُمید کی جاسکتی ہے ؟

حکماے مغرب اس سلسلہ مین کم از کم یہ ادعا کرنے لگے ہین کہ بعض حشرات الارض کے حالات کے استقرار سے پتہ چلتا ہے کہ ان مین ایک چھٹا حاسہ بھی پایا جاتا ہے جس سے انسان اور دیگر حیوان قطعی طور پر محروم ہین، اور وہ اپنے اس نظریہ کو تجربہ کی شکل مین یون پیش کرتے ہین کہ کسی مادہ پروانہ کو شیشہ کی کسی ڈبیا مین بند کرکے اس کے سرپوش کو سریس یا گوند وغیرہ سے اس طرح بند کردو کہ نہ اندر کی آواز باہر آنے پائے اور نہ باہر کی آواز اندر جانے پائے، اس کے بعد اس ڈبیا کو کسی دوسری ڈبیا مین اسی طریقہ سے بند کرو، اور پھر اسی طرح ایک کو دوسرے مین بند کرتے جاؤ، یہان تک کہ اندر سے ہوا کے آنے جانے اور کسی طرح اندر کی چیز کے دکھائی دینے کا احتمال باقی نہ رہجائے، یہ سب کچھ کرنے کے بعد اس کو کسی جگہ پر رکھدیا جائے، تو کچھ ہی دیر مین نر پروانے اس ڈبیا کے گرد گردش کرتے دکھائی دینگے، اور اس کے اندر پہونچنے کے لئے اپنی انتہائی جدوجہد کرین گے،

اسی تجربہ کی بنا پر علماے حشرات کو یقین ہے کہ ان مین ایک چھٹا حاسہ بھی پایا جاتا ہے جس کے ذریعہ سے وہ مقید پروانہ کے پرون کی پھڑپھڑاہٹ محسوس کرلیتے ہین، "ر"

لغاتِ جدیدہ

چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری، قیمت عہ

اخبار علمیہ

انکشاف دفینہ کا نیا ذریعہ، خاکنائے نیاما (امریکہ) مین ابھی حال مین بعض دفینون کے دریافت کرنے کا ایک نیا طریقہ عمل مین آیا ہی، بیان کیا جاتا ہے کہ ایک عرصہ سے اس خطہ مین بعض دفینے تھے، لیکن کسی کو ان کا کہین پتہ نہ لگتا تھا، اب کچھ انگریزون اور امریکیون نے ملکر گورنمنٹ سے اسکا لائسنس حاصل کیا اور بہت تلاش وجستجو کے بعد اس خزانہ کا پتہ لگالیا، کہا جاتا ہے کہ اس کے علاوہ ابھی اور بھی بہت سے دفینے ہین جنکی تلاش مین یہ ماہرین برابر گشت لگا رہے ہین، ریڈیو جسکے اکثر کرشمون سے دنیا سائنس واقف ہوچکی ہے، اس جدید انکشاف کا بھی باعث ہے، بجائے اس کے کہ کسی نقشہ اور خاکہ کے ذریعہ سے اس کا پتہ لگایا جاتا، ریڈیو کی مدد سے وہ تمام رموز واسرار جو زمین اپنے سینہ کے اندر چھپائے ہوئے ہے، اس طرح منکشف ہوجاتے ہین، جسطرح زمین کے اوپر کی اشیا، ظاہر اور عیان نظر آتی ہین،

قدرت کی کرشمہ سازیان، جس طرح انسان اپنی انجینیری کے نئے نئے کارنامے دکھاتا ہے، قدرت کا ہاتھ اس سے کہین زیادہ حیرت انگیز کرشمے ہمارے سامنے پیش کرتا ہے جنھین دیکھکر بڑے بڑے ماہرین فن کی عقل دنگ رہجاتی ہے، کچھ عرصہ ہوا نواہو پہاڑ (NAWAHO) کے شمال مغربی ڈھال کی جانب ایک نہایت عظیم الشان، وسیع اور مضبوط پل کا پتہ چلا ہے جسکے محراب کی لمبائی ۲۷۸ فیٹ ہی اور جو سطح آب سے ۳۰۹ فیٹ بلند ہی اور اس کے بلند ترین حصہ کا حجم ۴۲ فیٹ ہے، اپنی عظمت، تناسب اور رنگ کے اعتبار سے یہ دنیا کے تمام قدرتی پلون سے بڑھکر مانا جاتا ہے، اسی قسم کا ایک اور پل اریزونہ (ERIZONA) سے دو میل جنوب ومغرب جانب واقع ہے جسکی وسعت، تناسب اور رنگ بھی نہایت خوب ہے۔

"درمیانی کڑی" کا پتہ، ابھی حال مین صحرائے گوبی (منگولیا) مین بعض ان عظیم الشان جانورون کے سرون کی ہڈیان دریافت ہوئی ہین جنکے متعلق علمائے ارتقا کا خیال ہے کہ تمام ذی روح حیوانات حتیٰ کہ انسان کی نسل بھی انھین سے پیدا ہوئی ہے، یہ دریافت امریکن عجائب خانہ کی ایک جماعت نے کیا ہے، جو رائے چیپمین اینڈریوز کی سرکردگی مین اسی قسم کے آثار قدیمہ کا پتہ لگانے کے لیے نکلی تھی، مسٹر اینڈریوز کا خیال ہے کہ ان ہڈیون کی دریافت انسان کی ارتقائی منازل کا پتہ چلانے مین ان انڈون سے کہین زیادہ مفید اور کارآمد ہے جنکی دریافت کا سہرا ابھی موصوف کے سر ہے، ان کا قول ہے کہ انسان کے ارتقائی منازل کی "درمیانی کڑیان" حقیقت مین یہی ہین جسکے بعد اب انکی تلاش کی کوئی ضرورت نہین رہجاتی،

ریڈ انڈینون کی نسلی تباہی، عام طور سے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ امریکہ مین ریڈ انڈینون کی تعداد برابر بڑھ رہی ہے لیکن ڈاکٹر ہیون ایمرسن، پروفیسر کولمبیا یونیورسٹی نے جو اعداد و شمار ابھی حال مین شائع کئے ہین، ان کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ امریکہ کی اس کثیر التعداد قوم مین شرح اموات کس قدر تیزی کے ساتھ سال بہ سال بڑھ رہی ہے،

سنہ	فی ہزار	سنہ	فی ہزار
سنہ ۱۹۲۱ء	۱۷٫۵	سنہ ۱۹۲۳ء	۲۲٫۵
سنہ ۱۹۲۲ء	۱۹٫۲	سنہ ۱۹۲۴ء	۲۵٫۹

یہ شرح بعض ایسے مقامات پر جہان ریڈ انڈینون کی تعداد زیادہ ہے، اور بھی زیادہ حیرت انگیز ہے،

نام مقام	فی ہزار	نام مقام	فی ہزار
مونٹانا	۳۴٫۵	واشنگٹن	۳۴٫۵
شمالی ڈکوٹا	۳۳	ویومنگ	۸۶٫۱

اس کثرتِ اموات کی بڑی وجہ ایک یہ ہے کہ اکثر بچے شیرخواری و صغرسنی ہی کے زمانہ مین انتقال کرجاتے ہین، عام آبادی مین یہ شرح سنہ ۲۴ء مین فی ہزار ۱۸۰ رہی ہے، لیکن ریڈانڈینون مین یہی شرح بڑھکر ۱۹۰ ہوگئی ہے،

جانورون کی عمر، انگلستان مین ایک بلی تھی جسکی عمر ۲۴ سال کی تھی اور جب یہ ۱۷ برس کی ہوئی تو اس کے ایک بچہ ہوا جو اپنی ماں کا اکیلا بچہ تھا، بعض بلیان ایسی بھی ہین جنکی عمر ۲۵، ۲۶ سال کی ہے، اسکرینگھم (SCRINGHAM) مین ایک بلی ہے جسکے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ۳۰ سال کی ہوکر مری،

کتون کی عمر بھی تقریباً بلیون ہی کے برابر ہوتی ہے اور یہی حال بھیڑون کا بھی ہے، گھوڑے اور خچر کی عمر البتہ ۴۰، ۵۰ سال کے درمیان ہوتی ہے بعض مضبوط قسم کے ٹٹوون کی عمر ۵۰ اور ۶۰ کے درمیان ہوتی ہے، جن گھوڑون سے زیادہ محنت مشقت کا کام لیا جاتا ہے وہ ۲۰ تک پہنچتے پہنچتے یا دو تین سال بعد مرجاتے ہین، گائین اور ستور مشکل سے ۳۰ سال تک زندہ رہتی ہین،

شمالی امریکہ کے گھڑیالون کے متعلق خیال ہے کہ وہ ۱۰۰ سال سے اوپر تک زندہ رہتے ہین، اور بعض بڑے کچھوے ۴۰۰ سال تک رہتے ہین، لندن کے عجائب خانہ مین مارماڈیوک نامی ایک کچھوا ہے جسکے متعلق مشہور ہے کہ وہ چارلس دوم (CHARLES) کے زمانہ سے ہے، وہین چھپکلی کے قبیل کا ایک جانور ہے جسکی عمر ۵۲ سال کی ہے،

مرغیون کی عمر ۲۰ سال تک یا اس سے زیادہ بھی ہوتی ہے، بعض طوطے سو سال تک زندہ رہتے ہین، کنگسٹن (KINGSTON) مین ایک طوطا ہے جسکی عمر ۱۲۰ سال کی ہے،

اسی طرح بعض کیڑے، مکوڑون کی عمر کے متعلق بھی عجیب و غریب معلومات ہوئے ہین، مدغاسکر

مین علم الحیاتیات کا ایک ماہر ہے جس نے تجربہ کے بعد معلوم کیا ہے کہ ۴۸ ڈیسی سر بریدہ تتلیون کی عمر ایک یا دو ہفتہ ان ۴۸ تتلیون سے زیادہ ہوئی ہے جنکے سر سلامت تھے، سر کے کٹ جانے سے غالبًا اس جسمانی قوت کا استعمال کم ہوگیا تھا جو زندگی کا باعث ہوتی ہے،

دنیا مین سب سے زیادہ بارش کہان ہوتی ہے؟

اس سوال کا جواب مختلف مقامات کے ان اعداد و شمار مین مل سکتا ہے جو سالانہ بارش کے موقعون پر لکھ لیے جاتے ہین بعض ممالک مین یہ اعداد و شمار ۵۰ سال سے لیکر ۵۰ اتک کے ملتے ہین، جن مقامات پر یہ اعداد و شمار لیے جاتے ہین، وہان ایک مشین ہوتی ہے جس سے ایک متعین وقت کے اندر پتہ چل جاتا ہے کہ کتنی بارش ہوئی، یہ اوقات کبھی ۲۴ گھنٹہ کبھی ایک گھنٹہ اور کبھی ایک منٹ کے ہوتے ہین، ۲۴ گھنٹہ کے اندر دنیا مین سب سے زیادہ بارش جس مقام پر ہوئی، وہ باگویو (جزائر فلیپائنس) ہے یہان کی پیمائش بارش کی مشین سے معلوم ہوا ہے کہ ۱۴ جولائی ۱۹۱۱ء کی دوپہر سے لیکر ۱۵ جولائی ۱۹۱۱ء کی دوپہر تک کل ۲۴ انچ بارش ہوئی ہے، ریاستہائے متحدہ مین عام طور سے جتنی بارش ہوتی ہے، اس سے یہ مقدار کہین زیادہ ہے، چیرا پونجی (آسام) جو کثرت باران کے لیے دنیا مین سب سے زیادہ مشہور تھا، وہان ۱۴ جون ۱۸۶۱ء کو ۱۴ انچ بارش ہوئی، اسی مقام پر اگست ۱۸۴۱ء مین ۵ دن مسلسل ۳۰ انچ یا اس سے کچھ زیادہ بارش ہوئی ہے، ۲۴ گھنٹہ کے اندر ریاستہائے متحدہ مین بارش کا شمار ۱۱/۲۳ انچ جو ٹیلر اور ٹیکساس مقامات پر ۹-۱۰ ستمبر ۱۹۲۱ء کو ہوئی، ایک گھنٹہ کے اندر سب سے زیادہ بارش جنوبی کیلیفورنیا مین ہوئی ہے جہان کیمپو مقام پر اس قلیل عرصہ مین ۱۱½ انچ پانی برسا، پورٹو ریو مین ۲۹ نومبر ۱۹۱۱ء کو ۲ بجے ۳ منٹ کے اندر، ۲/۴ انچ پانی برسا، کثرت بارش کا جہان تک تعلق ہے، یہ مثال غالبًا آپ اپنی نظیر ہے، گو ابھی حال مین یہ پتہ چلا ہے کہ جنوبی کیلیفورنیا ہی مین ایک مقام اوپڈ کیمپ پر ۲۶ اپریل ۱۹۱۸ء کو ایک منٹ کے اندر ۱/۰۲ انچ پانی برسا ہے،

باب التقریظ والانتقاد

اردو کے نئے اخبارات اور رسالے

پچھلی ششماہی مین بھی اردو کے نئے اخبارات اور رسالون کی مزید ترقی ہوئی، اخبارات مین سب سے زیادہ انقلاب انگیز واقعہ لاہور سے روزنامۂ **انقلاب** کا ظہور ہے، زمیندار کے نظام شمسی سے دو ستارے ٹوٹ کر الگ ہو گئے، اور انھون نے اپنا ایک الگ نظام شمسی قائم کیا، یہ دو ستارے مہر اور سالک ہین، اور انکی گردش قلم سے جو نیا نظام شمسی قائم ہوا اسکا نام انقلاب ہے، یہ روزانہ اخبار چند ماہ سے نہایت خوبی، عمدگی اور کامیابی کے ساتھ لاہور سے نکل رہا ہے، اپنے مسلک اور سیاسیات کے اعتبار سے آزاد اور حقگو، تاہم متین اور سنجیدہ ہے، اس نے تھوڑے ہی دنون مین اچھی مقبولیت حاصل کر لی ہے، زمیندار کے افکار و حوادث کا عنوان اب سالک کے ساتھ ساتھ زمیندار سے نکل کر انقلاب کے صفحات پر نمودار ہوا ہے، اسلامی مسائل پر خصوصیت سے بحث کرتا ہے، وقت پر شائع ہوتا ہے اور ایک اچھے روزانہ اخبار کے تمام اوصاف کا جامع ہے، لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ تقطیع بڑی، قیمت سالانہ ۱۸ روپے،

گذشتہ شش ماہی مین اردو صحافت نے کچھ جغرافی وسعت بھی حاصل کی، یوپی کے ایک بعید تر ضلع (بستی) سے **انیس** ہفتہ وار جاری ہوا، جو نہایت خوبی کے ساتھ اسلامی اور ملکی مسائل پر بحث کرتا ہے اور شاید پس پردہ کسی طرف سے اسکو اچھی خاصی قلمی اعانت حاصل ہوتی ہے، پورب کی ناموافق ہوا کو دیکھتے ہوئے اس کی زندگی کے لیے دعاگو ہین،

دوسری طرف "سرزمین بے آئین" صوبۂ سرحدی سے دو اخبار نکلے ہین جس کے ایڈیٹر

ہمارے جامعہ ملیہ کے تعلیم یافتہ ہین، صوبۂ سرحد مین ایک دو اچھے اخبارون کی سخت ضرورت تھی جو لوگون کو صحیح تعلیم دے سکین اور صحیح خیالات کی ان مین اشاعت کر سکین، **ترجمانِ سرحد** کے نام سے ایک اخبار ایک سال سے نکل رہا ہے، جس کے اڈیٹر امیر عالم اعوان (جامعہ) ہین، قیمت سالانہ للۂ پتہ راولپنڈی

دوسرا اخبار **شہاب** ہے جسکے اڈیٹر مولوی غلام ربانی صاحب لودی (جامعہ) اور ملک محمد عالم صاحب بی اے (جامعہ) ہین، مولوی غلام ربانی صاحب انگریزی اور عربی دونون سے واقف، کامیاب مترجم اور زمیندار وغیرہ مین رہکر کام کا تجربہ حاصل کر چکے ہین، امید ہے کہ وہ اپنی اس نئی خدمت مین کامیاب ہون گے، قیمت سالانہ پتہ راولپنڈی

لیکن اردو صحافت کا سب سے اہم واقعہ، مولانا ابوالکلام کے مشہور ہفتہ وار صحیفہ الہلال کی حیات ثانیہ ہے، سالہا سال کے انتظار شدید کے بعد آخر کلکتہ کے افق سے یہ "ہلال" نمودار ہوا، اور مشتاق نگاہون کے لیے صبحِ عید کا پیام لایا، الہلال کا پہلا طلوع اس وقت ہوا تھا، جب مسلمانون مین جوش و خروش اور ولولۂ جنون تھا، اسکی روشنی نے بہتون کو ہدایت کا راستہ دکھایا، اور مایوسون کے دلون مین امید کا چراغ روشن کیا، اب اس کا دوبارہ احیا ایسی حالت مین ہوا ہے، جب پہلا جوش، سکون سے بدل چکا ہے اور عزم و ارادہ اور قوی مین گذشتہ جد و جہد تگا پو اور سعی و محنت سے تکان پیدا ہے، یہی وقت الہلال کی بروقت دعوت اور پکار کے لیے موزون ہے، دعا ہے کہ خدا اسکی آواز مین تاثیر اور اسکی دعوت مین برکت پیدا کرے، کہ مسلمان ایک نئے سفر کے لیے اس صدائے رحیل اور بانگ درا کو سنکر آمادہ ہو سکین، الہلال کے دو نمبر اب تک آئے ہین، مضامین کی بلند آہنگی اور زور وہی ہے جو پہلے تھا، تاہم زبان نسبتہً پہلے سے آسان اختیار کیگئی ہے، کہ فائدہ کی تعمیم ہو سکے،

ابھی آدھا پرچہ ٹائپ مین اور آدھا لیتھو مین چھپتا ہے، شذرات، مقالات، مطبوعات، عالم شرق و اسلام، بصائر و حکم، تقریظ و ترویج وغیرہ عنوانات باب ہین، جو مذہبی سیاسی، ادبی، علمی ہر شعبۂ حیات کو محیط ہین، چندہ سالانہ عہ پتہ نمبر ۱۱ بالی گنج سرکلر روڈ کلکتہ،

اہل حدیث کی طرف سے گو اہل حدیث امرتسر اور محمدی وغیرہ اخبارات نکل رہے ہین، مگر ان مین زیادہ تر مناظرانہ شان ہے، ضرورت تھی کہ ایک ایسا اخبار بھی انکی طرف سے نکالا جائے جس مین سنجیدگی اور متانت کے ساتھ اصل دعوت کی تبلیغ کیجائے، حال مین امرتسر سے مولانا محمد داؤد غزنوی نے ہفتہ وار **توحید** نکالنا شروع کیا ہے، جو مناظرات سے پاک ہو اور اپنے عقائد و مسائل کی تبلیغ و اشاعت کا سادہ فرض انجام دے رہا ہے، امید ہے کہ اس کے ذریعہ سے اہل حدیث اصحاب کی طرف سے بہت سے شکوک زائل ہون گے، لیکن ضرورت ہے کہ اظہار مدعا مین بیجا سختی اور درشتی نہ ہو، قیمت سالانہ صہ پتہ امرتسر کوچہ غزنویہ،

آج کل کے ہنگامۂ رستخیز مین سب سے بڑی نعمت غیر متزلزل اتحاد ہے، یہ لاہور سے ہفتہ وار **اتحاد** شائع ہوتا ہے، اسکی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے جمع و ترتیب کے فرائض ہندو اور مسلمان دونون کے ہاتھ انجام دیتے ہین، اسی سے یہ اخبار ان فرقہ دار زہرون سے پاک ہے جس سے "ریاست" کے سوا شاید ہی کوئی اخبار محفوظ ہو قیمت سالانہ ؟ پتہ دفتر اتحاد، انارکلی لاہور، ہندوستان کو اس قسم کے اخبارون کی خاص قدر کرنی چاہیئے،

جمہور بمبئی کا ہفتہ وار باتصویر پرچہ ہے، جس مین علاوہ مضامین اور خبرون کے عکسی تصویرین بھی ہوتی ہین، مضامین زیادہ تر عام پسند اور دلچسپ ہوتے ہین قیمت سالانہ للعہ پتہ دفتر جمہور رجے ہاسپٹل بمبئی نمبر ۹،

ماہوار رسائل مین بھی خاصی ترقی ہوئی ہے، **نیرنگ خیال**، جو شاید گذشتہ سال لاہور سے نکلا ہے، تیزی کے ساتھ ترقی کر رہا ہے خصوصاً خاص خاص نمبرون کی اشاعت کی دوڑ مین وہ سب سے آگے ہے، اس کے خاص نمبرون مین بھی خصوصیت کے ساتھ اس کا عید نمبر ہر طرح لائق ستائش ہے، کئی سو صفحون کی ضخامت، مضامین کا تنوع، مناسب نظمون کی دلچسپی، ٹائیٹل کی دلکشی، تصاویر کی نیرنگی، ہر چیز اس مین وصف کے قابل ہے، اس کے محنتی اور لطیف الذوق اڈیٹر حکیم یوسف حسن صاحب اس کے لیے ہر طرح مبارکباد کے مستحق

ہین، قیمت سالانہ ہے، پتہ بازدو خانہ لاہور،

ماہوار تنظیم کا مقصد قوم کی اخلاقی، اقتصادی اور علمی اصلاح ہے حقیقت یہ ہے کہ یہی قومی ترقی کی اصلی راہ ہے، مگر افسوس ہے کہ ہماری قوم کا جوش طلب دماغ ایسے بے مزہ نغمہ سے خوش نہین ہوسکتا وہ روزانہ سے ہفتہ وار اور اب ہفتہ وار سے ماہانہ ہوگیا ہے، اور مسلمانون کا یہی جمود رہا تو شاید وہ ماہانہ سے سالانہ ہوکر ہمیشہ کے لیے غائب نہ ہوجائے، قیمت سالانہ ؟ پتہ دفتر تنظیم امرتسر،

مخزن لاہور کی یاد ہندوستان کے ادب دوست طبقہ کے دلون مین اب تک تازہ ہوگی، ہم ان کو بشارت دیتے ہین کہ جناب ابو الاثر حفیظ جالندھری کی ادارت مین وہ اب پھر شائع ہونے لگا ہے، پہلے سے اس دور جدید نے نمایان ترقی کی ہے، امید ہے کہ آئندہ اس کا معیار اور بلند ہوگا، قیمت سالانہ للعہ، پتہ دفتر مخزن لاہور،

دلکش صرف ادبی پھولون کا گل دستہ ہے، سید عابد علی صاحب عابد بی اے ال ال بی کی ادارت مین لاہور سے شائع ہوتا ہے، زیادہ تر شعر و شاعری اس کا موضوع ہے، اس کا حلقہ ادارت بھی اسی نعمت غیر مترقبہ (ہندو مسلم یگانگت) کا مرقع ہے جسکی ملک کو سخت ضرورت ہے، قیمت سے سالانہ پتہ منیجر دلکش لاہور

پنجاب کی جدید علمی پیداوار مین ایک **جہان نما** بھی ہے اس کا موضوع صنعت و دستکاری اور محنت و مزدوری کی حمایت اور تشویق ہے، مضامین آسان اور مفید ہوتے ہین، کاش طباعت بھی قابل تعریف ہو، ہم امید کرتے ہین کہ ملک نے قدر کی تو یہ پرچہ آئندہ کچھ اور مفید اور بلند ہوجائے گا قیمت ؟ پتہ جہان نما امرتسر

جہان نما کے ساتھ ساتھ **جام جہان نما** پر بھی نظر پڑتی ہے، بظاہر دونون کو ایک ہونا چاہیئے لیکن اختلاف موضوع نے دونون کو باہم بیگانہ رکھا ہے، یہ جناب افقر موہانی کی ادارت مین لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے، موضوع اس کا محض ادبیات ہے لیکن اس محدود حلقہ سے باہر کی باتین بھی اس مین ملتی ہین، قیمت ہے سالانہ پتہ لکھنؤ پرنٹنگ پریس حسین گنج لکھنؤ،

حیدرآباد دکن کی اردو صحافت مین ایک نیا اضافہ نظام کالج اردو میگزین ہے، یہ جناب مولوی غلام حیدر صاحب کی ادارت مین حیدرآباد سے شائع ہوا ہے، حیدرآباد کے انگریزی کالج نظام کالج کے طلبہ کا آئینۂ خیال ہے، امید ہے کہ نوجوان اہل قلم اپنی نوجوان ہمتون کا ثبوت بہم پہنچائین گے، قیمت سالانہ للعہ پتہ نظام کالج اسد باغ حیدرآباد دکن،

ریاست رام پور سے بھی جناب بیخود موہانی نے زینائے ادب کے سامنے ایک نیرنگ پیش کیا ہے، جس مین زیادہ تر شعر و سخن کے مباحث پر تنقید و تبصرہ ہوتا ہے، عروض و قوافی، اور دیگر انواع ادب پر بھی اس مین مضامین ہوتے ہین، غزلین بھی شائع ہوتی ہین، سالانہ سے پتہ دار الاشاعت ریاست رامپور،

بہار باوجودیکہ اردو کے قدیم گہوارون مین ہے لیکن اردو کی خدمت مین سب سے پیچھے ہے خوشی کی بات ہے کہ وہان سے الامین نام کا ایک پرچہ جاری ہوا ہے، جو علمی، ادبی، اخلاقی، اور صوفیانہ مضامین کا مجموعہ ہے، قیمت سالانہ ہے منیجر الامین رفاہ المسلمین بہار شریف، پٹنہ،

الکامل دہلی بقول اپنے یہ ہر قسم کے مفید مضامین کا مجموعہ ہے، اس کے نام کو ہمارے ضلع اعظم گڈہ سے خاص مناسبت ہے، ولیدپور مین ایک بزرگ مولانا محمد کامل پورن گذرے ہین، بہارین ان کے معتقدین کا حلقہ وسیع ہے، الکامل کے اڈیٹر ابو علی آزاد بہاری اور ان کے دست راست ابو العلا بہاری اسی حلقہ کے آدمی ہین، یہ پرچہ اپنے طریق کار اور انداز عمل مین خواجہ حسن نظامی صاحب کے بہت سے پرچون کا متبع نظر آتا ہے، چندہ سالانہ عہ پتہ دفتر چشمۂ کامل دہلی،

ستارۂ صبح، تھیوسوفیکل سوسائٹی کا ماہوار رسالہ ہے، اس کا موضوع سخن صرف تصوف ہے مگر ہمارا قدیم تصوف یا یوگ نہین، بلکہ یہ تمام مذاہب کا معجون مرکب ہے، یہ مذہب کی جگہ اخلاق کو دینا چاہتی ہے اس کا ایک مضمون (خدا کا دیدار) دنیا کو بشارت دیتا ہے کہ ڈاکٹر بیسنٹ کے تقدس مآب کرشنا مورتی مین، حلول مسیح کا عمل شروع ہوگیا، چندہ سالانہ عہ پتہ:- منیجر ستارۂ صبح نواب گنج، کانپور، "ج"

مطبوعات جدیدہ

رسائل ابن تیمیہ، مولنا عبدالرزاق صاحب ندوی ملیح آبادی اڈیٹر روزنامہ پیغام کلکتہ نے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ کے قلم سے نکلے ہوئے ایک ایک حرف کو اردو مین منتقل کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے چنانچہ اسی سلسلہ مین ہمین تین نئے رسالے موصول ہوئے ہین، جو "حسینؓ و یزید"، "مناظرہ ابن تیمیہ" اور "صداقت رسولؐ" کے نام سے موسوم ہین، رسالہ "حسینؓ و یزیدؒ" کا موضوع ان دونون کے حق مین اہل سنت و جماعت کا صحیح نقطۂ نظر پیش کرنا ہے، جس مین سب سے پہلے بتایا گیا ہے کہ خلفائے راشدین کے بعد جن فرمان روایان اسلام کو "خلیفہ" کا لقب دیا گیا، ان کے لیے ضروری نہین کہ وہ عدل و انصاف، تقوی اور خشیت الٰہی سے بھی سرفراز ہون، بلکہ مقصود صرف یہی تھا کہ وہ اپنے عہد حکومت مین خود مختار تھے، صاحب سیف تھے، حدود شرعی قائم کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے اور کفار سے جہاد کرتے تھے، اور اسی لحاظ سے یزید بھی خلفاء کی جماعت مین داخل ہے، پھر واقعۂ کربلا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے، "صحابہؓ اور ائمہ صالحینؒ نے بعض خلفاء کی بداعمالیون کے باوجود محض مصالح امت کے لیے ان کی اطاعت کی.... اور جن لوگون نے خروج کیا اس سے امت کو سراسر نقصان پہنچا... اگرچہ ان مین بڑے بڑے اخیار و فضلا بھی شامل تھے، مگر ان کی نیکی و خوبی سے ان کا فعل مفید نہین ہو سکتا... اس لیے آپ (حضرت امام حسینؓ) کے خروج اور پھر قتل سے جتنے مفاسد پیدا ہوئے وہ ہرگز واقع نہ ہوتے اگر آپ اپنی جگہ بیٹھے رہتے، کیونکہ وہ جس خیر و صلاح کے قیام اور شر و فساد کے دفعیہ کے لیے اٹھے، ان سب سے کچھ حاصل نہ ہوا..... اور اللہ کسی ایسے فعل کا حکم نہین دیتا جس سے نہ دنیا کا بھلا ہو نہ دین کا"، اصل یہ ہے کہ علامہ موصوف نے یہ سب کچھ شیعون کے غالی فرقہ کے رد مین لکھا ہے اس لیے ردعمل کے موجب

خود بھی کہین کہین جادۂ اعتدال سے ہٹ گئے ہین، یہ صحیح ہے کہ حضرت امام حسینؓ کی پیش قدمی کامیاب نہین ہوئی، اسلیے نہ دین کا بھلا ہوا نہ دنیا کا، لیکن واقعات کے نتائج وعواقب سے ان کے حسن وقبح پر بحث نہین کیجاسکتی، کیونکہ کسی جابر، ظالم، اور غیر مستحق فرمانروا کے خلاف پیش قدمی فی نفسہ مذموم نہین قرار پاسکتی، کہ پیش قدمی کرنے والے کے پیش نظر اس وقت نہ دنیا کا بھلا بھی ہوتا ہے اور دین کا بھی"، اس کے بعد رسالہ کی مختلف فصلون مین ان دونون کے متعلق مختلف موضوع روایتون اور ان کے متعلق مختلف فریقون کے اقوال اور طرز عمل کی تردید کیگئی ہے، اسی رسالہ کے آخر مین ایک دوسرا مفید رسالہ بے محل طور پر منسلک ہے جسمین مسلمانون کے تمام دینی و دنیاوی امور کے انصرام کو مسجد ہی مین انجام دینے کی تلقین کیگئی ہے، رسالہ کا حجم چھوٹی تقطیع پر ۴۰ صفحے، اور قیمت ۵ رہے، دوسرا رسالہ "مناظرۂ ابن تیمیہ ہے جسمین متصوفین مین سے فرقہ رفاعیہ کی قلعی کھولی گئی ہے، کیونکہ اس فرقہ کا علامہ موصوف کے عہد مین بڑا زور تھا، یہ اکثر و بیشتر اپنے شعبدون کو کرامات کے نام سے پیش کرکے نہ صرف عام مسلمانون کو بلکہ امراء، رؤسا، اور ارباب حکومت کو دام تزویر مین پھنساتا تھا، اس لیے علامہ موصوف نے اس فرقہ کے استیصال کا بیڑا اٹھایا، ارباب حکومت اور مسلمانون کے عام مجمع مین اس سے مناظرہ اور مقابلہ کرکے ان کے تمام شعبدون کا پردہ چاک کیا، اور حکومت نے اس فرقہ کو اسکی شکست کے بعد اس کے وعدہ کے مطابق کتاب وسنت کی پیروی پر مجبور کیا، علامہ موصوف نے اسی مناظرہ ومقابلہ کے تفصیلی حالات اس رسالہ مین قلمبند کئے ہین، دور حاضر مین بھی ایسے شعبدہ باز متصوفین کہین کہین موجود ہین، اس لیے یہ رسالہ اس وقت بھی اسی درجہ کارآمد ہے، حجم ۴۰ صفحے قیمت ۵ رہے اسی سلسلہ کا تیسرا رسالہ صداقت رسولؐ ہے جو الجواب الصحیح کی ایک فصل کا خلاصہ ہے، جسمین آنحضرت صلعم کی سیرت ایسے اسلوب مین پیش کیگئی ہے، جس سے آپ کی صداقت، دیانت، غلامون پر شفقت، مظلومون کی دادرسی، خلائق سے ہمدردی اور اسی طرح تمام اخلاق وشمائل کا گہرا اثر دل پر قائم ہوتا ہے، ضرورت ہے کہ ارباب تبلیغ اس رسالہ کو "تبلیغی کتابون" مین داخل کرکے زیادہ سے زیادہ تعداد مین غیر مسلمون

کے درمیان تقسیم کرین، کہ "چترجیون" اور "رنگیلا . . . ." جیسے زہرآلود رسالون کے لیے تریاق ثابت ہو، حجم ۳۲ صفحے بقطع چھوٹی، قیمت ۴ر لکھائی چھپائی اور کاغذ تمام رسالون کا عمدہ ہے، اور یہ سب رسالے ہندبک ایجنسی نمبر ۱۱ بالی گنج سرکلر روڈ کلکتہ سے ملین گے،

طبیبہ، جناب علی احمد صاحب زاہد جبل پوری کی کتاب "طبیبہ حصۂ اول" پر معارف ماہ اگست ۱۹۲۶ء مین ہم تفصیلی تبصرہ کر چکے ہین، اب اس کتاب کا دوسرا حصہ شائع ہوا ہے، جسکو جناب مؤلف نے موضوع کی مناسبت سے "ہمدرد اطفال" کے نام سے موسوم کیا ہے، اس حصہ مین بچون کی پیدائش، ان کے نہلانے اور دودھ پلانے کے طریقے بیان کرکے ان کی پرورش و پرداخت کے متعلق طبی نقطۂ نظر سے تفصیلی ہدایتین درج کیگئی ہین، پھر بچون کو کسنی مین جو بیماریان بالعموم ہوتی رہتی ہین، انکی علامتین بتاکر کتاب کے حصۂ اول کے طرز پر نسخے اور طریقہ علاج بتائے گئے ہین، ضخامت ۱۰۴ صفحے، لکھائی چھپائی اچھی اور سرورق خوشنما ہے، قیمت عہ رتبہ:- ایس اے احمد اینڈ کمپنی جامع مسجد جبلپور،

مرقع عبرت، یہ رسالہ بھی جناب زاہد جبل پوری کا مرتب کیا ہوا ہے جس مین انھون نے اردو کے دور حاضر کے مختلف شعراء کی بعض ایسی نظمین یکجا کی ہین جنمین دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ کھینچا گیا ہے، حجم ۴۰ صفحے قیمت ؟ یہ رسالہ بھی اسی پتہ پر دستیاب ہوگا،

رسائل جاوید، جناب جاوید نے بچون کے لیے چند تاریخی واقعات کا یہ سٹ شائع کیا ہے، جسمین سے ایک زیر عہ ہے جسمین جہانگیر کے عدل و انصاف کے چند واقعات، دوسرے رسالہ "دہانت" مین جعفر برمکی اور ابو یعقوب نجومی کے بعض قصے، تیسرے رسالہ "پیام رسول" مین بارگاہ نبوت اور دربار ہرقل کی خط و کتابت اور چوتھے رسالہ "سخاوت" مین حاتم طائی کی داستان بیان کی ہے، بچون کی مناسبت سے سلاست، روانی، در طرز ادا کی صفائی موجود ہے، اور امید ہے کہ بچے ان کو دلچسپی سے پڑھین گے، تمام رسائل ۲۴، ۲۴ صفحون پر ختم ہوتے ہین، کاغذ اور لکھائی چھپائی اچھی ہے، ان مین سے ہر ایک کی قیمت ۳ رتبہ:- جہانگیر بک کلب، چابک سواران، لاہور، "ر"

مجلد ۷ نمبر ۲	ماہ صفر المظفر ۱۳۴۶ھ مطابق ماہ اگست سنہ ۱۹۲۷ء	عدد دوم

مضامین

شذرات	سید سلیمان ندوی	۸۲-۸۸
مسلمان عورتوں کے حقوق کا مسئلہ	"	۸۹-۱۰۰
امریکہ کولمبس سے پہلے معلوم تھا،	جناب ڈاکٹر محمد صاحب وفیسر تاریخ اورینٹل کالج لاہور	۱۰۱-۱۱۴
ہندوستان کی معاشی حالت ایسٹ انڈیا کمپنی کا اثر	مولوی ابو الخیر صاحب مودودی کن ڈارٹر جامعہ عثمانیہ	۱۱۵-۱۳۱
معتزلہ کی ایک قدیم تصنیف	مترجمہ شیخ عنایت اللہ صاحب ایم اے	۱۳۲-۱۳۶
آلہ پارچہ بافی کا انگریز موجد	" "	۱۳۷-۱۴۱
عربوں کے شمسی مہینے	"	۱۴۱-۱۴۲
یورپ اور روزہ	"	۱۴۲-۱۴۳
اخبار علمیہ	"	۱۴۴-۱۴۷
نغمۂ شاد	یمین السلطنت مہاراجہ کشن پرشاد شاد	۱۴۸-
"غزال چار چشم"	جناب شیخ نثار حسین صاحب قادری	۱۴۹-۱۵۰
جام صہبائی	جناب اثر صہبائی	۱۵۰
شاہ عزیز صاحب صفی پوری کی فارسی تصنیفات	" ع "	۱۵۱-۱۵۵
عروس ادب	.	۱۵۶-۱۵۷
محشر خیال	.	۱۵۷-۱۵۸
مطبوعات جدیدہ	" "	۱۵۹-۱۶۰

شذرات

ہندوستان کی آزاد قومی درسگاہون مین جامعۂ ملیہ دہلی ایک ایسی درسگاہ ہے جس نے اپنا نصب العین ایسے اشخاص کا پیدا کرنا قرار دیا ہے جو مذہبی واقفیت کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان اور ضروری جدید علوم کی تعلیم سے بہرہ ور ہون اور اپنے دل مین ملک وملت اور قوم ومذہب کا درد رکھتے ہون اور جو ان کی خدمت اپنا مشغلۂ زندگی بنا سکین اور اسی کے ساتھ اپنے ہاتھ سے اپنی روزی کا سامان پیدا کرسکین جامعہ کے قیام کو ابھی صرف سات برس ہوئے ہین یہ مختصر مدت اس فیصلہ کے لیے کافی نہین کہ وہ اپنے نصب العین مین کہانتک کامیاب ہوا ہے (یا بقول اصحاب جامعہ ہوئی ہے)

اس مدت مین اس جامعہ کی طرف سے متعدد طلبہ کامیاب ہوکر عملی میدان مین قدم رکھ چکے ہین اور انھون نے عموماً قومی خدمت کے لیے یا تعلیم وتدریس یا تحریر وانشا اور اخبار نویسی کی زندگی اختیار کی ہے سادگی حسن خلق اپنے وطن اور مذہب کے ساتھ محبت انھون نے اپنا ممتاز شعار قرار دیا ہے ان کی مذہبی پابندی بھی تمام دنیاوی درسگاہون کے طلبہ سے اچھی ہے

اس کی بڑی خوش قسمتی یہ ہے کہ اسکو چند ایسے ایثار کرنے والے لائق مسلمان اساتذہ مل گئے ہین جنھون نے نہایت خوشی سے اس کے لیے اپنی زندگیان وقف کی ہین اور وہ شب وروز اس کی دھن مین مصروف ہین جب تک ان کا یہ ایثار اخلاص اور انہماک باقی ہے اس کی کامیابی غیر مشکوک ہے

جامعہ نے اتنے ہی دنوں میں اپنا ایک اچھا خاصہ مشرقی و مغربی علوم کا کتبخانہ قائم کرلیا ہے اُردو ایکاڈمی کے نام سے ایک علمی مجلس کی بنا ڈالی ہے، علمی و سیاسی و اقتصادی مسائل کے لیے جامعہ نام ماہوار رسالہ اور تعلیم کی اشاعت کے لیے پیام تعلیم پندرہ روزہ صحیفہ جاری کیا ہے ساتھ ہی مفید تصانیف و تراجم کا سلسلہ بھی شروع کر رکھا ہے جسمیں اُس کو روز بروز خاصی کامیابی ہو رہی ہے

یکم اگست سے جامعہ کا نیا تعلیمی سال شروع ہوا ہے اسمیں طلبہ کے داخلہ اور قیام اور تعلیم کے مفصل قواعد مطبوعہ موجود ہیں اور وہ دفتر جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی سے مل سکتے ہیں ایک طالب العلم کے لیے مختلف قسم کی فیسوں کی مجموعی تعداد پندرہ روپیہ کے قریب ہے جو نسبتہً انگریزی کالجوں سے ارزاں ہے اس وقت اس کے ابتدائی، ثانوی اور انتہائی درجوں میں دو سو طلبہ تعلیم پا رہے ہیں اور امسال مزید اضافہ کی توقع ہے

اس سلسلہ میں نامناسب نہوگا اگر اصحاب جامعہ کی خدمت میں چند مخلصانہ گذارشیں پیش کی جائیں ہمیں یہ ڈر ہے کہ اس کی مختصر مذہبی و عربی تعلیم میں "مجتہدیت" کی شان پیدا کرنیکی نہ کوشش کی جائے کہ اگر ایسا ہوا تو جامعہ کے یہ پڑھے جن "مسلم یونیورسٹی کے اُن پڑھ جنوں سے زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں اور اسی طرح یہ بھی خطرہ ہے کہ اُسکی معاشرت و سیاست میں "ہندویت" کا رنگ نمایاں نہو، "فرنچیت" اور "ہندویت" اسلام سے مغایرت میں دونوں یکساں ہیں ان میں فرق صرف بدیشی اور سودیشی کا ہے جامعہ کے افتتاح کے وقت حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے تصب العین کے متعلق جو الفاظ فرمائے تھے ضرورت ہے کہ وہ ہر وقت اُس کے ہر استاد اور طالب العلم کے سامنے رہیں

نیز یہ بھی پیش نظر رہے کہ جامعہ یورپ کے صرف سیاسی استیلا سے آزادی کی تحریک نہیں بلکہ اس سے بدرجہا بڑھ کر اس کے دماغی و ذہنی استیلا سے آزادی کی تحریک ہے اس سے یہ مقصود نہیں کہ ہم یورپ سے اُس کے

نئے علوم اور سائنس کے سبق نہ سیکھیں لیکن اسکے یہ معنی بھی نہیں ہیں کہ ہم اپنے مذہبی حقائق مشرقی علوم اور آئین اصلاح و تجدید کا درس بھی اُسی سے حاصل کریں اور اس کی تصدیقی سند و مہر کو ہم اُن کے لیے صحت کا معیار جانیں یہ پریس کے جامعی طالب العلم کے شائع شدہ خیالات اس ازکی غمازی کر رہے ہیں دیکھیں ہمارا "یوسف" مصر کے کنعان آتا ہے تو اہل وطن کیلئے کیا تحفہ لاتا ہے دعا ہے کہ "برہان بانی" اسکے دامن خیال کو کشمکش کے نتیجہ سے محفوظ رکھے

جامعہ اس وقت قوم کے ارباب نظر کی نگاہوں میں آزمایش اور امتحان کے دور میں ہے ضرورت ہے کہ وہ ہر قدم پھونک پھونک کر رکھے تاکہ دوسرے چالیس برس کے بعد مسلمانوں کو یہ فیصلہ نہ کرنا پڑے کہ ہم پھر غلط راستہ پر چل پڑے ہوے ہیں اور منزل مقصود کی سمت اور ہے

اسی کے ساتھ اس کے متعلق کچھ قوم کے بھی فرائض ہیں اُس کے ماہوار مصارف بڑی کفایت شعاری کے غالباً اب ڈھائی تین ہزار ماہوار ہیں بظاہر اسکی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں جناب حکیم صاحب کی بڑی دوڑ دھوپ اور محنت اور جانفشانی کے بعد بعض ریاستوں سے اس کو کچھ ماہوار امدادیں ملی ہیں کچھ دہلی سے مقامی اعانتوں کا سامان ہوا ہے کچھ لوگ باہر سے کبھی کبھی کچھ بھیجدیتے ہیں کچھ فیس کی قسمیں لگاتی ہیں مگر یہ صورت حال کبتک قائم رہ سکتی ہے اس پراگندہ روزگاری سے پراگندہ دلی کا پیدا ہونا لازم ہے ہماری قوم کو شکایت تھی کہ ہمارے جدید تعلیمیافتہ نوجوان ایثار نہیں کرتے مگر اب ہمارے تعلیمیافتہ نوجوان ایثار کرنیوالوں کو یہ شکایت نہ ہو جائے کہ قوم ہماری واجبی قدردانی نہیں کرتی

اس وقت خواہ دینی ہو یا دنیاوی آزاد قومی درسگاہوں کا قائم رکھنا سخت مشکل ہو رہا ہے ملک کے طول و عرض میں اس وقت جتنے غیر سرکاری عربی مدرسے ہیں ان میں جو چند عمومی حیثیت رکھتے ہیں اُن کی زندگی کا سہارا صرف حیدرآباد اور بھوپال کی ماہوار امدادیں ہیں اور اسکے بعد دہلی بمبئی کلکتہ اور رامپور کے بعض مسلمان تاجروں کی

ہمتین ہین اور اُن کے بعد زکوۃ کی رقمین اور چرم قربانی کی قیمتین ہین ہمارے عربی مدرسون کی آمدنی کے یہ چار ذریعے ہین لیکن آج کل بڑا سخت مشکل پیدا ہوگیا ہے کہ لوگون کی توجہ اُن کی طرف سے ہٹتی جاتی ہے،

ایک مرکزی دینی عربی درسگاہ **دار العلوم** ندوۃ العلما لکھنؤ کے اہتمام و انتظام کا بار ہمارے سپرد بھی ہے، خدا جانتا ہے کہ اُس کے مصارف و ضروریات کے پورا کرنے کی فکر کس طرح شب و روز اس کے کارکنون پر مسلط رہتی ہے مگر کامیابی کا کوئی ذریعہ نہین سوجھتا، اُس کی عظیم الشان درسگاہ سالہا سال سے نامکمل پڑی ہے جون تون کرکے ۴ ہزار لگاکر اس کے دارالاقامہ کا سلسلہ شروع کیا گیا پچاس طلبہ کیلئے الکرے گو کسی طرح تیار ہوگئے مگر بیچ کا دار المطالعہ ہنوز ناتمام اور اسپر بھی ایک ہندو ٹھیکہ دار کے سات ہزار کے ہم مقروض اور صرف اُس کے رحم و کرم کے تقاضے پر آج ایک سال سے جی رہے ہین، پچھلے سال کانپور کے جلاس مین جن جن صاحبون نے جو کچھ لکھایا وہ بار بار کے تقاضون کے بعد بھی ہنوز ایفاء عہد کا منتظر...

یون ہون مین شکوہ سنج بڑا راگ سے جیسے باجا ۔۔۔ اک ذرا چھیڑیے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے

قوم کے حساس دل اصحاب کو متنبہ رہنا چاہیے کہ اگر ہمارا یہی تغافل قائم رہا تو یہ عربی درسگاہین ایک ایک کرکے حکومت کے تعلقات مین گرفتار ہوتی چلی جائینگی بہت سی چلی گئی ہین اور کچھ جانے کو تیار ہین کہ اُن کے کان کوان کا وجود بہرحال عزیز ہے ایسی حالت مین قوم کے خدمتگذار اور دین و مذہب اور اسکے علوم کے خدام کا وجود بھی مفقود ہوجائیگا، صرف تمام ملک مین "مولوی" کے بجائے "ہیڈ مولوی" ہی "ہیڈ مولوی" نظر آئینگے اس دردناک منظر کا تخیل آپ کے سامنے ہے؟ اور اگر ہے تو اُس کے لیے کچھ کرنا چاہیے ہین؟

انگریزی استیلا کے بعد جہان انگریز سپاہیون نے ہندوستان کا ملک فتح کیا، وہان انگریز عالمون نے یہان کے دماغون کو فتح کرنے کی کوشش کی، انگریزی اسکولون اور کالجون کے جال سے اگر کوئی شکار محفوظ تھا تو وہ بیچارے

عربی فارسی وغیرہ مشرقی علوم پڑھنے والے ہندوستان کے دو کثیر التعداد مسلمان صوبوں میں سب سے پہلے ان کے لیے پھندے بچھائے گئے یعنی پنجاب اور بنگال میں حکومت انگریزی نے مشرقی علوم کی سرپرستی کے لیے اپنا دست شفقت پھیلایا، بنگال میں تو مدرسۂ عالیہ کا جال ایسا پھیلا کہ آج تک بنگال مرغ تہ دام ہے، پنجاب میں لائٹنر صاحب کی مہربانی سے اورنٹیل کالج قائم ہوکر مولوی عالم اور مولوی فاضل کی سندیں بٹنے لگیں، اور اُن کو یہ کامیابی نصیب ہوئی کہ آج تک پنجاب کے بڑے بڑے علما "مولوی فاضل" کا خطاب فخراً اپنے نام کے ساتھ بالالتزام لکھتے ہیں،

یہ مشرقی علوم کی ایسی درسگاہیں قائم ہوئیں جن کا سارا نظم و نسق اور تانا بانا انگریزوں کے ہاتھوں یا انگریزوں کے برابر مشرقی واقفیت کی علمی سند رکھنے والوں کے ہاتھوں میں رہا اور جہاں تک ممکن ہوا دینیات کی کتابوں سے اُن کو خالی رکھا اور اس طرح نظری اور عملی دونوں حیثیتوں سے وہاں کے طلبہ کو اسلامیت سے پاک کرکے خالص عربی علوم سکھلائے گئے، نتیجہ یہ ہوا کہ پنجاب میں عربی جاننے والے تو بہت ہوگئے، مگر علما کم ہوگئے، پنجاب میں مذہب میں جدت پسندی کی جو بدعتیں چالیس برس کے عرصہ میں جاری ہوئی ہیں ہم تو ان سب کی اصل اور جڑ اسی غیر مذہبی عربی تعلیم کو قرار دیتے ہیں،

پھر اس کے ساتھ مزید ترغیب و تحریص کی تشکلیں پیدا کی گئیں، یونیورسٹی کی سندوں سے ممتاز کئے گئے، اسکولوں اور کالجوں میں اُن کی مدرسی کا حق مرجح تسلیم کیا گیا، جسٹریاری اور وکالت وغیرہ کا ان کو حق ملا، یونیورسٹی کے انگریزی امتحانوں میں صرف انگریزی ادب میں امتحان پاس کرلینے پر دوسرے عام انگریزی طلبہ کے برابر اُن کو بی اے اور ایم اے کی ڈگریاں دی جانے لگیں، اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ پنجاب اور بنگال میں کوئی بڑی آزاد عربی درسگاہ باقی نہ رہی، اور نہ استحقاقات کے مقابلہ میں وہ قائم رہ سکتی تھی، پنجاب کی اس عظیم الشان اسلامی آبادی میں جہاں تقریباً ہر ضلع میں ایک انگریزی اسلامی اسکول موجود ہے پورے صوبہ میں بھی کوئی عربی کی بڑی قابل فکر درسگاہ موجود نہیں اور بنگال میں جو عربی مدرسہ یا مکتب ہے وہ مدرسۂ عالیہ کے پنجۂ نظام میں گرفتار ہے،

اب تک بہار اور صوبہ متحدہ جہان عربی کے بڑے بڑے مدرسے ہین اس حال سے محفوظ تھے، ان دونون صوبون مین ان مدرسون کو سرکاری قابو مین لانے کے لیے ایک ساتھ کام شروع ہوا، بہار مین مدرسہ شمس الہدیٰ (پٹنہ) ایک ذاتی حیثیت سے شروع ہوکر رفتہ رفتہ مدرسۂ عالیہ کے نظام مین پھنسکر وہ خود اس صوبہ کا ایک مستقل مرکزی نظام تعلیم ہوگیا، اور اسی کے پرواز پر اب اس کے تمام کل پرزے حرکت مین ہین، صوبہ کے اکثر مدارس مین اس کا نصاب چل رہا ہے اور اس صلہ مین مالی امداد اور امتحانات سے وہ نوازے جا رہے ہین جس عجلت سے اسکو ترقی ہو رہی ہے اتنی ہی سرعت سے آزاد مدارس کی کمزوری اور فنا کے دن قریب آرہے ہین، عنقریب اس علم و فن کی سرزمین مین بھی پنجاب اور بنگال کا موسم نمودار ہونیوالا ہے، چنانچہ یہان بھی گو پہلے الہ آباد یونیورسٹی نے امتحانات کے دانے پھینکے اور شرقی امتحانات کا جال بچھایا مگر اس صوبہ کے اہل علم نے یہ ثابت کردیا کہ ع بدام و دانہ نہ گیرند مرغ دانا را،

آخر کار مزید اہتمام کی ضرورت پیش آئی، گورنمنٹ نے دارالعلوم ندوہ کی مالی اعانت سے عربی مدرسون کی مالی امداد کی نئی روش کا آغاز کیا، اس کے بعد ان مدارس کی دیکھ بھال کے لیے ایک عربی دان گریجوایٹ فاضل کا انتخاب ہوا، اور اس عہدہ پر بالفعل ہمارے عزیز دوست مولوی ضیاء الحسن صاحب بی اے بی ٹی ایم اے ممتاز ہین، انھون نے نہایت محنت سے ان مدارس کی تنظیم کی ہے، ان کے لیے ایک نیا نصاب تجویز ہوا ہے اور اس نئے نظام کے تحت مین بہت سے عربی مدارس آگئے ہین اور انھون نے نہایت خوشی سے اس کو قبول کرلیا ہے، چنانچہ اب ان کے امتحانات ملا فاضل و مولوی فاضل کے کامیاب علماء کو "ہیڈ مولوی" بننے کا استحقاق حاصل ہوگیا ہے،

سب سے آخر مین ہمارے صوبہ کی سب سے نوعمر لکھنؤ یونیورسٹی نے اس سمین قدم رکھا، اس نے چند سال سے فاضل ادب و فاضل حدیث وغیرہ کے نام سے امتحانات کھولے ہین، طلبہ اور دوسرے عربی مدارس سے پڑھکر ان امتحانات مین شریک ہو رہے ہین، جون کے اواخر مین یونیورسٹی نے مزید ترغیب پیش کی ہے کہ اپنے یہان کے شرقی امتحانات کے کامیاب طلبہ کو

اپنے کالج مین پنجاب کی طرح صرف انگریزی امتحان دیکر بی اے اور ایم اے کی ڈگری حاصل کرنے کی اجازت دی ہے یہ بجلی کسی اور مدرسہ کے خرمن پر گرے یا نہ گرے مگر ہمارے مدرسہ کے خرمن پر تو گر رہی ہے کہ یہ آگ ہمارے خرمن کے دامن ہی مین لگی ہے، (لکھنؤ یونیورسٹی اور دارالعلوم ندوہ دونون ہمسایہ واقع ہین) طلبہ نہایت آسانی کے ساتھ ان امتحانات مین شریک ہوکر استحقاقات ملازمت حاصل کر رہے ہین اور یہ شعبدہ بازی عین اسوقت کی جا رہی ہے جبکہ پنجاب یونیورسٹی کے مشرقی امتحانات کی بلند بانگی کا طلسم ہماری آنکھون کے سامنے ٹوٹ رہا ہے اور یہ امتحانات سال بسال سلب ہو رہے ہین چنانچہ صرف انگریزی ادب کا امتحان دیکر بی اے اور ایم اے کی ڈگری حاصل کرنیکی رعایت بھی غائب ہو چکی ہے اور تاہم وہی کھیل جو پنجاب مین کھیلا گیا ہمارے صوبہ مین کھیلا جا رہا ہے اور ہم نہایت خوشی کے ساتھ خود اس کھیل مین شریک ہین،

اس صوبہ کے عربی مدرسے سمجھ لیجیے کہ تمام ہندوستان مین مذہبی علوم و فنون اور دینی اخلاق و تربیت کا بار اٹھائے ہوے ہین اور یہین سے علماء مدرسین واعظین خطباء مناظرین اور قوم و مذہب کے خدمتگذار نکل نکل کر پھیل رہے ہین اور درحقیقت وہی اس پورے ملک کی مسلمان قومیت کے اصلی کارکن اور رہنما ہین اگر پنجاب بنگال بہار کی طرح اس صوبہ مین بھی قومی عربی مدارس کی تخریب کی یہ تدبیر آپکی غفلت توجہی اور عدم امداد سے کارگر ہو گئی تو پھر ہندوستان مین اسلامی و شرعی علوم کا اللہ مالک ہے،

مقالات

کیا ولی کی اجازت کے بغیر کوئی عورت نکاح نہیں کر سکتی؟

(۴)

ہم اس مسئلہ کی اہمیت کو تسلیم کرنے کے بعد بھی اسپر قلم اُٹھاتے ہوئے اس لیے جھجکتے تھے، کہ یہ یقیناً بحثین لوگون کو بے مزہ معلوم ہون گی مگر وقت کی نزاکت اور حالات کے تقاضے نے قلم اٹھانے پر مجبور کر دیا تاہم اب یہ دیکھکر خوشی ہوئی کہ عوام اور خواص دونون طبقون مین ان مباحث کو دلچسپی سے پڑھا جا رہا ہے کہ مسلمانون کی بہت سے معاشرتی و اجتماعی حالات کا درست ہونا ان مباحث کے سلجھانے پر موقوف ہے نیز مسلمان عورتین جو اپنے حقوق سے روز بروز واقف ہوتی جاتی ہین ضرورت ہے کہ تحقیق کے ساتھ اُن کو ان کے جائز حقوق بتا دیے جائین اور وہ سیلاب بلا جو مغرب اور مشرق سے مسلمان عورتون کے حدودِ حرم مین داخل ہو رہا ہے اسکے انسداد کی صورت پیدا ہو

اس سے پہلے مضمون کے تین نمبر گذر چکے ہین اب یہ چوتھا نمبر ہے

اس بحث کے قطعی فیصلہ کے لیے صرف ایک مسئلہ کا ذکر باقی ہے اور وہ یہ کہ عاقل و بالغ لڑکی کے نکاح مین ولی کی اجازت کی ضرورت ہے یا نہین؟ امام شافعی اس کے قائل ہین کہ کسی عورت کا کوئی نکاح خواہ وہ کنواری ہو، بیوہ ہو، مطلقہ ہو، بالغہ یا نابالغہ کوئی ہو بغیر ولی کی اجازت کے جائز نہین اور یہ اجازت نکاح سے پہلے یا نکاح کے وقت ہونی چاہیئے، اور اگر ولی نے بعد کو اجازت دی تو دوسرا نکاح بعد کو از سر نو پڑھوانا ہوگا، کیونکہ پہلا نکاح باطل و بیکار تھا، غرض امام شافعی کے نزدیک کنواری لڑکی کیلیئے

صرف باپ کی رضامندی کافی ہے، لڑکی کی رضامندی ضروری نہیں اور اگر لڑکی ثیبہ (یعنی بیوہ یا مطلقہ) ہے تو لڑکی کی رضامندی کے ساتھ ولی جائز کی رضامندی بھی شرط ہے، تاہم ولی کا فرض یہ ہے کہ لڑکی جس سے نکاح کرنا چاہے اُس سے زبردستی نہ روکے، اگر وہ روکے گا تو لڑکی کو حق ہے کہ وہ عدالت میں دعوی کرکے اس سے بزور اجازت حاصل کرلے[1]

امام مالک کی رائے یہ ہے کہ نیچے طبقہ اور ادنی خاندان کی اگر لڑکی ہے تو ولی کی اجازت بغیر وہ نکاح کرسکتی ہے لیکن اعلیٰ اور شریف خاندان کی لڑکی کے لیے ولی کی اجازت ضروری ہے کہ یہ لازمۂ شرافت ہے،

امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ ولی کی اجازت اور رضامندی کی شرط صرف کمسن اور نابالغ لڑکی کیلیے ہے عاقل بالغ لڑکی خواہ وہ کنواری ہو، یا ثیبہ اعلیٰ ہو یا ادنی اس کے نکاح کے جائز اور صحیح ہونے کے لیے ولی کی اجازت اور رضامندی قانوناً ضروری نہیں ہے، البتہ اخلاقاً ایک سعادتمند لڑکی کا فرض یہ ہے کہ اپنے ولی کی اجازت اور رضامندی اس باب میں ضرور حاصل کرلے، اگر لڑکی نے ایسا نہ کیا، اور ولی کی رضامندی اور اجازت کی پروا نہ کی اور نکاح کرلیا تو ولی کو اعتراض کا کوئی حق حاصل نہیں ہے، الا یہ کہ لڑکی نے اپنے سے فروتر اور عیب دار خاندان میں شادی کرلی یا خاندانی دین مہر سے کم دین پر شادی کرلی، تو چونکہ لڑکی کے اس فعل کا اثر خاندان کی عزت اور وقعت پر پڑتا ہے اس لیے ایسی لڑکی کے خلاف ولی کو عدالت میں چارہ جوئی کا حق حاصل ہے اور ولی کی درخواست پر قاضی کے فیصلہ سے ایسا نکاح فسخ کرایا جاسکتا ہے،

جہانتک ثیبہ لڑکی کا تعلق ہے ان دونوں اماموں کی رائے کے مطابق عملاً اس کی آزادی اور حقوق پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اگر پڑتا ہے تو صرف اس قدر کہ امام ابوحنیفہ لڑکی کی رائے اور مرضی کے مقابلہ میں ولی کو کسی قسم کا حق مداخلت نہیں دیتے،

---

[1] کتاب الام امام شافعی جلد ۵ صفحہ ۱۴۹،

امام شافعی کے نزدیک یہ ہے کہ ایسی صورت مین لڑکی سلطنت یعنی قاضی کے یہان مرافعہ کرکے اپنی مرضی کے مطابق اجازت حاصل کریگی اور اسوقت ولی کی رائے اور مرضی کا کوئی اعتبار نہ کیا جائیگا البتہ کنواری لڑکی کے حق مین ان دونون مجتہدین کے درمیان سخت تخالف ہے، امام اعظم کنواری لڑکیونکی مرضی کے مقابلہ مین بھی ولی کی مرضی اور اجازت کو قانوناً کوئی ضروری چیز نہین سمجھتے اور امام شافعی ضروری سمجھتے ہین، اور ولی کی اجازت کے بغیر کسی کنواری لڑکی کا نکاح نادرست کہتے ہین، ولی نہو تو خاندان کا بڑا یا قاضیِ وقت اس کا ولی قرار دیا جائیگا،

امام مالک کا مسلک گو معتدل ہو تاہم عملاً وہ گویا امام ابوحنیفہ ہی کے مسلک کے قریب ہے کہ ادنیٰ اور اعلےٰ طبقہ کا فرق کرکے ادنیٰ درجہ کی لڑکی کے حق مین ولی کی مرضی کے بغیر نکاح کو درست کہنا اور اعلےٰ طبقہ کی لڑکی کے لیے اس کو نامناسب سمجھنا، ولی کی اجازت کے مسئلہ کو قانونی حیثیت سے گرا کر محض اخلاقی حیثیت قرار دیتا ہے، نیز ادنیٰ اور اعلیٰ کا فرق کرنا اور اس کا معیار مقرر کرنا عملاً نہایت مشتبہ ہے[1]،

امام شافعی نے اپنے مسلک پر قرآن، حدیث اور قیاس سے استدلال کیا ہے، قرآن پاک سے اُن کا استدلال یہ ہے، کہ قرآن پاک مین ہے،

فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ — تو عورتون کو اپنے شوہرون سے نکاح سے نہ روکو،

امام شافعی کہتے ہین کہ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ معقل بن یسار ایک صحابی کی بہن کو اُن کے شوہر نے طلاق رجعی دی تھی، مگر عدت کے اثنار مین شوہر دوبارہ اُن کو اپنی زوجیت مین لانا چاہتا تھا، وہ بی بی بھی یہی چاہتی تھین مگر اُن کے بھائی معقل بن یسار اپنے بہنوئی کے اس فعل سے ناراض ہوکر دوبارہ نکاح کی اجازت نہین دیتے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، کہ اولیاء کو عورت کی مرضی کے خلاف نہ کرنا چاہیے، امام شافعی کہتے ہین کہ اگر ولی کو رد کرنے کا حق نہوتا، تو معقل کیون روکتے اور کیونکر روک سکتے تھے،

[1] بغدادی مالکیون نے امام مالک کی رائے امام شافعی کے موافق بھی نقل کی ہے، واللہ اعلم،

اور اس آیت کے اُترنے ہی کی کیا ضرورت تھی؟ اُس سے معلوم ہوا کہ ولی کو روکنے کا حق حاصل ہے لیکن حتی الامکان عورت کی مرضی کے خلاف اُسکو نہ کرنا چاہیئے،

امام شافعی کے اس استدلال پر جسکو خود اُنھون نے کتاب الام مین لکھا ہے، نہ صرف احناف بلکہ مالکیون نے بھی سخت اعتراض کیے ہین اور ثابت کیا ہے کہ اس آیت پاک سے تو اُلٹا یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت کی مرضی کے خلاف مرد کو روکنے کا حق حاصل نہین ہے، قاضی ابوالولید بن رشد مالکی نے اپنی کتاب بدایۃ المجتہد مین نہایت خوبی سے اسکو ثابت کیا اور امام ابن الہمام نے بھی یہی لکھا ہے،

اس استدلال کا آسان جواب یہ ہے کہ جاہلیت مین مردون کو عورتون پر جو جابرانہ حقوق حاصل تھے، ان مین سے ایک یہ بھی تھا کہ ولی جس سے چاہتے تھے، نکاح کردیتے تھے اور جس سے چاہتے تھے نہین کرنے دیتے تھے، حضرت معقل بن یسارؓ اسی رواج وعمل کے مطابق کسی شرعی حق سے نہین بلکہ زبردستی اور زور سے بہن کو یہ نکاح نہین کرنے دیتے تھے، قرآن پاک نے اس آیت سے اس رسم ورواج کو توڑکر عورتون کو اُن کا مغصوبہ حق واپس دلایا، اس لیے اس آیت پاک سے امام شافعی کا اپنے مسلک پر استدلال میرے نزدیک صحیح نہین،

اس کے بعد اُنھون نے اپنی تائید مین دو حدیثین نقل کی ہین، بیہقی اور دارقطنی نے سنن مین اور متعدد حدیثین ان کی تائید مین اضافہ کی ہین، مگر حق یہ ہے کہ امام شافعی کی پیش کردہ دو حدیثون کے علاوہ اور سب کی سب تمام تر ضعیف، کمزور اور مجروح ہین، امام شافعی نے جو دو حدیثین پیش کی ہین، ان مین ایک

حضرت عائشہؓ سے اور دوسری حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے، پہلی حدیث یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کہتی ہین کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا،

ایما امرءۃ نکحت بغیر اذن ولیھا فنکاحھا باطل وثلثا، فان دخل بھا فلھا

جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو اسکا نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے،

المهر بما استحل من فرجها فان اشتجروا	اگر شوہر نے خلوت کرلی ہو تو اسکو مہر ادا کرنا ہوگا اور اگر عورتیں اور
فالسلطان ولی من لا ولی له	اسکے ولی مین جھگڑا ہو تو حکومت اسکی ولی ہے جس کا ولی کوئی نہو

یہ حدیث ترمذی، ابوداؤد، دارقطنی اور ابن ماجہ مین ہے، دوسری حدیث یہ ہے کہ حضرت ابوموسیٰؓ کہتے ہین کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا،

لا نکاح الا بولی	کسی ولی کے بغیر کوئی نکاح نہین ہے،

یہ حدیث ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارقطنی اور مسند احمد مین ہے، ان دونون حدیثون کے متعلق پہلی بات یہ ہے کہ آج سے نہین بلکہ پہلی ہی صدی ہجری سے یہ بحث چلی آتی ہے کہ یہ صحیح ہین یا نہین، چنانچہ یہ عجیب بات ہے کہ ایسے ضروری مسئلہ کے متعلق نہ یہ اور کوئی صاف اور غیر مشتبہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم مین موجود ہے، اور غالباً جو اعتراضات ان دونون حدیثون کی صحت پر کیے جاتے ہین انھین کی بنا پر امام بخاری اور امام مسلم نے صحیحین مین ان کو قبول نہ کیا، اور امام مالک نے بھی موطا مین اس کے متعلق کوئی مرفوع حدیث نقل نہین کی، حالانکہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کی ضرورت ہر خاندان مین عموماً پیش آتی رہتی ہوگی،

بہرحال ان دونون حدیثون کا بھی یہ حال ہے کہ ان مین سے ایک بھی شکوک و شبہات اور اعتراضات سے خالی نہین ہے، امام حاکم نے مستدرک مین مختلف طریقون سے ان حدیثون کے صحیح ثابت کرنے کی بے انتہا کوشش کی ہے، امام ترمذی نے بھی ان اعتراضات کو صفائی کے ساتھ لکھا ہے، اور مختصراً جواب دیا ہے، امام طحاوی عینی اور ابن ہمام نے ان جوابات پر مفصل تنقید کی ہے،

حضرت عائشہ کی حدیث حضرت عائشہ صدیقہؓ والی حدیث کا سلسلہ یہ ہے کہ ان سے عروہ، عروہ سے زہری، زہری سے سلیمان بن موسیٰ اور سلیمان سے ابن جریج اور ان سے اور لوگ روایت کرتے ہین، غرض اس کے مرکزی راوی تنہا زہری ہین، زہری کے علاوہ اور کسی نے اس کو عروہ سے نقل نہین کیا ہے، ابن جریج نے

پہلے یہ روایت خود زہری سے نہیں سُنی تھی، بلکہ اُنکے شاگرد سلیمان سے سُنی تھی، ابن سید کہتے ہیں کہ اسکے بعد مجھے خود زہری سے ملنے کا اتفاق ہوا تو میں نے اُن سے یہ حدیث دریافت کی تو اُنھوں نے کہا میں نے اس قسم کی کوئی روایت بیان نہیں کی ہے، اسکے بعد اس روایت کی کیا حقیقت رہجاتی ہے

سلیمان بن موسی (اموی) جو اس حدیث کا زہری سے سننا بیان کرتے ہیں، وہ بہت بڑے فقیہہ ہیں اور محدثین کے ہاں بھی وہ ثقہ مانے جاتے ہیں، مگر ساتھ ہی وہ مدلس اور روایتوں میں بے پروا تھے، اسی لیے ان کے ہاں کمزور بلکہ منکر روایتیں بھی ملتی ہیں، اور ایسی روایتیں بھی ملتی ہیں جن کی تصدیق اُن کے ہم درس رفقاء نہیں کرتے، امام بخاری کہتے ہیں "عندہ مناکیر" یعنی ان کی حدیثوں میں منکر روایتیں بھی ہیں، ابو حاتم کا قول ہے کہ انکی جگہ سچائی کی ہے، ان کی حدیث میں کچھ اضطراب ہوتا ہے، اور مکحول کے شاگردوں میں ان سے بڑھ کر اور کوئی مجھے نہیں معلوم" امام نسائی کی ان کی نسبت یہ رائے ہے کہ "وہ فقہاء میں سے ایک ہیں، لیکن حدیث میں قوی نہیں" ایک اور جگہ وہ کہتے ہیں کہ "ان کی حدیث میں کچھ ہے" ابن عدی نے کہا ہے کہ "وہ فقیہہ راوی ہیں، ثقات نے اُن سے روایتیں کی ہیں، شام کے علمائے میں سے ایک ہیں، اور اُنھوں نے چند ایسی حدیثیں روایت کی ہیں جن میں وہ تنہا ہیں، اُن کے سوا کسی اور نے نہیں روایت کی ہیں اور وہ میرے نزدیک ثابت اور سچے ہیں" ابن المدینی کا بیان ہے کہ مرنے سے پہلے ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا

ان بیانات کے بعد اس خاص روایت پر غور کیجیے کہ وہ امام زہری سے اس کا سننا بیان کرتے ہیں اور اُن سے انکار کرتے ہیں اور اُن کا مسلک بھی اس کے خلاف ہے، حضرت عائشہؓ کی طرف یہ روایت منسوب کی جاتی ہے، حالانکہ اس کے خلاف ان کا عمل صحیح مستند ذریعہ سے ثابت ہے، اس روایت میں دو باتیں ایسی ہیں، جن کی تصدیق کسی اور روایت سے نہیں ہوتی، ایک کہ ولی کی شرکت کی نہیں بلکہ ولی کی اجازت اور اذن کی قید اور دوسرے سختی کہ اگر کسی عورت نے ولی کی اجازت اور اذن کے بغیر نکاح کر لیا تو وہ بکلی باطل ہے باطل ہے" حالانکہ اس سے زیادہ مستند اور صحیح حدیثوں کے رو سے کم از کم شبہہ کیلئے اس اجازت اور اذن کا غیر ضروری ہونا غیر شتبہ طریقہ سے ثابت ہے، جیسا کہ اس مضمون کے گذشتہ نمبروں میں بتفصیل گذر چکا ہے،

اس حدیث کے بعض طرفداروں نے وجوابات دیے ہیں، ایک یہ کہ ممکن ہے کہ امام زہری کو اپنی یہ روایت سلیمان بن موسی سے بیان کرنے کے بعد یاد نہ رہی ہو، اس قسم کا واقعہ اور بزرگوں کو بھی پیش آیا ہے، دوسرے یہ کہ ابن جریج سے زہری کے اس انکار کے راوی ابن علیہ (اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم) ہیں، ان ابن علیہ کی نسبت یہ کہا ہے کہ وہ حدیث کے ماہرین میں نہ تھے، پہلا جواب اس وقت تک قابلِ قبول نہیں ہوسکتا جب تک امام زہری کے اس سو، حافظہ کی نسبت معتبر لوگوں کی شہادتیں نہ ملیں اور ایسی کوئی شہادت قطعاً موجود نہیں ہے، اور اگر بالفرض ایسی شہادتیں مل جائیں تو معاذ اللہ پھر امام زہری کا بھی اعتبار جاتا رہے، حالانکہ علم حدیث کی عمارت کے سب سے بڑے رکن ہیں، ان کے گرنے سے یہ ساری عمارت ہی متزلزل ہوجائے گی، اس موقع پر دوسرے بزرگوں کی اس قسم کی نظیریں پیش کرنا بیکار ہے کہ زید کے سو، حافظہ کے ثبوت سے بکر کا سو، حافظہ ثابت نہیں ہوسکتا،

دوسرا جواب پہلے سے بھی زیادہ لغو ہے، ابن علیہ ان محدثین میں ہیں جو رد و قدح اور اعتراض و جرح سے بالاتر ہیں، ان کی جلالتِ شان اور مہارتِ فن پر تمام محدثین کا بلا استثنا اتفاق عام ہے، ان کی یہ شان ہے کہ تمام عمر میں صرف ایک دفعہ ایک نام کی تبدیلی کے سوا اور کوئی غلطی اُن سے نہیں ہوئی، چنانچہ ارباب نقد کی ان کی نسبت رائیں سنیئے، شعبہ کہتے ہیں "وہ فقہا کے پھول ہیں، محدثین کے سردار ہیں" ابن مہدی کہتے ہیں "ابن علیہ ہشیم سے بڑھ کر ہیں" قطان کی رائے ہے کہ "وہ وہیب سے بڑھ کر ہیں" حماد بن سلمہ اُن کے سوا کسی اور کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، امام احمد فرماتے ہیں "بصرہ میں علم حدیث کے وہ مرکز و منتہی ہیں" یحیی بن معین کہتے ہیں "ثقہ ہیں، مامون ہیں، مسلم الثبوت راستگو ہیں، پرہیزگار اور متقی ہیں" امام باقر (غندر) کہتے ہیں "میری طلب علم کے زمانہ میں اُن سے بڑھ کر کوئی نہیں سمجھا جاتا تھا" قتیبہ کی روایت ہے کہ "محدثین صرف چار حافظِ حدیث تسلیم کرتے تھے، جن میں ایک وہ تھے، ایک دفعہ کوفہ اور بصرہ کے محدثین ایک جگہ جمع تھے، اور دونوں شہروں کی علمی فضیلت کا مناظرہ درپیش تھا، اسوقت کوفہ

کے محدثین نے کہا کہ "تم اپنے مین سے ابن علیہ کو مستثنیٰ کرکے جسکو چاہو ہمارے مقابلہ مین پیش کرو"
زیاد بن ایوب کہتے ہین کہ ہم نے ابن علیہ کے سامنے کتاب نہین دیکھی اور وہ ایک ایک حرف کو گن گن کر بولتے تھے ابو داؤد کہتے ہین کہ "محدثین مین کوئی ایسا نہین ہے جس سے بلا قصد کوئی غلطی نہ ہوگئی ہوگی لیکن وہ شخص اس سے مستثنیٰ ہین ابن علیہ اور بشر بن مفضل" امام نسائی کا قول ہے کہ وہ ثقہ اور ثبت ہین ابن سعد کی شہادت ہے کہ وہ ثقہ حدیث مین مستند (ثبت) اور حجت ہین علی بن المدینی فرماتے ہین کہ مین نہین کہہ سکتا کہ حدیث مین ان سے بھی زیادہ کوئی مستند (اثبت) پایا جاتا ہے عثمان بن ابی شیبہ کہتے ہین کہ اہل بصرہ مین کسی کو مین ان پر فضیلت نہین دیتا سکتا ان سب باتون پر مستزاد یہ ہے کہ ان کے خلاف کوئی ایک جرح بھی منقول نہین کیا ایسے شخص کی نسبت کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ اس نے حدیث مین پوری محنت نہین کی تھی کما روی الترمذی ولما لم عن احمد وقد قد ما قال فیہ احمد

اس پوری تفصیل کے بعد اب غور کیجیے کہ زہری سے سلیمان بن موسی جن کا حال آپ سن چکے یہ روایت کرتے ہین کہ مین نے یہ سنا اور ان سے سنکر ابن جریج سے یہ روایت بیان کی ابن علیہ جن کی جلالت و عظمت کا حال بھی آپ کی نظر سے گذر چکا وہ یہ کہتے ہین کہ ابن جریج نے زہری سے ملکر جب اس روایت کی تصدیق چاہی تو انھون نے کہا کہ مین نے یہ نہین بیان کیا اب اعتبار اور استناد کا پایہ کدھر جھکتا ہے اور کس کی تصدیق و توثیق اس باب مین مقدم ہے آپ خود فیصلہ کر لیجیے

اس تمام تفصیل کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ حدیث کہ جس کے رو سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ ولی کے اذن و اجازت کے بغیر کوئی نکاح جائز نہین پایہ اعتبار سے ساقط ہے

اب رہی دوسری حدیث

حضرت ابو موسیٰ کی حدیث یہ حدیث حضرت ابو موسیٰؓ سے مختلف طریقون سے روایت کی جاتی ہے کسی مین کوئی

---

۱ تہذیب التہذیب

نام بڑھا دیا جاتا ہے کسی مین کوئی نام گھٹا دیا جاتا ہے،

حضرت ابو موسیٰ سے اس کے تنہا راوی ابو بردہ ہین، اور اُن سے تنہا راوی ابو اسحاق ہین، ابو اسحاق سے پھر اُن کے متعدد تلامذہ روایت کرتے ہین، اب اس روایت کے اختلاف طرق کو دیکھیے،

۱- اسرائیل، شریک اور ابو عوانہ وغیرہ نے اس طریق سے روایت کی ہے، عن ابی اسحاق عن ابی بردۃ، عن ابی موسیٰ، عن النبی صلعم،

۲- اسباط بن محمد و زید بن حباب اس طرح نقل کرتے ہین، عن یونس بن ابی اسحاق عن ابی بردۃ عن ابی موسیٰ عن النبی صلعم یونس بن ابی اسحاق کا اضافہ ہے،

۳- ابو عبید الحداد کی روایت، عن یونس بن ابی اسحاق عن ابی بردۃ عن ابی بردۃ عن ابی موسیٰ، عن النبی صلعم، ابو اسحاق کو حذف کر دیا،

۴- بروایت بعض، عن یونس بن ابی اسحاق عن ابی بردۃ عن النبی صلعم، شروع سے ابو اسحاق اور آخر سے ابو موسیٰ کا نام نکل گیا،

۵ شعبہ و ثوری کا طریقہ یہ ہے عن ابی اسحاق عن ابی بردۃ عن النبی صلعم، آخر مین حضرت ابو موسیٰؓ کا نام نہین،

ابو اسحاق اور ابن ابی اسحاق کے ابتدائی اختلاف سے قطع نظر کرکے اصل خرابی اسمین یہ ہے کہ ابو اسحاق سے اکثر اصحاب اس کو موصول روایت کرتے ہین یعنی ابو اسحاق سے آنحضرت صلعم تک مسلسل اسحاق ابو بردہ سے اور ابو بردہ ابو موسیٰ سے اور ابو موسیٰ آنحضرت صلعم سے، مگر بعض لوگ جن مین سب سے اہم شخصیتین شعبہ اور امام ثوری کی ہین، انھون نے اسکو مرسل روایت کیا ہے، یعنی اس طرح کہ وہ ابو اسحاق سے اور ابو اسحاق

لہ جامع ترمذی کا جو نسخہ ۱۲۶۵ھ مین مطبع العلوم دہلی مین مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری کے زیر تصحیح چھپا ہے، وہ اس موقع پر غلط ہے، اسمین صرف حضرت شعبہ اور ثوری کی روایت کی سند عن ابی اسحاق عن ابی موسیٰ عن النبی صلعم لکھی ہے، اور دوسری سند بھی غلط ہے اس مین عن ابی اسحاق بڑھا دیا ہے دیکھو مطبع مجتبائی دہلی اور فتح الباری ۹ - ۵۷ و مستدرک ۲ - ۱۷،

ابوبردہ سے اور ابوبردہ اسکو آنحضرت صلعم کی طرف منسوب کرتے ہین، یہ طریقہ مرسل ہی کیونکہ ابوبردہ تابعی ہین آنحضرت صلعم کو نہین پایا تھا، اب اگر یہ موصول صحیح ہو جیسا کہ اور لوگ کہتے ہین تو یہ حدیث سند کے قابل ہی اور اگر یہ مرسل ہے جیسا کہ شعبہ اور ثوری نے نقل کیا ہے تو یہ حجت نہین ہو سکتی اگر ابو اسحاق سے روایت کرنیوالون کی کثیر تعداد اس کو موصول کرکے نقل کرتی ہے مگر مشکل یہ ہے کہ وثوق حفظ، شہرت اور فضل و کمال کے لحاظ سے ان مین شعبہ اور ثوری کا کوئی ہمسر نہین، اس بنا پر شعبہ اور ثوری جب اس روایت کو مرسل اور غیر مرفوع کہتے ہین تو عام افراد کو اُن کے خلاف ترجیح دیکر اس کو موصول قرار دینے مین بہت سے لوگون کو تامل ہے،

اس روایت کے طرفدارون نے دو کوششین کی ہین، اول یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ گو عام طور سے شعبہ اور ثوری سب سے بہتر ہین، مگر خاص ابو اسحاق کی مرویات مین اسرائیل کو ان پر بھی ترجیح ہے اور اسرائیل نے اس کو موصول نقل کیا ہے، اس لیے یہ موصول ہو کر قابل حجت ہے، دوسری کوشش یہ کی ہی کہ یہ کہدیا کہ ثوری نے بھی اس کو موصولاً (عن ابی بردۃ عن ابی موسی) روایت کیا ہے، مگر یہ دوسری کوشش تمام تر لغو ہے، سفیان ثوری نے اپنی جامع مین اس کو مرسل ہی نقل کیا ہے، اسی لیے امام ترمذی نے صاف کہدیا ہے کہ یہ صحیح نہین ہے، البتہ یہ درست ہے کہ ابو اسحاق کی مرویات مین اسرائیل بہت زیادہ مستند ہین، پھر یہ کہ شعبہ اور ثوری دونون نے ایک ساتھ ایک مجلس مین ابو اسحاق سے اس کو سنا ہے، اور دوسرون نے مختلف وقتون اور مختلف مجلسون مین اسکو ابو اسحاق سے سنا، کسی مدرس و محدث کا ایک مجلس مین غلطی کرنا ممکن ہے، اس لیے قرینہ غالب یہ ہے کہ اس بارہ مین شعبہ اور ثوری کے مقابلہ مین دوسرے کثیر اشخاص کی سماعت جو اس کو موصول بیان کرتے ہین، زیادہ صحیح ہو،

اس معنی کی اور بھی متعدد حدیثین لوگون نے حضرت ابن عباسؓ وغیرہ صحابہ سے روایت کی ہین۔ مگر وہ تمام تر مجروح و ضعیف اور بیشتر مراسیل ہین اور محدثین احناف نے ان مین سے ہر ایک کا ضعف ظاہر کر دیا ہے، تاہم اس مین شک نہین کہ ان کی مجموعی تائید سے ابو اسحاق کی اس روایت کی صحت زیادہ قوی ہو جاتی ہے،

اسی لیے اُن محدثین نے بھی جو اس روایت کو صحت کے اعلیٰ معیار پر نہیں جانتے اس کو قبول کرنے کی طرف اپنا میلان ظاہر کیا ہے، چنانچہ امام بخاری نے باوجود اس کے کہ اس کو اپنے شرائط کے مطابق نہ پاکر اپنی کتاب میں درج نہیں کیا ہے تاہم ان الفاظ کا نکاح الا بولی کو عنوانِ باب قرار دیکر بعض آیتوں اور بعض حدیثوں سے اُسکو مستنبط کر کے ثابت کرنا چاہا ہے، تاہم چونکہ دلائل زیادہ مضبوط نہ تھے، اس لیے امام موصوف نے اُدھر کے میلان کے باوجود باب کا عنوان یہ رکھا ہے،

باب من یقول لا نکاح الا بولی — ان لوگوں کی دلیلوں کا باب جو یہ کہتے ہیں کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں،

اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی دوسرے فریق کے لیے پاؤں ٹیکنے کی جگہ ہے، اس کے بعد امام موصوف نے ان تین آیتوں کو نقل کیا ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کو خطاب کر کے مسلمان عورتوں کے نکاح اور کافر عورتوں کے عدم نکاح کا حکم دیا ہے، مگر ان آیتوں کے مقابلہ میں جو دوسری آیتیں ہیں جن میں خود عورتوں کی طرف نکاح کے فعل کو منسوب کیا گیا ہے چھوڑ دیا ہے، پھر تین حدیثیں نقل کی ہیں جن میں سے ایک معقل بن یسار صحابی کی بہن کا واقعہ ہے، کہ اُن کے بھائی نے ان کی شادی کر دی، دوسرا حضرت عائشہؓ کا تاریخی بیان ہے کہ عرب میں چند طرح کے نکاح جاری تھے، اسلام نے ایک کے سوا سب کو حرام کر دیا، اور ایک جسکو جائز کیا وہ وہی ہے جس کا آج رواج ہے یعنی یہ کہ ایک شخص دوسرے شخص کو اس کے زیر ولایت لڑکی یا بیٹی کی نسبت نکاح کا پیغام دیتا ہے، وہ اس کو قبول کر لیتا یا انکار کر دیتا ہے، تیسری حدیث اس بدصورت دولتمند یتیم لڑکی والی پیش کی ہے جسکے ولی اس کی بدصورتی کی سبب سے نہ خود نکاح کرتے ہیں اور نہ دوسرے کے ہاتھ سے نکل جانے کے خوف سے اس کو دوسرے سے بیاہ دیتے ہیں، ایسے اولیاء کو اس فعل سے منع کیا گیا ہے، چوتھا واقعہ حضرت حفصہؓ کا پیش کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کا نکاح آنحضرت صلعم سے کر دیا،

مگر میری رائے میں ان میں سے کوئی حدیث اصل مدعا پر منطبق نہیں ہوتی، معقل بن یسار کے واقعہ سے یہ ثابت ہوا کہ لڑکی کی مرضی کے مطابق ولی کو حکم الٰہی سے مجبور ہو کر نکاح کر دینا پڑا، اور ولی کو مخالفت کا

کوئی اختیار نہ رہا، دوسری حدیث سے مسئلہ کی عام صورت رائج الوقت معلوم ہوئی، جو عموماً آج بھی رہی ہے، اس کا یہ منشا نہیں ہے کہ صرف یہی طریقہ جائز ہے، خود آنحضرت صلعم کے نکاح ہوئے ہیں آنحضرت صلعم نے بعض مسلمان عورتوں کے نکاح کیے ہیں، خود حضرت عائشہؓ نے اپنی بھتیجیوں کے نکاح کیے ہیں مگر مخصوص اس صورت پر نہیں ہے اور بہت سے صحابہ نے براہ راست عورتوں کو پیغام دیے ہیں اس کے لیے اس میں عام رائج کثیر الوقوع صورت کا صرف تذکرہ ہے، دوسری صورت کی ممانعت نہیں ہے چوتھا واقعہ صرف اس کو ظاہر کرتا ہے کہ باپ اپنی لڑکی کا پیغام دے سکتا ہے، اور اس کا نکاح پڑھا دے سکتا ہے اور اس سے کسی بات سے اس کو انکار نہیں

پھر وہی ایک حدیث رہ جاتی ہے کہ لا نکاح الا بولی اس کے صحیح مان لینے کے بعد بھی یہ بحث باقی رہ جاتی ہے کہ اس حدیث کا مطلب اور منشا کیا ہے،

اتحاد (بہار شریف) کا سالگرہ نمبر

صوبۂ بہار کے واحد ہفتہ میں دو بار شائع ہونے والا اخبار اتحاد کا سالگرہ نمبر نہایت اہتمام کے ساتھ ماہ ستمبر میں شایع ہوگا، اسمیں مشہور اہل قلم حضرات کے مضامین اعلیٰ تصویریں رنگین اور سادہ نقشے اور کارٹون وغیرہ بکثرت ہوں گے اس کا حجم سو صفحوں سے زیادہ ہوگا اور دس ہزار کی تعداد میں چھپے گا صوبۂ بہار اسلامی ہندوستان کا اہم صوبہ ہے اسکے حالات سے دوسرے صوبوں کے لوگوں کو واقف ہونا چاہیئے جس کا ذریعہ صرف اخبار اتحاد ہے اسکی عام قیمت سہ سالانہ ہے اور اس کے آئندہ سالگرہ نمبر کی قیمت فی جلد مع محصول ڈاک و رجسٹری فیس صرف ۱۲ مشتہرین کے لیے نادر موقع ہے اس صوبہ میں ان کے تجارتی سامانوں سے واقفیت اسی اخبار سے ہوسکتی ہے اشتہار کا خاص رعایتی نرخ منیجر اتحاد بہار شریف (پٹنہ) سے فوراً طلب کیجیے،

امریکہ کولمبس سے پہلے معلوم تھا

از جناب سردار محمد صاحب اسسٹنٹ پروفیسر کیمسٹری زراعتی کالج، لائل پور

معارف جلد ۱۸ نمبر ۲ مین ورلڈ ٹوڈے کے فروری ۱۹۲۶ء کے حوالہ سے ایک مختصر سا نوٹ اس مضمون کا تھا کہ امریکہ کولمبس سے عرصہ پہلے معلوم تھا، مجھے یہ مضمون دیکھنے کا شوق پیدا ہوا، چنانچہ مین نے "ورلڈ ٹوڈے" کا مندرجۂ بالا نمبر منگوایا، مضمون نہایت دلچسپ ہے، اس کے ترجمہ کا خیال پیدا ہوا، لیکن رسالۂ ہذا کے سرورق سے معلوم ہوا کہ مضامین زیر بحث کے ترجمہ کی اجازت نہین ہے، مین نے رسالۂ مذکور کے منیجر کو اجازت کے لیے لکھا وہ خود اجازت نہین دے سکتا تھا، چنانچہ اس نے میری چٹھی ورلڈ ورکس کے کارکنون کے پاس بھیجدی، جنھون نے نہ صرف اجازت ہی دی، بلکہ "ورلڈ ورکس" کے ایک نمبر کا حوالہ بھی دیا، جس مین یہی مضمون اس سے پہلے شائع ہو چکا تھا، یہ مضمون خاص طور پر کالی دنیا کے لوگون کے لیے بہت دلچسپ ہے، کیونکہ امریکہ کی دریافت مین اُن کا بھی بہت سا حصہ معلوم ہوتا ہے، لہذا مضمون ہذا کا اقتباس ہدیۂ ناظرین ہے، مین کارپردازان "ورلڈ ورکس" کا سپاس گذار ہون جنھون نے بڑی خوشی سے مجھے اپنا شوق پورا کرنے کی اجازت دی،

(سردار محمد)

گذشتہ ۴۳۳ سال تک کولمبس کو دنیا بڑی عزت اور احترام کی نظر سے دیکھتی رہی ہے، اسے سیرت کا نمونہ اور مردانہ وار کامیابی کی ایک مثال کے طور پر پیش کیا جاتا رہا ہے، بلکہ یہ عزت و احترام ادب اور محبت کے درجہ تک پہنچ چکا تھا، گذشتہ چند سال مین جو تحقیقات ہو چکی ہے، وہ بہت ہی حیرت انگیز ہے، کیونکہ اس کے نتائج کے مطابق اگر کولمبس کا نام اپنی تمام شہرت نہ کھو بیٹھے، تو کم از کم اس شہرت مین کمی ضرور واقع ہو جائے گی، نئی تحقیقات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کولمبس گو بہت بڑا اور نہایت اچھا انسان ہو لیکن

لیکن اُس نے امریکہ کو دریافت نہین کیا تھا، بلکہ اب تو کولمبس کی اپنی ذات کے متعلق تحقیقات نہایت ضروری ہوگئی ہے، جن محققون نے اس مضمون پر دماغ سوزی کی ہے، وہ گذشتہ چند سالون سے پکار پکار کر اعلان کر رہے ہین کہ امریکہ کی دریافت کا سہرا کولمبس کے سر پر غلطی سے رکھ دیا گیا ہے، عوام تو ایک طرف اس مضمون مین دلچسپی لینے والے اصحاب نے بھی ابھی تک اس نئی دریافت کی طرف توجہ نہین کی۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہے کہ کولمبس کی شہرت کو ابھی تک معتدبہ صدمہ نہین پہنچا، وجہ یہ ہے کہ تحقیقات کے نتائج تو شایع کئے گئے ہین، لیکن ایسی زبان مین اور ایسی کتابون اور رسالون مین جو عوام مین ہرد لعزیز نہین ہین اور مضامین کے علاوہ جو وقتاً فوقتاً اس موضوع پر شایع ہوتے رہے ہین، حال ہی مین لیوونیر آف ہارورڈ (Leo Wiener of HARVURD) کے قلم سے ایک کتاب تین جلدون مین شایع ہوئی ہے، اس مین نہایت واضح طور پر اور پرزور الفاظ مین ثابت کیا گیا ہے کہ کولمبس نے حاشا وکلا امریکہ دریافت نہین کیا، لیکن افسوس یہ ہے کہ یہ کتاب بھی عام فہم نہین، بلکہ عوام کے لیے اس کا مطالعہ شاید ایسا ہی بے لطف ہو جیسے کہ اقلیدس یا ریاضیات کے مضمون کا، اور کتاب کا نام یعنی "افریقہ اور امریکہ کی دریافت" ایسا ہے کہ فوراً اس کے پڑھنے سے اس کے اندر کے نفس مضمون کے متعلق گمان تک بھی نہین ہوسکتا،

آج سے چند سال پہلے جب سٹرڈیونر نے امریکہ کے اصلی باشندون کی زبان کا مطالعہ شروع کیا تو اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جو اصحاب ویونر کی قابلیت سے واقف ہین انھین خوب معلوم ہے کہ ویونر انسانی زبان اور اُسکے متعلق قواعد وقوانین کے نہایت اعلیٰ درجہ کے ماہرون مین سے ہے، جمیعین زبانون مین ویونر نہایت آسانی سے گفتگو کرسکتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ امریکہ کی ہر نسل اور ہر قسم کے باشندون کے ساتھ وہ اُنھی کی زبان مین ہم کلام ہوسکتا ہے، اس کے علاوہ اُسے ہر اس طریقہ کے متعلق جو بنی نوع انسان آپس مین تبادلۂ خیال کے لیے استعمال کرتے رہے ہین، عالمانہ واقفیت ہے، ان معلومات کے

ساتھ اس نے امریکہ کے اصلی باشندون کی زبانون کے متعلق تحقیقات شروع کی، چنانچہ اُسے معلوم ہوا کہ ان کی زبان مین غیر ملکی الفاظ کی بہت زیادہ ملاوٹ ہے، غیر ملکی زبانون مین سے جن کے الفاظ امریکہ کی اصل زبان مین مِل چکے ہین، انگریزی، فرانسیسی، ہسپانوی اور پرتگالی زبانین خاص طور پر قابلِ ذکر ہین، لیکن سب سے پہلے داخل ہونے والے الفاظ عربی زبان کے ہین اور وینر کا خیال ہے کہ یہ الفاظ امریکہ کی اصل زبان مین ۱۲۹۰ء کے قریب داخل ہوے ہین، یہ سنہ یاد رکھنے کے قابل ہے کیونکہ کولمبس نے امریکہ کی دریافت کا شور دنیا مین اس کے دوسو سال بعد مچایا، وینر کی مندرجۂ بالا کتابون کے شایع ہونے کے بعد کی تحقیقات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ۱۲۹۰ء سے بھی دوسو سال پہلے غیر زبانون کے الفاظ امریکہ کی اصلی زبانون مین شامل ہو چکے تھے،

حقیقت یہ ہے کہ وینر سے پہلے چند ایک نہایت ممتاز ہستیان جن مین سے فرانس کا ایک سابق سفیر متعینہ نیویارک بھی ہے، کولمبس کو امریکہ دریافت کرنے والا خیال نہین کرتی تھین، لیکن علوم السنہ کی بنا پر وینر کے اعلان سے پہلے اُنھین ایسے اخذ کردہ نتائج پر پورا بھروسہ نہین تھا، چنانچہ اب اُن کے شبہات بالکل دور ہو گئے ہین،

اس مین شبہ نہین کہ مندرجۂ بالا بیان حیرت انگیز ہی نہین، بلکہ ایسا ہے کہ بہت جلدی اس پر یقین کرنے کو طبیعت تیار نہین ہوتی، لیکن ہمین یہ یاد نہین رہتا کہ ہم سے پہلے دنیا مین قومین گذری ہین، اگر اقوامِ سلف کا خیال ہمین آتا ہے، تو صرف اس طرح سے کہ ہم ان کو وحشی اور غیر مہذب خیال کرتے ہین جو بڑی مشکل سے زیست بسری کرتی ہون گی، دراصل چودھوین اور پندرھوین صدی کی اقوام نے جہازرانی مین وہ وہ کارہاے نمایان کیے ہین کہ ان کے متعلق ہمین واقفیت ابھی ہونی شروع ہوئی ہے، کولمبس سے پہلے بحرِ اوقیانوس مین جہازرانی خوب زور شور سے ہوتی تھی، اور مغربی یورپ کے بحری سوداگر نہایت کامیابی سے تجارت کرتے تھے، اُن کے تجارتی بڑے اچھی طرح

مستحکم تھے، اپنی تجارت کو نئے میدانوں مین پھیلانے کی وہ ہمیشہ کوشش کرتے رہتے تھے چنانچہ نئے علاقے قدرتی طور پر دریافت ہوتے رہتے تھے،

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر امریکہ کولمبس سے مدت پہلے دریافت ہو چکا تھا، تو یہ امر صیغۂ راز مین کیون رہا، اور ایسی طرح سے کہ کسی تاریخ مین اس کا ذکر نہین آتا، یہ بات بلاخوف تردید ثابت ہو چکی ہے کہ کولمبس سے اگر زیادہ نہین، تو کم از کم ایک سو سال پہلے ڈیپی اور روون (Dieppe, Rouen) کے فرانسیسی سوداگر افریقہ کے ساحل گنی (Guinea) اور غالباً جنوبی امریکہ کی خلیجون مین سونا، ہاتھی دانت، مسالہ، کھالون اور قیمتی پتھرون وغیرہ وغیرہ کے لیے جایا کرتے تھے، یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ ان کی تجارت ایسی ہی باقاعدہ اور مستحکم تھی جیسی کہ آج کل کی کمپنیون کی لیکن اس سب تجارت کو جہان تک ہو سکتا تھا خفیہ رکھا جاتا تھا، وجہ یہ تھی، کہ اس زمانہ مین تجارت کے علاوہ جنگ وجدال بھی ایک باقاعدہ پیشہ تھا، چھوٹے چھوٹے بادشاہ روزمرہ کی زندگی سے تنگ آکر کسی فریبی کے ساتھ لڑائی کے میدان مین شہرت کے متلاشی ہوتے تھے لیکن لڑائی مین خواہ وہ شہرت کے لیے ہو، خواہ حفاظت کے لیے، روپیہ کی ضرورت ہے، جس کے لیے سوداگرون پر بہت بھاری ٹیکس لگائے جاتے تھے، عوام کے پاس اس قدر روپیہ نہین ہوتا تھا کہ اُن کے پاس سے ٹیکس وصول کرنے کی زحمت گوارا کی جاتی، چنانچہ سوداگر لوگ اپنی دولت اور اُس کے منبع اور ماخذ کا علم جہان تک ہو سکے کسی اور کو ہونے نہین دیتے تھے، نہایت خاموشی سے جہاز ڈیپی اور روون سے رخصت ہو جاتے تھے، اور ایسے ہی چپکے سے واپس آکر داخل ہوتے تھے، سوداگرون کے علاوہ اور کسی کو علم تک نہین ہوتا تھا، کہ جہاز کب اور کہان گئے، اور کب واپس آئے، اب ہمین اچھی طرح سے معلوم ہے کہ ڈیپی کے مقام پر ان سوداگرون کا ایک بحری دفتر تھا، جہان کاروبار کے متعلق ہر قسم کے کاغذات رہتے تھے، اور وہان بھی ان کا محکمۂ اطلاعات تھا، ابھی تک یہ دریافت کرنا باقی ہے کہ اس طریقہ پر کاروبار کتنے عرصہ تک ہوتا رہا، لیکن یہ امر یقینی ہے

کہ کئی صدیون تک ایسا ہوتا رہا، اور وہ زمانہ کولمبس کی پیدائش سے بہت پہلے تھا، اس بحری دفتر مین ہر جہاز کا کپتان سفر سے واپسی پر اپنے سفر کا مفصل بیان اپنے آقاؤن اور دوسرے کپتانون کے آیندہ سفرون مین رہبری کے لیے پیش کرتا تھا، جہازون کے افسر نہایت قابل اور اپنے زمانہ کے چیدہ جہاز ران ہوا کرتے تھے، اور دنیا کے نئے ملکون مین اپنی تجارت کو پھیلانے مین ہر ایک دوسرے پر سبقت لیجانیکی کوشش کرتا تھا، ہر کپتان کو باقاعدہ لائسنس لینا پڑتا تھا، اور بحری تجارت اور اس کی ملازمت نہایت باقاعدہ طریقون پر تھی،

۱۶۹۴ء مین اس بحری دفتر پر ایک مصیبت نازل ہوئی جسکی وجہ سے اس کا کوئی نشان باقی نہ رہا، انگلستان اور فرانس کے درمیان لڑائی کے دوران مین ڈیپی پر گولہ باری ہوئی، اور بحری دفتر اور گودام مع کاغذات کے تلف ہوگئے لیکن خوش قسمتی سے کچھ مواد باقی رہ گیا جس نے اس عقدہ کے حل کرنے مین بہت مدد دی ہے، ہر زمانہ کے تاجرون کی طرح اس وقت بھی تاجرون مین کچھ نہ کچھ باہمی اختلافات ہوا کرتے تھے چنانچہ ایک موقع پر ایک تنازعہ قانونی عدالت تک گیا، عدالت مین اصلی کاغذات یا اُن کی مصدقہ نقلون کا پیش ہونا ضروری تھا، خوش قسمتی سے ڈیپی کے بحری دفتر کے کچھ کاغذات کی نقول عدالت کی شلون مین شامل ہوگئین اور وہان محفوظ رہین، ان کاغذات کے مطالعہ سے محققین کو مقصود بحری تجارتی مرکز اُس کے کاروبار اور اس زمانہ کے متعلق جسمین اس کا کاروبار عروج پر تھا بہت سی معلومات حاصل ہوئی تھین، مثلاً دستاویزات موجود ہین جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ڈیپی مین اور تجارتی کمپنیون کے علاوہ ایک کمپنی تھی جس کا نام انگوٹ برادران (Angot Brethren) تھا، اور یہ ۱۴۷۰ء سے ۱۵۵۱ء تک دفق پر رہی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ مین اس کمپنی کی ایسی ہی شہرت تھی، (جیسے کہ آجکل روتھ چارلڈز (Rothschild) کی ہے یہ یاد رہنا چاہیئے کہ اس کمپنی کا کاروبار کولمبس سے کم از کم پچیس سال پہلے پورے زورون پر تھا، اور ایسی نامی کمپنیان

آناً فاناً ظہور مین نہین آجایا کرتین بلکہ اُس کے معراجِ ترقی سے عرصہ پہلے کاروبار شروع ہوا ہوگا،

یہ مسلمہ امر ہے، کہ انگوٹ برادران سے ایک مدت پہلے ڈیپی کے جہازران ساحلِ گنی سے واقف تھے اور ڈیپی والون کا اس ساحل سے تعارف پرتگال والون کی اس کی سرکاری دریافت سے جو ۱۴۱۹ء مین ہوئی بہت پہلے کا تھا،

جافرل (Gaffarel) کی تحریر کے مطابق ایک فرانسیسی جین کرزن (Jean Cazz) نامی ۱۴۸۹ء مین برازیل گیا، اور وہان سے راس امید (گڈھوپ) کے راستہ سے واپس آیا، اس سفر مین اس کا کوئی نقصان جان نہین ہوا، اس زمانہ کے اور بیانات سے جافرل کی تصدیق ہوتی ہے ممکن ہے، کرزن کا برازیل جانا اتفاقیہ ہو، اس زمانہ مین ماہر جہازرانون کے پاس مقناطیسی کمپاس وغیرہ آلات ہوتے تھے، جن کی مدد سے وہ راستہ تلاش کرلیتے تھے، کرزن کے زمانہ مین افریقہ کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ پانی کے اندر بہت سے چھوٹے چھوٹے جزیرے تھے، جزائرِ کیزی (Canary Islands) کی دریافت ان خطرات سے بچنے کے لیے نہایت ضروری تھی، صرف تجربہ اور عادت کی بنا پر جہازران جزائرِ کیزی سے مغرب کی جانب چل نکلتے تھے، اچھی خاصی دور جاکر جنوب کی سمت مڑتے تھے، تجربہ اور عرضِ بلد کے علم سے ان کو معلوم ہوجاتا تھا کہ وہ سونا پیدا کرنے والے ساحل کے بالمقابل پہونچ گئے ہین، وہان سے سیدھے مشرق کی جانب چلے جاتے تھے، افریقہ کے سب سے مغربی اور امریکہ کے سب سے مشرقی نقاط کے درمیان صرف ۱۵ سو میل کا فاصلہ ہے، ان دونون کے درمیان خلیجی رو (Gulf Stream) جسکا اس وقت کسی کو علم نہین تھا، پہلے شمالاً بعد مین غرباً بہتی ہے، ممکن ہوسکتا ہے، کہ کرزن جیسا جہازران اس کے چکر مین پھنس کر رو کے ساتھ ہی بہ نکلا ہو،

اس تمام واقعہ کی تفصیل اور برازیل کی دریافت نہایت دلچسپ ہوگی، لیکن کرزن کے واپس

آنے کی رپورٹ ان سب سے زیادہ دلچسپ اور سبق آموز ہے، سفر پر جاتے وقت کرن اپنے ساتھ ہسپانوی نسل کے ایک ماہر جہازران پنزن (PINZON) نامی کو اپنے ساتھ لے گیا، پنزن کا کولمبس کے سلسلہ مین یاد رکھنا ضروری ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہو جائیگا، اس سفر کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ واپسی سفر مین ایک موقع پر سامانِ خورد و نوش ختم ہونے کو تھا، اور ساحلِ افریقہ کے ساتھ ساتھ خوراک اور پانی لینے کی خاطر ایسے باشندون سے جن کے متعلق پہلے کوئی حالات معلوم نہین تھے ٹکرانا پڑا، اس کام پر پنزن کی تعیناتی ہوئی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پنزن نہایت دلیر انسان تھا، لیکن ساتھ ہی تیز مزاج بھی تھا، یا تو خوراک بالکل ملتی ہی نہین تھی، یا اس کی تیزی اس پر غالب آگئی، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا دیسی باشندون کے ساتھ جھگڑا ہو گیا، جس پر پنزن نے گولی چلانے کا حکم دیا، اور دیسی باشندون کو جنگل مین بھگا دیا، جہاز مین واپس آنے پر کپتان نے یہ حال سن کر پنزن کو زجر و توبیخ کی، کیونکہ ایسے واقعات تجارت کے فروغ مین حائل ہوتے ہین، اور جو لوگ سونا اور ہاتھی دانت بیچنے کے لیے آئے ہین اُن پر گولی برسانا بہت ہی ناواجب ہے، چنانچہ ڈیپی آکر کرن نے پنزن کے برخلاف باقاعدہ شکایت کی، نتیجہ یہ ہوا کہ پنزن کا لائسنس ضبط ہو گیا، ڈیپی سے کسی جہاز کے ساتھ اسکو جانے کی اجازت نہ رہی، اور اسکو باعلان فرانسیسی بحری ملازمت سے علیحدہ کیا گیا، یہ صاف ظاہر ہے کہ اس سلوک سے اس کی تیز مزاجی مین کمی کیا ہوئی ہوگی، اور اُسے مجبوراً پیادہ براستہ پیرنیز اسپین واپس آنا پڑا،

پنزن کی تیز مزاجی ایک معمولی امر معلوم ہوگا، لیکن کولمبس کے برخلاف جو مواد جمع ہو رہا ہے اس مین اس کا نہایت ضروری حصہ ہے، امریکہ کے پہلے سفر مین کولمبس اسی نام کے تین بھائیون کو ساتھ لے گیا، اور تینون تجارتی مال مین حصہ دار تھے، کاغذات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان مین سے ایک کو تین جہازون مین سے ایک کا کپتان بنانے کے قابل سمجھا گیا، اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ

امیرالبحر اس کپتان پنزن سے ہر معاملہ مین مشورہ لیتا تھا، پہلے سفر کے بیان مین کولمبس خود اس امر کی شہادت دیا کرتا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ سب عملہ اس بات سے ناراض اور ہراسان تھے، کہ پنزن جہاز کو متواتر جنوب کی طرف لیے جا رہا تھا، جنوب کی طرف وہی برازیل کا ملک تھا جہان پنزن پہلے بھی ہو آیا تھا، اس کے علاوہ اس کپتان پنزن اور کرزن کے نائب کے ایک ہونے کی ایک اور شہادت بھی ہے، کولمبس بھی اس کی تیز مزاجی کی شکایت کرتا ہے،

آخر کار جب کولمبس ساحل پر پہنچا، تو من چلا پنزن بلا اجازت اور شاید صریح احکام کی خلاف ورزی کرکے اپنے جہاز کو لیکر جنوب کی طرف چلا گیا، اور تین ہفتے اس کی کوئی خبر نہ ملی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ برازیل کے متعلق اپنی پوری تسلی کرنا چاہتا تھا، اتفاق سے کولمبس کیوبا (α α α) کے ساحل کے ساتھ ساتھ جاتا ہوا پنزن سے مل گیا،

یہ واضح رہے کہ کولمبس کی امریکہ کی دریافت کے برخلاف صرف پنزن کی تیز مزاجی ہی ایک شہادت نہین، خواہ پنزن نے کولمبس کی رہبری کی ہو یا نہ، اب یہ خوب اچھی طرح سے معلوم ہے، کہ کولمبس کو علم تھا کہ وہ کہان جا رہا ہے، اور اس کو کون سا ملک دریافت کرنا ہے، کیونکہ اس سے پہلے بہت سے لوگ وہان جا چکے تھے، اور کولمبس اس سے ناآشنا نہین ہوا تھا، اور یہ سب شہادتین کولمبس کی اپنی تحریرون سے ملتی ہین،

کولمبس کے پہلے نقشے ۱۴۹۲ء سے کئی سال پہلے سے یورپ مین نئے ملکون کی دریافت کے متعلق افواہین گرم تھین، اور کولمبس بے وقوف نہین تھا، کہ اُسے ان افواہون کا علم نہ ہوتا، ایک دفعہ کولمبس مڈیرا (Madeira) گیا، جہان اس کی محنت اور تیمارداری سے ایک بیمار جہازران جان بر ہوا، اس شخص کے پاس اپنی شکرگذاری کے اظہار کے لیے کوئی چیز نہین تھی سوائے ایک نقشے کے جو اُس نے تحفہ کے طور پر کولمبس کو دیا، اس نقشہ پر جزائر غرب الہند اچھی خاصی طرح دکھائے

ہوے تھے، یہی نقشہ یا اس کی نقل یا اس زمانہ کا ایک اور نقشہ جس پر جزائر غرب الہند اور ایک اور جزیرہ جو یقیناً نیو فونڈلینڈ ہوگا، دکھائے گئے ہین حال ہی مین ایم ڈی لارونکیر Marciano کو ملے ہین، اور رونکیر کے تشریحی نوٹ کے ساتھ کمپیون (Campion) نے اسے شائع بھی کردیا ہے، اس کا انگریزی ترجمہ مع رنگین تصاویر کے عنقریب شایع ہوجائیگا،

جن لوگون نے اس نقشہ اور اس سے پہلے زمانہ کے نقشہ پر عرق ریزی کی ہے، ان مین سے ہیلکوک (Hallcock) کا پایہ بہت بلند ہے، اس کی رائے یہ ہے،

(۱) آئرلینڈ کے باشندے سویڈن اور ناروے والون سے بھی پہلے نیو فونڈلینڈ پہونچے،

(۲) آئس لینڈ کے باشندون نے ۵۵۰ء کے قریب امریکہ دریافت کیا،

(۳) ۱۳۶۷ء سے پہلے کسی سال برٹین (Bretons) سے ایک مہم امریکہ کے ساحل تک گئی،

(۴) ۱۴۳۵ء تک اسپین، پرتگال کا کوئی جہاز کیوبا کے ساحل تک پہنچ چکا تھا،

(۵) اور جہازران راس ورڈی (Cape Verde) سے جنوبی امریکہ ۱۴۴۳ء مین گئے،

کولمبس کے زمانہ مین بحر اوقیانوس کی جہاز رانی پردہ راز سے نکل کر نہ صرف بادشاہون کے علم و توجہ مین آچکی تھی، بلکہ بادشاہون نے اس کی سرپرستی بھی شروع کردی تھی، پرتگال کے بادشاہ کو اس امر مین اتنی زیادہ دلچسپی تھی کہ تمام یورپ مین اسے بحری جہازران کہا جاتا تھا، اس نے کولمبس کی مہم کی تیاری مین مدد کے طور پر کوئی روپیہ نہین دیا، بلکہ اس نے یہ کہا کہ اسے اس زمین کے متعلق سب حالات معلوم ہین اور وہ اس کی ملکیت ہے،

امریکہ کے متعلق اسوقت سے پہلے علم کی کولمبس کسی حد تک خود شہادت دیتا ہے، تیسرے سفر سے واپس آنے کے بعد وہ بیان کرتا ہے، اُسے وہان جبنی باشندون سے سابقہ پڑا بلکہ پہلے سفر کے بعد ہی وہ کہتا ہے، کہ وہان کے اصلی باشندون نے اسے سونے کے ٹکڑے (Gold) دیئے، چنانچہ

سونے کے سکے اس تمام کہانی مین حبشیون سے بھی زیادہ دلچسپی پیدا کردیتے ہین گونینس (Guinea)، اس وقت کی افریقہ کی زبان مین سونے کے ٹکڑون کو کہتے تھے جن کی شکل مین سونا ساحل گنی سے یورپ مین لایا جاتا تھا، قدرتی طور پر یہی ٹکڑے دیکھ کر کولمبس کی حیرت کی انتہا نہ رہی، کیونکہ حقیقت الامر یہ ہے، کہ کولمبس نئے ملک دریافت کرنے نہین گیا تھا، بلکہ اس کا منتہاے نظر بھی سونا، ہاتھی دانت اور قیمتی مال تھا، جو کہ وطن مین منافع پر بیچا جاسکتا تھا، نئے ملکون کی دریافت، ایک اتفاقی امر تھا، کولمبس نے امریکہ کے باشندون سے دریافت کیا، کہ انھون نے وہ سونا کہان سے لیا، اُن کے جواب سے کولمبس خوشہ سندہ ہوا ہوگا، کیونکہ اس کے اپنے بیان کے مطابق اُن کا جواب یہ تھا :-

"ہم نے یہ سونا کالے سوداگرون سے لیا ہے، جو کہ جنوب مشرق سے یہان آئے تھے" کولمبس کو یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ لوگ سونے کا اصلی منبع بتانے سے گریز کرتے ہین، چنانچہ تیسرے سفر مین اس نے اپنے سوال کو دہرایا اور پھر وہی جواب ملا، بعد کے واقعات نے ثابت کردیا کہ انڈین کا جواب درست تھا ابتدائی گونینس (Guinea)، جو فرانسیسی اور پرتگالی ساحل گنی سے لاتے تھے خالص سونے کے نہین ہوتے تھے، وجہ یہ تھی کہ افریقہ کے اصلی باشندون کے خیال مین خالص سونا ایک نکمی چیز تھی، وہ سونے کو صرف زیور کے طور پر استعمال کرتے تھے، اور اس مطلب کیلیے بھی سونا بیکار رہتا، کیونکہ اسمین کوئی چمک دمک نہین تھی، یہ نقص رفع کرنے کے لیے وہ اس مین ہموزن تانبا ملا دیتے تھے، جب کولمبس کی لائی ہوئی گونینس کا کیمیائی امتحان کیا گیا، تو ان مین سونے اور تانبے کا وہی تناسب نکلا، جو گنی کے ساحل سے لائے ہوئے گونینس مین تھا،

چنانچہ امریکہ کے اصلی باشندون نے کولمبس کے سامنے کوئی غلط بیانی نہین کی تھی، امریکہ کی گونینس دراصل افریقہ سے ہی آئی تھین، ایسے ہی حبشی بھی جو کہ کولمبس کو وہان ملے، افریقہ سے آئے ہونگے، سونا بھی اُن کے متقدمین کے ساتھ آیا ہوگا، لیکن سوال یہ ہے کہ امریکہ مین افریقہ سے حبشی کیسے

پہونچ گئے، حبشیون کی کہانی جلد ختم ہوجائیگی، اور اگر اُن کے متعلق جو نظریہ قائم کیا گیا ہے درست ہو تو اُن کے ساتھ ہی کولمبس کی دریافت کا قصہ بھی ختم ہوجاتا ہے،

جہازون کے کپتانون کے ہر سفر سے پایا جاتا ہے کہ حبشیون کی موجودگی ضروری تھی، کیونکہ انھین بطور ترجمان استعمال کیا جاتا تھا، اور وہ طریقہ جس سے وہ اس کام کے اہل قرار دیے گئے بہت دلچسپ ہے، بعض دفعہ ایسا ہوتا تھا کہ ڈیپی سے ایک جہاز کا کپتان ہاتھی دانت اور سونے کی تلاش مین افریقہ کے ساحل کے ساتھ ساتھ چلتا ہے، کسی بندرگاہ پر جاکر اسے معلوم ہوتا ہے کہ مال کافی تعداد مین موجود نہین، وہان وقت ضائع کرنے کے بجائے وہ اور آگے نکل جاتا ہے، اور جہاز بھر لیتا ہے، واپسی پھران بندرگاہون پر ٹھہرتا ہے، جن سے پہلے کافی مال نہین ملا تھا، دوراندیش کپتان ایسی بندرگاہون پر جہان سے کافی مال نہ ملا ہو، اپنے کسی آدمی کو چھوڑ جاتے تھے تاکہ وہ مال کی فراہمی کی نگرانی کرے، اس کام کے لیے نہایت مَن چلے آدمیون کی ضرورت تھی، جہاز کی غیر حاضری مین ایسے اشخاص اکثر دفعہ اپنی نئی زندگی کو پسند کرنے لگ گئے ہون گے، اور ان کی اعلےٰ قابلیت اور دیسی آبادی کی نسبت ہر صیغہ مین برتری کی وجہ سے لوگ اُن کو عزت اور خوف کی نگاہون سے دیکھتے ہون گے اور دیسی عورتین اُن سے شادی کرنے مین عار نہین سمجھتی ہون گی، جہاز کی واپسی پر ممکن ہے، اکثر دفعہ ایسے اشخاص واپس جانا پسند ہی نہ کرتے ہون، انھین خود عیش اور عزت کی زندگی اور کمپنی کے لیے ایک مستقل کارکن مل جاتا ہے، ڈیپی کی ترقی کے زمانہ مین افریقہ کے ایسے ایجنٹ تجارت کے لیے نہایت ضروری ہوگئے تھے، اور اُن کی دوغلی نسل کی قدر و قیمت ان سے بھی کہین بڑھ چڑھکر تھی، کیونکہ ان کی اولاد دو زبانون اور دو قسم کی صنعت کاری سے واقف تھی، افریقہ کے سب علوم کے ساتھ انھین پوری واقفیت تھی اور اپنے سفید باپون کی سب عیاریان سیکھ کر جاتے تھے، ڈیپی کے

سوداگرون نے اپنی دوغلی نسل کی قدر بہت جلدی پہچانی، اور نہ صرف انھون نے انکی دونسلی قابلیت سے بحیثیت ترجمان فائدہ اُٹھانا شروع کیا، بلکہ ان کی نسل کشی کی طرف بھی خاص توجہ دی، اور انھین غلام بناکر رکھنا شروع کیا، رفتہ رفتہ یہ دوغلی نسل بحیثیت ترجمان ایک علحدہ جماعت بن گئی اور اُن کے پیشہ کو کچھ عزت بھی حاصل ہوگئی، کوئی جہازران اُن کے بغیر سفر نہین کرتا تھا اور کولمبس بھی ان مین سے چند ایک کو پہلے سفر مین ساتھ لے گیا، تاکہ مختلف مقامات پر تجارت کو فروغ دینے کے لیے انھین چھوڑتا جائے، امریکہ جاکر اسے معلوم ہوا کہ ایسے حبشی پہلے بھی موجود تھے، یہی وہ لوگ تھے جن کو جنوب مشرق کے سیاہ سوداگر کہا جاچکا ہے اُنھین کے ساتھ امریکہ مین گوئینس گئے اور انھین کے ساتھ عربی الفاظ، عربی پودے اور عربی تہذیب وہان پہنچی، امریکن انڈین کی زبان مین عربی کی ملاوٹ سے وینر کو بہت زیادہ استعجاب ہوا، اب ماہران آثار قدیمہ محققان السنہ کے ساتھ مل گئے ہین، اور دونون گروہون نے ثابت کردیا ہے کہ امریکہ مین عربی تہذیب کا اثر کولمبس سے بہت پہلے پایا جاتا تھا، اور بیچارے کولمبس کی امریکہ کے دریافت کے سلسلہ مین کوئی حیثیت باقی نہین رہی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نئی دنیا عربی اور افریقی تہذیب کے بہت حد تک زیر اثر رہ چکی ہے اور بحیرۂ اوقیانوس مین جہازرانی بہت زمانہ سے ہوتی چلی آئی ہے، ازٹک (Aztec) اور مائن (Maya) تہذیبین دراصل امریکہ مین افریقہ کی عربی تہذیب کی نقلین تھین، اور اُن کا زمانہ ۱۱۵۰ء سے ۱۲۰۰ء تک قرار دیا جاتا ہے گو اس سے پہلے ان تہذیبون کا زمانہ اس سے بہت پہلے خیال کیا جاتا رہا ہے، یہی وقت ہوگا جب بحر اوقیانوس کو عبور کرکے لوگ امریکہ مین داخل ہوئے، لفظ ٹولٹک (Toltec) اس خیال کی تائید کرتا ہے، ابتدا مین اس کے معنی کسی جماعت یا قوم اور اُن کی تہذیب لیے جاتے رہے ہین لیکن وینر اور سپنڈن نے (Spinden) جو مائن تہذیب کا ایک ناطق ماہر خیال کیا جاتا ہے یہ معلوم کیا ہے کہ دراصل یہ لفظ افریقہ کی ابتدائی زبان مین کسی بڑے سردار کے معنون مین استعمال کیا جاتا تھا،

اور امریکہ کا ٹولٹک کوئی بڑا بادشاہ ہوا ہے، جسکو ۱۱۹۰ء کے قریب عروج ہوا تھا، سپنڈن نے یہ خیال ظاہر کیا ہے، کہ مائن تہذیب ازٹک کے بعد مین آئی نہ کہ اس سے پہلے، مائن تہذیب کے کتبے پڑھنے مین اس لیے دقت پیش آتی ہے کہ وہ دراصل ازٹک علوم کا جو کہ اس وقت ناپید ہو چکے تھے، بطریق مختصر نویسی خلاصہ ہے مائن نقاشی مین شامی اشکال پائی جاتی ہین اور مائن یادگارون کی شکل غباری ہے، نئے امکانات اور نئی تحقیقات کے مطابق ان سب کے نئے ہی معنی نکلتے ہین، جسکو علم السنہ سے بہت زیادہ مدد ملتی ہے،

عربی تہذیب نوین صدی مین اپنے معراج پر تھی، اور ۱۱۱۱ء مین صحرائے اعظم کو عبور کرکے افریقہ کے مغربی ساحل پر منڈینگو (Mandingo) کا تجارتی صوبہ قائم کر چکی تھی، اس کے مقابل مین امریکہ کا صوبہ مچوکن (Michoacan) تھا۔ جو خلیج مکسیکو کے ساحل پر واقع تھا، عربی الفاظ کی ملاوٹ سب سے پہلے مچوکن مین پائی جاتی ہے، اور وہی الفاظ منڈینگو کی زبان مین ملتے ہین، اور یہ امر خاص طور پر ذکر کے قابل ہے کہ یہ الفاظ ایسے ہین، جو ایک تجارتی کارندہ یا سیاح استعمال کرتا ہے، مثلاً جادو، ادویہ، مذہب اور نظام حکومت کے متعلق یہ نتیجہ کہ منڈینگو اور مچوکن کے درمیان آمد و رفت بھی لابدی ہے، ہر طرح سے تازہ تحقیقات اس کی تائید کرتی ہے، ازٹک اور مائن تہذیبون کا یکساں خطوط اس کا ایک اور ثبوت ہے، چونکہ یہ ایک طرح سے نوخیز تہذیبین تھین، جس وقت ان کا اپنے اصلی مرکز سے قطع تعلق ہو گیا، ان مین تنزل آنا شروع ہو گیا، یہ امر کہ یہ تعلق صرف تجارتی تعلق تھا، اس بات سے ثابت ہوتا ہے، کہ عربی تہذیب کا اثر مچوکن مین داخل ہو کر صرف تجارتی راستون کے آس پاس ہی پایا جاتا ہے، اور یہ صرف خالص عربی تہذیب کا اثر تھا، کیونکہ خلیفہ ہارون رشید کے زمانہ کے عربون نے غیر معمولی طور پر ترقی کی تھی، یورپ اسی وقت قعر ضلالت مین غرق تھا اور شارلمین ابھی تک ابجد خوانی مین محو تھا، جو اس سے کبھی ختم نہ ہوئی،

یہ بات کہ سب سے پہلے امریکہ کون گیا، شاید کبھی بھی معلوم نہ ہو سکے لیکن یہ یقینی امر ہے کہ اس دریافت کا سہرا کولمبس کے سر نہیں، بلکہ اس سے کئی سو سال پہلے کسی عرب جہازران کے سر ہوگا، بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ ولادت مسیح سے پہلے ہی اوقیانوس عبور ہو چکا ہو، فونیشیا کے جہازران انگلستان سے قلعی لینے جایا کرتے تھے، وہ بھی مسیح سے پہلے افریقہ کے گرد چکر لگا چکے تھے، یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ امریکہ کے اصلی باشندون مین سے ایک گروہ سویڈن ناروے کی نسل سے ملتا جلتا ہے،

اگر یہ سب باتین درست ہین، اور یاد رہے کہ زمانہ گذشتہ کے جہازرانی کی کہانی محض بیہودہ گوئی نہین جسکو محض شرارت کی بنا پر سائنس کا نام دے دیا گیا ہے، بلکہ اُس کے متعلق واقفیت اور نتائج سائنسی محنت شاقہ کا ثمرہ ہین، تو کولمبس کی کوئی حیثیت باقی نہین رہ جاتی، اور اس مین کوئی مضائقہ بھی نہین اس نے امریکہ دریافت نہین کیا، لیکن اس کی ہمت سے امریکہ کے متعلق علم عام ہوگیا، اور دوسرے پہلو سے اسی کی شہرت دیسی کی دیسی ہی قائم رہ جاتی ہے، اس نے بادشاہون کو تجارت کا شوق دلایا اور موجودہ تجارت کی بنا ڈالی، کسی چیز کو شہرت دینے کے کئی طریقے ہو سکتے ہین، اس نے تجارت کو فروغ دینے کے لیے یہی طریقہ اختیار کیا اور وہ اس مین خوب کامیاب ہوا،

الفاروق

علامہ شبلیؒ

حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت، اگرچہ مسخ شدہ صورت مین معمولی کاغذ پر اس گران پایہ کتاب کے بیسیون ایڈیشن فروخت ہو رہے ہین، مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ ایڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام و سعی بلیغ سے اس کا نیا ایڈیشن تیار کرایا ہے جو حرف بحرف ناسی پریس کانپور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت، اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مطلا ٹائٹل ضخامت ۱۲+۳۱۲ صفحے، قیمت للعہ،

ہندوستان کی معاشی حالت

پر

ایسٹ انڈیا کمپنی کا اثر

از مولوی ابو الخیر صاحب مودودی، رکن دار الترجمہ جامعۂ عثمانیہ

(۲)

کمپنی کے پانچ دور یہ کمپنی کی تدریجی ترقی کا اجمالی تبصرہ تھا جس سے آپ کو اس بات کا ایک سرسری اندازہ ہو گیا ہوگا کہ کمپنی نے کس طرح ایک تاجر جماعت کی حیثیت سے بروز کیا، کس طرح تجارت کے ساتھ ساتھ اس کی حفاظت کے لیے فوجی قوتیں بہم کیں، کس طرح اپنی مختصر قوت سے زبردست حریفوں کا مقابلہ کر کے ان کو نیچا دکھایا، کس طرح ہندوستان کی صحیح صورتِ حال کو سمجھ کر دیسی قوتوں سے ٹکرائی، اور ملک گیری کا کام شروع کر کے ایک صدی کے اندر اندر ہندوستان کی مالک بن گئی، فلسفۂ تاریخ کے نقطۂ نظر سے ان ڈھائی صدیوں کے واقعات کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کمپنی اس مدت میں اپنی تاریخ کے پانچ دوروں سے گذری ہے، یہ پانچ دور مع اپنے نمایاں واقعات کے حسب ذیل ہیں،

پہلا دور ۱۶۰۰ء سے شروع ہو کر ۱۷۵۷ء پر ختم ہوتا ہے، اس میں کمپنی اپنی تجارت اور اُسکی برتری کے لیے کوشش کرتی ہے، اور بالآخر اپنے یورپین رقیبوں کو شکست دے کر بحرِ ہند کی تنہا مالک بن جاتی ہے،

دوسرا دور ۱۷۵۷ء سے شروع ہو کر ۱۷۸۴ء پر ختم ہوتا ہے، یہ کلائیو اور وارن ہسٹنگز کے جنگی اقدامات اور سیاسی دسائس کا زمانہ ہے تاجروں کی ایک کمزور جماعت کو زبردست قوت بنا دینا

اس دور کا سب سے بڑا کارنامہ ہے،

تیسرا دور ۱۷۸۴ء سے شروع ہو کر ۱۸۱۷ء پر ختم ہوتا ہے، اس کے ہیرو کارنوالس و لرلی اور لارڈ ہسٹنگز ہین، اس زمانہ مین کمپنی کا تجارتی اور سیاسی تفوق ایک مسلمہ واقعہ ہو چکا تھا، میسور کی فتح، مرہٹون کا استیصال، مہاراشٹر کا الحاق، بھونسلا کا انجام اس دور کے اہم واقعات ہین جنھون نے کمپنی بہادر کو ہندوستان کی شاہی قوت بنا دیا،

چوتھا دور ۱۸۱۷ء سے شروع ہو کر ۱۸۳۵ء پر ختم ہوتا ہے، یہ امن و صلح، نظم و نسق، اصلاح و اقتصاد کا عہد ہے، مونرو، الفنسٹن اور بنٹنگ اس کے درخشندہ ستارے ہین، اور اس سے بہتر سے بہتر نظام ملکی کا نمونہ پیش کرتے ہین، جس کی ایک تاجر گورنمنٹ سے توقع کی جا سکتی ہے، اس عہد کا آخری واقعہ انگلستان کے تخت پر ملکہ وکٹوریہ کا جلوہ گر ہونا اور لارڈ آکلینڈ کا گورنر جنرل ہو کر ہندوستان آنا ہے،

پانچوان دور ۱۸۳۵ء سے شروع ہو کر ۱۸۵۸ء پر ختم ہوتا ہے، اور ہندوستان کی قسمت کو تاج برطانیہ کے ساتھ وابستہ کر جاتا ہے، یہ وہ دور ہے جسمین ہندوستان نے ایک غیر ملکی طاقت کو اپنے اوپر مسلط ہوتا دیکھ کر اپنی زندگی کا ثبوت دینا چاہا، مگر خود اُس کے فرزندون نے اُسے ایک نامعلوم مدت کے لیے غلامی کی بیڑیان پہننے پر مجبور کر دیا، یہ کمپنی گورنمنٹ کی تاریخ مین پے در پے خلیطون، حریصانہ کوششون اور غیر معمولی لوٹ کا ظالمانہ دور ہے، اس کے ہیرو آکلینڈ، ڈلہوزی اور لارڈ لارنس ہین،

اس صحبت کی گفتگو کا موضوع صرف آخر الذکر چار دورون کی تاریخ کا مطالعہ ہے، جسمین ہندوستان کی معاشی تباہی کے خونین واقعات ہین، پہلا دور خارج از بحث ہے، اس کو ہندوستان کے معاشی مستقبل کی تباہی سے بلا واسطہ کوئی تعلق نہین ہے، اور اگر ہے تو صرف اتنا ہے جتنا ایک ڈاکٹر کو کسی مریض کی موت سے ہوتا ہے،

اٹھارھوین صدی سے پہلے

لیکن کمپنی کے تباہ کن اثرات کے صحیح اندازہ کے لیے اٹھارھوین صدی سے پہلے کے

ہندوستان کو دیکھنا چاہیئے کہ اس وقت اس کی کیا حالت تھی، کیونکہ کسی موثر کے اثرات پوری طرح اسی وقت معلوم ہو سکتے ہین، جب متاثر کی پیش از تاثر حالت پوری طرح معلوم ہو، بغیر اس کے اثر کی نوعیت و کمیت پوری طرح متحقق نہین ہو سکتی،

اکبر اور شاہجہان کے وقتون کا تو ذکر ہی نہین کہ یہ زمانے ہندوستان کی ایسی خوش حالی کے تھے جن کو معاشیات کے صحیح نقطۂ نظر سے دیکھا جائے، تو آج ان کی نظیر دنیاے مغرب کے خوشحال ترین ملکون مین نہین مل سکتی لیکن حقیقت یہ ہے کہ کمپنی گورنمنٹ کے عہد سے وہ وقت بھی بدرجہا بہتر تھا جب حکومت کی باگ اورنگ زیب کے نااہل جانشینون کے ہاتھ مین تھی، اور جب کسی مستقل نظام حکومت کے نہ ہونے سے سارے ملک پر بدامنیون، خانہ جنگیون، طوائف الملوکیون کا رواج تھا، صنعتین بڑھ ہی رہی تھین، اہل ہنر کا کوئی قدردان نہ تھا، لوگ خوش حالی کو ترسنے لگے تھے، اگلے وقتون کو یاد کر کر کے روتے تھے، تاہم اس تباہی بخش و دراز اضطراب زمانہ مین بھی ہر قسم کی صنعتی پیداوار کی اتنی کثرت تھی کہ نہ صرف گھر کی ضروریات ہی پوری ہوتی تھین، بلکہ باہر کی ضرورتین بھی یہین سے پوری ہوتی تھین، لاہور، کشمیر، برہان پور، پٹن، سنار گاؤن، آگرہ، فتحپور، بنارس، ست گاؤن، تنجور، ٹانڈا، کرناٹک، دوارد، چیتا پٹم، بنگلور، کولار، سلاگوٹا، سیرا، پٹنہ، شاہ آباد، بھاگلپور، گیا، گورکھپور، دیناج پور، پرنیا، صنعتون کے گھر اور تجارتون کے مرکز تھے، جہان سے دور دراز ملکون کے تاجر لاکھون کا سامان خرید کر لے جاتے تھے، قاسم بازار، بنگال کا ایک معمولی تجارتی مرکز تھا، مگر وہان بھی اتنی بکری تھی کہ ۲۲ لاکھ پونڈ سالانہ صرف ریشمی کپڑے کی برآمد تھی، ۱۶۵۳ء مین جب ہسٹنگز معمولی کلرک کی حیثیت سے کمپنی کی کوٹھی مین ملازم ہو کر یہان آیا تو اس نے تعجب کے ساتھ دیکھا کہ "پوری بستی ریشم اور ہاتھی دانت کا کام کرنے والون سے آباد ہے ..... اور سب نہایت خوش حال ہین" ڈھاکہ کی سب سے بڑی تجارت تکمل اور چکن کی تھی، کیونکہ یہ دونون چیزین یہان سے اچھی کہین اور نہ بنتی تھین، اور صرف ان ہی دونون کی

سالانہ برآمد دو کروڑ تھی جو بعد مین (۱۷۷۸ء) گھٹ کر ایک کروڑ رہ گئی، جس مین ۳۰ لاکھ کی چھین کا خریدار انگلستان تھا، فرانس مین ہندوستان کے ریشمی کپڑون کی اتنی مانگ تھی کہ اونچی ناک والے انگلستان کے ریشمی کپڑون کو کوئی پوچھتا بھی نہ تھا، مسٹر جوزف کا بیان ہے کہ ۱۸۳۲ء سے ۱۸۳۹ء تک صرف سات برسون مین فرنچ تاجرون نے ہندوستانی ریشمی رومال ۸۹۴۶۰۰ پونڈ کے خریدے جو بازار مین جاتے ہی ہاتھون ہاتھ نکل گئے، حالانکہ انہی سالون مین انگلستان کا کل ریشمی کپڑا فرانس مین ۷۹۰۰۰ پونڈ کا خریدا گیا،

اٹھارھوین صدی کے نصف آخر مین جب ہندوستان مین کمپنی گورنمنٹ نے اور انگلستان مین برٹش گورنمنٹ نے دیسی صنعت و تجارت کو تباہ و برباد کردینے مین کوئی دقیقہ اٹھا نہین رکھا تھا، ۱۸۴۷ء تک ہندوستان جزائر برطانیہ کی ضروریات زندگی کا چوتھا حصہ پورا کرتا تھا، اس چوتھے حصہ کا سرسری اندازہ اس امر واقعہ سے ہوسکے گا کہ ہر سال صرف سوتی کپڑے کی ۱۵ ہزار گانٹھین کلکتہ سے انگلستان جاتی تھین، جن مین کم و بیش ۳۰۶۰۸۰ تھان ہوتے تھے، فرانس، امریکہ، اسپین، پرتگال، ڈنمارک، ماری شس اور سواحل خلیج فارس و ممالک عرب آخر تک ہندوستانی مال کے گرگر لینے والے گاہک تھے، ۱۸۵۵ء تک ان ملکون کو ۱۰۸۲۲۴۸ پونڈ کا ریشمی کپڑا جاتا تھا، اور انتہا یہ ہے کہ ۱۸۵۸ء تک باوجود سخت قیود کے خود انگلستان مین ہندوستانی کپڑے کے بکثرت خریدار موجود تھے، حالانکہ اس زمانہ مین کمپنی کے ہاتھون یہان کی صنعت بالکل تباہ ہوچکی تھی،

صنعت سے زیادہ زراعت مین ہندوستان مغرب المثل تھا، ساری دنیا مین اس کی قدرتی پیداوارون کی شہرت تھی، فصلین اتنی ہری بھری اور سیر حاصل ہوتی تھین کہ چھوٹے چھوٹے کھیتون کے مالک بھی نہال رہتے تھے، اور ارزانی کا یہ عالم تھا کہ اناج کی کوئی قیمت ہی نہ سمجھی جاتی تھی، بڑے بڑے کنبے دس دس پانچ پانچ روپے مہینے کے اناج مین پلتے تھے، چھوٹے چھوٹے خاندانون مین دو چار کی جنس سرآتی، پاؤن جاتی تھی،

اقتباسات ذیل اُن بیانات کی تصدیق کرینگے جو اپنون کی من مانی تعریفین نہین ،
غیرون کے کم سے کم اعترافات ہین :-

ولیم ویری لسٹ (William Varoli) ، جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ابتدائی گورنرون مین تھا لکھتا ہے "بنگال کے ریشمی کپڑے اتنے اچھے ہوتے ہین کہ اپنا جواب نہین رکھتے ، اسی وجہ سے دُور دُور اُن کی مانگ ہے ..... اصفہان تک جاتے ہین ..... لاکھون کی نکاسی ہے"

مسٹر کارڈس نے ۱۸۳۳ء مین پارلی منٹری سب کمیٹی کے سامنے شہادت دیتے ہوے کہا کہ "ہندوستان کی ذہانت بعض صنعتون مین بے نظیر ہے ، ململ ، شال ، چکن ، ریشمی رومال ، سونے چاندی اور ہاتی دانت کا کام اتنا نفیس اور لاجواب ہوتا ہے کہ برطانوی صناع اس کا مقابلہ نہین کرسکتا"

لارڈ میکالے بنارس کے ریشمی کپڑون کی تعریف مین لکھتے ہین "وہ اتنے اچھے ہوتے ہین کہ لوگ سینٹ جیمز اور ورسلز کے رقص خانون مین انھین فخریہ پہن کر جاتے ہین"

پروفیسر لیکی لکھتے ہین "سترھوین صدی کے نصف آخر تک انگلستان مین ہندوستانی ململ ، چھینٹ اور ایک خاص قسم کے چھپے ہوے کپڑون کی اتنی مانگ تھی کہ اس کی وجہ سے انگلستان کے اونی اور ریشمی جلاہون کی روزی خطرے مین پڑ گئی تھی"

گرین لکھتا ہے "باہر کے تاجر ہر سال لاکھون روپے کی شالین کشمیر اور لاہور سے لیجاتے ہین ، آگرہ کا قالین اپنی خوبیون مین ایرانی قالین سے کم نہین ہوتا ، برہان پور ، پٹن اور سنارگاؤن کا سوتی کپڑا بہت پسند کیا جاتا ہے ، خاصکر سنارگانون کی ململ اتنی اچھی ، نرم اور باریک ہوتی ہے کہ دوسری جگہ کے ریشمی کپڑون کو مات کرتی ہے"

مانٹ گمری مارٹن (Montegomri martin) لکھتا ہے "مین نہین سمجھتا کہ ہندوستان زراعتی ملک ہے وہ جتنا زراعتی ہے اتنا ہی صنعتی بھی ہے ..... وہ ایسا صناع ملک ہے

جس کی صنعتیں مدتوں سے زندہ ہیں، اور جہاں کہیں اُن کو شریفانہ مقابلہ کا موقع ملا ہے وہ ہر قوم کی صنعتوں سے بہتر پائی گئی ہیں، اس سے میری مراد صرف ڈھاکہ کی ململ اور کشمیر کی شال ہی نہیں ہے، بلکہ وہ تمام مصنوعات ہیں جو ہر حیثیت سے دنیا کی مصنوعات پر سبقت لے گئی ہیں"

سر تھامس مانرو نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے معاملات کی تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے شہادت دیتے ہوئے کہا کہ "اگر کسی ملک کی تہذیب سے مراد اس کا بہترین طریق زراعت اور اعلیٰ درجہ کی صنعتی ذہانت ہے تو ہندوستان ایک اعلیٰ درجہ کے مہذب یورپین ملک سے کم نہیں ہے ..... وہاں کا مال یہاں آکر بہت فائدہ دیگا ..... کیونکہ وہ بہت سستا، اچھا اور پائیدار ہوتا ہے، یہ خوبیاں یورپین مال میں نہیں ہیں"

صناعات ہند کے تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ کا آغازی جملہ ہے "جبکہ جدید صنعتوں کا وطن مغربی یورپ وحشی قبائل کا مسکن تھا، ہندوستان نہایت متمدن تھا، اور اس کی صنعتی قابلیتیں ساری دنیا میں مشہور تھیں، جب مغربی تاجروں نے پہلے پہل یہاں قدم رکھا تو اس وقت یہاں کی صنعتی حالت یورپ کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ قوم سے کمی نہ تھی" (۱۹۱۸ء)

اس صنعتی ذہانت، اس تجارتی چہل پہل، اور اس زراعتی سرسبزی کا یہ نتیجہ تھا کہ ہر شخص خوشحال تھا، بیکاری سے کوئی آشنا نہ تھا، مرد عورتیں، بچے بوڑھے سب کام سے لگے ہوئے تھے، خالی بیٹھنا عیب سمجھا جاتا تھا، ہر چیز ارزاں تھی، بازار بہترین ملکی مصنوعات سے پٹے پڑے تھے، اور کہیں ڈھونڈھے سے بھی باہر کی چیزیں نہ ملتی تھیں، منڈیوں میں غیر ملکی تاجروں کے گماشتوں کا میلا لگا رہتا تھا، کسان دولتمند تھے، افراد کی دولت کا کچھ ٹھکانا نہ تھا، اجتماعی دولت بے اندازہ تھی، ڈاکٹر رابرٹسن لکھتا ہے "ایک خوشحال زندگی کے لیے جتنے بے نیاز ہندوستانی ہیں شاید روئے زمین پر کہیں اور کے باشندے نہ ہوں گے، عمدہ آب و ہوا، زرخیز زمین، اور اس کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی مفید ذہانت، یہ سب ایسی باتیں تھیں جن کی

وجہ سے وہ جس بات کی خواہش کرتے انھین مل جاتی . . . . . دُور دُور کی دولت یہان بھی چلی آتی ہے اور اُس کے بدلے یہان کی صنعتی پیداوار جہان جاتی ہین"۔

۱۸۲۸ء کے ایسٹ انڈیا گزٹ مین والٹر ہملٹن نے (نیم سرکاری حیثیت سے) لکھا تھا "جعفر خان اور شجاعت خان کی چہل سالہ گورنری مین بنگال نہایت سرسبز و شاداب تھا، دہلی کی مرکزی حکومت کو ایک کرور سالانہ خراج بھیجا جاتا تھا، مگر لوگون کو ٹیکس ذرا بھی گران نہ ہوتے تھے، زمیندار اتنے مالدار تھے کہ علی وردی خان کو (غصب حکومت کے بعد) ایک کرور کا نذرانہ دیا، اور جب مرہٹون کی مدافعت کیلئے روپے کی ضرورت ہوئی تو فوراً پچاس لاکھ روپیہ جمع کر دیا"۔

کلائیو جب پہلے پہل مرشد آباد گیا تو وہان کی دولت و ثروت کو دیکھ کر حیران رہ گیا لکھتا ہے:

"یہ شہر لندن کے برابر وسیع آباد اور دولتمند ہے، مگر فرق یہ ہے کہ یہان عام آبادی کی دولت اتنی ہے جتنی وہان شاید خاص آبادی کی بھی نہو"

جارج اسمتھ نے مدراس کی دولتمندی کے متعلق ہاؤس آف کامنز سب کمیٹی کے سامنے کہا کہ:

جب مین وہان گیا تو وہ نہایت خوشحال اور ہندوستان کے بہترین مقامات مین سے تھا . . . . . کرناٹک کا علاقہ نہایت سرسبز و شاداب آباد و پُر ثروت اور تجارت کا مرکز بنا ہوا تھا، آبادی کی عام حالت بہت اچھی تھی" (۱۸۳۲ء)

منچور کی دولت کے متعلق مسٹر پٹری نے اس کمیٹی کے سامنے کہا کہ "یہ علاقہ اندرونی و بیرونی تجارت کا مرکز تھا، بنگال سے ریشم، بمبئی اور سورت سے روئی، سماٹرا اور ملاکا وغیرہ مشرقی جزائر سے شکر اور مسالے، پیگو سے سونا، گھوڑے، ہاتی، شہتیر اور چین سے مختلف چیزون کی درآمد تھی، اور اُن کے بدلے یہان سے ململ، چھینٹ، رومال، ڈوریا، دھوتیان اور ایک خاص قسم کا چھپا ہوا کپڑا، اور اسی قسم کی دوسری چیزین افریقہ، امریکہ (جنوبی) اور جزائر مغرب الہند تک جاتی تھین . . . . . زراعت کی حالت

بہت اچھی تھی، کوئی کھیت آب پاشی سے محروم نہ تھا، نہرین، تالاب اور کنوئین اس کثرت سے تھے، کہ زمین کا ایک ایک چپہ سیراب تھا، مین سمجھتا ہون کہ شاید اس زمانہ مین ہندوستان کا کوئی حصہ ایسا شاداب نہ ہوگا"

اسی لیے ایک دنیا اپنے کاشانہ "امن و راحت" پر اس خانہ جنگیون کے گھر کو ترجیح دیتی تھی جن مین سے ایک برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی بھی تھی۔ ورنہ "بہترین فائدے اور بکثرت دولت" کے متلاشیون کو کیا پڑی تھی کہ یہان آتے اور اس کے سدھارنے کے لیے اپنی جان جوکھون مین ڈالتے؟ الیف جی شور لکھتا ہے:

"ہماری حکومت کا مقصد ہر ممکن طریقہ سے ہندوستان کو لوٹ کر اپنا پیٹ بھرنا، اور اس کو حد سے زیادہ محصولون کے بوجھ کے نیچے دبا دینا ہے، ہمارے بھائی انگلستان سے صرف اس لیے یہان آتے ہین کہ یہان سے بہت سا روپیہ لیکر جائین اور اسی لیے ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ وہ ہندوستانی والیان ریاست کے مقابلہ مین بہت زیادہ ٹیکس وصول کرتے ہین"

بروکس آدم لکھتا ہے "دولت مند ہندوستان کی بے شمار دولت نے ایک طرف ہمارے نقد قومی سرمایہ مین غیر متوقع اضافہ کر دیا اور دوسری طرف اہل ہنر کی ہمتین بڑھا کر ترقی کی رفتار تیز کر دی، جنگ پلاسی کے بعد بنگال کی لوٹ لندن پہنچنی شروع ہو گئی اور اس نے فوراً اپنا اثر دکھایا۔۔۔۔ انیسوین صدی کو جس حرفتی انقلاب نے اپنے ماقبل سے جدا کر دیا، وہ ۱۷۶۰ء سے شروع ہوتا ہے جبکہ پلاسی کی جنگ ختم ہو چکی تھی، یہ انقلاب جتنی تیزی سے ہوا اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔۔۔۔ شاید اس دنیا مین آج تک کسی قوم کو کسی کام نے اتنا فائدہ نہین پہنچایا جتنا فائدہ انگلستان کو ہندوستان کی دولتمندی نے پہونچایا ہے"

اس دولت مندی کی کیا مقدار تھی؟ ولیم ڈگبی لکھتا ہے اس کا صحیح اندازہ مشکل ہے لیکن گمان غالب ہے کہ وہ رقم جو پلاسی اور واٹرلو کے معرکون کے درمیان ہندوستان سے انگلستان کے بنکون مین منتقل ہوئی،

۵۰ کرور پونڈ یا ایک ارب پونڈ سے کم نہ تھی،

تمام شریف اور ایمان دار انگریز، ہندوستان کے اس احسان کو مانتے ہین، سر جارج برڈوڈ (Geo rge Birdwood) نے لکھا ہے "ہم تا ابد ہندوستان کے ممنون رہین گے ..... اس نے کرۂ ارض کے ان جزیرون (انگلینڈ) جو جزائر جاپان کی طرح غیر معروف تھے، گمنامی کے پردہ سے نکالکر دنیا کی عظیم ترین سلطنت بنادیا"

کمپنی کا تباہ کن اثر | لیکن کمپنی گورنمنٹ کے آتے ہی یہ ہوا بالکل بدل گئی، اہل حرفہ کے گلے گھونٹ دیے گئے، صنعتین بیٹھ گئین، تجارت کی کساد بازاری ہوگئی، زراعت پر اوس پڑگئی، کسانون پر عرصۂ زندگی تنگ ہوگیا، زرعی و صنعتی روح بیدردی سے کچل ڈالی گئی، اور ظالم خود غرضون نے اس غریب کو ضرورت کی ایک ایک چیز سے محتاج کرکے اپنے ملک کی فلاح کے لیے خام پیداوار کی ایک ایسی قحط زدہ منڈی بنادیا کہ "تنہا زرعی ملک" کا جفاکش کسان، آج دنیا مین سب سے زیادہ محنتی ہونے کے باوجود سب سے زیادہ مفلس ہے، اور انتہا یہ ہے کہ غریب اپنے اس خرمن کے کم از کم فوائد سے بھی محروم ہے، جسے وہ اپنے خون سے سینچتا ہے،

اتنے جلدی ایسا عظیم الشان انقلاب کیسے ہوگیا؟ اس کا جواب غارت گرون کی جماعت کے نیک دل افسرون کی زبان سے سنیئے، سر ہنری اسٹریچی نے ۱۸۱۳ء مین کورٹ آف ڈائرکٹرز کے سامنے جواب دیتے ہوے کہا کہ "بنگال کی تجارت کا ایک بڑا حصہ پچاس برس سے بالکل یورپین ہاتھون مین ہے ..... مزدورون اور کاری گرون کو نہایت قلیل اجرت پر کام کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے، وہ بات بات پر مارے اور باندھے جاتے ہین"

اسی سنہ مین سر تھامس منرو نے دارالعوام کی سلیکٹ کمیٹی کے سامنے بیان کیا کہ "جلاہون کو زبردستی کمپنی کے کارخانون مین کام کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے، انھین کمپنی کے کارندے قید کرکے اُن پر

سپاہی مسلط کردیتے ہین ..... اگر کام مین دیر ہوجاتی ہے تو اُن پر مقدمہ چلایا جاتا ہی"

سر چارلس ٹریوین (Charles Trivalean) نے ۱۸۴۰ء مین دارالعوام مین سلیکٹ کمیٹی کے سامنے بیان دیتے ہوے کہا کہ "ڈھاکہ، جو کسی زمانہ مین ڈیڑھ لاکھ کی آبادی کا ایک مختصر سا پُر رونق شہر تھا، اب ۳۰، ۴ ہزار نفوس کا بدحال قصبہ ہے، پہلے وہان ململ اور چکن بنانے والے رہتے تھے اب وہ رہتے ہین جو افلاس اور ٹیریا کا شکار ہین"

ولیم بولٹس اپنے چشم دید واقعات بیان کرتا ہے، "ملک کی اندرونی تجارت ظلم و جور کا افسوسناک منظر پیش کرتی ہے اُس کے مسموم اثرات کو ہر جلا ہا محسوس کر رہا ہے، ملک مین جتنا مال تیار ہوتا ہے سب پر کمپنی کا اجارہ ہے، کمپنی کے کارندے خود ہی یہ فیصلہ کرتے ہین کہ کس کو کتنا مال تیار کرنا چاہیے اور یہ بھی کہ اُس کے معاوضہ مین وہ کتنی اجرت پانے کا مستحق ہے، اگر وہ اس اجرت پر کام نہین کرتا تو اسے بیدون سے مارا جاتا ہے اور قید کردیا جاتا ہی ..... یہ لوگ عموماً ۵ فی صدی اور کبھی کبھی ۴۰ فیصدی کم قیمت مقرر کرتے ہین اور پھر اُن غریبون کو اتنی اجازت بھی نہین دیتے کہ وہ کسی دوسرے کا مال تیار کرین اور کم از کم اپنی ضروریات ہی کو پورا کرین، اگر وہ کسی وجہ سے کمپنی کا کام کرنے سے انکار کرتے ہین تو ان کا مال ضبط کرکے نیلام کردیا جاتا ہی"

مانٹ گمری مارٹن لکھتا ہے "ہندوستان کی تجارت کو نہ صرف انگلستان بلکہ تمام ممالک خارجہ کے ساتھ بڑی بے انصافی سے بند کیا گیا ہے ..... ہم نے ایک چوتھائی صدی مین ہندوستان کو اس کی صنعتین مٹاکر مجبور کردیا ہے کہ وہ ہماری مصنوعات خریدے، ہم اپنا مال تو ہندوستان مین بلا محصول درآمد کرتے ہین، مگر ہم نے اپنے ہان ہندوستانی مال پر ۲ فیصدی سے ... ۱ فیصدی تک کے محصول عائد کر رکھے ہین ..... سورت، ڈھاکہ، اور مرشد آباد وغیرہ صنعتی مقامات جس طرح تباہ کیے گئے اس کا ذکر نہایت افسوسناک ہے"

ولسن لکھتا ہے "یہ ایک واقعہ ہے کہ انگریزی صنعت کو فروغ دینے کے لیے ہندوستانی صنعت کو انتہائی ناانصافی سے ستایا گیا ہے، اگر برطانوی صناع، ہندوستانی صناع سے صرف صناع کی حیثیت سے مقابلہ کرتا تو ہرگز کامیاب نہ ہو سکتا"

شور لکھتا ہے :- ہندوستان کے اچھے دن گذر گئے، وہ دولت جس کا کبھی وہ مالک تھا لوٹ لی گئی، وہ قابلیت و ذہانت جس کا دنیا جہان میں شہرہ تھا، تباہ و برباد کردی گئی، اور ظالمانہ طریق حکومت سے اس کے فوائد کو اپنے فوائد پر قربان کر دیا گیا"

لیکن سب سے زیادہ دردانگیز زراعت کی تباہی ہے جس نے اس بدنصیب ملک کے باشندوں کو مردوں سے بھی بدتر کر دیا ہے، آج اس کے بچے، معصوم بچے! مٹھی بھر اناج کے لیے ایڑیاں رگڑتے ہیں اور نہیں پاتے، سسکتے ہیں اور مر جاتے ہیں! اس زمانہ کا معمولی کسان وہ ہوتا تھا جس کے پاس ۴۰ بیل، ۵۰ گائیں، چھ سات بھینس اور تقریباً ۱۰۰ بھیڑ بکریاں ہوتی تھیں، فاقہ اور تنگ دستی کا وہ نام بھی نہ جانتا تھا، اس میں اتنی مقدرت ہوتی تھی کہ آب پاشی کی تمام ضروریات خود مہیا کر لیا کرتا تھا، اہرن اور تالابوں کی مرمت عموماً وہ خود ہی اپنے صرف سے کیا کرتا تھا، چین اور روحانی طمانیت کی مسرت اس کے چہرے پر ہمہ وقت کھیلتی رہتی تھی، حکومت کا برتاؤ اس کے ساتھ نرم تھا، مال گذاری منافع کی چوتھائی یا حد سے حد تہائی (جو اصل پیداوار کا دسواں حصہ ہوتی تھی) لی جاتی تھی، وقت بے وقت اس کی مدد کی جاتی، قحط کے زمانہ میں مال گذاری کم کر دی جاتی یا بالکل ہی نہ لی جاتی، اور بقایا کے متعلق تو ہمیشہ یہ ہوا کہ معاف کر دیا گیا، مگر کمپنی گورنمنٹ کے عہد میں یہ کبھی نہیں ہوا، اس نے آب پاشی پر کبھی ایک پیسہ خرچ نہ کیا، اور مزارعین پر ہمیشہ سختی کی، اس نے جب ہندوستان پر قبضہ کیا ہے تو یہاں گوشہ گوشہ میں آب پاشی کے ایسے ذرایع موجود تھے کہ اگر وہ ان کو بحال رکھتی تو اس ملک کو یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا، لیکن اس کی تاریخ ایسے واقعات سے شرمندہ نہیں ہے، اس نے اس ملک کی آمدنی کو اس ملک پر لگانے کے

بجائے اپنے منافع پر لگایا، اور اس ملک کو تباہ و برباد کر دیا، اس کی حکومت کے پہلے ۲۵ سال مین پانچ، دوسرے مین دو، تیسرے مین چھ اور چوتھے مین اٹھارہ قحط پڑے، جن مین ۳ کرور ۲۵ لاکھ جانین ضائع ہوئین، اس کی وجہ سے زراعت مین غیر معمولی کمی ہو گئی، مزارعین خانمان برباد ہو گئے، مگر مالگذاری کو معاف کرنا تو الگ رہا، نہایت سختی سے وصول کی گئی، ۱۷۶۹ء مین جبکہ سارا بنگال قحط سے متاثر تھا، وصولی مین مار پیٹ سے کام لیا گیا، ۱۷۷۰ء کا قحط جس نے آبادی کا تیسرا حصہ ہلاک کر دیا، مالگذاری کی نظری کمی کو دوسرے سال کی ناجائز بیشی سے پورا کیا گیا اور اسپر اظہار مسرت کیا گیا کہ باوجود سال گذشتہ کے شدید قحط اور نقصان آبادی کے، سال رواں کے بندوبست مین قابل لحاظ بیشی ہوئی ہے قابل لحاظ بیشی کا یہ ظالمانہ سلسلہ برابر جاری رہا، جو اتنا بڑھ گیا کہ حاصلات کے نصف پر وصول کیا جانے لگا، اور بیش از بیش کی ہوس نے اسپر بھی بس نہ کی، اور مختلف قسم کے ٹیکس لگا کر وصولی کی مقدار کو کہین ۶۰ اور ۷۰ فیصدی اور کہین ۸۴ فیصدی تک پہنچا دیا، کمپنی کا ایک افسر اں کہتا ہے "موجودہ شرح مالگذاری بہت زیادہ ہے جسکی وجہ سے اس ملک کے کسانون کی حالت بہت افسوسناک ہو گئی ہے انھین ایسی حالت مین زمینین جوتنی پڑتی ہین، جب اُن کے پاس اس کا سامان تک نہین ہوتا، مگر کمپنی تمام قابل کاشت زمینون سے مالگذاری وصول کرتی ہے، خواہ وہ جوتی گئی ہون یا نہ جوتی گئی ہون مسٹر اسمی کا اندازہ ہے کہ "زمینداروں سے عام طور پر جو مالگذاری وصول کی جاتی ہے، وہ اُن کے زرگان کا ۸۴ فیصدی حصہ ہوتی ہے، جسے اگر وہ ادا نہ کر سکین تو گرفتار کر کے حوالات مین بھیجدیے جاتے ہین، اور اسوقت تک رہا نہین ہوتے جب تک کمپنی کی مطلوبہ رقم ادا نہ کر دین، کرنل برگس اس تباہ کن قانون مالگذاری کے مضر اثرات سے متاثر ہو کر لکھتا ہے کہ "ایسی مالگذاری جو آج کل ہندوستان مین مقرر ہے زمیندار کی پوری آمدنی چٹ کر جاتی ہے، یورپ یا ایشیا کی کسی حکومت مین کبھی نہین دیکھی گئی" اس معاشی ظلم نے ہندوستانی کسان کو کھوکھلا کر دیا، اس مین جان نہ رہی، چہرے پر مصیبت و فلاکت برسنے لگی، قرض مین

بوٹی بوٹی بندھ گئی، اور غریب پیسہ پیسہ سے محتاج ہوکر ان حالوں کو پہونچ گیا کہ اس کے بچے بھوکوں مرنے، جاڑوں ٹھٹھرنے لگے، پہلے وہ ایک فصل بوتا تھا اور چین سے زندگی بسر کرتا تھا، اب بارہ مہینے اپنی ہڈیاں پیلتا، اور خون پسینہ کرکے ٹیکاتا ہے مگر پھر بھی روٹی کپڑے کو محتاج رہتا ہے پہلے وہ فرصت کے دنوں میں دستکاری بھی کیا کرتا تھا، لیکن اب دن رات بیگار میں جان مارتا ہے، مسٹر ولیم بولٹس نے لکھا ہے "کسان جو اس ملک کا کاشتکار بھی ہے، اور دست کار بھی، کمپنی کے گماشتوں کے مظالم سے تنگ آگیا ہے، جب وہ کمپنی کے کارخانوں میں کام کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے، تو اُسے کاشت کا موقع نہیں ملتا، اور مال گذاری کی ادائی دشوار ہو جاتی ہے لیکن وہ غریب اسپر بھی مجبور ہے، اس لیے جب اس کے پاس کچھ نہیں ہوتا تو کبھی تو وہ گھر بار چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے اور کبھی اپنے بال بچوں کو بیچ ڈالتا ہے"

یہ حقیقت کس قدر تلخ و افسوسناک ہے، جو ملک دنیا کا بہترین صنعتی ملک ہو، جس کی مصنوعات سارے جہان کی مصنوعات پر سبقت لے گئی ہوں، جس کی خام پیداوار کا دور دور شہرہ ہو، جہاں اجناس کی اتنی ریل پیل ہو، کہ ایک کمانے والے پر گھر کے گھر پلتے ہوں، جس کی زمین سونا اگلتی ہو، اور جہاں دولت کی نہریں بہتی ہوں، وہ ملک ایک صدی کے اندر اندر اتنا مفلس، اتنا قلاش، اتنا بدحال اور فلاکت زدہ ہو جائے کہ اس کی آبادی کا ایک تہائی حصہ نان شبینہ کو محتاج ہو، اور پوری نصف آبادی جاڑے گرمی میں ڈھنگ کا کپڑا نہ پہن سکے؟ کیا کسی قوم کے لیے جو انصاف، انسانیت، شرافت، تہذیب اور بنی نوع انسان کی ہمدردی و غم خواری کی بلند بانگ دعویدار ہو، اس سے زیادہ کوئی بات شرمناک ہو سکتی ہے؟ یہی وہ جگر دوز صورتِ حال تھی جس کو دیکھ کر ایک دردمند مورخ کا دل بھر آیا، وہ لکھتا ہے:-

"یہ لوگ اس ملک کی خوشحالی سے بالکل بے پروا ہیں، ان کی حکومت میں ہر طرف مظلومیت کی چیخ پکار ہے، آباد یاں ویران ہو گئی ہیں، امیر غریب کوئی چین سے نہیں، صناع غائب، زمان برباد ہیں، کمیت

ہو حق کا میدان ہو رہے ہین، مفلسی، مصیبت اور قحط نے شہ زورون کو بے دم کر دیا ہے، اے خدا! اپنے مظلوم بندون کی مدد کو پہونچ اور ان کو ان مظالم سے بچا، اس جور و ستم سے نجات دے جو ہم نے کبھی دیکھے نہ سُنے،

لیکن اگر یہ سچ ہے کہ کسی ملک کی فلاکت و بدحالی اُس کے حکمرانون کی نا اہلی و بدکرداری کا نتیجہ ہوتی ہی تو ہمین اپنے ملک کی اس افسوسناک حالت کو بھی کمپنی گورنمنٹ کے نظام کار، اصول حکومت اور مطمح نظر مین تلاش کرنا چاہیئے:

کمپنی گورنمنٹ کا مطمح نظر آپ جانتے ہین اگر کوئی نیا کسی ملک کا بادشاہ بنا دیا جائے تو وہ کیا کرے گا؟ ایسٹ انڈیا کمپنی تاجرون کی ایک باقاعدہ جماعت تھی، جس کا مقصد اپنی تجارت کی حفاظت، ترقی، حریفون کا استیصال، دولت کی لوٹ، دیسی صنعتون کی بیخ کنی، اور اپنے ملک کی صنعت و تجارت کو فروغ دینا تھا، جب تک اس کے ہاتھ مین انتظامی قوت نہ تھی وہ امن پسند تاجر تھی اور مغل بادشاہون کی عنایت سے خاص مراعات کے ساتھ وادیِ ہمالہ کے مختلف حصون مین کاروبار کرتی تھی، اور تقریباً اسی کی وجہ سے وہ اپنے یورپین رقیبون کو شکست دینے اور نکالنے مین کامیاب ہوئی لیکن جنگ پلاسی کے بعد اُس کا رویہ فوراً بدل گیا، اب آزاد تجارت کو وہ اپنا حق سمجھنے لگی، اور مرکزی حکومت کو کمزور دیکھ کر، ملک کے آئین و قوانین اور قواے نظم و نسق کو اپنے تاجرانہ مفاد اور دولت کی "بیش از بیش" لوٹ مار کے تابع کر لیا، اُس نے اپنی ساری توجہ اس مین مرکوز کر دی کہ ہندوستان کی صنعتی روح کو کچل ڈالے، اس کے نقد سرمایہ پر قبضہ کرلے، اور اس کو ایک فلاکت زدہ زرعی ملک بنا کر انگلستان کی مصنوعات کے لیے ایک اچھی منڈی بنا دے، اس نے دیسی تاجرون پر منڈیون کے دروازے بند کر دیے، تمام صنعتون کا اجارہ لے لیا، مقامی درآمد برآمد پر بھاری بھاری محصول عائد کر دیے، دستکارون کو طرح طرح کے محصولون اور پابندیون سے جکڑ دیا، قحط کے زمانہ مین زمیندارون سے زبردستی سستا اناج

خرید کرنے بھیجی گئی اور اُس کے گماشتے اس طرح پھرنے لگے جیسے بادشاہ پھرتے ہیں ان کا یہ وتیرہ تھا کہ دست کاروں سے چوتھائی قیمت پر مال خریدتے اور بچی گنی قیمت پر بیچتے، کمپنی اور اس کے کارندوں کی تجارت جنگی اور دوسرے محصولوں سے مستثنیٰ تھی، اور دست کاروں کو یہ حکم تھا کہ وہ اپنا مال کسی دوسرے کے ہاتھ نہ بیچیں، جو آفت کا مارا ایسا کرتا سخت سزائیں پاتا، غرض اس طرح بنگال کی ساری تجارت دیسی تاجروں کے ہاتھ سے نکل گئی اور صنعتیں ان کے مظالم سے مٹنے لگیں، کمزور میر جعفر یہ سب باتیں دیکھتا رہا اور دم نہ مار سکا، مگر غیور میر قاسم سے چپ نہ رہا گیا، اس نے کمپنی کے اعلیٰ افسروں، گماشتوں اور کارندوں کی بدعنوانیوں کی بارہا شکایتیں کیں اور پھر صاف لکھدیا کہ "کمپنی کو اپنے کارندوں کو ہدایت کرنی چاہیے کہ وہ اپنا روپیہ بنگال میں اور میری حکومت اس سے زیادہ توہین برداشت نہیں کر سکتی" لیکن جب اس پر بھی کچھ نہ کیا گیا تو اُس نے اپنے علاقہ میں اندرونی تجارت پر محصول معاف کر دیا، اور زبردست مالی قربانی کرکے دیسی تاجروں کی مدد کی، اس شرافتِ نفس اور وطن خواہی کی پاداش میں اُسے عہد شکن قرار دیا گیا اور جنگ کرکے (۱۷۶۳ء) تخت سے اُتار دیا، پھر دو برس بعد "دیوانی" لیکر نوابی کا سلسلہ بھی ختم کر دیا، جو بنگال کی رہی سہی خوشحالی کے لیے فاقہ اور موت کا پیغام تھا،

یہ تو صرف وہاں کا ذکر ہے، جہاں کمپنی صرف "دیوان" کی حیثیت سے متصرف تھی، وہاں کا ذکر نہیں جہاں مطلق العنان مالک تھی اور جہاں صناعوں کے لیے یہ دنیا بدترین دوزخ بن گئی تھی،

لیکن کمپنی کی ظالمانہ کارروائیاں یہاں بھی ختم نہ ہوئیں، اس نے زیادہ سے زیادہ روپیہ حاصل کرنے کے جنون میں قول و قرار، انصاف و دیانت کو بھی بالائے طاق رکھ دیا تھا اور جنھوں نے احسان کیے تھے اُن ہی کے گلے کاٹتی تھی، سراج الدولہ کو اپنی گون کا نہ دیکھ کر، جنگ کرکے اسے تخت سے اتار دیا (۱۷۵۷ء) اور اس کی جگہ ۳۲ لاکھ، ۴ ہزار پونڈ کے بدلے میر جعفر کو بٹھایا، مگر جب وہ کمپنی کے آئے دن کے مطالبات پورے نہ کر سکا، تو اُسے معزول کر دیا، اور میر قاسم کو بردوان، مدناپور،

ہو حق کا میدان ہو رہے ہین، مفلسی، مصیبت اور قحط نے شہ زورون کو بے دم کر دیا ہے، اے خدا! اپنے مظلوم بندون کی مدد کو پہونچ اور ان کو ان مظالم سے بچا، اس جور و ستم سے نجات دے جو ہم نے کبھی دیکھے نہ سُنے،

لیکن اگر یہ سچ ہے کہ کسی ملک کی فلاکت و بدحالی اُس کے حکمرانون کی نا اہلی و بدکرداری کا نتیجہ ہوتی ہی تو ہمین اپنے ملک کی اس افسوسناک حالت کو بھی کمپنی گورنمنٹ کے نظام کار اصول حکومت اور مطمح نظر مین تلاش کرنا چاہیئے:

کمپنی گورنمنٹ کا مطمح نظر آپ جانتے ہین اگر کوئی بنیا کسی ملک کا بادشاہ بنا دیا جائے تو وہ کیا کرے گا؟ ایسٹ انڈیا کمپنی تاجرون کی ایک باقاعدہ جماعت تھی، جس کا مقصد اپنی تجارت کی حفاظت، ترقی، حریفون کا استیصال، دولت کی لوٹ، دیسی صنعتون کی بیخ کنی، اور اپنے ملک کی صنعت و تجارت کو فروغ دینا تھا، جب تک اس کے ہاتھ مین انتظامی قوت نہ تھی وہ امن پسند تاجر تھی اور مغل بادشاہون کی عنایت سے خاص مراعات کے ساتھ وادی ہمالہ کے مختلف حصون مین کاروبار کرتی تھی، اور تقریباً اسی کی وجہ سے وہ اپنے یورپین رقیبون کو شکست دینے اور نکالنے مین کامیاب ہوئی، لیکن جنگ پلاسی کے بعد اُس کا رویہ فوراً بدل گیا، اب آزاد تجارت کو وہ اپنا حق سمجھنے لگی، اور مرکزی حکومت کو کمزور دیکھ کر، ملک کے آئین و قوانین اور قواے نظم و نسق کو اپنے تاجرانہ مفاد اور دولت کی "بیش از بیش" لوٹ مار کے تابع کر لیا، اُس نے اپنی ساری توجہ اس مین مرکوز کر دی کہ ہندوستان کی صنعتی روح کو کچل ڈالے، اس کے نقد سرمایہ پر قبضہ کرلے، اور اس کو ایک فلاکت زدہ زرعی ملک بنا کر انگلستان کی مصنوعات کے لیے ایک اچھی منڈی بنا دے، اس نے دیسی تاجرون پر منڈیون کے دروازے بند کر دیے، تمام صنعتون کا اجارہ لے لیا، مقامی درآمد برآمد پر بھاری بھاری محصول عائد کر دیے، دستکارون کو طرح طرح کے محصولون اور پابندیون سے جکڑ دیا، قحط کے زمانہ مین زمیندارون سے زبردستی سستا اناج

خرید کرنیکا بچوگی اور اُس کے گماشتے اس طرح پھرنے لگے جیسے بادشاہ پھرتے ہین ان کا یہ وتیرہ تھا کہ دست کارون سے چوتھائی قیمت پر مال خریدتے اور بیچ گنی قیمت پر بیچتے، کمپنی اور اس کے کارندون کی تجارت جنگی اور دوسرے محصولون سے مستثنیٰ تھی، اور دست کارون کو یہ حکم تھا کہ وہ اپنا مال کسی دوسرے کے ہاتھ نہ بیچین، جو آفت کا مارا ایسا کرتا سخت سزائین پاتا، غرض اس طرح بنگال کی ساری تجارت دیسی تاجرون کے ہاتھ سے نکل گئی اور صنعتین ان کے مظالم سے مٹنے لگین، کمزور میر جعفر تو یہ سب باتین دیکھتا رہا، اور دم نہ مار سکا، مگر غیور میر قاسم سے چپ نہ رہا گیا، اس نے کمپنی کے اعلیٰ افسرون، گماشتون اور کارندون کی بدعنوانیون کی بارہا شکایتین کین اور پھر صاف لکھدیا کہ "کمپنی کو اپنے کارندون کو ہدایت کرنی چاہیے کہ وہ اپنا رویہ بدلین، مین اور میری حکومت اس سے زیادہ توہین برداشت نہین کرسکتی، لیکن جب اسپر بھی کچھ نہ کیا گیا تو اُس نے اپنے علاقہ مین اندرونی تجارت پر محصول معاف کردیا، اور زبردست مالی قربانی کرکے دیسی تاجرون کی مدد کی، اس شرافتِ نفس اور وطن خواہی کی پاداش مین اُسے عہد شکن قرار دیا گیا اور جنگ کرکے (۱۷۶۳ء) تخت سے اُتار دیا، پھر دو برس بعد "دیوانی" لیکر نوابی کا سلسلہ بھی ختم کردیا، جو بنگال کی رہی سہی خوشحالی کے لیے فاقہ اور موت کا پیغام تھا،

یہ تو صرف وہان کا ذکر ہے، جہان کمپنی صرف "دیوان" کی حیثیت سے متصرف تھی، وہان کا ذکر نہین جہان مطلق العنان مالک تھی اور جہان صناعون کے لیے یہ دنیا بدترین دوزخ بن گئی تھی،

لیکن کمپنی کی ظالمانہ کارروائیان یہان بھی ختم نہ تھین، اس نے زیادہ سے زیادہ روپیہ حاصل کرنے کے جنون مین قول و قرار، انصاف و دیانت کو بھی بالائے طاق رکھ دیا تھا اور جنھون نے احسان کیے تھے اُن ہی کے گلے کاٹتی تھی، سراج الدولہ کو اپنی گون کا نہ دیکھ کر، جنگ کرکے اسے تخت سے اتار دیا (۱۷۵۷ء) اور اس کی جگہ ۳۲ لاکھ، ۴ ہزار پونڈ کے بدلے میر جعفر کو بٹھایا، مگر جب وہ کمپنی کے آئے دن کے مطالبات پورے نہ کرسکا، تو اُسے معزول کردیا، اور میر قاسم کو بردوان، مدناپور،

چٹا گانگ کی آمدنی کے معاوضہ مین "گدی نشین" کیا، پھر اُس سے کرناٹک کی جنگ کے لیے پانچ لاکھ روپے مانگے، جو اس نے دیدیے، یہان تک وہ قابلِ تعریف تھا لیکن بدقسمتی سے اُسکو اپنے ملک سے محبت تھی وہ اُسکو خوشحال دیکھنا چاہتا تھا، اور اُس نے دیسی تاجرون کے فائدے کے لیے اپنے ممالک محروسہ مین اندرونی نقل وحرکت پر چنگی معاف کردی تھی، جس کی وجہ سے دیسی تاجرون کو کمپنی کے مقابلہ مین منفعت بخش تجارت کا موقع مل گیا تھا، اس لیے اس کو اس جرم پر "بدعہدی" کی سزا مین تخت سے اُتار دیا، (۱۷۶۳ء) اور ۵۳ لاکھ سالانہ پنشن کرکے حکومتِ بنگالہ کو اپنے انتظام مین لے لیا، جو چند سال مین ۱۶ لاکھ تک گھٹا دی گئی، شاہ عالم کو ۲۶ لاکھ سالانہ خراج دینے کا وعدہ کیا تھا، مگر ہسٹنگز کے زمانہ مین اس کا ایفا فضول سمجھا گیا اور بند کردیا گیا، ۱۷۶۵ء کے معاہدے کی رو سے تنجور کا راجہ کمپنی کا اتحادی تھا، لیکن اس کی دولت پر اس کا دانت تھا، محمد علی نواب کرناٹک کو جو کمپنی اور یورپین مہاجنون کا بہت مقروض تھا، تنجور کے لوٹنے پر آمادہ کیا۔ راجہ نے ۴ لاکھ پونڈ دیکر نجات حاصل کرنے کی کوشش کی، مگر پذیرائی نہ ہوئی، سینٹ جارج کے ارباب حل وعقد یہ فیصلہ کرچکے تھے کہ "صوبۂ مدراس کے عین قلب مین ایسی قوت کا موجود ہونا سخت خطرناک ہے"، اس بنا پر ۸ ستمبر ۱۷۷۳ء کو تنجور کا آخری فیصلہ کردیا گیا، کورٹ آف ڈائرکٹرز نے جن وجوہ کی بنا پر اس کی منظوری دی اُن سے ایک حد تک کمپنی کا نقطۂ نظر واضح ہوتا ہے، اس نے لکھا "یہ بات بہت ہی غیر معقول معلوم ہوتی ہے کہ راجہ تنجور ملک کے ایک ایسے زرخیز علاقہ پر قابض رہے جو تنہا ایک پورے لشکر کے مصارف برداشت کرسکتا ہے . . . . . ہم تمھین اجازت دیتے ہین کہ تم راجہ پر زور ڈالنے کے لیے نواب کی مدد کرو . . . . . امید ہے کہ اس سلسلہ مین جو رقم ہاتھ آئے گی اس سے نواب کے کل قرضے بیباق ہوجائین گے" ۱۷۷۵ء مین آصف الدولہ سے بنارس کا علاقہ لیکر راجہ چیت سنگھ سے ۵۰ ہزار پاونڈ کا مطالبہ کیا، اور جب اس نے یہ رقم بے چون وچرا دیدی تو ۵ لاکھ کا اور مطالبہ کیا، جسے وہ پورا نہین کرسکتا تھا، اس لیے اُسے اس معقول "جرم کی سزا مین

قید کر دیا گیا اور اُس کی جگہ ایک کمزور آدمی کو اس شرط پر گدی نشین کیا کہ وہ مقررہ خراج کے علاوہ مزید رقمون سے بھی مدارات کرتا رہیگا، اسی زمانہ مین آصف الدولہ سے ۱۲ لاکھ پونڈ کا مطالبہ کیا اور اس کی ادائی کے لیے اس کو مجبور کیا کہ وہ اپنی ماں اور دادی کے خزانون پر قبضہ کرلے حالانکہ ان کی حفاظت کی کمپنی خود ضامن ہوئی تھی، اور آخر کمپنی کی فوجون نے فیض آباد پہنچکر بیگمون کو محل مین قید کر دیا اور اُن کے خزانچیون کو لکھنؤ لیجاکر زبردستی ۱۲ لاکھ پونڈ وصول کیے، کنارا کے راجہ کو کمپنی کے افسرون سے شکایات تھین، جب تھامس مانرو اس علاقہ مین بندوبست کے لیے گیا تو کنارا کے ولیعہد نے اس سے ملکر اپنی حکومت کی شکایات پیش کین، مانرو نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ راجہ کے مطالبات کمپنی کے سامنے پیش کرکے اس کے حسب دلخواہ فیصلہ کرادیگا، مگر عملاً یہ کیا گیا کہ راجہ کے تمام اختیارات سلب کرکے اس کے علاقہ کو اپنے انتظام مین لے لیا اور راجہ کو مدِ معاش کے لیے تھوڑی سی جاگیر دیدی،

غرض یہ تھا کمپنی کا مطمح نظر، یہ تھے اُس کے اعمال اور یہ تھے اُن کے تباہی بخش اثرات، حکومت کا کچھ مقصد نہ تھا مگر روپیہ، اس کی طرف سے اجازت تھی کہ "جو چاہو کرو مگر روپیہ بہت بھیجو"، عمال پہلے ہی یہان کی دولت کو دیکھ دیکھ کر للچا رہے تھے، پروانگی ملتے ہی کھل کھیلے، لوٹ مار مین کوئی کور کسر اُٹھا نہ رکھی، جو نہ کرنا تھا وہ کیا، خود ڈاکر کٹرون کو بھی ان ناکردہ کاریون کا اعتراف ہے، انھون نے لکھا ہے "یہ بے پایان دولت ایسے جابرانہ و غاصبانہ طریقون سے حاصل کی گئی ہے جو کسی ملک اور کسی عہد کی تاریخ مین اپنا جواب نہین رکھتے"

کیا یہ واقعات ایسے نہین ہین کہ اُن پر انسانیت خون کے آنسو بہائے؟ یہی وہ تباہ کن معاشی غارت گری، اور موت آفرین اقتصادی لوٹ تھی، جس نے ہندوستان کو ان حالون کو پہنچا دیا ہے، اونچی ناک والے انگلستان کو اپنے اولین اقدام کے یہ خونین واقعات یاد کرکے شرمانا چاہیئے"

معتزلہ کی ایک قدیم تصنیف

الانتصار للخیاط

(جرمن سے ترجمہ کیا گیا)

ترجمہ شیخ عنایت اللہ صاحب ایم اے معلم عربی گورنمنٹ کالج جھنگ (پنجاب)

معارف (جلد ۱۹ نمبر ۲) مین اطالین مستشرق پرنس کائتانی کی تاریخ اسلام پر ایک مختصر تبصرہ شایع ہوا تھا، اس کو پڑھکر پنجاب کے ایک نوجوان صاحب علم نے ہم کو مخاطب کیا، اور اس تاریخ کے اردو ترجمہ کا مژدہ سُنایا، ہندوستان کے موجودہ جمود علمی کو دیکھتے ہوے ہمین اس مژدہ پر تعجب ہوا، لاہور کے پچھلے سفر مین ان سے ملاقات کا لطف بھی حاصل ہوا، یہ نوجوان صاحب علم شیخ عنایت اللہ صاحب، ایم اے ہین، اللہ تعالیٰ نے بعض اشخاص مین عجب قابلیتین مضمر رکھی ہین، موصوف کو اسلامی تاریخ وتمدن سے بیحد ذوق ہے، اسی ذوق نے ان کی دستگیری کی اور یورپین زبانون کا شوق ان مین پیدا کیا، خوش قسمتی سے ڈاکٹر سیف الدین صاحب کچلو نے اُن کے اس شوق کی رہنمائی کی،

ان کا وطن امرتسر ہے ۱۹۱۸ء مین جب وہ ابھی کالج کی ایف اے کلاس مین تھے، ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے یہ سُن کر کہ ان کو تاریخ اسلامی کا بیحد شوق ہے، انھون نے کمال مہربانی سے اُن کو فرنچ اور جرمن زبانون (جن سے وہ واقف ہین) کی تعلیم کا ذمہ لیا، مگر ان کی تعلیم پر ابھی چند ہی مہینے گذرے تھے اور ابھی ابتدائی کتابین بھی ختم نہ ہوئی تھین کہ ڈاکٹر صاحب سیاسی مشاغل مین مصروف ہوگئے، اور ان کی مشفقانہ تعلیم وتدریس کا زمانہ ختم ہوگیا، مگر چونکہ وہ ان زبانون کی تحصیل کا راستہ دیکھ چکے تھے اور اسی کے ساتھ ہی وہ یورپین مستشرقین کی تصانیف کے مطالعہ کیلیے بیتاب تھے

اس لیے معلم شوق اور مناسبت طبع نے خود رہنمائی کی اور انھوں نے ان زبانوں کا مطالعہ از خود جاری رکھا اور بحمداللہ کہ آج وہ اُن سے بخوبی مستفید ہو رہے ہیں

جب وہ بی اے کلاس میں تھے تو اُن کو پیرس کے ایک ناشر الکتب کی طرف سے کاٹانی کی کتاب د CHRONOGRAPHIA ISLAMICA کا احوالنامہ (پراسپکٹس) وصول ہوا، اگرچہ وہ اس وقت اطالین سے ناآشنا تھے مگر احوالنامہ میں نمونہ کے جو چند صفحے مشمول تھے اُن سے کتاب کی ترتیب اور جامعیت اور اُس کے ازحد مفید اور پر از معلومات ہونے کا اندازہ کرکے اُنھوں نے اطالین سیکھنے کا مصمم ارادہ کرلیا، چنانچہ ایم اے کلاس میں جب وہ عربی کی تحصیل میں مصروف تھے ساتھ اطالین کے مطالعہ کو جاری رکھا، اور دو سال میں اتنی لیاقت پیدا کرلی کہ وہ اس زبان سے ترجمہ کرنے پر قادر ہوگئے، اب وہ مغربی زبانوں میں انگریزی کے علاوہ جرمن، فرنچ، اٹالین میں اور یورپی زبانوں سے استفادہ کرسکتے ہیں، شرقی زبانوں میں عربی اور فارسی زبانوں سے واقف ہیں، یہ ایک ایسا مجموعۂ اوصاف قابلیت ہے جس پر مسلمان فخر کرسکتے ہیں، شیخ صاحب گاہے گاہے اپنے تراجم سے معارف کو بھی مشرف کرنے کا عزم رکھتے ہیں اور اس سلسلہ میں اپنے متعدد تراجم انھوں نے بھیجے ہیں جن میں سے ایک آج ہدیۂ ناظرین ہے،

معارف جلد ۱، نمبر ۲ کے شذرات میں الانتصار نامی ایک عربی کتاب کا تذکرہ کیا گیا تھا، اب انھوں نے اس کتاب کے متعلق اس کے شائع کنندہ جرمن مستشرق کا تبصرہ جرمنی سے ترجمہ کرکے بھیجا ہے جسکے لیے ہم اُنکے شکرگذار ہیں انشاء اللہ آئندہ ہمارے ناظرین کو اُن کی قابلیت کے مزید نمونے دیکھنے کا اتفاق ہوتا رہیگا،

علمی حلقوں میں یہ خبر دلچسپی سے پڑھی جائے گی کہ حال ہی میں معتزلہ کی ایک قدیم تصنیف روز روشن میں آئی ہے، اس کا عنوان کتاب الانتصار والرد علی ابن الراوندی الملحد ہے اور ابو الحسین عبدالرحیم بن محمد بن عثمان الخیاط کی تصنیف ہے، اُپسالا یونیورسٹی (سویڈن) کے ایک استاذ ڈاکٹر نیبرگ نے اس کو

قاہرہ کے کتب خانۂ سلطانی کے ایک نادر اور واحد نسخہ سے لیکر ایک مفصل عربی دیباچہ کے ساتھ مصر سے ۱۹۲۵ء مین لجنۃ التالیف والترجمہ والنشر کے خرچ پر شایع کیا، چند ماہ ہوے صاحب موصوف نے اُس کے مضامین کی نوعیت اور اہمیت کے متعلق ایک مختصر تحریر جرمن زبان مین شایع کی تھی جس کا ترجمہ ذیل مین ہدیۂ ناظرین ہے،

فرقۂ معتزلہ کا آغاز اس کی قدیم تاریخ، تا حال تاریکی کے پردہ مین مستور رہی ہے، کیونکہ اب تک ہمین اُن کے عقائد وکلام کی کوئی قدیم العہد کتاب معلوم نہ تھی، یہ سچ ہے کہ بغدادی، شہرستانی اور ابن حزم نے ملل ونحل پر جو کچھ لکھا ہے، اس مین اس فرقہ کی تاریخ کے متعلق بھی کچھ مواد جھوڑا ہے، مگر یہ مواد بہت قلیل اور نامکمل ہے، اُس کے علاوہ عدم رواداری اور تعصب نے اس مین اس قدر تصرف کیا ہے کہ قدیم معتزلی متکلمین کے اصلی اور حقیقی عقائد ومقاصد تک پہنچنا، محض روایات کی نہایت سخت تنقید کے بعد ممکن تھا، اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معتزلہ کی اصل حقیقت یورپ کے علماے محققین سے بھی مخفی رہی، معتزلی علما کو کسی نے آزاد خیال اور کسی نے زاہدان مرتاض تصور کیا ہے اور کسی نے یہ سمجھا ہے کہ یہ وہ لوگ تھے جو دنیا سے الگ تھلگ، بیفائدہ اور لاحاصل موشگافیون اور باریک بینیون مین منہمک رہتے تھے، لہذا اہل تحقیق کے لیے اس امر سے زیادہ خوش آئند اور کیا بات ہوسکتی تھی کہ اُنھین قدیم معتزلہ کا بیان خود انھین مین سے ایک کے ہاتھ کا لکھا ہوا دستیاب ہوجائے، اس مضمون کے متعلق جو کمی ہمارے علم مین تھی اس کو مذکورۂ بالا کتاب بطریق احسن پورا کرتی ہے،

یہ کتاب ایک مشہور معتزلی عالم یعنی خیاط کی تصنیف سے ہے، جو کعبی کا استاد تھا، اور جو علما کی راے کے مطابق اُن لوگون مین سے تھا، جو اسلام مین دینی عقائد ومسائل کے قدیم ارتقا کے بہترین عالم گذرے ہین، اس کا سالِ وفات ۳۰۰ھ کے قریب ہے، اور اس کی موجودہ کتاب محض حسن اتفاق سے ہم تک پہنچی ہے، ہمین اس کا صرف ایک نسخہ معلوم ہے جو مصر کے کتب خانۂ سلطانی کو ۱۹۱۰ء مین شیخ طاہر الجزائری سے ورثہ مین ملا، اور جو دراصل پہلے دمشق کے کسی کتبخانہ مین وقف تھا، آخری صفحہ پر شام کے ایک فقیہ کی

لکھی ہوئی ایک تحریر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسے اس کتاب سے کچھ واسطہ و تعلق رہا ہے، اور ہمارے لیے خوشی کا مقام ہے کہ یہ کتاب متعصب ملاؤں کی حرارت مذہبی سے بچ رہی ہے، کتاب ہذا کا نسخہ بذات خود بڑا نادر و یادگار زمانہ ہے، کیونکہ یہ نسخہ ۳۴۷ھ مین تیار ہوا تھا اور اب بھی اچھی خاصی حالت مین ہے،

جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے یہ کتاب ابن الراوندی کے جواب مین لکھی گئی تھی، جو ایک پُراسرار شیعی آزاد خیال گذرا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ خیاط نے اپنی عمر اور اپنے مطالعہ و تحقیق کا بہت سا حصہ اُس ملحد کے خلاف جنگ کرنے مین صرف کیا تھا۔ اس کتاب کے لکھے جانے کا قصہ یون ہے کہ متوکل کے عہد خلافت مین معتزلہ پر جو جبر و تشدد ہوا، غالباً اسی سے متاثر اور برانگیختہ ہوکر جاحظ نے ایک کتاب "فضیلۃ المعتزلۃ" کے نام سے تصنیف کی تھی، جسمین اس نے نہ صرف اپنے فرقہ کے اصول کو ثابت کیا تھا، بلکہ شیعہ فرقہ پر بھی بہت درشت حملے کیے تھے، اس کے جواب مین غالباً تیسری صدی ہجری کی اختتام کے قریب ابن الراوندی نے اپنی مناظرانہ کتاب "فضیحۃ المعتزلۃ" لکھی اور اس مین جاحظ پر خوب لے دے کی، اب خیاط نے ابن الراوندی کے رد مین اپنی کتاب الانتصار لکھی، اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ پہلے ابن الراوندی کی تنقید کی ہر فصل کی چھان بین کرتا ہے، اُس کے اعتراض کو اسی کے الفاظ مین نقل کرتا ہے اور اس کے بعد معتزلی علما (جن کو ابن الراوندی نے مورد طعن بنایا تھا) کی اصلی اور حقیقی تعلیم کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کرتا ہے، اس طرح تمام قدیم معتزلہ ہماری نظر کے سامنے سے گذرتے ہین، خیاط اپنے جوابات مین زیادہ تر نظام اور ابو الہذیل العلاف کا ذکر کرتا ہے، یہ پہلا موقع ہے کہ معتزلہ کے آغاز و عقائد پر جن کو آج تک غلط سمجھا جاتا رہا ہے بالکل نئی روشنی پڑی ہے اور اس اہم فرقہ کے حقیقی مقاصد آشکارا ہوے ہین، کتاب ہذا کے بموجب اس بات مین کچھ شک نہین رہا، کہ اعتزال دراصل ایک مدافعانہ اور مبلغانہ تحریک تھی جو ایک مدت تک جاری رہی، یہ امر بہت دیر پہلے اس نہایت اہم مواد سے بھی معلوم ہوسکتا تھا، جو جاحظ نے کتاب البیان مین دراصل

اور عمرو بن عبید کے متعلق روایت کیا ہے،

کتاب الانتصار نہ صرف معتزلہ کی تاریخ کے لیے نہایت اہم ہے، بلکہ اس کے واسطہ سے ابن الراوندی کی فضیحۃ المعتزلہ کے کئی اجزا معلوم ہوسکتے ہیں جن کی مدد سے یہ کتاب تمام کی تمام از سر نو تیار ہوسکتی ہے، اس کے ذریعہ سے ہم ابن الراوندی کی شخصیت کے متعلق بالکل نئی بصیرت حاصل کرتے ہیں اور معتزلہ کے ساتھ اس کے تعلقات کی مکمل تاریخ مسطور پاتے ہیں، اس کے علاوہ ایک قدیم شیعی عالم ہشام بن الحکم پر نئی روشنی پڑتی ہے، ایک اور مزیدار اور ناقابل تردید بات جو اس کتاب سے آشکارا ہوتی ہے یہ ہے کہ بغدادی نے اپنی کتاب "الفرق بین الفرق" میں ابن الراوندی کی فضیحۃ المعتزلہ کو بکثرت استعمال کیا ہے، لہذا کتاب الانتصار اسلام کے قدیم عقائد کی تاریخ کے لحاظ سے ایک اول درجہ کی دستاویز ہے،

اس کتاب کے دیباچہ میں جو عربی میں لکھا گیا ہے خیاط اور ابن الراوندی کی سوانحعمری کے متعلق مسالہ اور مواد یکجا کردیا گیا ہے، معتزلہ کے متعلق نئے مواد پر بحث کی گئی ہے اور اس فرقہ کی قدیم تاریخ کو از سر نو قلمبند کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جس کے مطالعہ سے مشرقی قارئین پر یورپ کے اصول تاریخ نویسی ظاہر ہوں گے، حواشی میں کتاب کے مشکل مقامات کی تشریح کی گئی ہے اور متن میں جن اشخاص کا ذکر ہوا ہے، اُن کے حالات زندگی کے متعلق مواد فراہم کردیا گیا ہے، فہرستوں کے مکمل بنانے میں خاص احتیاط اور محنت صرف کی گئی ہے،

کتاب الفلاحۃ

اندلس کے مسلمانوں نے فن زراعت میں جو ترقی کی تھی اس کا یہ آئینہ ہے، یحیی اشبیلی کی یہ تصنیف ہے جس کا ترجمہ مولوی سید ہاشم صاحب ندوی نے کیا ہے، اور معارف پریس میں چھپا ہے، تاریخ اور فن دونوں کی حیثیت سے یہ پڑھنے کی چیز ہے، حجم ۱۶ صفحہ، قیمت للعہ،

تلخیص و تبصرہ

آلۂ پارچہ بافی کا انگریز موجد
اور اُسکی
صد سالہ برسی

انگلستان کی تمام دولت و فروت اور قوتِ جہانبانی کا راز اس کے کپڑون کی تجارت مین مضمر ہی کیونکہ اس کو دنیا کے تمام ممالک مین صنعتِ پارچہ بافی مین تفوق حاصل ہوا ہے، اور اسی صنعت سے اس نے اقتصادی و سیاسی تفوق حاصل کیا ہے اور آج دنیا کے سب سے بڑے حصہ پر فرمان روا ہے، لیکن یہ عجیب پر لطف حقیقت ہے کہ انگلستان کی یہ حیرت انگیز صنعتی ترقی صرف ایک شخص سیموئل کرومپٹن (SAMUEL CROMPTON) کی رہین منت ہے جس نے خود نہایت عسرت کی زندگی گذاردی، ۲۶ جون ۱۹۲۷ء کو انگلستان مین اس کی صد سالہ برسی نہایت شان و شوکت سے منائی گئی، مصر کے رسالہ المقتطف مین اسی صد سالہ برسی کی مناسبت سے اس کے حالات زندگی شایع ہوے ہین، جس کا خلاصہ ہم درج ذیل کرتے ہین، جسمین انگلستان کی اس حیرت انگیز ترقی کا راز پنہان ہے،

اس کی پیدائش ۱۷۵۳ء مین صوبۂ لنکا شائر کے ایک شہر بولٹن کے قریب ہوئی، اس کے والدین نہایت غریب و نادار تھے، اس لیے اُنھون نے اسکو مجبوراً بچپن سے تعلیمی سلسلہ کی طرف بھیجنے کے بجائے سوت کاتنے مین لگا دیا، اس وقت تک انگلستان مین سوت کاتنے کی دو مشینین ایجاد ہو چکی تھین جن مین سے ایک ہرگریٹس کی طرف منسوب ہے، جسمین آٹھ چرخے کام کرتے تھے، جنکو ایک دولابی شکل کا پہیہ بیک وقت

چلاتا تھا، لیکن اس کا سوت نہایت ناقص ہوتا تھا، جو صرف تانے کے کام مین آتا تھا، اس لیے پارچہ بافان بالعموم بانے مین اون یا کتان وغیرہ بھرتے تھے، اس لیے ایک ایسی مشین کی شدید ضرورت تھی جو بانے کے لیے بھی روئی کا سوت تیار کرسکے، چنانچہ ایک دوسرے شخص سر رچرڈ آرک رائٹ (SIR RICHARD ARK WRIGHT) نے یہ کمی پوری کردی، اور اس سے ایسا سوت تیار ہونے لگا جو بانے کے کام مین آئے اور اس کے بعد پارچہ بافون کا عام دستور رہا کہ وہ ہرگریوز کے سوت سے تانا تنتے اور سر آرک رائٹ کے سوت سے بانا بھرتے، لیکن ان دونون تار و پود کی تکمیل کے بعد بھی انگلستان کو اقوام عالم کے درمیان صنعت پارچہ بافی مین کوئی خاص امتیاز حاصل نہین ہوا، البتہ اُس سے ملکی ضرورتین ایک حد تک پوری ہونے لگین،

اس کے بعد سیموئل کرومپٹن کا دور آتا ہے، یہ فطرۃً نہایت ذہین اور ذکی واقع ہوا تھا، اس کے مصرف مین بھی یہی دونون مشینین تھین، اس نے اپنا مشغلہ جاری رکھتے ہوئے، ان دو مشینون کے نقائص بہت جلد معلوم کرلیے اور ان کی اصلاح و ترمیم پر غور کرتا رہا، یہان تک کہ ۱۷۷۹ء مین اس کو نمایان کامیابی حاصل ہوئی، اس نے ان دونون مشینون کے اجزا علیحدہ کیے، اور پھر دونون مین سے مفید اور زیادہ کارآمد اجزا کو یکجا کیا، اور اُنمین چند چیزین اضافہ کرکے بالکل ایک نئی مشین تیار کرلی، اور اس درجہ نمایان کامیابی حاصل کی کہ اب تک قدیم مشینون سے زیادہ سے زیادہ ۱۶۸۰۰ گز طویل سوت کاتا جاسکتا تھا، لیکن اب اسکی مشین ۷۰۷۴ میل کا سوت نکالنے لگی، اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جبکہ اس مشین مین ابتدا صرف تیس چرخے لگائے جاتے تھے، بعد مین اس مین مزید ترقی ہوئی، اور اسمین ۲ ہزار چرخے بیک وقت کام کرنے لگے،

علاوہ ازین اس کا سوت باریکی، مضبوطی، صفائی اور دیگر خوبیون کے لحاظ سے نہایت بہترین ثابت ہوا، اور بازار مین پہونچتے ہی بہت جلد قبولیت حاصل کرلی، جس کی وجہ سے اس کے ہم پیشہ

لوگون کے کاروبار کو شدید نقصان پہونچا، اور وہ اُس کے درپے آزار ہوگئے، اور اس کی کامیابی کے راز کی جستجو مین لگ گئے، کیونکہ ابتک اُس نے اپنے اس اختراع کو صیغۂ راز مین رکھا تھا، اور اس لیے اُسنے اس اختراع کے سلسلہ کی تمام جد وجہد رات کو بند کمرے مین کیا کرتا تھا، اور مشین کی تیاری کے بعد بھی وہ رات کو کام کرتا رہا، لیکن ایک طرف اس کی ہم پیشہ جماعت اس پر ٹوٹ پڑی اور دوسری طرف انگلستان کے بڑے بڑے تاجرون نے کوشش شروع کی کہ وہ اپنے حق ایجاد سے دست بردار ہوکر کوئی معاوضہ قبول کرے، نتیجہ یہ نکلا کہ سوت کاتنے والون کی ایک بڑی جماعت شبانہ روز اس کے مکان کا محاصرہ کیے بیٹھی رہی، اور اُدھر تاجرون کا اصرار بھی تہدید وتخویف تک پہونچ گیا، اور ان حالات مین اُسکے لیے رات دن مین کسی وقت ایک لمحہ کام کرنا دشوار ہوگیا، بالآخر یہ چیز بہت جلد اُس کے ہاتھون سے نکلکر تمام پارچہ بافون کے یہان پہونچ گئی، اور تاجرون کے تمام وعدے بھی غلط نکلے اور اس سلسلہ مین اس کو صرف ۶۰ پونڈ دستیاب ہوئے،

لیکن اب کرومپٹن کے لیے خود اس کی مشین بیکار ہوگئی، کیونکہ اس کے پاس اتنا سرمایہ نہ تھا کہ وہ وہان کے بڑے بڑے تاجرون کے مقابلہ مین اپنا کارخانہ قایم کرتا، کیونکہ ان لوگون نے اپنے کارخانون مین بہت جلد اس مشین کو رائج کردیا تھا، اس لیے اب کرومپٹن حکومت سے اپنی ایجاد کا معاوضہ طلب کرنے کی کوشش کرنے لگا، اور اس سلسلہ مین ۱۸۰۰ء مین اس کو صرف ۵۰۰۰ پونڈ کی حقیر رقم دی گئی، کرومپٹن اس پر خاموش رہا، لیکن جب ۱۸۰۹ء مین ڈاکٹر ارنڈ کارٹرائٹ کو ایک کارگاہ کی ایجاد کے معاوضہ مین جو پانی اور بخارات کی مدد سے چلتا ہے، ۱۰ ہزار پونڈ حکومت کی طرف سے عطا کیا گیا، تو کرومپٹن نے بھی اپنی ایجاد کا حقیقی معاوضہ طلب کرنا چاہا، کیونکہ ڈاکٹر آرکرائٹ کی ایجاد کے مقابلہ مین اس کی ایجاد بہت زیادہ بلند پایہ اور انگلستان کی ثروت مین انقلاب پیدا کرنے والی تھی،

چنانچہ اس نے اس مقصد کے لیے ملک کا دورہ کیا، جس سے اسکو معلوم ہوا کہ اسوقت ملک مین

۶۵۰ ہزار اس کی مشین چلتی ہے، ۱۵۰ ہزار ہرگریٹیس کی اور ۳۰۰ ہزار آرگ ائٹ کی مشین ہے، حالانکہ اس کی مشین ابھی بالکل نوایجاد تھی،

اُس نے یہ اعداد شمار ارباب حکومت کے سامنے پیش کیے اور مسٹر اسپنسر رئیس الوزرا نے کروپٹن کو ۲۰ ہزار انعام دیے جانے کی ایک تحریک پارلیمنٹ مین پیش کرنے کا فیصلہ کیا، لیکن کروپٹن کی شومئی قسمت سے عین اسی دن جبکہ یہ تحریک پیش ہونے والی تھی مسٹر اسپنسر پارلیمنٹ کو جارہے تھے کہ ان پر کسی نے شدید جارحانہ حملہ کیا، اور کروپٹن کی شخصیت ایک مرتبہ پھر پارلیمنٹ کی نظرون سے اوجھل ہوگئی، لیکن مدت کی خاموشی کے بعد پارلیمنٹ نے اس کو دوبارہ یاد کیا، اور ۲۰ ہزار پونڈ کا انعام دیے جانے کا فیصلہ کیا، کروپٹن نے اس سرمایہ سے اپنا کاروبار جاری کیا لیکن اس کو نقصان اٹھانا پڑا، اور جسکی وجہ سے اس کا سرمایہ بھی ضایع ہوگیا، اور اُس کے فقر و فاقہ کی زندگی پہلے سے زیادہ سخت ہوگئی، اسی حالت مین گذر رہی تھی کہ ۱۸۲۳ء مین اُس کے بعض احباب نے اس کے نام سے کچھ سرمایہ جمع کردیا جس کا ۶۲ پونڈ سالانہ منافع اُسکو ملنے لگا، اور اب یہی اس کی ساری کائنات تھی جسپر وہ بسر اوقات کرتا تھا، اور بالآخر انگلستان کو دولت و ثروت اور سیاست مین تمام اقوام عالم پر سربلند کرنے والا کروپٹن اسی تنگدستی و فاقہ مستی مین ۲۶ جون ۱۸۲۶ء مین موت کے پنجہ مین گرفتار ہوگیا،

اس کی وفات کے بعد ہی اس کے ہموطن باشندگان بولٹن کی آنکھین کھلین، اور اس کی قدر افزائی اپنے لیے باعث فخر سمجھنے لگے، شہر مین عام سڑکون پر جابجا اس کے مجسمے نصب کیے گئے، اسکی سالانہ برسی منائی جانے لگی جسمین تمام انگلستان نہایت خلوص سے شرکت کرتا، یہانتک کہ اس سال اسکی صدسالہ برسی اس کروفر اور دھوم دھام سے ۲۶ جون کو منائی گئی کہ شاہ فواد فرمانروائے مصر، ثروت پاشا وزیر اعظم مصر کو ساتھ لیکر اس کی شرکت کے لیے مصر سے انگلستان گئے، کیونکہ انگلستان کی صنعت پارچہ بافی مین مصر کی روئی کی زراعت کو خاص اہمیت حاصل ہے شاہ فواد کا انگلستان مین

نہایت شان و شوکت سے شاہی استقبال ہوا، اور وہ شاہی جلوس کے ساتھ بلوٹن جاکر اس تقریب
مین شریک ہوے، کرزنپٹن کے ہاتھ کی بنائی ہوئی سب سے پہلی مشین آج انگلستان کے عجائب خانہ
مین نہایت عزّ و افتخار سے رکھی ہوئی ہے

" ر "

عربون کے شمسی مہینے

عربی زبان مین قمری مہینون محرم صفر وغیرہ کے علاوہ شمسی مہینے بھی استعمال کیے جاتے ہین، یہ شمسی مہینے عرب
مین اسلام سے پہلے یہودیون کے ذریعہ سے آئے، اور اس وقت سے آجتک برابر استعمال کیے جاتے ہین، چنانچہ اسوقت بھی عرب
مصر اور شام وغیرہ مین قمری مہینون کے پہلو بہ پہلو یہ مہینے بھی لکھے جاتے ہین جو بہ ترتیب حسب ذیل ہین،
تشرین اول، تشرین ثانی، کانون اول، کانون ثانی، شباط، اذار، نیسان، ایار، حزیران،
تموز، آب، اور ایلل یا ایلول،

بصرہ کے ایک یہودی صاحب قلم یوسف ہرمز نے ان مہینون کا ماخذ کلدانی زبان کو قرار
دیا ہے، اور اسی لحاظ سے اُن کے ناموں کی توجیہ پیش کی ہے، جس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا:-

تشرین کلدانی کے لفظ (شرا) سے نکلا ہے جس کے معنی شروع اور ابتدا کرنے کے ہین، اور اسی
مہینہ سے آغاز سال ہوتا ہے، کانون کا لفظ (کانونا) سے ماخوذ ہے، جس کے معنی کلدانی مین انگیٹھی کے ہین،
اور ان دونون مہینون کا نام اس لیے پڑا کہ ان مین سردی ہوتی تھی اور لوگون کو انگیٹھیون کی ضرورت
پیش آتی تھی،

شباط خالص کلدانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "سوٹا" یعنی کوڑے کے ہین، اس مہینہ کو
اس لفظ سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ سورج اپنی کرنون کے کوڑون سے کانون کے دونون مہینون کے

چلتے کے جاڑون کو بھگاتا ہو" "آذار" کے معنی کلدانی مین "چھینٹے" کے ہین اکہ اسی مہینہ مین پانی کی پھوہارین پڑنے لگتی تھین "ایار" کے معنی "جاگنے" یا "جگانے والے" کے ہین اکہ اس مہینہ مین کسان اپنی کھیتی کو بچانے کے لیے راتون کو جاگ کر کاٹتے تھے "نیسان" کے معنی "تجربہ" کے ہین اس مین درخت اور کھیت کی صلاحیت کا اندازہ لگایا جاتا تھا اس سے وہ ابر نیسان اور قطرۂ نیسان فارسی مین مستعمل ہے "حزیران" کے معنی "محنت اور کوشش" کے ہین کہ اسی مہینہ مین کسان کڑاکے کی دھوپ مین کھیتی کے کام کاج مین ان تھک لگے رہتے تھے "تموز" کے معنی "دنوائین" کے ہین کہ اس مہینہ مین کسان کھیت کاٹ کر دوانیان کرتے تھے "آب" کھجور کو کہتے ہین کہ اسی مہینہ مین کھجورین پکتی تھین اور اسی لیے عربی مین اس مہینہ کو ابوالفاکہہ بھی کہتے ہین "ایلول" کہتے ہین "ولولہ اور بکا" کو کیونکہ اس مہینہ مین کسانون کے گھر پونجی ختم ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ جاڑے کے دن بھی آجاتے ہین جس سے بہت دکھ اور رنج مین رہتے تھے اسی طرح لفظ "شہر" جس کے معنی عربی مین مہینہ کے ہین دراصل کلدانی کا لفظ "سہرا" یعنی چاند ہے مگر جب یہ لفظ عربی مین آیا تو چاند کے معنی مین لیے جانے کے بجائے چاند کے ایک دور یعنی مہینہ کا نام رکھ دیا گیا، " ر "

یورپ اور روزہ

"یورپ" اور "روزہ" بظاہر ان دونون لفظون مین آج تضاد نظر آتا ہے مگر ایک زمانہ تھا جب آج کا مصنوعی عیسائی یورپ حقیقی عیسائی یورپ تھا، اسوقت وہان مذہبی حیثیت سے لوگ اسی طرح روزے رکھتے تھے جیسے آج بھی مذہبی مشرق مین لوگ روزے رکھتے ہین اور اسکے لیے سلطنتین اسی طرح تاکیدی احکام نافذ کرتی تھین جس طرح اسلامی ملکون مین آج بھی سلطنتین رمضان کے احترام کے احکام جاری کرتی ہین، مگر بڑھتی ہوئی عیش پسندی اور روحانیت سے تنفر اور بے اعتمادی نے نہ صرف یورپ سے بلکہ عیسائیت سے بھی اسکو خارج کر دیا،

حضرت عیسیٰؑ نے خود بھی روزے رکھے تھے اور اُن کے پیرو بھی روزے رکھا کرتے تھے تاہم ان کے زمانہ کے یہودیون کو اسپر بھی اعتراض تھا کہ اُن کے پیرو بہت کم روزے رکھتے ہین حضرت عیسیٰؑ نے اُن کے اس اعتراض کا بھی جوابدیا، مگر حضرت عیسیٰ اگر آج ہوتے تو دیکھتے کہ یہودیون کا اعتراض انیس سو برس کے بعد اُن کے پیرؤن پر پورا صادق آگیا عیسائی فرقون مین بہت کم روزے پروٹسٹنٹ فرقہ مین ہین اور غالباً عملی حیثیت سے اسی تحریک نے عیسائی ملکون مین روزے کی اہمیت کم کردی، حالانکہ اس کے بانی لیوتھر نے روزون کی ترویج کی کوشش بھی کی تھی اور اس کے باعث اسپر "ترکون کے مذہب" یعنی اسلام کی متابعت کا الزام قائم کیا گیا تھا لیکن یورپ مین مذہب کے تدریجی انحطاط کے ساتھ ساتھ روزون کی عملی اہمیت بھی کم ہوتی گئی، گذشتہ زمانہ مین جب وہان مذہب کے تمام احکام اور ممنوعات حکومت کے قوانین کے طور پر نافذ ہوتے تھے تو روزون کے احترام کے متعلق احکام جاری ہوتے تھے ۸۰۶ء مین فرانس کے بادشاہ شارلمان نے ایک فرمان جاری کیا تھا کہ جو شخص بغیر کسی عذر کے روزے کے دنون مین روزے نہ رکھیگا اسکو موت کی سزا دیجائیگی اور عذر بھی اسوقت تک قبول نہ ہوگا جب تک کسی مجبوری کی تصدیق مین اسقف کی تحریری شہادت نہ پیش کی جائیگی اور افطار کی اجازت ملنے کے بعد نہایت پوشیدہ طور پر افطار کرنا ہوگا، پھر ہنری جارج نے بھی اسی حکم کی تجدید کی اس کے بعد رفتہ رفتہ اس حکم مین آسانی ہوتی گئی یہان تک کہ ۷ فروری ۱۵۹۵ء کو عام شاہراہ پر اعلان لگایا گیا کہ روزے کے دنون مین گوشت کھانے والون کو شدید سزا دیجائیگی اور اگر کوئی قصائی گوشت بیچتا نظر آئے گا تو اس کے لیے موت کی سزا ہوگی، پھر سترھوین صدی مین بھی اسی قسم کے اعلانات کی تجدید ہوئی، مگر جب اٹھارھوین صدی آئی تو ۱۷۴۶ء مین پولیس نے ایک مقام پر مختلف قسم کے گوشتون کی ایک بڑی مقدار پکڑی جو ملک کے امراء اور رؤسا کیلئے مہیا کی گئی تھی لیکن حکومت کیطرف سے گوشت ضبط کرلینے کے علاوہ اور کسی قسم کی بازپرس نہین ہوئی اور اسی کے بعد روزون کے متعلق تمام امتناعی احکام رفتہ رفتہ کالعدم ہوگئے یہانتک کہ آج ہم "یوم" اور "روزہ" کو متضاد مفہوم سمجھتے ہین "ر"

اخبار علمیہ

ہندوستانی اکیڈیمی (صوبجات متحدہ) کی کونسل نے اپنے پہلے اجلاس منعقدہ ۳۰ مارچ ۱۹۲۷ء مین یہ طے کیا تھا کہ قبل اسکے کہ کوئی علمی کام کیا جائے اُردو ہندی کے موجودہ لٹریچر کی جانب سے واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے، چنانچہ دو کمیٹیان ایک اردو کے لیے اور دوسری ہندی کے لیے اس غرض سے مقرر کی گئین کہ دو مہینہ کے اندر ایگزیکیٹو کمیٹی کے سامنے وہ ان لٹریچرون کی رپورٹ پیش کرین، دونون کمیٹیون نے اپنی اپنی رپورٹین بھیجین، اور ایگزیکیٹو کمیٹی نے ان رپورٹون پر، جولائی ۱۹۲۷ء کو غور کرکے اکیڈیمی کے حصول اغراض کے مناسب طریقون پر بحث کی، ایک اسکیم سال روان کے اخراجات کی تیار کی گئی جسکی رو سے پانچ ہزار روپیہ ان لوگون کے لیے منظور کیا گیا جو نئی کتابین لکھین اور دو ہزار روپیہ اُن لوگون کے لیے جو سال روان کے اندر بہترین کتاب تیار کرین، تین ہزار چھ سو روپیہ ان لوگون کی تنخواہ کیلئے جو دارالتالیف مین اکیڈیمی کی جانب سے ملازم رکھے جائین اور ایک ہزار روپیہ اُن علما اور فضلا کے اخراجات کے لیے جسکو اکیڈیمی لکچر دینے کے لیے مدعو کرے،

کمیٹی نے یہ طے کیا ہے کہ دو کتابین ہندوستان کے ادبی، تمدنی، اخلاقی اور سیاسی حالت پر، ایک ہندو دور کے زمانہ کی، اور دوسری مسلمانون کے عہد کی تیار کرائی جائین، ایک کمیٹی چند ممبرون کی اس غرض سے متعین کی گئی کہ وہ ایسے ادیب کا انتخاب کرے جو اس کام کے لائق ہو اور جب کتاب تیار ہو جائے تو اس کی طباعت کا اہتمام کرے،

دارالتعلیم کے مستقل اشخاص کے تقرر اور لکچر کے انتخاب کے لیے بھی کمیٹیاں مقرر کی گئیں،
دو انعامات بھی تجویز کیے گئے ہیں ایک سال رواں کی بہترین اردو نثر کی کتاب اور دوسرا نظم کی کتاب کیلیے
اور اسی طرح ہندی کے لیے بھی دو انعامات مقرر کیے گئے ہیں،

ایکڈیمی کے صدر سر تیج بہادر سپرو نے اپنی فیاضی سے ایک ہزار روپیہ اس غرض سے ایکڈیمی کو عطا کیا ہے کہ وہ
اس رقم کو اوس فاضل کی خدمت میں بطور نذر کے پیش کرے جو ہندوستان کے اسلامی عہد کی معاشرتی
اور تمدنی حالت پر تین خطبے پڑھے کمیٹی نے اس عطیہ کو شکریہ کے ساتھ قبول کیا، اور ایک ہزار روپیہ
اپنے فنڈ سے اس لکچر کو نذر دینے کے لیے علیحدہ تجویز کیا ہے، جو تین لکچران موضوعات پر جن کو ایکڈیمی تجویز
کرے گی تیار کرے،

مرض سرطان آج کل مغرب کے حکما کو مرض سرطان کے متعلق تحقیق و تدقیق کا خاص شوق پیدا ہوا ہے
چنانچہ ہر مہینہ میں وہاں کے بلند پایہ علمی و طبی رسائل میں اس مرض کی تشریح، اس کے پیدا ہونے کے اسباب،
اس سے محفوظ رہنے کی تدبیریں، اس کے طریقۂ علاج، اور مختلف طریقۂ علاج کے مختلف تجربات وغیرہ پر
مفید مضامین اور اعداد و شمار شائع ہوتے رہتے ہیں چنانچہ اسی سلسلہ میں اس کا سیسہ کے ذریعہ سے جو علاج
ہوتا ہے اس کے اعداد و شمار شایع ہوے ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ صرف ایک شہر لیورپول میں گذشتہ
پانچ سالوں کے اندر ۲۲۷ اشخاص اس مرض میں مبتلا ہو کر زیر علاج آئے جن میں ۳۱ مریضوں کو صحت
ہوئی، ۱۰ مریضوں میں مرض کی ترقی کی رفتار رک گئی، اور ۱۰۸ مریضوں نے وفات پائی، جن میں سے ۱۰۲
تو اس مرض ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئے اور باقی ۶ مریضوں کی جان سیسہ سے علاج کرنے کی وجہ سے ضائع ہوئی،

سونے کی مقدار اس وقت مختلف ممالک مین سونے کی جو مقدار جمع ہے اس کے اعداد و شمار حسب ذیل ہین :-

امریکہ	۵۸۰	ملین پونڈ	ارجنٹائن	۸۲	ملین پونڈ
فرانس	۱۲۲	〃 〃	جرمنی	۵۸	〃 〃
انگلستان	۱۲۰	〃 〃	اٹلی	۴۴	〃 〃
جاپان	۱۱۷	〃 〃	کناڈا	۴۰ یا ۴۵	〃 〃
اسپین	۸۸	〃 〃	ہالینڈ	۱۸	〃 〃

آفتاب مین داغ، ماہرین فلکیات کا بیان ہے کہ چند دن گذرے کہ آفتاب کے روشن چہرے پر ایک بہت بڑا داغ نمایان ہوا جو یکم جون سے ۵ جون تک قائم رہا اس داغ کی پیمائش سے معلوم ہوا کہ یہ دو ہزار مربع میل کو محیط تھا لیکن اسی رقبہ مین اس بڑے داغ کے علاوہ بعض اور چھوٹے چھوٹے داغ بھی شمار کر لیے گئے،

کہکشان کے ستارون کی تعداد امریکہ کے رسالہ مین جو ایک خاص مجلس علمی کا آرگن ہے ڈاکٹر ایبٹ کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جسمین انھون نے کہکشان کے ستارون سے بحث کی ہے اور انکی مجموعی تعداد کا تقریباً ۳۰ ہزار ملین اندازہ لگایا ہے اور اس کے سبب سے طویل قطر کا اندازہ ایک لاکھ سال نوری اور اُس کے سب سے کم قطر کا اندازہ ۲۰ ہزار سال نوری کیا گیا ہے،

لاسلکی کی ایک اور علمی ترقی، ہم نے معارف ماہ مئی مین "لاسلکی کی نئی ترقیان" کے عنوان

سے مسٹر بارڈ کے ایک جدید اختراع کا تذکرہ کیا تھا، جس کے ذریعہ سے انسان دور دراز کی چیزون کی اصلی شکل وصورت، وضع قطع اور صحیح نقل وحرکت کو دیکھ سکتا ہے، اب اس آلہ نے آزمائش اور تجربہ کے دور سے گذر کر عمل کے دور مین قدم رکھا ہے، اور اُسکے لیے یورپ مین جابجا اسٹیشن قایم ہو رہے ہین، چنانچہ اس کا ایک اسٹیشن آئرلینڈ کے دارالحکومت ڈبلن مین بنا ہے، جو آئرلینڈ کا جنوبی حصہ ہے، اور دوسرا اسٹیشن اس کے شمالی حصہ مین شہر بلفاسٹ مین قایم ہوا، ان کے علاوہ جابجا دیگر مقامات پر متعدد اسٹیشن بنائے گئے ہین لیکن ابتک ان مین سے دو اسٹیشنون کے درمیان کی مسافت ۶۳ میل سے زیادہ نہین ہونے پائی تھی، اور خیال تھا کہ شاید اس سے زیادہ مسافت مین مزاحمت پیش آئے، مگر بالکل آخری اطلاع سے پتہ چلا کہ لندن اور گلاسگو مین بھی اسٹیشن قایم ہو گئے ہین، جن کی مسافت تقریباً ۴۰۵ میل ہے،

اقوام عالم کی مردم شماری

دنیا کی آبادی مین، ابتک دنیا کی تمام آبادی مین سے ۳/۴ حصہ کی مردم شماری ہو سکی ہے، اور باقی ۱/۴ حصہ محض اندازہ پر مشتمل ہے، چنانچہ اس لحاظ سے دنیا کی سب سے آخری مردم شماری کے اعداد وشمار حسب ذیل قرار پائے ہین، :-

یورپ -	۳۵۱۰۰۰۰۰۰	شمالی امریکہ -	۱۴۴۰۰۰۰۰
ایشیا -	۹۵۶۰۰۰۰۰۰	جنوبی امریکہ -	۶۷۰۰۰۰۰
افریقہ -	۱۳۲۰۰۰۰۰۰	اوقیانیکا -	۶۹۰۰۰۰۰
	۱۸۱۹۰۰۰۰۰۰		

اس تمام آبادی مین عیسائیون کی مجموعی تعداد تقریباً ۵۰۰ ملین ہے لیکن مسلمانون کی تعداد مین اختلاف ہے، بعض لوگ ۲۰۰ ملین کہتے ہین، اور بعض ماہرین ان کی تعداد ۳۵۰ ملین سے بھی زیادہ بتاتے ہین، اور یہودیون کی تعداد تقریباً ۱۴ ملین ہے،

"ر"

رباعیات

نغمۂ شاد

از

بہین السلطنۃ مہاراجہ کشن پرشاد شاد صدر اعظم دولت آصفیہ

آزردگی سے یہ تمنی دردِ دل پیدا کریں — دردِ دل سے اب تڑپتے ہین بتاؤ کیا کریں

منحصر ہے ایک آنسو پر ہماری مغفرت — وہ اگر چاہین تو اس قطرہ کو اک دریا کریں

دل پہ جب چرکے لگائے تھے نہ آیا ان کو رحم — اب سیماب کے آئے ہین کہ زخم اچھا کریں

خود فراموشی کی اپنی کرتے ہین ہر روز مشق — شغل کچھ تو چاہیئے بیکار بیٹھے کیا کریں

حسرتِ ایفائے وعدہ۔ وعدۂ صبر آزما — دونون ہین موجود پھر اسپر تقاضا کیا کریں

دیدۂ و دل اپنے دونون ہو چکے رسوائے خلق — اے جنون! اب کون باقی ہو جسے رسوا کریں

بھیس بدلین جتنے چاہین مجھ سے چھپ سکتے نہین — اور اس پر ان کی خواہش ہو یہی پورا کریں

ہم نے تو روزِ ازل سے دل بتون کو دیدیا — اب اگر دل لیکے ترساتے ہین ترسایا کریں

دین و دنیا دونون اپنے جیب و دامان گیر ہین
اس دو روزہ زندگی مین شاد ہم کیا کیا کریں

غزالِ چہار چشم

از

جناب شیخ منیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹرایٹ لا، تعلقدار گدیہ

ہمارے شیخ صاحب کو جب سیاسیات سے فرصت ملتی ہے تو ہنگامۂ نظم برپا کرتے ہین، چنانچہ نالۂ منیر کے نام سے ان کا مجموعۂ کلام شائع بھی ہوچکا ہے، اس نظم کا عنوان خود جناب شاعر نے "غزالِ چہار چشم" تجویز کیا ہے شیخ صاحب کو ان چار آنکھون سے مینی تال کی بلند سطح سے "آزادیِ عالم" کا جو سمان نظر آیا ہے، اس نظم مین وہ اوروں کو بھی دکھایا ہے، مگر ہم خاک نشینون کو تو دکھانے سے بھی یہ نظر نہین آتا، کاش شیخ صاحب کی یہ پیشینگوئی حرف حرف پوری اترتی، شاعر نے جس بحرِ ہزج میں شاعری کی ہے اسکی سلاستی کے ہم ذمہ دار نہین

"معارف"

آئی ہے بہار آزادی کی، پھر غنچۂ دل کھلتا ہے مرا
چھائی ہین گھٹا بن ساون کی، اور چلنے لگی ہے سرد ہوا
گل ہنستا ہے خوش ہو ہو کر۔ لائی ہے یہ پیغام صبا
آئی ہے بہار آزادی کی، پھر غنچۂ دل کھلتا ہے مرا

(۲)

خوشبو سے مہکتا گلشن ہے، اور سنگل ہے ہر خنگل مین
طاؤس ہین فرطِ شوق سے رقصان، کیسا منڈلاتا ہے بھونرا
اب قیدِ قفس سے چھوٹی بلبل۔ پھرتی ہے وہ نغمہ کنان
آئی ہے بہار آزادی کی۔ پھر غنچۂ دل کھلتا ہے مرا

(۳)

پیدا ہے ہر دل مین محبت، رکھتا ہے اب کون عداوت
بند ہوا پروانہ کا جلنا۔ شمع کا شعلہ سرد ہوا،
باقی نہ رہی کانون کی خلش۔ اب شک حسکا ذکر نہین
آئی ہے بہار آزادی کی، پھر غنچۂ دل کھلتا ہے مرا

اب شاہ و گدا میں فرق نہیں ہے۔ غربت ہے نا پید جہاں سے
ہمت ہے ہر دل میں سمائی۔ چھوڑ دیا بزدل نے بھی ڈرنا
دور ہے اب امن و امان کا۔ جنگ و صدل کا اب نہیں غوغا
آئی ہے بہار آزادی کی۔ پھر غنچۂ دل کھلتا ہے مرا

اب شرق و مغرب ایک ہوئے ہیں۔ بن گئے ہیں سب بھائی بھائی
دوست ہوئے ہیں دشمن جو تھے۔ عشق کا بجتا اب ہے ڈنکا
ہر سمت ہے چرچا علم و ہنر کا، ہر اک کو ترقی کا ہے سودا
آئی ہے بہار آزادی کی۔ پھر غنچۂ دل کھلتا ہے مرا

ہر سو ہے صدا آزادی کی۔ زندان کے کھلے سب ہیں دریچے
ہے خوف کسی کا اب نہ خطر ہے۔ پاک ہوئی ہے ظلم سے دنیا
چہرے ہیں بشاش سبھوں کے۔ لب پر رہتا ہے یہ ترانہ
آئی ہے بہار آزادی کی۔ پھر غنچۂ دل کھلتا ہے مرا

جامِ صہبائی

از

جناب اخترؔ صہبائی بی اے

ہر چند ہے شغلِ مے و مینا اچھا
چھپ چھپ کے ہے پینے سے نہ پینا اچھا
بیباکیِ روح سے ہے ہستی ہستی
مر مر کے تو جینے سے نہ جینا اچھا

شوقِ چمن و نگار و مینا ہے مجھے
پیتا ہوں کہ چند روز جینا ہے مجھے
کیوں بادہ و ناب سے نہ سرمست ہوں آج
کل زہرِ فنا کا جام پینا ہے مجھے

انجامِ تمنا پہ ملامت نہ کریں
بیکار مجھے وقفِ ندامت نہ کریں
جو کچھ بھی ہوا اخترؔ بہت خوب ہوا
تقدیر کی احباب شکایت نہ کریں

اک نقطۂ موہوم ہے ہستی میری
لیکن ہے عجیب چیز مستی میری
چھوڑا جو خدا تو خود پرستی ہے اخترؔ
جاتی ہے کہیں یہ بت پرستی میری،

باب التقریظ والانتقاد

شاہ عزیز صاحب صفی پوری

کی

فارسی تصنیفات

موجودہ دور مین جبکہ فارسی زبان ہندوستان مین تقریباً مردہ ہوگئی ہے، یہ دیکھکر تعجب اور تعجب کے ساتھ مسرت پیدا ہوتی ہے کہ ملک مین بعض افراد ایسے بھی ہین جنھون نے فارسی زبان مین نظم و نثر کا کافی ذخیرہ فراہم کردیا ہے، جناب مولانا محمد عزیز اللہ شاہ عزیز معروف بہ منشی ولایت علی خان ولایت صفی پوری انھین افراد مین ہین، وہ ایک صاف باطن صوفی ہونے کے ساتھ فارسی زبان کے ناظم و ناثر بھی ہین، مرزا غالب کا زمانہ پایا ہے، ان سے مشورۂ سخن بھی لیا ہے، اور ہمارے پچھلے دور کے مشاہیر مولانا حالی، مولانا شبلی، اکبر الہ آبادی وغیرہ سے انکی معاصرانہ مراسلت تھی، اور انھون نے انکی نظم و نثر کی بیحد داد دی ہے، اسوقت انکی حسب ذیل فارسی نظم و نثر ہمارے پیش نظر ہے

دیوانِ ولایت — اس مین غزل، قصیدہ، واسوخت، رباعی وغیرہ اکثر اصنافِ شاعری موجود ہین، ضخامت ۲۸۶ صفحہ کی ہے،

دیوانِ عزیز — اس مین قصائد، غزلیات، رباعیات اور ایک آدھ نعتیہ

	مثنوی شامل ہین بعض قصائد مین صنعت مہملہ کا التزام کیا گیا ہے، ضخامت ۱۵۲ صفحہ کی ہے،
مجموعۂ ختم فکر	اس مین کچھ صوفیانہ غزلین، زیادہ تر نعتیہ قصائد و قطعات اور اخیر مین کچھ اردو غزلین ہین، ضخامت ۵۶ صفحہ،
نور تجلی	اس مین اہل تصوف کے مذاق کے مطابق نعتیہ غزلین ہین، ضخامت ۸۴ صفحہ،
حسرت دل	مثنوی ہے، اور اس مین رسول اللہ صلعم سے اپنی خواہشون کا اظہار کیا گیا ہے، ضخامت ۲۴ صفحہ،
نعت محبوب	جیسا کہ نام سے ظاہر ہے نعتیہ غزلون کا مجموعہ ہے، اخیر مین چند چھوٹی چھوٹی مثنویان، قطعات و رباعیات بھی ہین، ضخامت ۲۰ صفحہ،
ذکر جمیل	ایک عاشقانہ مثنوی ہے، نام سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی نعتیہ مثنوی ہوگی، لیکن ایسا نہین ہے، بلکہ جمیل ایک مثنوی کا ہیرو ہے، ضخامت ۵۹ صفحہ،
مقصد الابرار	اس مین مثنوی مولانا روم کے طرز پر بہت سی حدیثون کی تشریح کیگئی ہے، ضخامت ۹۰ صفحہ،
فتح مبین،	یہ گویا اسلامی شاہ نامہ ہے جسمین رسول اللہ صلعم کے غزوات کا بیان ہے، ضخامت ۲۹۲ صفحہ،
محامد حامد،	یہ ۸ صفحہ کا ایک نعتیہ قصیدہ ہے جو قاآنی کے قصیدہ پر صنعت

سوال و جواب مین لکھا گیا ہے،

نظم کے بہ نسبت نثر کا حصہ بہت کم ہے، اور اس مین حسب ذیل چھوٹے چھوٹے رسائل ہین۔

نورہان — یہ ۴۴ صفحہ کا رسالہ ہے جو نظم و نثر دونون پر مشتمل ہے، اور حضور نظام کی خدمت مین بطور درخواست کے گذرانا گیا ہے۔

ارمغان — یہ بھی اسی قسم کا ۴۴ صفحہ کا رسالہ ہے جو بطور درخواست کے سر وقار الامرا بہادر کی خدمت مین گذرانا گیا ہے،

پیشکش شاہجہانی — یہ بھی اسی قسم کا ۴۴ صفحہ کا رسالہ ہے جو بطور درخواست کے نواب شاہجہان بیگم والیۂ بھوپال کی خدمت مین گذرانا گیا ہے،

جہان تک عاشقانہ کلام کا تعلق ہے، ان کی غزلین بری نہین ہین، اگرچہ ان مین ہندوستانیت پائی جاتی ہے، اور کسی خالص ایرانی شاعر کا کلام نہین معلوم ہوتا، مثلاً

آخر این رنگ بسے فتنہ بپا خواہد کرد — سینہ پر خون ہمہ از سرخی پانے کرمراست

دل بدستم نیست تا خلخال در پائے شماست — فتنۂ محشر مگر پا بوس بالائے شماست

کرا مجال کزان سمت ہوشیار آید — صبا ز کوئے تو چون مست بادہ خوار آید

تاہم بہت سے اچھے شعران کے دیوان مین موجود ہین مثلاً

حسنت امروز زلیلا و ز شیرین بیش است — گہ غم قیس کنم گہ غم فرہاد کنم

حکایتے ز طواف درِ تو عرضہ دہم — زراہ کعبہ بے کاروان بگردانیم

روم بوادیِ مجنون دے چگونہ روم — بقدر حوصلہ پہنائے آن بیابان نیست

ولایت آنکہ رساند تا خدائے مرا — اگر بہ غور بہ بینی ہمان خدائے من است

بعض بعض اشعار مین لفظی مناسبتین بھی پائی جاتی ہین، جو نہایت خوبی کے ساتھ استعمال کیگئی ہین مثلاً

سرازپایم چہ می پرسی کہ ہمچون قطرۂ اشکے — براہش قطرہ زن ہستم نہ پا دارم نہ سردارم

انکہ طشتم زلب بام بیفتاد ازد — باز در جلوہ چو خورشید لب بامے ہست

قصائد مین بہت کچھ زور طبع دکھایا ہے، بعض قصیدے صنعت معمہ مین لکھے ہین، ایک قصیدے مین خاقانی، انوری، اور خسرو نے چاند کا ذکر تشبیب مین کیا ہے اور چاند کے متعلق نہایت نادر تشبیہین پیدا کی ہین، عزیز نے بھی ایک قصیدے مین ان کا تتبع کیا ہے، اور چاند کی تشبیہات مین بہت کچھ ندرت پیدا کرنی چاہی ہے، مثلاً

اے ماہ کہ از گوشہ بہر ماہ برآئی — جرم تو چرا کاست کہ انگشت نمائی

محراب مناجات شدی چون خم ابرو — مانند حرم قبلہ ارباب دعائی

یا از پئے دریوزۂ حسنے ز حسینے — گردید سراپائے تو کجکول گدائی

یا حلقہ بگوشے شدۂ کج کلہے را — زانرو کہ دہد ناز دران حلقہ رسائی

یا پیکرت از خم شدہ شمشیر کہ شوخے — زیب کمر خود کند از کا فرنعائی

نعتیہ غزلون مین زیادہ تر صوفیانہ رنگ ہے، مثلاً،

من خرابا تیم دخواری، میخواری عشق — این صفاتم ز ازل مادۂ ذات آمد

من نیم آنکہ نانم کہ یشان ایدم — نفی چون نفی شد اثبات با ثبات آمد

مظہر لیس کمثلہ بود آدم ارے — ہیئش را ہمہ اشکال چو مرآت آمد

مثنویات مین سب سے زیادہ مفصل مثنوی فتح مبین ہے، جس مین رسول اللہ صلعم کے غزوات و سرایا کا بیان ہے جو تمام تر مدارج النبوۃ سے ماخوذ ہے،

ہمہ اقتباس از مدارج کنم — جز این ہر چہ بود است خارج کنم

اور اُس مین شاعری سے زیادہ آداب نبوت کا لحاظ رکھا گیا ہے،

نگفتم بیار نیہ رسم عجم | کہ ساقی بیارد مئے جام جم
شدم محو فکر سخن گستری | بہ تکریم تاریخ پیغمبری
سرودم بہ انجام ہر داستان | درودے بہ پیرایہ راستان

اس طرح سادہ طور پر رسول اللہ صلعم کے ۲۴ غزوات کو نظم کر دیا ہے۔

نوشتم ہمہ غزوہا بست و چار | سہ بعثہ از چہل زائد اندر شمار
حدیبیہ بیرون ز اشعار ہاست | طرازیدہ در ضمن گفتار ہاست

مقصد الابرار مین متعدد حدیثون کا ترجمہ کیا ہے، اور ترجمہ مشرح صاف، سادہ اور صحیح ہے، مثلاً ایک حدیث ہے،

تجدون شر الناس یوم القیامۃ ذا الوجہین الذی یاتی ھؤلاء بوجہ وھؤلاء بوجہ

قیامت کے دن تم لوگ سب سے زیادہ برا دورخے شخص کو پاؤ گے جو کچھ لوگون کے پاس ایک رخ کے ساتھ اور کچھ لوگون کے پاس ایک رخ کیساتھ آتا ہو

اور اس کا ترجمہ ان اشعار مین کیا ہے۔

گفت کہ یابید نگون سار تر | روز جزا از ہمہ کس خوار تر
آنکہ دو روئی بکند اختیار | عزم بہ یک سو نکند استوار
شیوہ کند با دو گروہ آشتی | پیش نماید بہ شکوہ آشتی
از پئے خوش داشتن ہر فریق | حق بگذارد بہ خلاف طریق
لابہ گریہا بہ عمل آورد | آشش بمالد بہ ریا دل برد

ترجمہ کے لیے جو حدیثین انتخاب کی ہین وہ بھی زیادہ تر صحیح ہین،

"ع"

عروسِ ادب

یہ جناب سید ناظر الحسن صاحب ہوش بلگرامی سابق اڈیٹر ذخیرہ حیدرآباد دکن وحال متوسل ریاست رامپور کے اُن مضامین کا مجموعہ ہے جو اُنھوں نے وقتاً فوقتاً خود اپنے رسالہ ذخیرہ اور دوسرے رسائل اور اخبارات میں لکھے، شروع میں مولوی عبدالحق صاحب ناظم ترقی اُردو کا صفحہ تعارف ہے اور اسکے بعد ہمارے فاضل دوست مولوی عبدالماجد صاحب دریابادی کا تقریب نامہ ہے اور ان کے بعد ہوش صاحب کا خود اپنا دیباچہ ہے جسمیں اُنھوں نے طرز تحریر اور اپنی تحریر کی خود مختصر تاریخ لکھی ہے اس تعارف تقریب اور دیباچہ کے بعد اصل مضامین شروع ہوتے ہیں،

یہ مضامین جن کا مجموعہ سو دو سو صفحوں کو محیط ہے، چار مختلف عنوانوں میں منقسم ہیں اخلاقیات ۱-۴۱، ادبیات ۴۲ - ۱۲۸ تاریخ ۱۲۹ - ۱۹۳ سیاسیات ۱۹۴-۲۲۴، ہر عنوان کے تحت میں متعدد مضامین ہیں،

ہوش صاحب کی سب سے بڑی خوش قسمتی یہ تھی کہ اُنھوں نے پچھلے دور کے دو نامی گرامی بلگرامی بھائیوں (مولوی سید علی بلگرامی مرحوم، و مولوی سید حسین عماد الملک بلگرامی مرحوم) کے زیر سایہ ادبی تربیت پائی، اور اسی کا اثر ہے کہ اُنھوں نے ادبیات کی دلچسپی اپنے مربیوں سے ورثہ پائی، ہوش صاحب کا طرز تحریر، صاف سادہ، نکھرا ہوا، پیچ وخم سے پاک، فارسی ترکیبوں اور عربی کے بڑے بڑے الفاظ سے مبرا ہے، یہ سادہ نگاری بلگرامی بھائیوں کی خاص روش تھی،

خیالات کے لحاظ سے اکثر مضامین تخیلی ہیں اور ان میں سرسید مرحوم کے تخیلی ادبی و اخلاقی مضامین کی جھلک پائی جاتی ہے، ادبیات کے تحت میں جو مضامین ہیں وہ زیادہ تر کتابوں، رسالوں اور مطبوعات پر تنقید اور تبصرے ہیں صرف دو مضمون، فارسی میں یائے مجہول نحوی، اور اُردو کے علی تاریخی مضمون ہے، اس دوسرے مضمون کے لیے شاید ادبیات سے موزون تر جگہ تاریخ میں ہو سکتی تھی، تاریخی مضامین میں

ایک سفرنامۂ اجمیر اور اس مناسبت سے خواجۂ اجمیر کی بارگاہ کی لفظی تصویر ہے، اور بقیہ اشخاص اور مقامات کے تذکرے ہیں، سیاسیات میں رامپور، حیدرآباد اور کشمیر کی پالیٹکس اور ریاستوں کے ہندو مسلم سوال پر مختصر مضامین ہیں،

کتاب کی لکھائی، چھپائی، کاغذ عمدہ، شروع میں مصنف کی عکسی تصویر اور فہرست مضامین ہے، پکڑے کی جلد، قیمت پہلے تے رکھی اب دو روپیہ علاوہ محصول کر دیگئی ہے، پتہ سید ناظر الحسن صاحب ہوش بلگرامی کوچۂ ناظر یف، رامپور،

محشرِ خیال

سابق علی گڈھ کالج (حال مسلم یونیورسٹی) کے اُن نونہالوں میں جو بن کھلے مرجھا گئے "شیخ ولایت علی بمبوق" مرحوم اور راجہ غلام حسین مرحوم کے بعد جس کا نام لیا جا سکتا ہے، وہ مرحوم سجاد انصاری (بی اے ال ال بی) کا ہے، مرحوم کو نظم و نثر دونوں پر یکساں قدرت حاصل تھی، مگر افسوس کہ جوانا مرگی نے ان کے ثمرات فکر اور نتائج قلم سے زیادہ متمتع ہونے نہ دیا، یہ "محشرِ خیال" مرحوم کی نثر و نظم کا مجموعہ ہے جسکو ان کے چند باوفا دوستوں نے یادگار کے طور پر مرتب اور شائع کیا ہے،

مرحوم نہ صرف لفظی شاعر، بلکہ خیالات اور طرزِ تحریر میں بھی شاعر تھے، وہ فلسفہ کی پیچیدگیوں سے سخت نالاں بلکہ دنیا کی لطافت اور رنگینی کے لیے اسکو خطرناک اور مہلک تصور کرتے تھے، لیکن باین ہمہ کہ ان کے تمام نثریہ مضامین ادبی تنقید اور تخیلی نکتہ آفرینی ہوتے تھے، تاہم اُن کا طرزِ تحریر اپنے پیچ و خم کے سبب سے ادب پر ہمیشہ فلسفہ کا دھوکا دیتا تھا، ان کی تمام نثر تحریروں میں شوخی اور زندہ دلی ہوتی تھی، مگر یہ شوخی و زندہ دلی لبوں کی مسکراہٹ کے ساتھ کم، اور پرشکن پیشانی کے ساتھ زیادہ تر تھی،

مرحوم فلسفہ کی توہین و تحقیر کے لیے عربی کے بڑے بڑے فلسفیانہ الفاظ اور اصطلاحات کے ذریعہ سے

اسے مطلب کرتے تھے اور اسی طرز میں، ادبی، سیاسی، اخلاقی، اور اصلاحی مضامین لکھا کرتے تھے، یہ طرزِ انشا ان کا خاص تھا اور انھیں کے ساتھ گیا، اور اُردو ادب کی یہ صنف ناتمام رہ گئی،

یہ مجموعہ تین حصوں پر مشتمل ہے، پہلے حصہ میں اُن کے مستقل مضامین ہیں جو تعداد میں نو ہیں اور وسعت میں چھوٹی تقطیع کے ۹۶ صفحات ہیں، ان کے عنوانات یہ ہیں، محبت کی ماہیت نفسی، عفت نسوانی، حقیقتِ عرفان، پیامِ زندگانی، مذہب و اخلاق، اجتہاد و تحقیق، روحِ ادب، علی گڈھ میگزین، مسلمانانِ ہند اور تحریکِ اصلاح، دوسرے حصہ میں جسکا نام رعنائیِ خیال ہے چھوٹی چھوٹی تحریروں میں مختلف منتشر خیالات لطافت اور خوبی کے ساتھ ظاہر کیے ہیں، یہ ۹۷ سے ۱۲۸ صفحوں تک ہے،

تیسرا حصہ نظم کا ہے جس کا نام "احساسات" (شاید صحیح "احساسات" ہو) ہے، اس میں مرحوم کی چند قومی نظمیں اور غزلیں، اور متفرق اشعار ہیں، جو ۱۲۹ سے شروع ہوکر ۱۵۶ تک تمام ہوتے ہیں، اور اسی پر یہ مجموعہ ختم ہوتا ہے، اُن میں بادِ صبوق، بادِ شبلی مرثیہ ہیں، بادِ حسرت، اور بادِ شوکت میں ہندی سیاسی مرثیے ہیں، غرض نیاز بارگاہ غازی مصطفےٰ کمال، پیامِ شوق بارگاہِ مصطفےٰ کمال دو بیرونی سیاسی اور باقی غزلیں اور متفرق اشعار ہیں،

مہدی مرحوم کی شگفتہ ادبیات کے بعد سجاد مرحوم کے ان مضامین لطیفہ کے مجموعہ سے زیادہ دلآویز نمونۂ ادب اردو میں موجود نہیں، اسلیے اردو ادب کے شائقین کے لیے یہ نادر تحفہ ہے اور اُن کی ہر قسم کی قدردانی کا مستحق ہے،

نہایت عمدہ لکھائی چھپائی کے ساتھ چکنے آرٹ پیپر پر یہ چھپا ہے، خوشنما سادی جلد ہے، افسوس ہے کہ یہ کتاب ایک لطیف مقدمہ سے خالی ہے، تعارف کا صفحہ صرف طبعیات کے مشکلات کے ذکر میں ہے، طبعیات سے مقصود طبع اور چھپائی ہے، یہاں تک کہ اسمیں مجموعہ کے حصص اور ترتیب کی نوعیت تک کا ذکر نہیں، اور مضامین کی فہرست ہے تین حصوں میں سے دوسرے کا نام تو رعنائیِ خیال اور تیسرے کا احساسات ۹۰، رکھا گیا ہے مگر پہلا عنوان سے معرا ہے، یہ تغافل حیرت انگیز ہے، قیمت ۵ روپیہ: شرکت ادبیہ قرول باغ، دہلی،

مطبوعات جدیدہ

کلام کیفی، مولانا سید رضی الدین حسن صاحب کیفی حیدرآباد کے کہنہ مشق شاعر تھے، ان کی وفات کے بعد اُن کے کلام کا مجموعہ جناب محمد سردار علی صاحب نے مرتب کرکے "کلام کیفی" کے نام سے شائع کیا ہے، جو غزلیات اور عام اصنافِ نظم پر مشتمل ہے، جناب کیفی کا کلام لکھنؤ کے رنگ میں رنگین اور دلکش ہے، لیکن کہیں کہیں کچھ عجب اچھوتے قوافی ملتے ہیں، مثلاً

ہم سا ناشکر بھی ہوگا نہ زمانہ میں کوئی — کہ سنائے ہمیں گر کوئی "بُرا سس"

نہی سنکر ہے غرض اپنی نہ امر معروف — بلکہ جاری ہے نگاہوں سے گناہوں کی "تپاس"

حجم ۶۰ صفحے، کاغذ معمولی لکھائی چھپائی اچھی، قیمت ۸ر جناب مرتب سے کتبخانہ مسجد چوک حیدرآباد کے پتہ پر ملیگا"

سرگذشتِ ہاجرہ، جناب بیگم صاحبہ سید ہمایون مرزا صاحب بیرسٹرایٹ لا طبقۂ نسواں کی تعلیم و تربیت کی نشو و ارتقا میں حصہ لینے والیوں میں ممتاز حیثیت رکھتی ہیں، اسی سلسلہ میں ان کی ایک جدید تالیف "سرگذشتِ ہاجرہ" کے نام سے شائع ہوئی ہے، جسمیں عورتوں کو ناول کے طرز میں مختلف معاشرتی تمدنی، سیاسی اور علمی اصلاحات کی تلقین کی گئی ہے، کتاب عورتوں کے لیے مفید اور اُن کے معلومات میں اضافہ کرنے والی ہے، حجم ۲۲ صفحے پتہ: صغرا منزل ہمایون نگر حیدرآباد دکن،

جذباتِ سامی، پچھلے دنوں اخبارات میں مشہور ہوا تھا کہ جبلپور اور اس کے اطراف میں آسمان پر آنحضرت صلعم کا اسمِ مبارک "محمدؐ" نہایت تابان و درخشان حروف میں نظر آیا تھا، اس حیرت انگیز واقعہ پر جہان مسلمان اہل قلم اور اہل زبان اصحاب نے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے، وہیں یہ دیکھکر اور خصوصاً اس موجودہ فضا میں یہ دیکھکر خوشی ہوتی ہے کہ ایک ہندو شاعر جناب ماسٹر مہادیو پرشاد صاحب سامی نے

بھی اسپر ایک پُراثر نظم لکھی ہے اور نہایت جوش و عقیدت مین لکھی ہے یہی نظم "جذباتِ سامی" کے نام سے چھوٹی تقطیع کے ۱۴ صفحون پر شائع کی گئی ہے، لکھائی، چھپائی اور کاغذ عمدہ ہے، پتہ :- ایس اے احمد اینڈ کمپنی جامع مسجد جبل پور،

اسلام اور غلامی، جناب مولوی حفیظ اللہ صاحب پھلواروی نے "اسلام اور غلامی" کے نام سے ایک مختصر رسالہ لکھا ہے جسمین یہ دکھایا ہے کہ اسلام ہی نے سب سے پہلے غلامی کے عالمگیر رواج کو مٹانے کی کوشش کی اور ایسے احکام جاری کیے کہ رفتہ رفتہ اس کا رواج دنیا سے اُٹھ جائے مگر اس نے ان کی عزت اور مرتبت کو روزِ اول ہی سے تمام انسانون کے مساوی قرار دیا، اسی ضمن مین ان صحابہ کے نام اور واقعات لکھے ہین جو غلامی مین بھی رہنے کے باوجود نہایت ممتاز حیثیت رکھتے تھے اور اسی ذیل مین ان تابعین تبع تابعین علماء اور ائمہ کے نام بتائے ہین، جو نسلاً غلام ہونے کے باوجود اپنی عزت و مرتبت کے لحاظ سے تمام مسلمانون کے آقا و سرتاج تھے، حجم ۳۲ صفحے تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ اچھا ہے، قیمت ۳ پتہ :- منیجر صاحب مسلم ایسوسی ایشن بک ڈپو، پھلواری شریف پٹنہ،

مسیحیت اور سائنس، یورپ مذہب مسیحی کا علمبردار بنکر سولھوین صدی سے انیسوین صدی تک علوم جدیدہ سے جس طرح نبرد آزما رہا، اس کی تصویر ڈریپر کے معرکۂ مذہب و سائنس سے نمایان ہے جناب پادری برکت اللہ صاحب ایم اے مبلغ مسیحیت نے زیر تبصرہ رسالہ مین مسیحیت اور سائنس مین اتحاد و آشتی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، سب سے پہلے یورپ کے اس عہد کے تعصب تقشف اور مذہبی جہل کا مختصر خاکہ پیش کیا ہے، جسمین وہ علوم جدیدہ سے معرکہ آرا رہا، پھر ثابت کیا ہے کہ مسیحیت اور سائنس کی سرحدین جداگانہ ہین، اور ان دونون مین کسی قسم کی کوئی مغائرت اور منافست موجود نہین، حجم ۲۸ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ خاصہ ہے پتہ :- کرسچین نالج سوسائٹی، انارکلی لاہور،

"ر"

مجلد بستم | ماہ ربیع الاول سنہ ۱۳۴۶ھ مطابق ماہ ستمبر سنہ ۱۹۲۷ء | عدد سوم

مضامین

شذرات	سید سلیمان ندوی	۱۶۵-۱۶۲
کیا ولی کی اجازت کے بغیر کوئی عورت نکاح نہیں کر سکتی ہے	سید سلیمان ندوی	۱۷۹-۱۶۶
مدینۃ الزہراء	منشی خلیل الرحمن صاحب مترجم فتح الطیب از لاندلس	۱۹۴-۱۸۰
مرہٹہ ہیرو	مورخ مشہور "صدر الصدور خافی خان"	۲۰۲-۱۹۵
سوشیالسٹ حکومت کے نتائج	مولانا عبد السلام ندوی	۲۰۹-۲۰۳
عرب قدیم پر مستشرقین کی ایک نئی کتاب	جناب شیخ عنایت اللہ صاحب ایم اے معلم عربی	۲۱۲-۲۱۰
ریڈانڈین کون ہیں؟	سعید انصاری جامعی	۲۱۵-۲۱۳
مصر کا ایک نیا دیوتا	"ر"	۲۱۷-۲۱۵
عورتیں بابل کے قانون میں	"ر"	۲۱۹-۲۱۷
اخبار علمیہ	"ر"	۲۲۳-۲۲۰
شعر و شاعری عرفی	ع	۲۳۱-۲۲۴
نقش ارژنگ	۰	۲۳۴-۲۳۲
تاریخ مسیح	"ر"	۲۳۷-۲۳۵
مطبوعات جدیدہ	"ر"	۲۴۰-۲۳۸

منتخبات

گذشتہ مہینہ کے شذرات مین ہم نے عربی مدارس کی صورتِ حال پر جو توجہ دلائی تھی، وہ بے اثر نہ رہی، مگر ایک دفعہ نہین، بلکہ ضرورت ہے کہ سیکڑون دفعہ اُدھر قوم کو توجہ دلائی جائے، اور حقیقتِ واقعہ انھین سمجھائی جائے، عربی مذہبی مدارس کی ضرورت ہے یا نہین؟ اگر ضرورت نہین تو ان قدامت پرست اور آگے بڑھنے سے روکنے والے مدرسون کو یکبارگی برباد کر دینا چاہیے اور اگر ضرورت ہے تو اُن کو قائم و باقی رکھنے کی کوئی صورت کرنی چاہیے،

قوم کو خبر ہے کہ وہ تمام عربی مدرسے جو گذشتہ چالیس پچاس سال کے عرصہ مین قائم ہوئے اور جنمین سیکڑون اور ہزارون علماء و فضلاء پڑھ پڑھ کر نکلے وہ یا ہماری غفلت کے ہاتھون فنا ہو چکے، یا وہ اسوقت دم توڑ رہے ہین، غدر کے بعد سب سے پہلا شہر جس نے عربی علوم و مدارس کی سرپرستی کی وہ **کانپور** ہے، مگر اب اسی کانپور مین جاکر دیکھیے، نہ وہ عربی مدرسے ہین، نہ وہ علماء ہین، نہ وہ طلبہ ہین، ایک عام ویرانی چھائی ہے، کانپور کے بڑے بڑے عربی مدرسے جہان کبھی طالبانِ علم کا ہجوم تھا، اب یا وہان ہر طرف خاموشی ہے، یا چند طالب علم وہان کہین چٹائی بر بیٹھے اونگھ رہے ہین، **فیض عام** کا فیض مدت ہوئی بند ہو چکا، **دار العلوم** (مولانا احمد حسن صاحب کانپوری) کا مدرسہ چند سال سے بے چراغ ہے، **جامع العلوم** اپنی زندگی کے دن پورے کر رہا ہے،

علی گڈھ کا وہ مدرسہ جہان مولانا مفتی لطف اللہ صاحب مرحوم درس دیتے تھے، اور جسکے حلقہ سے اُس عہد کے سیکڑون فضلاء پیدا ہوئے، اب نشان ہو رہا ہے، آرہ کا مدرسہ احمدیہ جسکو مولانا ابراہیم صاحب آروی نے قائم کیا تھا اور جس نے تمام مدارسِ عربیہ مین اصلاح کا قدم سب سے پہلے اُٹھایا تھا، وہ معدوم ہو چکا، **جونپور** کا وہ مدرسہ جو مولانا

ہدایت اللہ صاحب کے دم کے ساتھ قائم تھا، کیونکہ آمدنی کے باوجود اس کا عدم وجود برابر ہے، یہی حال لکھنؤ، بدایوں، بریلی، الہ آباد، بنارس، بہار اور شہسرام وغیرہ کا ہے،

اسمیں شک نہیں کہ انھیں شہروں میں جہاں ایک طرف پرانے مدرسے فنا ہو رہے ہیں، نئے مدرسوں کی بنیادیں بھی پڑ رہی ہیں مگر چند روزوں کے بعد اُن کا نتیجہ بھی وہی ہونا ہے، کیونکہ یہ تمام مدرسے جو نئے قائم ہوتے ہیں وہ اسلیئے قائم ہوتے ہیں کہ عموماً (الا ماشاء اللہ) چند علما اور معلمین کو اپنی اوقات بسری کیلئے کسی نہ کسی سامان کی ضرورت ہے، کوئی قومی مذہبی علمی یا قومی جذبہ ان مدارس کے وجود اور بقا کی کفالت نہیں کر رہا ہے، یہ حالت نہایت دردناک اور مایوس کن ہے،

جو مدرسے آج تک کسی نہ کسی حال میں جی رہے ہیں، اُن کی زندگی کی وجہ بھی کوئی علمی یا دینی تحریک نہیں ہے، بلکہ یہ ہے کہ اُن پر پہلے سے اوقاف ہیں، ان اوقاف پر تصرف کے لیے ضرورت ہے کہ اُن کے متولی کسی مدرسہ کا ڈھانچہ قائم رکھیں، اس قسم کے مدارس بکثرت ہیں، اور شہسرام، بہار اور جونپور کا تو ہم کو ذاتی علم ہے، ایسے غیر مخلصانہ حال سے علم و دین کی تجدید و ترقی کا خیال محالِ قطعی ہے، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ وہاں اب فیض و برکت کی اعلیٰ روح موجود نہیں ہے جو پہلے اُنکے دیوار و در سے کبھی نظر آیا کرتی تھی،

ادھر یہ حالت ہے، اُدھر زمانہ کا سخت و قوی ہاتھ طالب العلموں کے دماغوں میں بھی انقلاب پیدا کر رہا ہے، اب وہاں سے بھی استبداد، حریت، شخصیت، جمہوریت، حق اور آزادی کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں، پچھلے چند مہینوں سے ہماری سب سے بڑی عربی درسگاہ دار العلوم دیوبند میں جو کچھ ہو رہا ہے اور جو آپ دیکھ رہے ہیں اور سُن رہے ہیں، وہ نشو و نما کے اثرات ہیں، جہاں جسقدر زیادہ قدامت تھی اسی قدر وہاں اس کا اثر دہن پہونچا، اور جب پہنچ چکا تو پھر اس کا سنبھلنا مشکل ہے، اب اگر آپ سو تدبیریں بھی کریں تو دیوبند میں وہ پچھلا سکون وہ گذشتہ عہد امن اور وہ ماضی کی خود رانہ اطاعت اور بزرگانہ شفقت واپس نہیں آسکتی،

یہ سرسری اور عارضی حوادث نہیں ہیں، بلکہ قدیم مؤثرات کے لازمی نتائج ہیں، جنکو دو رہنوں نے پہلے سے جان لیا تھا، اور ہم اس وقت جان رہے ہیں جب وہ حضرہ کی صورت میں ہمارے سامنے آگئے ہیں، اور اگر اب بھی ہم نے وقت سے پہلے تدارک اور تلافی کا سامان نہ کیا تو یہی سہی حالت کا بھی خاتمہ سمجھ لیجیے ضرورت ہے کہ مدارس عربی کے متہمین مدرسین اور قدیم تعلیم میں دلچسپی لینے والے اشخاص یکجا ہوں، اور اس پر غور کریں، اور اصلاحات کی تدابیر سوچیں، کیا ندوۃ العلماء کا آئندہ اجلاس اس امر کے لیے موزوں ہوگا کہ اسمیں عربی مذہبی تعلیمی کانفرنس کا انعقاد کیا جاسکے،

دار المصنفین کی طرف سے سال رواں کی تیسری کتاب **خلفاے راشدینؓ** چھپکر تیار ہوگئی ہے جو اس مہینہ کے آخر میں ارکان کی خدمت میں بھیجی جائیگی، یہ سیر الصحابہؓ کے سلسلہ مہاجرین کی پہلی کڑی ہے اسمیں حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے حالات ذاتی، سوانح زندگی، اُن کے اخلاق و فضائل، کمالات، اُن کی خلافت کے کارنامون اور اُن کے انتظامی، سیاسی، علمی، اور دینی خدمات اور ملکی فتوحات کی پوری تفصیل ہے، اور اس طرح لکھی گئی ہے کہ اُن کے ذاتی حالات و سوانح کے ساتھ ساتھ عہد خلافت راشدہ کی ۳۲ برسون کی پوری تاریخ آن اوراق میں سمٹ گئی ہے، ارادہ ہے کہ اس سال ہم اپنے ارکان کی خدمت میں چوتھی کتاب فقہ اسلامی کی تدوین و ترتیب، اور اس کے عروج و کمال اور ائمہ مجتہدین اور فقہاے عظام کی اجتہادی و قانونی خدمات اور کوششون کی تاریخ پیش کریں، جس کا نام شاید "تاریخ فقہ اسلامی" ہو، یہ مصر کے ایک نامور محقق عالم کی تصنیف تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ ہے،

ہم کو اپنے قدر افزا اصحاب سے یہ گذارش کرنا ہے کہ براہ خدا وہ مختصر سے مختصر لفظون میں اپنا مدعا ظاہر فرمایا کریں جس سوالات کے جوابات عام طور سے ہر جگہ معلوم ہو سکتے ہیں اُن کے لیے دار المصنفین کو تکلیف نہ دیں، فتوون کے بافائدہ جواب دینے کے لیے بڑے وقت کی ضرورت ہے، یہ کام دیوبند، فرنگی محل، بدایون، بریلی، ندوۃ العلماء ہر جگہ خاص طور سے ہو رہا ہے، اس لیے فتوون کے جواب

دینے سے معاف کیا جائے، نیز یہ بھی عرض ہے کہ دفتری کاموں اور کتابوں کی درخواستوں وغیرہ کے لیے کسی شخص کا نام لکھنے کے بجائے فقط عہدہ یا دفتر لکھنا کافی ہے، نام لکھنے سے تعمیل میں تعویق اور دقت ہوتی ہے،

پچھلے شذرات میں ہم نے اپنے دوست پروفیسر نواب علی کی اردو تصنیف سیرۃ کا ذکر کرتے ہوئے ان سے خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ اردو کے بجائے انگریزی میں سیرۃ پر کتاب لکھیں کہ آج اردو سے زیادہ انگریزی میں اسکی ضرورت ہے، خدا کا شکر ہے کہ موصوف نے ہماری اس التماس کو قبول کیا، اور وہ اس کے لیے تیاری شروع کرنے والے ہیں، انھوں نے لکھا ہے کہ "اس کام کے لیے ہم سے زیادہ مستحق اور اہل مولانا محمد علی (ڈائریکٹر مرڈیکا ہمدرد) تھے، انھیں کو ادھر متوجہ کیجیے" عرض ہے کہ مولانا محمد علی کی اس اہلیت اور استحقاق میں تو کلام نہیں، ہماری گذارش ان کی خدمت میں بہت پرانی ہے لیکن اب "استپر تمادی" عارض ہو چکی ہے، تاہم جسطرح پروفیسر نواب علی کی اردو تصنیفات کے وجود کا باعث ہوئی، اسی تفاول پر امید ہے کہ ان کی انگریزی سیرت بھی شاید اور دوسری انگریزی سیرتوں کے وجود کا باعث بن سکے،

افسوس ہے کہ اردو کے ایک کہنہ مشق مصنف اور ایک بڑے مصنف کی جسمانی یادگار مولوی بشیر الدین احمد، خلف مولانا ڈپٹی نذیر احمد صاحب مرحوم نے بھی اپنی جگہ خالی کی، ۴ اگست کی شب کو بعارضہ فالج دہلی میں وفات پائی، تاریخ بیجاپور، فرامین شاہی، عصائے پیری اور کئی تاریخی اور ادبی کتابوں کے مصنف تھے، اور اس عہد میں بسا غنیمت تھے،

مقالات

کیا ولی کی اجازت کے بغیر کوئی عورت نکاح نہیں کر سکتی؟

۵

حدیث لا نکاح الا بولی

احناف نے اس حدیث کو بالفرض صحیح مان لینے کی صورت میں دو تاویلیں کی ہیں، ایک یہ کہ یہ حکم اپنے عموم پر نہیں بلکہ انھیں لڑکیوں سے متعلق ہے جن کے لیے ولایت کی ضرورت ہے یعنی نابالغ، مجنون اور بے عقل لڑکیوں سے، عاقل و بالغ لڑکیوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ ثیبہ لڑکیوں اور عورتوں کے معاملہ میں ولی کو کوئی حق حاصل نہیں ہے، اور دوسری حدیثوں سے ثابت ہے، کہ عاقل و بالغ لڑکیوں کی رائے کو آپ نے اُن کے اولیا پر ہمیشہ مقدم کیا ہے، جس سے ثابت ہوا کہ ان لڑکیوں کے معاملہ میں ولی کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے، نیز قرآن پاک میں متعدد آیتیں ایسی ہیں جن میں نکاح کے فعل کی نسبت اولیا کی طرف نہیں، بلکہ خود عورتوں کی طرف کی گئی ہے، ان سے واضح ہوتا ہے کہ عاقل و بالغ لڑکیوں اور عورتوں کو اپنے معاملہ کا آپ اختیار ہے، اور ایک آیت پاک میں خاص طور سے اولیا کو اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ وہ عورتوں کے معاملات نکاح میں دخل دیں، اور ان کو اپنی مرضی کی جگہ پر نکاح کرنے سے روکیں، ان وجوہ سے اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تو احکام شرعی میں تضاد اور تخالف کو دور کرنے کے لیے یہی کہا جا سکتا ہے کہ بغیر ولی کے نکاح درست نہ ہونے کا حکم صرف نابالغ اور بے عقل لڑکیوں سے متعلق ہے، عاقل و بالغ لڑکیوں سے نہیں ہے،

اس حدیث کا دوسرا مطلب اُنھوں نے یہ بیان کیا کہ محاورہ مین یہ طرز ادا نہ صرف اس موقع پر استعمال کیا جاتا ہے جہان نفس فعل کی نفی مقصود ہوتی ہے، بلکہ وہان بھی بولا جاتا ہے جہان اس فعل کے کمال کی نفی مقصود ہوتی ہے خود متعدد حدیثون مین یہ طرز ایسے ہی موقعون پر اختیار کیا گیا ہے جہان نفی مطلق نہین بلکہ نفی کمال مقصود ہے مثلاً اگر کسی شہر مین ادنی اعلیٰ کوئی طبیب نہو، وہان یہ بولا جاتا ہے کہ یہان کوئی طبیب نہین لیکن یہ طرز ادا وہان بھی اختیار کیا جاتا ہے جہان مقصود یہ کہنا ہوتا ہے کہ یہان کوئی اعلیٰ اور حاذق اور کامل الفن طبیب موجود نہین، اسی طرح یہ کہنا کہ ولی کے بغیر کوئی نکاح نہین، اس کے دو معنے ہین ایک یہ کہ مطلق نکاح نہین ہوتا، دوسرے یہ کہ یہ نکاح کا کامل و اشرف طریقہ نہین، یہان یہی دوسرے معنی مقصود ہین، یعنی ولی کے بغیر براہ راست اگر کوئی عاقل بالغ لڑکی اپنا نکاح کرلے تو یہ نکاح گو قانوناً جائز ہوگا، مگر اخلاقاً ناموزون اور نامناسب ہوگا،

حافظ ابن حجر نے شافعی ہونے کے باوجود فتح الباری مین اس قدر تسلیم کیا ہے کہ یہ حدیث اپنے طرز ادا کے لحاظ سے یقیناً دونون معنون کو محتمل ہے اور جب تک دوسرے خارجی قرائن لگائے جائین اُس کے معنے متعین نہین ہوسکتے، اُس کے بعد اپنے موافق قرائن سے اُسکے مطلق نفی کے معنی کی تائید کی ہے مگر مشکل یہ ہے کہ اسی قسم کے قرائن، حنفا بھی اپنی تاویل کی تائید مین پیش کرتے ہین، امام طحاوی نے معانی الآثار (جلد دوم) مین ان کو لکھا ہے،

اصل یہ ہے کہ یہان دو مسئلے باہم مخلوط ہوگئے ہین، ایک یہ کہ عورت کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر نہین ہوسکتا، دوسرا یہ کہ عورت مرد کے سامنے صیغۂ نکاح خود نہین ادا کرتی بلکہ اس کی طرف سے اس کا کوئی رشتہ دار قائم مقام ہوکر اسکی طرف سے اسکی رضامندی کا اظہار کرتا ہے، صاف لفظون مین یون کہنا چاہیے کہ ایک ولی اجازت ہے، دوسرا محض ولی صیغۂ نکاح یعنی وکیل جسکے اذن دینے کو نکاح مین کوئی دخل نہین، امام شافعی اس حدیث سے ان دونون مسئلون کو ثابت کرتے ہین لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث سے ولی اجازت کا ثبوت نہین ہوسکتا، لَا نِکَاحَ مین با (باء) ذریعہ اور استعانت کے علاوہ کسی اور معنی مین نہین ہوسکتا، اس بنا پر اس حدیث کا صاف ترجمہ یہ ہے نہین ہے کوئی نکاح مگر بذریعہ ولی کے، یعنی ولی کے ذریعہ عورتون کا نکاح منعقد ہونا چاہیے، اس ولی کی رضامندی و عدم رضامندی اور پسندیدگی و عدم پسندیدگی کو اسمین کوئی دخل نہین ہے، وہ محض ایک وکیل، قائم مقام اور ایجنٹ کی حیثیت رکھتا ہے اس سے

زیادہ کچھ اور نہیں اس کی اجازت اور اذن کے ضروری ہونے پر اس حدیث سے کسی طرح استدلال نہیں ہو سکتا،

اس وکیل اور قائم مقام کی اس لیے ضرورت ہے کہ عورتیں مجمع عام میں سب مردوں کے سامنے اپنی زبان سے اپنی رضامندی کے کلمات ادا کرنے میں جھجکتی ہیں، اس لیے ضرورت ہوئی کہ ان کی طرف سے کوئی رشتہ دار یا خاندان کا بڑا بوڑھا اس کی اجازت سے اُس کی طرف سے مجمع میں وکالت کا فرض انجام دے، اور چونکہ یہ شرم وحیا کنواری لڑکیوں کو زیادہ ہوتی ہے اسلیے ان کے لیے ایسے وکیلوں اور قائم مقاموں کی زیادہ ضرورت ہے،

یہ بات کہ ایسے وکیلوں اور قائم مقاموں کی ضرورت صرف عورتوں کی شرم وحیا کی بنا پر ہے اُن کے فطری عدم قابلیت اور طبعی نا اہلیت کی بنا نہیں جیسا کہ بعضوں نے سمجھا ہے، اُن حدیثوں سے اچھی طرح ثابت ہے جو تیسرے نمبر میں کنواری لڑکیوں کے اظہار رضامندی کے طریقوں کی نسبت گذر چکی ہیں، اسی سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کلام ہی بولنے کا حکم قانونی نہیں بلکہ اخلاقی ہے یعنی ایسا نہیں ہے کہ اگر عورت براہ راست خود اپنی زبان سے سب کے سامنے اظہار رضامندی کرے تو نکاح نہیں ہو سکتا، نکاح بلاشبہ ہو جائیگا، مگر عورت کی فطری شرم وحیا کے آئین و دستور کے خلاف ہوگا، یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں جہاں کہیں نکاح کا حکم اور نہی ہے وہاں عورتوں کو نہیں بلکہ مردوں کو خطاب ہے کیونکہ یوں کہنا کہ "اے بے شوہر عورتو! اور لڑکیو! اپنا نکاح کرلو" یا "اے عورتو! اور لڑکیو! مشرک مردوں سے اپنا نکاح نہ کرو" نسوانی شرم وحیا کے آداب آئین اور کلام الٰہی کی بلندی اور بلاغت کے خلاف ہے، اس بنا پر اس خطاب حکم امر اور نہی کے موقعوں پر عورتوں کے متعلق مردوں کو خطاب کیا گیا ہے،

وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ (نور ۴)	اے مردو! تم اپنے میں سے بے شوہر آدمیوں کا اور اپنے نیک غلاموں اور لونڈیوں کا نکاح کردیا کرو،

دوسری جگہ ہے،

وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا (بقرہ ۲۷)	مشرک جب تک ایمان نہ لائیں اپنی عورتوں کو ان کے نکاح میں نہ دو،

ان دونوں موقعوں کے علاوہ جن کا تعلق خطاب اور امر نہی سے ہے جہاں جہاں نکاح کے موقعہ پر صیغۂ غائب ہے، وہاں نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف بلا تکلف کی گئی ہے، ایک اور نکتہ یہ ہے کہ چونکہ اس خطاب اور حکم اور نہی میں ہر قسم کی

عورتین بالغ، نابالغ، کنواری بیوہ مطلقہ سب ہی داخل ہین اور ان مین سے نابالغ تمام تر اپنے اولیاء کی رضامندی کے ماتحت ہین، اور کنواری بالغ کیلئے اگو ان کی رضامندی کی حاجت نہین تاہم اس کی طرف سے اظہار رضامندی ہین اولیاء اُس کے قائم مقام ہوتے ہین اس لیے بھی اس مقام پر عورتون کے بجائے مردون کو خطاب کیا گیا ہے،

ایک اور امر بھی اس موقع پر اظہار کے قابل ہے، جاہلیت کے زمانہ مین عورتون کو اپنے اوپر کوئی اختیار حاصل نہ تھا، وہ تمام تر مردون کے قابو مین تھین، وہ چاہتے تھے تو انکا نکاح کرتے تھے اور چاہتے تھے تو نہین کرتے تھے، اور پھر جس سے چاہتے تھے اُن کا نکاح کر دیتے تھے، اور جس سے چاہتے تھے اُن کو نکاح نہین کرنے دیتے تھے جب اسلام عورتون کے حقوقِ آزادی کا منشور لیکر آیا تو اُسنے مردون کے ان جابرانہ اختیارات سلب کرنا ضروری سمجھا، چنانچہ یہ تمام آیتین انھین اصلاحات سے متعلق ہین، اہلِ جاہلیت کی نگاہ مین عورتون، غلامون اور لونڈیون کا ایک درجہ تھا، اس لیے ایک ہی آیت مین ان تمام مظلومون کو اس غیر فطری قید سے آزادی ملی، اور حکم ہوا کہ اے مردو! اپنی بے شوہر والی عورتون، غلامون اور لونڈیون کے نکاح کر دیا کرو" اگر یہ تسلیم نہ کیا جائے کہ زمانہ جاہلیت مین مردون نے عورتون غلامون اور لونڈیون کو اس حق سے محروم کر رکھا تھا، تو اس کے حکم کے کوئی معنی نہین رہ جاتے، نکاح کرنا مرد و عورت کی ایک فطری خواہش ہے جسکے خاص طور سے حکم کی ضرورت داعی نہ تھی،

اسی طرح چونکہ اون کو یہ بھی پہلے اختیار حاصل تھا کہ وہ جس سے چاہین عورتون کا نکاح کر دین اس لیے یہ ممانعت آئی کہ مشرکون سے اُن کا نکاح نہ کرو اسلام کے رد سے محرمات شرعی کے علاوہ جن کا ذکر قرآن پاک مین دوسری جگہ ہی نکاح کے لیے صرف ایک ہی روک ہے اور وہ مشرک ہونا ہے اس لیے اس کے متعلق مردون کو خطاب کرکے خاص طور سے تصریح آئی کہ اپنی لڑکیان نامسلمانون کو نہ دو، مردون کے انھین جاہلانہ اختیارات مین سے ایک یہ تھا کہ وہ اپنے مرے ہوے رشتہ دار کی بیوہ پر ترکہ اور موروثی جائداد کی حیثیت سے قبضہ کر لیتے تھے، اور اس کو کسی اور سے شادی نہین کرنے دیتے تھے، اسلام نے اس ظالمانہ اور بے شرمی کے دستور کو مٹا دیا، اور خود عورتون کو یہ اختیار دیا کہ وہ اس سے یا جس سے چاہین نکاح کرین، وارث کو اُس کے روکنے کا کوئی حق نہین ہے اور نہ وہ ترکہ اور وراثت کی حیثیت سے وارثون کے قبضہ و تصرف مین آسکتی ہین، فرمایا،

یا ایھا الذین آمنوا لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرھا (نسا ۳۶) — اے لوگو جو ایمان لا چکے تمھارے لیے جائز نہین کہ تم عورتون پر زبردستی سے وارث بن بیٹھو،

انھین جاہلانہ دستورون مین سے ایک یہ تھا کہ ولی اور رشتہ دار عورتون اور لڑکیون کا زبردستی جس سے چاہتے تھے نکاح کر دیتے تھے، بلکہ یہ دستور یہان تک ترقی کر گیا تھا کہ جو لڑکی ہنوز پیدا نہین ہوئی بلکہ وہ شکم مادر مین ہوتی تھی وہ بطور شرط کے پہلے ہی سے دوسرے کے نکاح مین دیدی جاتی تھی، اسلام نے اس دستور کو بھی مٹایا (ابو داؤد کتاب النکاح) اسی طرح یہ دستور تھا کہ دو آدمی جن مین سے ہر ایک کے ایک ایک لڑکا اور ایک ایک لڑکی ہو وہ دونون آپس مین اپنی لڑکی دوسرے کے لڑکے سے بیاہ دیتا تھا، اور دین مہر آپس مین ادلا بدلا ہو جاتا تھا، یعنی ایک لڑکی کے دین مہر کا معاوضہ دوسری لڑکی بن جاتی تھی، اس کو "نکاح شغار" کہتے تھے، اسلام نے اس قسم کے ادلے بدلے کے نکاح کو ناجائز قرار دیا، اور اُن مین سے ہر ایک لڑکی کو بجاے خود حق دیا، اور ہر ایک کا الگ اور مستقل دین مہر قرار دیکر نکاح کی اجازت دی، جسمین سے ایک کے معاملہ کا دوسرے سے کوئی تعلق نہین، پہلی صورت عربون کے اس عقیدۂ باطل پر مبنی تھی، کہ باپ کو اپنی اولاد کے خرید و فروخت کا کامل اختیار ہے، اسلام نے، اس رسم باطل کا ہمیشہ کے لیے قلع قمع کر دیا، اور ہر عورت کو بجاے خود ایک وجود مستقل عنایت کیا،

اولیا، کا ایک ظالمانہ دستور یہ تھا کہ وہ اپنی لڑکیون کو جس کو چاہتے تھے حوالہ کر دیتے تھے، اس مین اُن کی مرضی کو کوئی دخل نہ تھا، اسلام نے اولیا، کے اس حق کو بھی باطل کیا، اور کہا کہ "عورتون کا نکاح اُن کی مرضی دریافت کیے بغیر نہ کیا جائے" اس کے متعلق متعدد حدیثین گذشتہ سلسلون مین گذر چکی ہین، اسی پرانے دستور کے مطابق اسلام مین بھی اولیا، نے اپنی لڑکیون کا اُن کی رضامندی کے خلاف نکاح کیا، لیکن جب اس قسم کا معاملہ آنحضرت صلعم کے سمع مبارک تک پہنچا تو ہمیشہ آپ نے لڑکیون کی طرفداری کی، اور ان کا چھینا ہوا حق اُن کو واپس دلایا، ذیل مین چند واقعات پر گذر چکے ہین،

انھین واقعات مین سے ایک واقعہ معقل بن یسار صحابی کی بہن کا ہے جو صحیح بخاری وغیرہ مین مذکور ہے، جس کی غلط تاویل کر کے امام شافعیؒ وغیرہ اس کے اُلٹے معنی قرار دیتے ہین، واقعہ یہ ہے کہ معقل بن یسار صحابی کی ایک بہن تھین

اُنھون نے اُن کا نکاح ایک مرد سے کر دیا تھا، تھوڑے دنون کے بعد اُس نے اُن کی بہن کو بھی طلاق دی، طلاق دینے کے بعد اُس کو اپنی اس حرکت پر ندامت ہوئی، اور اُس نے چاہا کہ اپنی بیوی کو دوبارہ اپنی زوجیت مین لے آئے، بیوی بھی اپنے شوہر کی طرف مائل تھین، اور دل سے وہ چاہتی تھین کہ وہ پھر اس کی زوجیت مین چلی جائین مگر مجبور تھین کہ اُن کے بھائی زبردستی روکتے تھے، اور کسی طرح اُن کو اپنے شوہر کے پاس جانے نہین دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ایک دفعہ ہم نے اس کی یہ عزت کی کہ اپنی بہن اس کی زوجیت مین دی، اور اُس نے ہماری یہ بیعزتی کی کہ اُس کو طلاق دیدی، اب پھر اُس کو یہ عزت نہ دین گے، اس پر یہ آیت پاک نازل ہوئی،

فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ (بقرہ ۳۰)

عورتون کو اپنے شوہرون سے نکاح کرنے سے نہ روکو، اگر وہ آپس مین نیکی کے ساتھ راضی ہو چکے ہین،

حضرت معقل کہتے ہین کہ یہ آیت اتری تو ہم نے فوراً اپنی بہن اس کے نکاح مین دیدی،

اس آیت پاک نے عورتون کے خلاف مرضی اولیا کے ناجائز تصرف اور زبردستی کے حق کو یکقلم موقوف کر دیا، بلکہ اسی آیت پاک مین بھی واضح کر دیا گیا، کہ نکاح کی اصلیت صرف مرد و عورت کی بھلائی اور نیکی کے ساتھ باہمی رضامندی ہے، دین مہر اور دو گواہون کا وجود وجود دوسری آیتون سے ثابت ہین یہ نکاح کی اصل حقیقت نہین بلکہ اس کے شرائط ہین، اس آیت پاک نے قطعی طور سے یہ بھی واضح کر دیا کہ نکاح مین صرف دو ہی کی رضامندی شرط ہے اور وہ مرد و عورت ہین، اُن کے اولیا کی رضامندی نکاح کی صحت اور جواز کے لیے قطعاً ضروری نہین ہے،

اس کے علاوہ اور بھی دوسری آیتین ہین جو اسی حقیقت کو ظاہر کرتی ہین، طلاق کے موقع کی آیت ہے،

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ (بقرہ ۲۹)

تو اگر شوہر نے بیوی کو تیسری طلاق دیدی تو وہ پھر اس کے لیے اسوقت تک حلال نہوگی جب تک وہ اس کے سوا کسی اور شوہر سے نکاح نہ کرے، تو پھر اُس دوسرے شوہر نے بھی اسکو طلاق دیدی تو اس کے پہلے شوہر پر اور اس عورت پر کوئی گناہ نہین اگر وہ دونون آپس مین پھر نکاح کر لین اگر ان دونون کو خیال ہو

اس آیت کریمہ مین دو موقعون پر اس حقیقت کا اظہار ہے، پہلا موقع یہ ہے کہ عورت کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ طلاق کے بعد عدت گذرنے پر، کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلے، یہ نہین کہا گیا کہ اس کا ولی اس کا نکاح کردے دوسرا موقع یہ ہے کہ اس دوسرے شوہر نے اگر طلاق دیدی تو کہا گیا کہ مرد اور عورت اگر چاہین تو وہ پھر آپس مین نکاح کرسکتے ہین، یہان بھی انھین دونون کی رضامندی کا ذکر کیا گیا، ولی کی رضامندی کا مطلق ذکر نہین ہے،

اسی طرح جس عورت کا شوہر مرجائے، اس کو چار مہینے دس دن کی عدت گذارنے کے بعد یہ پورا اختیار دیا گیا کہ وہ جس سے چاہے اپنی شادی کرے، شوہر کے اولیا، کو اور نہ خود عورت کے اولیا، کو اسمین مداخلت کا کوئی حق حاصل ہے، فرمایا گیا،

فاذا بلغن اجلھن فلا جناح علیکم	توجب وہ اپنی عدت کو ختم کرلین تو تم پر کوئی گناہ نہین وہ اپنی
فیما فعلن فی انفسھن بالمعروف واللہ	ذات کے معاملہ مین بھلائی کے ساتھ جو کچھ کرین اور جو کچھ تم کرتے ہو
بما تعملون خبیر (بقر ۳۰)	اللہ اس سے واقف ہے

عدت کے درمیان اس کی اجازت نہین کہ عورت سے خفیہ دوسرے نکاح کی بات چیت کی جائے، بلکہ علانیہ اور دستور کے مطابق کی جائے اس موقع پر آیت ہے

ولکن لا تواعدوھن سرا الا ان تقولوا قولا	مگر عورتون سے چپ چاپ نکاح کا وعدہ نہ کرو لیکن
معروفا (بقر ۳۰)	یہ کہ عمدگی کے ساتھ ان سے تذکرہ کرو،

دیکھو کہ اس موقع پر بھی عورت سے نکاح کرنے کی بابت خود عورت ہی سے تذکرہ نے کی اور اس سے استمزاج کی صورت بیان فرمائی، یہ نہین فرمایا کہ اس سے نہین بلکہ اس کے ولی سے اس کا ذکر کرو، اور اُن کا استمزاج لو،

عورت اور اُس کے اولیا، کی رضامندی اگر ضروری ہے تو پیغمبر کے لیے بھی وہ ویسی ہی ضروری تھی، جیسی عام مسلمانون کے لیے، قرآن پاک مین آپ کو خاص طور سے اجازت صرف اس بات مین ہے کہ آپ دین ہر کے

بغیر بھی کسی عورت سے اگر وہ راضی ہو تو نکاح کر سکتے تھے، گو آپ نے کبھی ایسا نہیں کیا، اور عام مسلمانوں کے لیے دینِ مہر ضروری ہے، اُس کے بغیر نکاح نہیں کر سکتے، دیکھو کہ اس موقع پر بھی اللہ تعالیٰ نے صرف عورت کی رضامندی کا ذکر فرمایا، اور اولیا کی رضامندی کو اس میں کوئی دخل نہیں دیا،

وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ، (احزاب ۶)

(ہم نے تیرے لیے فلاں فلاں قسم کی عورتوں کو حلال کیا ہی) اور کوئی مسلمان عورت ہو اگر وہ اپنے آپ کو نبی کو بخشدے اگر نبی چاہا کہ اس سے نکاح کرے یہ حکم خاص تیرے لیے ہی عام مسلمانوں کیلیے نہیں (یعنی نکاح کی یہ تمام قیدیں صرف تیرے لیے ہیں عام مسلمانوں کو

عقدِ نکاح کی طرح فکِّ نکاح یعنی کسی شوہر کے نکاح سے علحدہ ہونا بھی زندگی کا اہم واقعہ ہے قرآن پاک نے اس کے لیے تنہا عورت کی مرضی کافی سمجھی ہے اُس کے اولیا کی مرضی پر اُس کو منحصر نہیں رکھا ہے، فرمایا،

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ط (بقر ۲۹۶)

مرد اور عورت پر اس میں گناہ نہیں کہ عورت شوہر کو کچھ دیکر اس سے اپنے کو چھڑالے

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نکاح کرنے نہ کرنے، اس کے باقی رکھنے یا توڑ ڈالنے میں صرف عورت کی مرضی کافی ہے، اس کے اولیا کی رضامندی قانوناً ضروری نہیں،

اِن آیات کے بعد احادیث پر غور کیجیے، آنحضرت صلعم حضرت ام سلمہؓ سے جو آپ کے رضاعی بھائی کی بیوہ تھیں اور صاحبِ اولاد تھیں نکاح کر لینا چاہتے تھے، حضرت ام سلمہؓ نے معذرت کی کہ یا رسول اللہ میرے اولیا یہاں موجود نہیں ہیں فرمایا تمھارے اولیا خواہ یہاں موجود ہوں یا نہ ہوں اُن میں سے کوئی اس نکاح کو ناپسند نہ کریگا، یہ سنکر ام سلمہؓ نے اپنے چھ سات برس کے نابالغ لڑکے عمر کو (مزاحاً) کہا کہ عمر اُٹھو، اور میرا نکاح آنحضرت صلعم سے کردو چنانچہ یہ نکاح ہو گیا، حسین عورت کی طرف سے کسی ولی کی رضامندی کیا، کسی ولی کی شرکت بھی نہ تھی، سب کو معلوم ہے کہ چھ سات برس کا نابالغ لڑکا کسی کا ولی نہیں ہو سکتا، یہ بھی تاویل نہ کی جائے کہ آنحضرت صلعم تمام مسلمانوں کے

ولی تھے، اس لیے آپ نے اپنی ولایت مین یہ نکاح کیا، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آپ حضرت ام سلمہؓ کی معذرت پر یہ کہنے کے بجائے، تمھارا کوئی ولی اس کو ناپسند نہ کریگا، یہ فرماتے کہ تمھارا ولی جائز نہین ہون اور مین اجازت دیتا ہون، حالانکہ آنحضرت صلعم نے ایسا نہین فرمایا، قرآن پاک مین آپ کی جس ولایت کا ذکر ہے کہ

النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم (احزاب ۱) نبی مسلمانون سے خود ان کی اپنی جانون سے زیادہ قریب ہے،

اس سے ولایت ملکیت نہین بلکہ ولایت نبوت مراد ہے جسکا تعلق روحانی ہے جسمانی نہین، اس کا منشا پیغمبر کے احکام کی اطاعت ہے، پیغمبر کا اپنی امت کی جان و مال پر قانونی تصرف نہین، تمام علماء اور مفسرین نے یہی لکھا ہے، نیز السلطان ولی من لا ولی لہ کی تاویل بھی نہین پیش کی جاسکتی، یعنی یہ بھی نہین کہا جاسکتا کہ اسلام کا مسئلہ یہ ہے کہ جس کا کوئی ولی نہو تو سلطان وقت اس کا ولی ہوتا ہے، کہ اگر ایسا ہوتا تو آپ ام سلمہ کے جواب مین یہی فرماتے نیز یہ کہ یہ تو اس کے لیے ہے جس کا کوئی ولی زندہ موجود نہو، یا اگر موجود ہو تو اتنا دور ہو کہ اس کے آنے تک لڑکی کے نقصان عظیم کا اندیشہ ہو اور یہ صورت یہان نہین ہے، حضرت ام سلمہؓ کے اولیاء زندہ تھے، موجود تھے، انکی آمد کے انتظار مین کسی نقصان عظیم کا اندیشہ بھی نہ تھا

احادیث صحیحہ مین ایک اور عورت کا قصہ مذکور ہے، آنحضرت صلعم صحابہ کی مجلس مین تشریف فرما تھے ایک عورت نے حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ صلعم مین اپنے آپ کو آپ کی خدمت مین پیش کرتی ہون، آپ نے اس کو نیچے سے اوپر تک دیکھا، اور فرمایا مجھے تو ضرورت نہین ہے، ایک صحابی بیٹھے تھے انھون نے خواہش کی کہ یہ میری زوجیت مین دیدی جائے، آپ نے فرمایا تمھارے پاس کچھ ہے بھی؟ عرض کی کچھ نہین، پھر دریافت فرمایا کہ تم کو کچھ قرآن یاد ہے گذارش کی کہ فلان فلان سورہ یاد ہے، فرمایا جاؤ اس قرآن کے بدلہ مین مین نے تمھاری زوجیت مین اس کو دیدیا، یہ نکاح ہوگیا، اب غور کیجئے کہ اگر نکاح کے لیے عورت کے ولی کی رضامندی اور اس کے ذریعہ سے نکاح کا معاملہ طے ہوتا، یا خود اسی کا نکاح پڑھانا ضروری ہوتا تو اس طرح یہ نکاح کبھی منعقد ہو سکتا، کم از کم آپ یہ تو دریافت فرما لیتے کہ تمھارا کوئی ولی بھی ہے؟ اس کی رضامندی اور اجازت بھی حاصل کرلی ہے؟ اور جب یہ معلوم ہو جاتا کہ کوئی ولی نہین ہے، تو اپنی ولایت مین نکاح پڑھا تے مگر یہان تو صورت یہ ہے کہ عورت نے آپ کو اپنا وکیل بنا دیا اور آپ نے

اس وکالت کے حق سے اُس کا نکاح پڑھا دیا ولی کا سوال بھی درمیان مین نہین آیا،

وہ حدیث جس مین بغیر ولی کی اجازت کے نکاح کو باطل کہا گیا ہے، معلوم ہو چکا ہے کہ اس کو حضرت عائشہؓ کی طرف راوی نے منسوب کیا ہے، اس حدیث کی کمزوری پہلے بخوبی ثابت کی جا چکی ہے، مگر اس موقع پر نہایت صحیح ترین روایت سے خود حضرت عائشہ کا طرز عمل اس کے خلاف دیکھا جاتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے عبدالرحمن (ابن ابی بکر) اپنے بھائی کی لڑکی یعنی بھتیجی حفصہ کا نکاح اپنے بھانجے منذر بن زبیر سے کر دیا، لڑکی کے باپ عبدالرحمن شام مین تھے، عبدالرحمن جب شام سے واپس آئے تو انھون نے اس کو بُرا مانا کہ لڑکی کے نکاح مین خود باپ سے مشورہ نہ لیا جائے، انھون نے شکایت کی کہ

ومثلی یصنع هذا به ومثلی یفتات علیه	مجھ جیسے کے ساتھ ایسا کیا جاتا ہے، مجھ جیسے کو چھوڑا
(موطا امام مالک الا یبین من التلبیک)	جا سکتا ہے،

حضرت عائشہؓ نے عبدالرحمان کی اس خفگی کا تذکرہ منذر (شوہر) سے کیا، منذر نے اس خانہ جنگی کے رفع کرنے کے لیے یہ کہا کہ عبدالرحمان کو اختیار ہے وہ طلاق دیدین، عبدالرحمان نے یہ سن کر حضرت عائشہؓ سے کہا کہ جو آپ کر چکین مین اس کو رد نہین کر سکتا،

یہ روایت موطا امام مالک کی ہے، اس کے راوی مالکؒ، عبدالرحمن بن قاسمؒ اور قاسمؒ ہین، قاسم مدینہ کے سات مشہور فقہا مین سے ایک ہین، بیچ مین صرف یہی دو راوی ہین، اور دونون حضرت عائشہؓ کے عزیز اور اس واقعہ سے خاص تعلق رکھنے والے ہین، اس سے زیادہ مستند طریقہ کیا ہو سکتا ہے؟

اس روایت سے دو نتیجے نکلتے ہین،

۱- اگر درحقیقت اس روایت کی رو سے جو نکاح ولی کی اجازت کے بغیر ہو وہ باطل ہے تو وہ راوی ہوتے اور اُن کو اس کا علم ہوتا، کیا کوئی قیاس کر سکتا ہے کہ حضرت عائشہؓ عزت و آبرو کے ایسے نازک معاملہ مین ایسا غیر شرعی نکاح جائز رکھتین، اس سے معلوم ہوا کہ پہلی روایت کی نسبت ان کی طرف قطعاً غلط ہے اور عاقل و بالغ لڑکی کے

نکاح کے لیے ولی کی موجودگی اور رضامندی کی کوئی ضرورت نہیں،

۲- نکاح کا معاملہ کوئی خفی اور چھپے چوری کا نہیں ہوتا، اعلان اور اشتہار کے ساتھ وہ محفلِ عام میں منعقد ہوتا ہے، اس عہد کا مدینہ، صحابہؓ، فقہاء، ائمہ مجتہدین اور علماء کا مرکز اور منبع تھا، کیا یہ ممکن تھا کہ ایسا خلافِ شرع نکاح اس عہد میں سب کے سامنے پڑھا جاتا اور وہ خاموش رہتے اور اس کو جائز سمجھتے،

۳- قاعدہ ہے، کہ جو معاملہ سرے سے باطل ہوتا ہے، وہ جب تک از سرِ نو نہ کیا جائے درست نہیں ہوتا اور اسکے ذریعہ کوئی حاصل شدہ اختیار شرعی اختیار نہیں ہوتا، اس بنا پر حضرت حفصہ اور منذر کا یہ نکاح جو بغیر ولی کے ہوا تھا، باطل ہوا، ایسی صورت میں منذر کو یہ اختیار کہاں سے ہاتھ آسکتا تھا کہ وہ اپنی طرف سے طلاق کا اختیار لڑکی کے باپ عبدالرحمان کو دے سکتے، نکاح ہی نہیں ہوا تو طلاق کی تملیک کی کیا صورت ہے؟

۴- چونکہ یہ نکاح مخالف کے قول کے مطابق باطل تھا تو اس کے جواز کی صورت یہی ہو سکتی تھی کہ عبدالرحمان اپنی اجازت اور ولایت سے دوسری دفعہ نکاح کر دیتے، مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا، بلکہ پہلا ہی نکاح قائم رکھا حالانکہ وہ اگر پہلے باطل تھا تو اب درست نہیں ہو سکتا تھا، یہی امام شافعی کا مسلک ہے، لیکن یہاں وہی پہلا نکاح ہے اور وہ درست صحیح تسلیم ہو رہا ہے، اور اسمیں نہ ولی کا وجود ہے، اور نہ نکاح کے وقت اسکی رضامندی حاصل کی گئی ہے،

۵- جن الفاظ میں لڑکی کے باپ عبدالرحمان (ابن ابی بکر صدیق) جو خود بھی صحابی تھے اپنا اعتراض اس نکاح کے متعلق پیش کیا ہے، کہ مجھ جیسے شخص کے ساتھ ایسا کیا جاتا ہے، مجھ جیسے شخص کو چھوڑا جاتا ہے، ان سے صاف ظاہر ہے کہ عاقل و بالغ لڑکی کا اپنے مقابلہ میں باپ کی رضامندی حاصل کر لینے کا مسئلہ قانونی نہیں، بلکہ اخلاقی حیثیت رکھتا ہے، اسی بنا پر وہ اس کے متعلق وہ کوئی شرعی اعتراض نہیں، بلکہ اپنی شرافت اور امتیاز شخصیت کی حیثیت کو پیش کرتے ہیں،

موطا امام مالک میں حضرت عمر بن الخطاب کا ایک اثر حضرت سعید بن مسیب کے واسطہ سے بلاغات کی صورت میں مذکور ہے، یہ اثر یحییٰ مصمودی کے نسخہ موطا میں حسب ذیل الفاظ میں ہے،

لا تنکح المرأۃ الا باذن ولیھا او ذی الرای من — عورت سے نکاح نہ کیا جائے، یا عورت نکاح نہ کرے لیکن اسکے ولی یا اپنے

اهلها او السلطان (باب استیذان البکر والایم) ولی یا اسکے (یا اپنے خاندان کے) اہل الرائے یا حکومت کی اجازت سے

اس ترجمہ کے یہ الفاظ اور یہ ترجیحی صورتیں اس کے قانونی ہونے کے بجائے اس کی اخلاقی صورت کو بخوبی ظاہر کرتی ہیں، خصوصاً اگر اسی روایت کے اُن الفاظ کو سامنے رکھا جائے جو امام محمد کے نسخہ موطا میں ہیں،

لا یصلح لامرءۃ ان تنکح الا باذن ولیها او ذی الرای من اهلها او السلطان (باب النکاح بغیر ولی) کسی عورت کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ بغیر اپنے ولی یا اپنے خاندان کے اہل الرائے یا حکومت کی اجازت کے نکاح کرے،

نامناسب ہونا اور ناجائز ہونا، دو مختلف مفہوم ہیں، نامناسب ہونا اخلاقی حیثیت کو اور ناجائز ہونا قانونی حیثیت کو واضح کرتا ہے، اگر ولی کی رضامندی قانوناً ضروری ہوتی تو خاندان کے کسی اہل الرائے کے مشورہ کی اجازت نہ ہوسکتی کہ ولی جائز کے علاوہ خاندان کے دوسرے اہل الرائے افراد کی اجازت اور رائے اور مشورہ لینا صرف اخلاقاً ہے،

اصل یہ ہے کہ چونکہ عورتیں باہر کم آتی جاتی ہیں بیگانہ مردوں سے واقفیت کا ان کو موقع نہیں ملتا، اور ضرورت ہے کہ نکاح سے پہلے مرد کی حالت کے متعلق پوری واقفیت حاصل کرلی جائے، اس لیے ولی، یا کسی صائب الرائے ہمدرد کن خاندان سے عورت اس میں مشورہ کرے، تو بہتر ہے، مسئلہ کی اتنی ہی حقیقت ہے کچھ اور نہیں، اسی لیے صائب الرائے ہونے کی اس روایت میں قید ہے ورنہ اس کی کوئی ضرورت نہ تھی،

صحیح ابن خزیمہ اور طحاوی میں حضرت عائشہؓ سے بسند صحیح مروی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اپنے ایک بھتیجے کا نکاح اپنی ایک بھتیجی سے اس طرح کیا کہ ان دونوں کے بیچ میں ایک پردہ کھڑا کیا، پھر انھوں نے گفتگو کی یا کہ خطبہ پڑھا، جب اصل نکاح کے سوا کچھ اور باقی نہ رہا تو ایک شخص کو انھوں نے حکم دیا، اس نے نکاح پڑھا، پھر حضرت عائشہؓ نے کہا کہ نکاح پڑھانا عورتوں کا کام نہیں لیس الی النساء النکاح، اس نکاح میں بھی ولی کی کھوج اور تلاش نہیں ہے، نکاح بھی کسی غیر نے پڑھایا، مگر خود لڑکی پردہ کے آڑ میں موجود تھی اس لیے کسی ولی یا وکیل کی حاجت نہ تھی،

رفاعہ ایک صحابی تھے، انھوں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی، بیوی نے عدت کے بعد دوسرا نکاح کرلیا، یہ خود آنحضرت صلعم کے عہد کا واقعہ ہے اور اس کے بعد اس نکاح کا واقعہ آپ کی خدمت میں بھی پیش بھی ہوا، بہرحال

اس موقع پر موطا امام مالک مین یہ الفاظ ہین،

فنکحت عبدالرحمٰن بن الزبیر (نکاح المحلل) تو اس عورت نے عبدالرحمان بن زبیر سے نکاح کرلیا،

اس سے ثابت ہوا کہ یہ نکاح بھی ولی کے وجود سے سراسر خالی تھا، تاہم جائز قرار پایا،

ان واقعات سے قطع نظر کرکے ان منصوص احکام کو لیجیے جو اس بارہ مین خاص طور سے مروی ہین، اور بسند صحیح ثابت ہین،

الایم احق بنفسھا من ولیھا (موطا، ترمذی، نسائی) بے شوہر کی عورت اپنی ذات پر اپنے ولی کی نسبت زیادہ حق رکھتی ہے،

الثیب احق بنفسھا من ولیھا (صحیح مسلم ونسائی) ایک دفعہ کی بیاہی عورت اپنی ذات کی نسبت اپنے ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے،

پہلی حدیث مین ایم بے شوہر کی عورت کا لفظ ہے جو کنواری بیوہ اور مطلقہ ہر ایک کے لیے عام ہے، اور دوسری حدیث مین ثیب (ایک دفعہ کی بیاہی عورت) کا لفظ ہے ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عاقل و بالغ کنواری اور بیوہ و مطلقہ کے نکاح مین ان کے اولیا کی رضامندی قطعاً ضروری نہین ہے اس بنا پر حدیث لا نکاح الا بولی (کوئی نکاح بغیر ولی کے نہین) اگر ثابت ہو جائے تو وہ یقیناً اپنے عموم پر باقی نہین رہیگی، بلکہ اسکو بے عقل اور نابالغ لڑکیون کے ساتھ مخصوص کرنا پڑیگا، یا اس کے یہ معنی قرار دینے ہونگے کہ لڑکی کے نکاح کا معاملہ اس کے ولی کے ذریعہ سے انجام دیا جائے، اور یہ حکم قانونی نہین بلکہ محض اخلاقی قرار پائے، اگر ایسا نہ کیا جائیگا، تو قرآن پاک اور مستند احادیث و آثار کے یہ خلاف ہوگا، اور یہ اس کے ضعف بلکہ نامستند ہونے کا مزید ثبوت بن کر اس کے ساقط الاعتبار ہونیکا باعث بن جائیگا،

معاملات مین جس ولی کی جس موقع پر ضرورت ہوتی ہے قرآن پاک مین اس کی تصریح موجود ہے، چنانچہ معاملات قرض کے سلسلہ مین ہے کہ قرضدار ایک اقرارنامہ لکھ کر قرضخواہ کے حوالہ کرے اس اقرارنامہ کی عبارت خود قرضدار کو لکھانی چاہیے، اور اگر قرضدار نابالغ اور ناسمجھ اور لکھانے کے قابل نہو تو اس کی طرف سے اس کا ولی اس قرض کو ادا کرے آیت مذکورہ یہ ہے،

فَاِنْ كَانَ الَّذِیْ عَلَیْهِ الْحَقُّ سَفِیْهًا اَوْ ضَعِیْفًا اَوْ لَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یُّمِلَّ هُوَ فَلْیُمْلِلْ وَلِیُّهٗ بِالْعَدْلِ (بقرہ ۳۹) جبکہ حق واجب الادا ہو (یعنی مقروض قرضدار) اگر وہ بے عقل ہو یا نابالغ ہو یا بالکل نہ لکھوا سکتا ہو (مثلاً گونگا) یا نہایت کمزور ہو تو اس کا ولی اسکو انصاف کے

اس آیت پاک نے واضح کردیا کہ ولایت کی ضرورت کن لوگوں کے لیے ہے جو نابالغ ہو یا بالغ ہونے کے باوجود حد درجہ بیوقوف یا پاگل یا مخبوط الحواس ہو یا وہ اقرار کے اظہار پر جسمانی قدرت نہ رکھتا ہو اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ نکاح کی ولایت کا حق بھی انھیں اصناف کی لڑکیوں کے لیے ہوگا یعنی جو نابالغ ہو یا حد درجہ بیوقوف یا پاگل ہو یا اسکو اپنی رضامندی کے اظہار پر کسیطرح استطاعت نہو،

جب ہماری فقہ مرتب ہو رہی تھی اسوقت ہمارے علماء کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ نہوگا کہ کوئی زمانہ ایسا آئے گا جب دنیا میں کوئی ایسا ملک ہوگا جہاں لاکھوں اور کروروں مسلمان سکونت پذیر ہوں گے، لیکن نہ وہاں سلطانِ اسلام ہوگا اور نہ قاضی ہوگا، اس بنا پر انھوں نے یہ طے کردیا تھا کہ اگر کوئی بے ولی کی یتیم لاوارث لڑکی ہو تو اس کا ولی سلطانِ وقت یا اس کا قائم مقام امیر شہر یا قاضیِ شہر ہوگا، لیکن ہماری شامتِ اعمال سے اب دنیا کے اکثر ملکوں میں جہاں مسلمانوں کی سب سے زیادہ آبادی ہے یہ صورتِ حال ہے کہ نہ وہاں کوئی سلطانِ اسلام ہے نہ امیرِ شہر ہے اور نہ قاضی ہے، اگر آج فقہ شافعی کے مطابق ہر عورت کے نکاح کے لیے خواہ وہ کنواری ہو یا بیوہ بالغ ہونا بالغ ولی کا ہونا، اور ولی نہو تو سلطان یا امیر یا قاضی کا ہونا ضروری اور لابدی قرار دیا جائے، تو آج غیر اسلامی ملکوں میں لاکھوں لاوارث بالغ لڑکیوں کا نکاح غیر ممکن ہو جائے، اور آج غیر اسلامی ملکوں کے یتیم خانوں میں جو نکاح بالغ یتیم لڑکیوں کے پڑھا دیے جاتے ہیں وہ سب یکقلم ناجائز کردینے پڑیں، اس لیے آج شوافع کو بھی اس سے چارہ نہیں کہ اس مسئلہ میں مصلحۃً وہ حنفی فقہ کو اختیار کریں جس طرح احناف نے مصلحۃً کبھی دوسرے اماموں کے فتووں کو اختیار کیا ہے،

الغرض ان تفصیلاتِ بالا کا نتیجہ یہ ہے کہ نکاح کی اصلی اور شریفانہ اور افضل صورت یہ ہے کہ لڑکی کے ولی کو پیام دیا جائے، اور ولی لڑکی کی مرضی دریافت کرکے اگر وہ راضی ہو تو اس کا نکاح کردے، صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے نکاح کی بہترین صورت یہی مروی ہے، آنحضرت صلعم کی نسبت بیان ہے کہ وہ اپنی لڑکیوں کا نکاح اسطرح پڑھاتے تھے کہ لڑکی کے پردہ کے پاس بیٹھ جاتے تھے، اور لڑکے کا ذکر کرتے تھے، اور پھر نکاح پڑھا دیتے تھے، لیکن اگر کسی وجہ سے کوئی عاقل و بالغ لڑکی ولی کی درمیانگی اور اجازت کے بغیر اپنا نکاح کرلے تو وہ شرعاً ناجائز نہوگا،

باقی

مدینۃ الزہراء

از

منشی خلیل الرحمٰن صاحب مترجم نفح الطیب واخبار الاندلس

اندلس کے متعلق اپنی تالیفات کے سلسلہ مین ایک مدت سے یہ آرزو ہے کہ رجال الاندلس سے پہلے آثار الاندلس نکل آئے جس مین اُن آثار کو لیا جائے جو اس وقت اندلس مین مسلمانون کی یادگار ہین، مین نے قریباً ڈھائی سو ایسے آثار ڈھونڈھے ہین مگر ظاہر ہے کہ اس کی تکمیل بغیر اندلس گئے ہوئے نہین ہوسکتی، ایک بڑی ریاست کے ایک بڑے آدمی بھی آثار کو دیکھنے کے لیے تشریف لے گئے تھے، مین نے چاہا کہ ان سے کچھ مدد لون مگر سوائے اس کے کہ "میرے لکچر چھپنے والے ہین ان کو دیکھو" بار بار کی یاددہانی پر بھی جواب نہین ملا، وہ لکچر نہ آج چھپے ہین نہ کل، اس طرف سے مایوس ہون خاصکر اس لیے کہ جو لکچر دیے گئے ہین ان مین سوائے بکٹوریل پوسٹ کارڈون کے کچھ نہین دکھلایا گیا، مین نے جناب ممدوح الشان کی خدمت مین عرض کیا تھا کہ مین نے جو کچھ جمع کیا ہے وہ خود دیکھ لین، مگر اس کا بھی جواب نہین ملا۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ ذیل کے اوراق اپنے سود و سے رسم شبی زائد نقل کرکے بھیجتا ہون شاید کسی کو پسند آجائین اور میری محنت ٹھکانے لگ جائے

ہندوستان کے پرانے دارالسلطنتون کے قرب وجوار مین اور اکثر قصبات کے جنگلون مین بہت سے بڑے بڑے بروج مشیدہ[1] کھڑے نظر آتے ہین، ان مین سے بعض بیکار ہے ہین اور بیشتر وہ ہین جن کی دست برد زمانہ اینٹ سے اینٹ بجا رہی ہے، گو بہت سے ایسے بھی ہون گے جن پر فرسودگی کے ناخن کا ابھی تک اثر نہین پڑا ہے اور شاید مدتون نہ پڑے، لیکن ان کے مکینون کو اگر تلاش کیجیے تو بیشتر دا کثر کا پتہ نہین لیگا، پیران کہن سال بھی اپنے حافظہ پر زور ڈال کر نہین بتلا سکین گے کہ یہ کس کی قبر ہے، قیاس صرف اتنا بتلا سکتا ہے کہ اس مین

[1] ید رکم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدہ — تم کو موت پالیگی گو تم مضبوط گنبدون مین ہو،

کوئی گردن کش مدفون ہے یا کوئی خدا رسیدہ نوم العروس مین ہے، ایک حساس دل رکھنے والا راہرو ان سے گذرتا ہے اور بصد حسرت "چہ بر تخت مردن چہ بر روی خاک" پر ایمان لاکر ہاتھ اٹھاتا ہے اور مرنے والے کے لیے خواہ کوئی ہو، دعائے مغفرت کرکے راہی ہوجاتا ہے، بلاشبہ نامور مٹ گیا، نشان باقی تھا کہ اُس نے کسی کا تو ہاتھ اُٹھوا دیا، قابلِ رحم حالت ہے اُن کی جن کے نام و نشان مٹ گئے، اب اس مین خواہ کوئی شہر کا شہر ہو یا ایک فرد واحد،

مین نے ابھی شہر کہا ہے، گمان غالب ہے کہ اہل ہند کا خیال فتحپور سیکری کی طرف منتقل ہوگیا میرا مدنظر یہ شہر نہین ہے کیونکہ اس پر داغِ دل کے پھول چڑھانے والے لاکھون نہین بلکہ کروڑون کی تعداد مین ہین، نیز اس کا نام و نشان دونون باقی ہین؛ اور جب تک یہ دونون باقی ہین آہ پر درد، چشم اشکبار، دلِ حسرت زا، اور ان کے ساتھ دعائے مغفرت کی کمی نہین، میرا مقصود ایک اور شہر ہے جو ایک وقت مین اپنا آپ ہی نظیر تھا، اگر تھا تو ایک فردوس ہی اس کے مثیل تھا وہ مٹ گیا اور اسپانون ہی کے ہاتھون مٹ گیا، اس کی مری مٹی پر کسی اپنے کا گذر نہین، نہ کسی اپنے کا خیال ہی اس تک پہونچتا ہے کہ اُس کے لیے کوئی دستِ دعا ہی اُٹھادے، اس کی خاک پاک پر اگر کسی کا قدم پہونچتا ہی تو دشمن کا جو اس کی پامالی پر شاد و خرم ہے، وہ شہر ہے مدینۃ الزہرا جو ملک اندلس (اسپین) مین خاک کے برابر ہوگیا (مین نے دانستہ، تودۂ خاک نہین کہا کیونکہ حقیقت مین اس کے تودے بھی نہین ہین،

اگر روز روز کی گلگشت سے آپ سیر ہوچکے ہین، اور تماشائے گل و ریاحین مین آپ کو کوئی نئی چیز نظر آئے تو آیئے آج اس ویرانہ کی طرف چلیے، یہان آپ کی دلچسپی کا نیا سامان ہے اور آپ کی دلبستگی کا نیا مشغلہ،

مدینۃ الزہرا، روضۂ میدان ہے کہ جس کی بنا عجوبۃ الدہر تھی، یقین کیجیے کہ جب سے خدائے تعالے نے اس عالم کون و فساد کو پیدا کیا ہے کسی فرد بشر کو اس جیسی بنا کا خیال نہین آیا اور جب سے مادر گیتی نے

عقول انسانی پیدا کی ہیں کسی انجینیر کے ذہن میں وہ نقشہ نہیں آیا جو اس شہر کا تھا۔ ....."[1]

مدینۃ الزہرا مرحوم قرطبہ کے حوالی میں تھا، قرطبہ خود اپنے علم و تمول وغیرہ کی وجہ سے کچھ کم قابلِ شہرت نہ تھا، مدینۃ الزہرا اس کی مزید شہرت کا باعث ہوا ایک شاعر کہتا ہے

بادبعتہ فاقت الامصار قرطبہ منھن قفل[1] الوادی وجامعھا[2]

قرطبہ چار چیزوں سے تمام شہروں پر فوقیت لے گیا ہے ان میں سے ایک اسکا پل ہے دوسری جامع مسجد

ہا ثانی اثنتانِ والزھراء[3] ثالثۃ والعلم[4] اعظم شئی وھو رابعھا

تیسری زہرا اور چوتھی چیز اس کا فضل و کمال ہے جو سب سے بلند رتبہ ہے

عبدالرحمن الداخل کے سپوت افتخار الدین والدنیا عبدالرحمن ثالث کا زمانہ باسعادت ہے، بغداد کی خلافت عباسیہ اس حالت تک پہونچ چکی ہے کہ حامۂ مسلمین کی حمایت وحفاظت تو اس سے بہت دور ہے، وہ خود اپنی ہستی کے بچانے کی بھی فکر نہیں کرسکتی خلیفۂ بغداد ایک تکیہ کا سجادہ نشین یا شاہِ شطرنج ہے، خلافت کا آخری سانس ہے کہ چل رہا ہے یہ حالت دیکھ کر اس شیرِ نیستان اسلام کا دل مسلمانوں کی حالتِ زار پر بھر آتا ہے پہلے خود استخارہ مسنونہ کرتا ہے پھر عقلاء و علمائے قرطبہ بلکہ تمامی اندلس سے مشورہ کرتا ہے اور سب کو متفق اللفظ پاکر ۳۱۶ھ میں خود اپنے لیے "امیر المومنین" کا لقب اور "الناصر لدین اللہ" کا خطاب اختیار کرتا ہے حقیقت یہ ہے کہ قسامِ ازل نے یہ خطاب یوم الست سے اسی شخص کے لیے مخصوص و محفوظ رکھا تھا، اُس کے قدوم سے تختِ خلافت مغربی کو سرفراز ہوئے چند ہی روز ہوئے تھے کہ دشمنانِ اسلام مقہور و پامال ہوجاتے ہیں تاریخ تخت نشینی سے

---

[1] تاریخ اندلس مصنفہ ضیا پاشا، ص ۱۲۴

[2] لکل امۃ اجل، اذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون (۱۶ اف) ہر قوم کے لیے ایک مدت مقرر ہے جب ان کی مدت مقررہ آجاتی ہے تو وہ ایک گھنٹہ کا آگا پیچھا نہیں کرسکتے،

پچیسویں اور تاریخ خلافت کے پانچویں برس ان کی ایک کنیز نہایت بیش قرار دولت چھوڑکر داعی اجل کو لبیک کہتی ہے اور آخری دم یہ وصیت کرجاتی ہے کہ جو کچھ میری ملکیت ہے اُس سے مسلمان قیدیون کا زرِفدیہ دیکر سب کو چھڑا لیا جائے، تجہیز وتکفین سے فارغ ہوتے ہی امیرالمومنین تمام ملک محروسہ سے تحقیقات کرتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مسلمان کہین کسی عیسائی کے قید مین نہین ہے، البتہ عیسائی بہت سے قید ہین اس پر خلیفہ شکرِ نعمت الٰہی بجالاتے ہین[1]، لیکن تازہ فکر یہ پیدا ہوتی ہے کہ آخر یہ دولت کس طرح خرچ کی جائے، یہ وہ زمانہ ہے کہ امیرالمومنین اور اُن کے ساتھ تمام ارکین سلطنت کو عمارتین بنوانے اور اپنی یادگارین چھوڑنے کا بہت شوق ہے[2]، امیرالمومنین کی حرم زہرا اس دولت کا مصرف یہ بتلاتی ہین کہ ایک شہر میرے نام پر بسا دیا جائے، اور اس کو میرے لیے مخصوص کردیا جائے[3]، یہ رائے امیرالمومنین کو اس لیے پسند آئی کہ ایک تو اُن کا شوقِ عمارت پورا ہوتا ہے، دوسرے اُن کی چہیتی بیوی کی فرمایش پوری ہوتی ہے،

یہ ہے مدینۃ الزہرا کی بنا کا قصہ،

مرحوم قرطبہ کے شمال کی جانب شہر سے ایک طرف تین میل اور دوسری طرف سات میل کے فاصلہ پر جبل العروس کے قریب ہی کا میدان اس شہر کے لیے انتخاب کیا گیا خصوصاً اس لیے کہ آبین دریائے وادی الکبیر بہتا تھا، اسی دریا کے کنارے مدینۃ الزہرا کی بنا ڈالی گئی، اسکی قسمت مین حضرت امیرالمومنین الناصر لدین اللہ کا

---

[1] محاضرۃ الابرار ۲ قاضی سعید بن منذر نے ایک دوسرے موقع پر امیرالمومنین کو ان کے انہماک عمارت پر وعظ کہا تو امیرالمومنین نے جواب دیا،

هم الملوك اذا اراد وا ذكرها ... من بعدهم فباكس الانسان

بادشاہ لوگ اپنے بعد جب اپنی ہمتون کی شہرت چاہتے ہین تو عمارتون کی زبانون سے چاہتے ہین

او ما ترى الرسين قد بقيا وكم ... سلبت محاسنه حوادث الازمان

کیا تم نہین دیکھتے کہ دونون رسم باقی رہ گئے ہین اور کتنے بادشاہون کو حوادثات زمانہ نے مٹا دیا ہے

ان البنا ء اذا تعاظم شانه ... اضحى يدل على عظيم الشان

عمارتین جب عظیم الشان ہوجاتی ہین، تو عظمت وشان پر دلالت کرنے لگتی ہین، ۱۲ فتح الطیب،

دارالخلافہ ہونا لکھا تھا، اسی سعادت کی بدولت اس کو اتنی رونق ہوئی کہ باوجود کئی میل کی دوری کے (۳ میل یا ۷ میل) جو شخص قرطبہ سے رات کو مدینۃ الزہرا جاتا وہ دونوں کی میونسپلٹی[1] کے چراغوں ہی کی روشنی مین ایک جگہ سے دوسری جگہ پہونچ جاتا،

مدینۃ الزہرا کی آبادی کے متعلق امیرالمومنین کو جو دلچسپی تھی اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اُنھون نے کسی اور شخص پر اس معاملہ مین اعتماد نہین کیا بلکہ خود اپنے ولیعہد شاہزادہ الحکم کو مدینۃ الزہرا کی نگرانی پر متعین کیا اور اُن کو ہر چیز کا ذمہ دار قرار دیا، ممکن ہے کہ یہی وجہ ہو کہ امیرالمومنین الحکم (المستنصر) خلافت کے بعد اسی شہر مین رہے اور اس مین اپنے زمانہ مین بہت کچھ اضافے کیے،

عبداللہ بن یونس اور علی بن جعفر الاسکندرانی جیسے جلیل القدر انجنیرون کو قرطاجنہ افریقیہ تونس وغیرہ سے پتھر لانے پر مقرر کیا گیا، صرف یہی نہین کہ ان کو تنخواہ ہی دی جاتی ہو بلکہ ہر پتھر پر جو وہ پسند کرکے بہم پہونچاتے تھے اُن کو تین دینار اور ہر ستون پر آٹھ دینار انعام ملتا تھا، فریقیہ سے ۱۳۰۰ اور روم سے ۱۹ ستون آئے، بادشاہ قسطنطنیہ نے ۴۰ ستون بہم پہونچائے، ترکونہ (واقعہ سپین) سے جو ہزارون ستون اور پتھر آئے، وہ ان کے علاوہ ہین، تمام عمارات مین ۴۳۱۶ چھوٹے بڑے ستون لگائے گئے، عمارت قصر مین ۱۵۱۳ دروازے تھے، یہ صرف وہ دروازے ہین جن پر لوہا اور سونا چڑھا ہوا تھا، اس مین جو پتھر خرچ ہوا اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ باوجودیکہ تعمیر برسون جاری رہی، مگر ہر روز چھ ہزار پختہ تراشیدہ اور جلا کردہ پتھر خرچ ہوتے تھے،

---

[1] مین نے میونسپلٹی غلط نہین کہا، قرطبہ (و دیگر امصار اندلس مین بھی؟) محکمۂ صفائی تھا اور اس کے ذمہ نہ صرف روشنی بلکہ صفائی بھی تھی، اسٹرابو لکھتے ہین کہ جن دنون قرطبہ مین ایک محکمہ اس کام کے لیے علحدہ تھا، اسی زمانہ مین پیرس اور لنڈن جیسے شہرون مین اکثر اشخاص سور پال لیتے تھے اور ہر شش ماہی یا سہ ماہی کے بعد ایک ایک علاقہ شہر مین یہ سور چھوڑ دیے جاتے تھے، وہی تمام گندگی کو چر جاتے تھے، میری رائے ناقص مین یہ امر کچھ قابل فخر نہین ہے کہ ہمارے اجداد کیسے ترقی یافتہ تھے، قابل عبرت تو بات یہ ہے کہ ہم نے کہان سے کہان رجعت کی، اور غیرون نے کتنی ترقی کی، تفصیل کے لیے میری اخبار الاندلس ملاحظہ فرمائیے،

اس تعداد مین وہ پتھر شامل نہین ہین جو فرش مین لگے، ہر روز ۱۴۰۰ پتھر کام کرتے تھے، اُن مین سے چار سو پتھر امیرالمومنین کے تھے اور ہزار پتھر کرایے کے تھے، ان کو ۳ مثقال (۹)، ماہانہ کرایہ ملتا تھا، ہر قمیر کے ۱۱۰۰ بوجھ (۹) چونے کے لگ جاتے تھے، مزدوردن کی مزدوری پر تین لاکھ دینار سالانہ خرچ ہوئے، اس سے کچھ اندازہ ہوسکتا ہے کہ کتنے مزدور وہان کام کرتے ہون گے (مزدوری کا حساب آج کل کی بڑھی ہوئی مزدوری سے نہین لگانا چاہیے)،

مدینۃ الزہراء کے متعلق دو حمام تھے، ایک تو قصر کے اندر خاندان شاہی کے لیے مخصوص تھا، دوسرا عام باشندگان مدینہ کیلیے، پینے کے پانی کے لیے پہاڑ سے ایک نہر نکالی گئی تھی جو خود عجیب وغریب چیز تھی، اس کو پہاڑ پر سے اُتارنے اور مدینۃ الزہراء مین لانے کے لیے بڑے بڑے ستون قائم کیے گئے تھے، اور اُن پر سے پانی کو صنعت محکمہ اور تدابیر عجیبہ سے ایک بہت بڑے حوض تک پہنچایا گیا تھا، اس حوض پر ایک بہت بڑا مہیب شیر تھا اور اسپر سونا چڑھا ہوا تھا اور آنکھین قیمتی جوہر کی تھین، نہر پہلے اس شہر کے پیٹ مین داخل ہوتی تھی اور پھر اس کے مُنھ سے حوض مین گرتی تھی، اور یہین سے پانی تمام شہر مین تقسیم ہوتا تھا، یہ حوض خود ایسی عجوبہ چیز تھی کہ آدمی اس کو دیکھ کر مبہوت رہ جاتے تھے، سیاحون کا قول ہے کہ اُن کی نظر سے نہ کہین ایسا حوض گذرا، نہ ایسا شیر، نہ یہ انتظام آب رسانی زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ باوجود پہاڑ کی بُعد مسافت قیام ستون وغیرہ وغیرہ کے یہ نہر صرف چودہ ماہ مین تیار ہوکر پانی دینے لگی، بروز پنجشنبہ ماہ جمادی الآخر یہ نہر جاری کی گئی اس روز امیرالمومنین نے ایک دربار عام کیا، دعوت عام دی گئی اور انجینیرون، نیز دیگر عملۂ نہر کو بیش قرار صلے عطا فرمائے گئے،

اس حوض کے علاوہ دو حوض اور بھی تھے، ان مین سے ایک بڑا تھا اور دوسرا چھوٹا، بڑا حوض احمد یونانی اسقف ربیع کی معیت مین، جو ایلیاس سے قرطبہ آئے تھے، قسطنطنیہ سے لے کر آئے تھے، یہ بھی نہایت عجیب وغریب شکل کا نہایت بیش قیمت حوض تھا، یہ تمام منقش تھا اور اُس پر سونے کا کام تھا،

دوسرا چھوٹا حوض بھی احمد یونانی شام سے لائے تھے (ایک قول یہ بھی ہے کہ اسقف ربیع کے ساتھ یہ حوض قسطنطنیہ ہی سے آیا تھا)، بہرحال یہ بھی منقش ومطلا ہی تھا، اس پر آدمیوں کی تصاویر تھیں اور فرط غرابت وکمال وجمال سے اس کی قیمت اتنی تھی کہ جس کا اندازہ کسی طرح نہیں لگ سکتا تھا، اس کو امیرالمومنین نے اُس خوابگاہ میں لگوایا تھا، جو قصر میں شرق کی طرف تھا اور "مونس" کہلاتا تھا، قرطبہ میں آیا تو یہاں کی دارالصناعہ میں اس پر "مطلا اور مرصع بدر نفیس غالی القیمت" مجسمے نصب کیے گئے، ایک شیر کا مجسمہ تھا اسکے برابر ہرن پھر گینڈا، مقابل کی سمت میں سانپ تھے، عقاب اور ہاتھی، کونوں پر کبوتر، شاہین، مور، مرغ اور گدھ یہ سب سونے کے تھے اور مرصع بجواہر نفیسہ، ان سب کے مونہوں سے پانی نکلتا تھا،

الزہراء جو مسجد امیرالمومنین الناصر لدین اللہ نے اپنے اہتمام سے بنوائی تھی وہ بھی نادرۂ روزگار تھی[1]، اس کی تعمیر پر بقول ابن فرضی ہزار آدمی متعین تھے، تین سو[2] سوراخ، دو سو[3] بڑھئی اور پانچ سو[4] مزدور، اس میں پانچ دالان نہایت عجیب الصنعۃ تھے، مقصورہ کو چھوڑ کر امام کے کھڑے ہونے کی جگہ سے اس کا عرض ۳۰ گز تھا اور میانی دالان کا عرض شرقاً غرباً ۱۳ گز تھا، باقی چار دالانوں کا ۱۲ گز، کھلے صحن کا طول ۴۳ گز اور عرض شرقاً غرباً ۴۱ گز، مسجد میں رخام کا فرش تھا اور درمیان صحن میں ایک فوارہ تھا جس سے پانی جاری رہتا

[1] یہ مسجد وہ جامع مسجد نہیں ہے جس کو امیر عبدالرحمن الداخل نے شروع کیا تھا اور ہر امیر اور امیرالمومنین اس میں کچھ نہ کچھ اضافہ کرتے تھے، کسی شاعر کے چار مصرعے جو میں اوپر کہیں لکھ آیا ہوں ان میں جس مسجد کا ذکر ہے وہ یہی الداخلؒ کی مسجد ہے، یہ مسجد اب تک قرطبہ میں باقی ہے، اور مسلمانوں کی بے غیرتی وبے حمیتی کو اب تک رو رہی ہے، عندلیبانِ اسلام اس پر جتنا بھی فخر کریں بجا ہے، اس کی تعریف میں سیکڑوں قصیدے لکھے گئے، میں وحیہ بن محمد البلوی کے تین شعر نقل کرتا ہوں،

وانفق فی دین الالٰہ وجهه ثمانین الفا من لجین وعسجد

خدا کے دین اور اس کی ذات تک اسی ہزار سونا چاندی یعنی درہم ودینار صرف کیا

وتوزعها فی مسجد الله انفقی ومنهجه دین النبی محمد

اور اس کو ایسی مسجد پر صرف کیا جس کی بنیاد تقوی پر تھی اور اس کا طریقہ محمد پیغمبر کا دین تھا،

تری الذهب النادی فوق سموکه یلوح کبرق العارض المتوقد

آتشین سونا اس کی چھتوں پر بجلی کی طرح تم کو چمکتا نظر آئے گا،

[2] [3] [4] کسی کتاب میں یہ تعداد نہیں دیکھی، نہ کسی نے اس پر اعتراض کیا ہے

تھا اُس مسجد کے لیے منبر نہایت عجیب و غریب بنوایا گیا تھا، اُسی کے گرد ایک مقصورہ تھا،
تکمیل مسجد کے بعد ۲۳ شعبان ۳۱۹ھ کو یہ منبر اپنے مقام پر نصب کیا گیا، لطف یہ ہے کہ اتنی بڑی
عجیب و غریب مسجد کل ۸۴ دنون مین تیار ہوگئی، پہلی جماعت نماز مغرب کی تھی جو جمعہ کی رات کو با امامت
قاضی ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن ابی عیسی ہوئی، دوسرے روز جمعہ تھا، امیر المومنین نے اُن ہی امام کے
پیچھے جمعہ پڑھا،

مدینۃ الزہراء کی جلالت و فخامت پر ایک تاجر سیاح متفق تھا اور سب کا قول تھا کہ ممالک اسلام و کفر مین
ایسا شہر نہین دیکھا گیا، ایک مؤرخ کی زبان سے اس شہر کو دیکھ کر یہ کلمات نکل گئے :-

فسبحان الذی اقدر هذا المخلوق الضعیف علی ابداعها واختراعها من اجزاء الارض
پاک ہے وہ ذات جس نے اس ضعیف مخلوق کو زمین کے کیمیاوی اجزاء سے اسکے ایجاد و اختراع کی قدرت عطا فرمائی،
المتحلیة کیمیا لیری الغافلین عنه من عباده متمثلا لما اعده لاهل السعادة فی دار المقامة التی تسلط
تاکہ اُن بندون کو جو اُس سے غافل ہین اس چیز کی مثال دکھائے جو اس نے اہل سعادت کے لیے رہنے کی جگہ مہیا کی ہے
علیها الفناء ولا یحتاج الی الرمم الا الله الا هو المنفرد بالکرم
جس پر فنا کا تسلط ہونا نہ وہ محتاج مرمت ہوتی صرف خدا ہی کے کرم کے ساتھ مخصوص ہے، دوسرا نہین،

مین دانستہ الزہراء کے باغات، اُن کی روشون اور فرشون، قصر کے نقوش و تماثیل اور سونے چاندی کا
ذکر تفصیل کے ساتھ نہین کرتا، کیونکہ اس سے بہت طول ہو جائیگا، مختصر یہ ہے کہ اس کے بانی وہ شخص تھے کہ جنکو
عمارات سے خاص ذوق تھا، مشہور تھا کہ ان کے جیسا نقشۂ عمارت کوئی نہین بنا سکتا، اس پر دنیا کے بہترین
انجینیرون اور صناعون کے دماغ خرچ ہوے تھے ان کو جو انہماک الزہراء سے تھا اس کا اندازہ اس سے
ہو سکتا ہے کہ متواتر تین جمعون کی نمازین وہ جامع مسجد مین نہین پہونچے، چوتھے جمعہ مین شامل ہوے تو قاضی
منذر بن سعید نے جو جامع مسجد کے امام تھے، اُن کو تنبیہ کرنا چاہی، چنانچہ شروع خطبہ اُنھون نے

أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ وَجَنَّاتٍ وَعُيُونٍ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ (الشعراء ع ۷)

کیا ہر چھت مین تم لوگ ایک نشانی کھیلنے کیلئے بناتے ہو اور عمارتین تیار کرتے ہو کہ ہمیشہ اس مین رہوگے اور جب تم گرفت کرتے ہو تو ظالم گرفت کرتے ہو تو خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور اس سے ڈرو جس نے تم کو اس چیز سے مدد دی جسکو تم جانتے ہو تم کو چارپایون اور بیٹون باغون اور نہرون سے مدد دی مجھے تمھاری نسبت بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے

پھر عمارتون کی پختگی اور ان کی اینٹون مین استغراق اور اسراف کا ذکر کیا اور اس کے ساتھ ہی یہ آیات پڑھین

أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَى تَقْوَى مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَمْ مَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (توبہ ۱۲)

کیا جس شخص نے اپنی عمارت کی بنیاد خدا کے تقوی اور رضامندی پر رکھی بہتر ہے یا وہ شخص جس نے اپنی بنیاد ہلاک کے کنارہ پر رکھی پھر اسکے ساتھ دوزخ کی آگ مین گر پڑا خدا ظالم قوم کو ہدایت نہین دیتا انھون نے جو عمارت بنائی وہ ان کے دل مین پھانس بنکر کھٹکتی رہیگی مگر یہ کہ ان کے دل ٹکڑے ہو جائین خدا جاننے والا اور حکمت والا ہے (توبہ ۱۲)

اس کے بعد وہ زجر و توبیخ کی کہ نہ رعب سلطانی کا خیال نہ رکھا نہ سیاست خلافت کا لحاظ یہ سب کچھ کہنے کے بعد یہ بھی کہہ گئے کہ[1]:-

[1] ایک قول یہ بھی ہے کہ قاضی مندر نے یہ رباعی ایک اور موقع پر امیرالمومنین کے سامنے پڑھی تھی اور لفظ "مذبل" سخت ناگوار ہوا تھا اور اسمین دونون صاحبون مین کچھ ردوقدح بھی ہوئی تھی بہرحال یہ پہلا اور آخری موقع نہ تھا کہ امیرالمومنین کو قاضی صاحب نے دھمکایا ہو ایک اور پسپ واقعہ یہ ہے کہ امیرالمومنین نے مسجد کی چھت مین سونے چاندی کی اینٹین لگوا کر شیشہ سے کام کرانا چاہا تھا قاضی مندر کو اسکی اطلاع ہوئی تو انھون نے امیرالمومنین سے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے آپ کو اتنی دولت دیکر آپ کو بھکارا رکھا ہے آخر آپ پر خدائے تعالی کا بھی تو فضل ہے آپ کیون کافرون کی منزل تک پہونچے جاتے ہین (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر دیکھیے)

یا بانی الزہراء مستغرقاً اوقاتہ فیہا اما تمہل

اے زہراء کے بانی جو اپنے تمام اوقات کو اس میں صرف کرتا ہو کیا تجھ کو مہلت دیجائیگی

للہ ما احسنا رونقاً لو لم تکن زہرتہا تذبل

وہ کس قدر پُر رونق تھا اگر اس کی کلی مرجھا نہ جاتی

یہ اور اس قسم کے الفاظ اگر کسی معمولی آدمی کو کہے جاتے تو اس کو ناگوار ہوتے چہ جائیکہ خود امیرالمومنین کو مخاطب کرکے ہزارہا مسلمانوں کے مجمع میں بون سختی کے ساتھ کہے جائیں، اس لیے نماز سے سخت کبیدہ خاطر آئے اور قسم کھائی کہ قاضی منذر کے پیچھے نماز نہیں پڑھوں گا، بلکہ احمد بن مطرف صاحب الصلاۃ قرطبہ کو اپنی امامت کے لیے مقرر کرلیا، اپنے ولیعہد سے قاضی منذر کی اس ناگوار تقریر کا ذکر کیا، اُنھوں نے قاضی صاحب کو معزول کرنے کی رائے دی، امیرالمومنین برافروختہ ہوگئے اور کہا کہ تیری ماں زندہ نہ رہے، کیا تو منذر جیسے آدمی کو معزول کراتا ہے جو اپنے فضل و ورع و علم و حلم میں یدِ ثانی نہیں رکھتا، یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ معزول کردیے جائیں مجھے شرم آتی ہے کہ میں خدا کے سامنے ایسی حالت میں جاؤں کہ منذر میری نمازِ جمعہ کا گواہ ہو، مجھے اپنی قسم کا کفارہ دینا آسان ہے، میں اور وہ جب تک زندہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) امیرالمومنین یہ تقریر سن کر غصے سے کانپ اُٹھے اور قاضی صاحب سے کہا کہ آپ کو کچھ بھی لحاظ آتا ہے کہ آپ مجھے کافروں میں شامل کیے دیتے ہیں، قاضی صاحب نے کہا میں صحیح کہتا ہوں کیا خدائے تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ

لَوْلَا اَنْ یَّکُوْنَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً لَّجَعَلْنَا مَنْ یَّکْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِہِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّۃٍ وَّمَعَارِجَ عَلَیْہَا یَظْہَرُوْنَ وَلِبُیُوْتِہِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَیْہَا یَتَّکِئُوْنَ (زخرف ۳)

اور یہ اگر نہ ہوتا کہ لوگ ایک امت ہوجاتے تو جو لوگ خدا کے ساتھ کفر کرتے ہیں ہم اُن کی چھتیں چاندی کی بناتے اور سیڑھیاں جن پر وہ چڑھتے اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت بناتے جن پر وہ ٹیک لگاتے،

یہ سُنکر امیرالمومنین نے اپنا سر جھکا لیا اور روپڑے تھوڑی دیر کے بعد کہا کہ قاضی صاحب خدائے تعالیٰ آپ کو ہماری اور مسلمانوں اور دین کی طرف سے جزائے خیر دے اور عطا کرے کہ آپ جیسے آدمی دنیا میں زیادہ پیدا ہوں، آپ نے جو کچھ کہا سچ کہا اُنھوں نے اسی وقت حکم دیا کہ یہ ٹیٹیں اور شیشے مسجد میں نہ خرچ کیے جائیں (اس قصہ کے الفاظ میرے ہیں)

ہین ہین متقدی اور وہ امام رہین گے . . . . . ،،

یہ واقعہ مدینۃ الزہرا کے ذکر مین کچھ غیر متعلق سا معلوم ہوگا مین اس کی معافی چاہتا ہون لیکن بتانا اس کا ہی کہ وہ خلیفہ رہے وہ امام،

جب یہ قصر تیار ہوا تو اس کی یہ صورت تھی کہ پہلے ایک بہت بڑی فصیل تھی جسمین تین سو برج لڑائی کے قابل تھے، ایک بہت بڑا اور بڑی صنعت کا دروازہ تھا جو "باب مدینۃ الزہرا" کہلاتا تھا، اسمین داخل ہوتے ہی بہت بڑا خوش سواد باغ تھا، تمام اعیان مملکت اور ارکان دولت کے محلون کے درمیانے اس باغ مین کھلے ہوے تھے، اس کے بعد پھر ایک اور دروازہ ملتا تھا، جو "باب الاقبار" کہلاتا تھا، قصر مین جانے کے لیے یہی پہلا دروازہ تھا، اس کے بعد "باب السدۃ الاعظم" پڑتا تھا، اس کے سامنے ایک اور باغ کئی بارہ دری تھی جسمین از سر تا پا سونے اور شیشے کا کام تھا (ممکن ہے شیش محل ہو) اس مین بیحد صنعت گری کی گئی تھی، اس کے پردے قابل دید تھے، سنگ مرمر کے ستون اتنے نازک اور خوبصورت تھے کہ گویا کسی قالب مین ڈھلے ہوئے ہین، ان پر گلکاری اس خوبصورتی سے کی گئی تھی کہ جن کا لطف آتا تھا، اسی مین بڑا حوض تھا اور کئی چھوٹے چھوٹے حوض اور بہت سے مجسمے، سامنے دالان تھے، وہ بھی مطلا، شرفا فاخرا اور دیوانخانے تھے اور میدان جتنے پڑتے تھے سب کا یہی نقشہ تھا، ایک کو دوسرے سے تمیز کرنا بہت مشکل تھا، مگر بوجہ تنوع مشاہد اور اختلاف مناظر کے، جو دالان درمیانی باغ مین تھا اُسی کے وسط مین زرکار تخت تھا، اس کے علاوہ مشرقی دالان مین ایک اور تخت تھا، یہی شرقی دالان "سونس" کہلاتا تھا اور اسی مین خوابگاہ تھی، اسی مین وہ حوض تھا جس کا اوپر ذکر آچکا ہے، اسی احاطہ مین ایک اور دیوانخانہ تھا جو قصر الخلافۃ کہلاتا تھا، اسکی چھت مضبوط سنگ رخام کی تھی اور اُس پر سونا چڑھا ہوا تھا، اسی کے درمیان مین وہ قبہ تھا جس کو الیون بادشاہ قسطنطنیہ نے بطور تحفہ کے بیش گاہ خلافت مین بھیجا تھا، اس قصر مین جتنی پچی کاری تھی وہ سب سونے چاندی کی تھی، اس کے عین وسط مین بہت بڑا حوض تھا جس کے اندر پارہ بھرا ہوا تھا، حوض پر ایک نم گنبد کسا رہتا تھا، جس کی چوبین ہاتھی دانت اور آبنوس کی مرصع بجواہر تھین، اس دیوانخانہ کے آٹھ دروازے

تھے، اور ہر دروازے سے دھوپ آتی تھی، جب امیرالمومنین کسی کو مرعوب کرنا چاہتے تھے تو کسی کو حکم دیتے تھے کہ وہ نیچے اتر کر پارے کو ہلا دیتا تھا، دھوپ میں اس کا عکس پڑکر آنکھوں کو خیرہ کر دیتا تھا، اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ تمام دیوانخانہ ہل رہا ہے اور سب کو لیکر اڑ جائے گا،

حرم (زنانہ) کے مکانات الگ تھے، وہ سب مردانہ سے بھی زیادہ منقش و مطلا و مرصع تھے، ایک بات یہ عجیب معلوم ہوتی ہے کہ امیرالمومنین کی حرم زہرار کی تصویر حرم کے بیرونی دروازہ پر منقوش (یا نصب) تھی، امیرالمومنین نے ایک شخص کو اس تمام قصر کی سیر کرائی، اس نے ازراہ گستاخی یہ کہہ دیا کہ زہرار کی تصویر کے جبل عروس کے پاس ہونے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا زہرار ایک دیوزاد کے قبضے میں ہے اور وہ اس کو لے کر بھاگنے والا ہے، امیرالمومنین پر اس طنز کا ایسا اثر ہوا کہ انھوں نے حکم دیا کہ پہاڑ اکھاڑ کر پھینک دیا جائے، چنانچہ یہ کام شروع ہوگیا، مگر اکثر ارباب سلطنت نے بمشکل تمام امیرالمومنین کو اس سے باز رکھا، ایک مؤرخ کہتا ہے کہ الناصر لدین اللہ کی ہمت کے سامنے یہ کچھ بڑا کام نہیں ہے کہ اتنے بڑے پہاڑ کا وجود ہی مٹا دیتے، یہ ضرور ہوا کہ اس پہاڑ کا نام جبل عروس پڑ گیا[1]، اسی میں فردوس احاطہ میں ایک قید خانہ تھا جسکو "مطبق" کہتے تھے،

نہروں اور حوضوں میں جو مختلف قسم کی مچھلیاں تھیں ان کو ہر روز بارہ ہزار روٹیاں اور چھ قفیز چنے دیے جاتے تھے، جو مرد یہاں رہتے تھے اُن کی تعداد ۷۰۵۰ تھی، ۶۳۱۴ عورتیں، ۳۷۰۷ لڑکے ان کے علاوہ تھے، تیرہ ہزار رطل (پونڈ) گوشت روزانہ خرچ ہوتا تھا، اس وزن میں مچھلی مرغ اور دیگر طیور کا گوشت شامل نہیں ہے، یہ تمام آدمی صرف محل شاہی سے متعلق تھے اور امیرالمومنین اور حرم شاہی کے خدمتگذار و جان نثار، ارکین سلطنت کے خادموں کی تعداد کہیں نہیں ملتی،

قصر کی تیاری اور آبادی کے بعد حکومت کی طرف سے بہ آواز دہل اعلان ہوا کہ عوام الناس میں سے جو لوگ احاطۂ مدینۃ الزہرار میں مکانات بنائیں اُن کو حکومت سے چار سو دینار عطیہ ملیگا، اس طرح وہاں کی

[1] مجھے باوجود تلاش یہ پتہ نہیں لگا کہ پہلے اس پہاڑ کو کیا کہتے تھے، اسی لیے شروع سے اس کو جبل عروس کہتا آرہا ہوں،

آبادی خوب بڑھ گئی، بازار اور حمام کھل گئے، مساجد بن گئین اور ہر قسم کی ضروریات وہین بہم پہونچنے لگین، یہ نہین سمجھنا چاہیے کہ اس سے قرطبہ کی مردم شماری مین کوئی کمی ہوئی، وہان کی آبادی جون کی تون رہی اور یہ شہر نیا بس گیا،

قصر کی عمارت کے اندر ہی امیرالمومنین المستنصر (الحکم) کا وہ مشہور عالم کتب خانہ تھا جس کا ذکر اب بھی کتابون مین پڑھ کر ہر شخص نقش حیرت بنکر رہ جاتا ہے، اس کتب خانہ کی عظمت اس سے معلوم ہوتی ہے کہ باوجودیکہ اس زمانہ مین چھاپہ خانہ نہ تھا اور کتابون کی قیمت بیحد تھی مگر جتنے دیوان اس مین تھے انکی فہرست ۴۴ جلدون مین تھی اور ہر جلد کے کم از کم ۲۰ ورق تھے، تمام ممالک مین آدمی تعینات تھے کہ جو کتاب نئی نکلے وہ سب سے پہلے قصر الزہرا مین پہونچ جائے، چنانچہ ابوالفرج نے جب اپنی کتاب الاغانی لکھی تو اس کی اشاعت مشرق سے پہلے مغرب مین ہوئی (یا شاید ایک ہی ساتھ) کتابون کی تعداد کئی لاکھ تھی اور ہر کتاب پر امیرالمومنین المستنصر کا کوئی نہ کوئی نوٹ ضرور تھا، یہان یہ عرض کرنا شاید بے محل نہوگا کہ اس زمانہ مین یورپ مین کتابون کا جو قحط تھا اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ پیٹرارکی (جس کو استف پیرس جب صلیبی لڑائی پر جانے لگے ہین تو انھون نے اپنا بہت بڑا کتب خانہ جسمین اٹھارہ کتابین تھین سینٹ وکٹر کے دیر کو نذر کیا تھا، اس زمانہ مین یہ ہدیہ اتنا بیش قیمت تھا ایک بادشاہ کا زرفدیہ ہوسکتا تھا، اس خاص موضوع پر میری کتاب اخبار الاندلس جلد سوم صفحہ ۴۶۱ یا ۴۶۲ کا مطالعہ نہایت دلچسپ ہوگا، مگر مین پھر یہی عرض کرون گا کہ اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ ہم نے کتنی رجعت کی اور اغیار اپنی ترقی مین کہان سے کہان پہونچ گئے،

جتنے بڑے بڑے دربار ہوتے تھے وہ مدینۃ الزہرا ہی مین ہوتے تھے[1] ان مین سے دربارون کی کیفیت قابل دید تھی، مگر شاید ان کی تفصیل میرے عنوان سے خارج ہے، مختصراً یہ گذارش ہے کہ ایک

[1] امیرالمومنین کی اس کثرت مطالعہ کا یہ انجام ہوا کہ آخر عمر مین ان کی نظر قریباً جاتی ہی رہی تھی،

دربار تو امیرالمومنین الناصر لدین اللہ نے قسطنطنیہ کے سفیرون کے آنے پر کیا تھا، اس مین ایک تقریر ہونے ہونے والی تھی، دربار کے رعب کا یہ عالم تھا کہ کئی صاحبون نے تقریر کو شروع کیا اور وہ بیہوش ہو ہو گئے اتفاق سے ابوعلی قالی صاحب امالی یہان آئے ہوئے تھے، اُن سے بھی تقریر کے لیے کہا گیا، وہ حمد و نعت ہی ختم کر پائے تھے کہ زبان بند ہوگئی اور غش کھا کر گر گئے، دوسرا دربار امیرالمومنین المستنصر کا تھا جس مین اسپین کے ایک عیسائی بادشاہ نے رعب مین آکر اپنے آپ کو امیرالمومنین کا غلام کہا وغیرہ وغیرہ،

افسوس ہے کہ اس جنت الارض کو بہت ہی جلد نظر لگ گئی، امیرالمومنین المستنصر کے بیٹے المؤید تختِ خلافت پر تھے، اُن کے حاجب بطل اعظم محمد بن ابی عامر المنصور کا ابھی کفن میلا نہ ہوا تھا کہ حاجب مرحوم کے بیٹے نے ایک فتنہ مین نہ مدینۃ الزہرا کو چھوڑا نہ مدینۃ الزاہرہ کو جو اُن کے باپ نے بسایا تھا نہ نادر بجاماذ دنے نادری،

بڑے بڑے شعرا نے اس کے مرثیے لکھے ہین، ابن عربی کے زمانہ (سنہ ۵۶۰-۶۳۸ ہجری) تک کچھ کھنڈر باقی تھے، وہ اس مقام کی زیارت کو آئے تھے، اُنھون نے بھی ایک مرثیہ کہا جسکے چند شعر نقل کرتا ہون،

دیار بکنا ف المغیب تلمّع وما ان بھا من ساکن وھی بلقع

کچھ کھنڈر گمنامی کے اطراف مین نظر آتے ہین، اُن مین کوئی رہنے والا نہین اور چٹیل ہین

ینوح علیھا الطیر من کل جانب فیصمت احیانا وحینا یرجع

اس پر ہر طرف سے چڑیان روتی ہین، کبھی خاموش ہو جاتی ہین، کبھی بولنے لگتی ہین،

فخاطبت منھا طائرا متفردا لہ شجن فی القلب وھو مروّع

تو مین نے ان مین سے ایک چڑیا سے جو سب سے الگ تھی خطاب کیا اور اسکے دل مین غم تھا اور وہ خوفناک تھی،

فقلت علی ما ذا تنوح وتشتکی فقال علی دھر مضی لیس یرجع

مین نے کہا تو کس چیز پر روتی ہے، اُس نے کہا گذشتہ زمانہ پر جو پھر نہین لوٹے گا،

چار مصرعے اور سن لیجیے، معتمد بن عباد (۴۶۱ھ و ۴۸۴ھ) کے زمانہ تک لوگ مدینۃ الزہرا کے میدان مین بطریق سیر جایا کرتے تھے، فتح بن خاقان کہتے ہین کہ مجھ سے وزیر الفقیہ ابوالحسن بن سراج نے بیان کیا کہ ہم بھی چند آدمیون کے ساتھ وہان گئے، وہان کی سیر کی، ایک ایک چیز کو دیکھتے تھے تو دل کڑھتا تھا اور آنسو نہ رک سکتے تھے، یکایک سلطان معتمد بن عباد کا ایک آدمی آیا اور اس نے ہمارے ہاتھ مین ایک کاغذ دیا جسپر لکھا ہوا تھا کہ،

حسد القصر فیکم الزہراء ولعمری وعمرکم ما اساء

قد طلعتم بہا شموسا صباحا فاطلعوا عندنا بدورا مساء

سنتا ہون کہ یہان گورنمنٹ اسپین کی طرف سے کھدائی ہوئی ہے اور ہو رہی ہے کچھ چیزین نکلی ہین، منجملہ ان کے ایک گھوڑے کا مجسمہ ہے، ایک صاحب کو اسپین مین لکھا ہے کہ کچھ تفصیل بھیجین اور اگر اُن چیزون کی تصاویر لی گئی ہون تو وہ بھی عنایت فرمائین،

الفاروق

علامہ شبلی رح

حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت، اگرچہ سنح شدہ صورت مین معمولی کاغذ پر اس گرانبہا کتاب کے بیسیون ایڈیشن فروخت ہو رہے ہین، مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلی ایڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام و سعی بلیغ سے اس کا نیا ایڈیشن تیار کرایا ہے جو حرف بحرف نامی پریس کا بنو رکی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت، اعلی چھپائی، عمدہ کاغذ، دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مطلا ٹائیٹل ضخامت ۳۱۲ صفحے قیمت للعہ

منیجر

مرہٹہ ہیرو

از

مورخ مشہور رصدر الصدور "خافی خان"

ذی حجہ دجون، کے معارف مین آپ نے سیواجی کی بابت خیالات کا اظہار فرمایا ہے آپ نے تمنا ظاہر کی ہے کہ کاش آج کے جشن منانے والے کل کے واقعات کا تجربہ کر چکے ہوتے اس سلسلہ مین دو ہندو مورخون کی شہادتین مین پیش کرتا ہون جو مرہٹون کی کارگذاریون کے تختۂ مشق تو نہ بنے تھے مگر نتائج کے دیکھنے والے ضرور تھے، یہ معتمد شہادتین ظاہر کرین گی کہ سیواجی کے مرنے کے سوڈیڑھ سو برس بعد تک ہندوؤن کے خیالات اس ہیرو کی نسبت کیا تھے،

محولۂ بالا دو تاریخین بساط الغنائم اور تاریخ ظفرہ ہین بساط الغنائم کے مؤلف اپنے عہد کے مشہور وقائع نگار و انشا پرداز منشی بھیمی نرائن شفیق اورنگ آبادی ہین یہ نام تاریخی ہے جس سے ۱۲۰۴ھ برآمد ہوتے ہین کتاب مذکور ایک علم دوست ہندو رئیس کے نام سے معنون ہوکر ۱۳۲۲ھ مین حیدرآباد کے مطبع نظام المطابع مین چھپی ہے،

دوسری تاریخ ظفرہ ہے اس کا نام بھی تاریخی ہے لفظ ظفرہ سے سنہ تالیف برآمد ہوتے ہین جو ۱۱۸۵ھ ہین اس مؤلف کا نام لالہ گردھاری لعل ہے، اس تاریخ کے دو قلمی نسخے میری نظر سے گذرے ہین ایک شخصی ملکیت ہے دوسرا ایک کتابخانہ مین ہے جو پبلک ہے یہی نسخہ میری نظر کے سامنے ہے، ۱۲۸۱ھ مین لکھا گیا ہے،

مذکورۂ بالا دو تاریخون کا زمانۂ تالیف بتاتا ہے کہ وہ مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد لکھی گئی ہین، بساط الغنائم کی تالیف کے وقت تو انگریزی تسلط بھی نمایان طور پر قائم ہو چکا تھا چنانچہ شفیق نے ہجری

سنہ تالیف کی سنہ عیسوی سے بھی مطابقت لکھی ہی جو ۱۷۹۹ء ہے، لہذا مغلون کی خوشامد سے پاک ہے،
شفیق کا قلم متین ہے، گرد ھاری لعل اُس غیظ و غضب کو ضبط نہین کر سکتا جو اُس کے دل مین
ملک کی تباہی سے تھا، اس لیے سیواجی وغیرہ کی نسبت الفاظ بہت سخت لکھتا ہے جو ایک مؤرخ کے
قلم سے نہ نکلنے تو بہتر تھے مگر یہ بھی ہے ع کہ ناچار فریاد خیزد ز درد،
یہ دونو تاریخین صاف ظاہر کرتی ہین کہ اُن کے زمانہ تک ہندوؤن نے سیواجی کو ہیرو نہین خیال کیا تھا
حقیقت یہ ہے کہ انسان کی ظاہری اور باطنی قوتین شق اور مسلسل کام لینے سے مرتی پاتی ہین،
جن اعضا یا قوتون سے کام نہ لیا جائے وہ کمزور بلکہ بیکار ہو جاتی ہین، یہی حال وقایع نگاری و تاریخ فہمی
کا ہے، جو لوگ واقعات پر نظر رکھتے اور اُن کے ضبط و تحریر کا اہتمام رکھنے کے عادی ہوتے ہین، وہ اُس ذمہ داری کا
احساس رکھتے ہین، جو واقعات کی صحت بیان سے تعلق رکھتی ہے، واقعہ نگاری اور اُسکی صحت اُن کے
نزدیک ایک واجب التعمیل فرض ہوتا ہے، تاریخ سے بے پروائی یا غلط بیانی کو وہ جرم خیال کرتے
ہین، اس اہتمام کا نتیجہ حقیقت سنجی اور حق جوئی ہوتا ہے، اس کے برخلاف جو لوگ وقایع نگاری کے عادی نہین
اور جنھون نے واقعاتِ عالم کو اس قابل نہین سمجھا کہ ان کی حفاظت کا اہتمام کیا جائے، وہ تاریخ کی اصلی
عظمت سے کبھی واقف نہین ہو سکتے، اور افسانے اور واقعہ مین امتیاز اُن کے لیے دشوار ہوگا، ہندو لٹریچر مین
تاریخی عنصر کی نایابی مسلم ہے، جو تاریخین ہندوؤن نے گذشتہ دور مین لکھین وہ عہدِ اسلامی مین لکھی گئین، اسکو
فیضِ صحبت خیال کرنا بیجا نہوگا، اسی بے پروائی کا نتیجہ ہے کہ آج کی مرہٹون کی ہندو تاریخ اُس تاریخ
سے مختلف ہے جو سو یا ڈیڑھ سو برس پہلے خود ہندوؤن نے لکھی تھی،
جو ہستیان آج حقیقت یا ہیرو مانی جاتی ہین وہ کل یا افسانہ تھین یا قزاق فارتگر،
اب اصل شہادتین ملاحظہ ہون،
بساط الغنائم | دیباچہ مین مؤلف نے لکھا ہے کہ مرہٹون کے کارنامے لوگ بھولتے جاتے ہین، حالانکہ یاد رکھنے کے

لایق ہین، مسلمان مؤرخ تعصب سے ان کی نسبت نامناسب الفاظ استعمال کرتے ہین، حالانکہ یہ ارشاد نبوی کے خلاف ہے، اس لیے مین چاہتا ہون کہ صحیح حالات قلمبند کردون، اس کتاب مین مرہٹون کے متعلق جو حالات ہین وہ بجنسہٖ اُس تاریخ کا ترجمہ ہین جو پونہ مین مرہٹی زبان مین لکھی گئی ہے،

اب اس کتاب کی اصل عبارت مین واقعات سنیئے،

سیواجی ..... از آنجا (از رائے گڈھ) کوچیدہ و برجالنا پور کہ بست کروہا

سیواجی نے اس جگہ (رائے گڈھ) سے کوچ کرکے جالنا پور کہ اورنگ آباد سے ۶۰ کوس پر اورنگ آباد جانب مشرق واقع شدہ دویدہ دست تاراج کشاد چون تکیہ جان اللہ شاہ شرق کی جانب واقع ہے، دھاوا مار کر غارتگری شروع کی، چونکہ جان اللہ شاہ جو کہ کہ از کاملان زمانہ بود آبرد بخش آبادی ست مردم آبادی آن مکان را مامن و پناہ دانستہ کاملین زمانہ سے تھے، ان کا تکیہ اس آبادی کیلئے عزت بخش تھا، وہان کے لوگ اسکو جاے پناہ سمجھکر اسمین جمع ہوگئے، دران خزیدند، سیواجی قساوت قلب را کار فرمودہ و پاس ادب نہ نمودہ ہمہ را غارت سیواجی نے سنگدلی سے کام لیکر اور اس کا پاس ادب نہ کرکے سب کو لوٹ لیا بلکہ درخون کرد بلکہ اشجار ہم بریدہ نسبت بہ شاہ مذکور بے ادبی ہا روا داشت و این حرکت موجب کو بھی کاٹ ڈالا اور شاہ صاحب مذکور کے متعلق بے ادبیان کین، اور یہ حرکت اس کے آغاز ادبار او گشت، رستم خان منصب دار بادشاہی را کہ باجمعیت جزدی تعین ادبار کا سبب بن گئی، رستم خان شاہی منصبدار کو کہ تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ جالنا پور پر متعین تھا، جالنا پور ہمان بشارت غیب شد کہ بر کمیت فوج خود نگزکردہ با سیواجی مقابل شود کہ بلاشک فتح ازان ست چنانچہ اسی رات کو غیبی بشارت ہوئی کہ اپنی فوج کی تعداد سے قطع نظر کرکے سیواجی کے ساتھ مقابلہ کرے یقیناً صباح این روز با رستم خان خود را بے باکانہ بر لشکر سیواجی زد و با وصف قلت جمعیت غالب آمد

اس کی فتح ہوگی، چنانچہ اس خواب کی صبح کو رستم خان بیجاپوری کے ساتھ سیواجی کے لشکر پر ٹوٹ پڑا، اور مردم بسیار از سیواجی با سدوجی سردار عمدہ اش بقتل رسیدند ہزیمت بر لشکرش افتاد و باوجود فوج کی کمی کے غالب آیا، سیواجی کے بہت سے آدمی اس کے بہترین سردار سدوجی کے ساتھ قتل سیواجی را پا از جادہ فرار و یارائے قیام در خود نیافتہ تا راے گڈھ باز پس ندید بالاجی طیاجی ہوئے اسکی فوج نے شکست کھائی سیواجی کے پاؤں اکھڑ گئے اور ٹھہرنے کی طاقت سلب ہوگئی اور ایسا بھاگا کہ راے گڈھ کہ برادر رنگ آباد باختہ بود و نیز از آنجا گریختہ بسیواجی ملحق شد (صفحہ ۵۵ و ۵۶)

تک پیچھے مڑکر نہ دیکھا، بالاجی اوجی بھی جنکے اور رنگ آباد پر حاوی تھا اس جگہ سے بھاگ کر سیواجی کے ساتھ ملگیا،

سیواجی کی راے برہمنوں کی نسبت یہ سننا دلچسپی سے خالی نہوگا کہ آج جو طبقہ سیواجی کی ہیرو سازی مین سب سے زیادہ بلند آہنگ ہے اُس کی نسبت خود سیواجی کی کیا راے اور روش تھی،

چون از ہمہ سو فراغش دست داد خیال برہمن شدن در سرش گرفت کیکا بھٹ را کہ جب اسکو ہر طرف سے فراغت حاصل ہوگئی تو اُس کے دماغ مین برہمن ہونے کا خیال پیدا ہوا، کیکا بھٹ کو جو از پنڈتان مشہور بنارس بود طلب داشتہ طریق عبادت برہمنان آموخت، برہمنان دیگر بزین ارادہ وقت بنارس کے مشہور پنڈتون مین تھا طلب کرکے برہمنون کا طریقۂ عبادت سیکھا، دوسرے برہمن اس ارادہ سے شدہ بھٹ مذکور را مخفی مانع آمدند سیواجی خبر یافتہ ناخوش گردید و یک قلم براہمہ را از کار واقف ہوے تو بھٹ کو مخفی طریقہ پر اس سے منع کیا سیواجی کو خبر ہوئی تو ناخوش ہوا اور یکقلم تمام برہمنون کو ملازمت وخدمت موقوف داشتہ گفت کہ این گروہ بد طینت گدا پیشہ نظر بہ بزرگ نہادی واجب الخدمتہ سے موقوف کردیا کہ یہ بدطینت گدا پیشہ گروہ اپنی ذات کی بزرگی سے واجب الخدمت ضرور ہے، لیکن البتہ اندازا زینہا توقع خیر سگالی و آقا پرستی ہیچ نیست دبجائے آنہا قوم پربھوان یعنی اس سے خیرخواہی اور آقا پرستی کی کوئی توقع نہین اور ان کی جگہ پربھوان یعنے

کایستھان را مامور نمود چند مقربان درسفارشِ برہمنان وبحالیِ تعلقات کوشید نہ پذیرفت

کایستھوں کی قوم کو مامور کیا، مقربانِ درگاہ نے اگرچہ برہمنوں کی سفارش اور بحالیِ ملازمت میں بہت کچھ

سنبھاجی سپرش نیز! طلاعِ این معنی نیلا بھ دیوان خود را کہ از قوم براہمہ بود تغییر ساختہ

کوشش کی لیکن قبول نہ ہوئی، اس کے بیٹے سنبھاجی کو بھی اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے دیوان

بجایش یک کس را مامور کردہ،

نیلا بھ کو بھی جو برہمن تھا بدل کر اس کی جگہ ایک کایستھ کو مقرر کیا،

یہاں یہ سوال شاید نتیجہ خیز ہو کہ تاریخ نے سیواجی کی راے برہمنوں کی "خیر سگالی و آقا پرستی" کی

بابت صائب ثابت کی یا غلط۔ (بساط الغنائم صفحہ ۵۵)

سیواجی کے نزدیک سعادتمندی کا معیار | سنبھاجی ..... بر بھوپال گڈھ تاخت و آن را

سنبھاجی نے بھوپال گڑھ پر حملہ کیا اور اس کو جبراً قہراً مفتوح کرکے پانچ سو قیدیوں کو

جبراً و قہراً مفتوح نمودہ پانصد اسیر را دست و پا شکستہ کشت، سیواجی خبر شہادت

ہاتھ پاؤں توڑ کر مار ڈالا، سیواجی نے لڑکے کی اس لیاقت کی خبر پائی تو ملاقات کا اشتیاق

فرزند دریافتہ مشتاق ملاقات شد و در راے گڈھ آمدہ از دیدار فرزند ارجمند ذخیرۂ خرسندی

ہوا اور راے گڈھ میں آکر لائق لڑکے کے دیدار سے مسرت اندوز ہوا اور ملاقات کے

اندوختہ وقتِ ملاقات یک پرتلہ مرصع باشمشیر و سپر بخشیدہ (بساط الغنایم صفحہ ۵۵)

وقت ایک مرصع پرتلہ تلوار اور ڈھال کے ساتھ عطا کیا،

سیواجی کی وفات کا واقعہ | در ہمین اثنا کہ از غمازان ذہن نشین سورا بائی زوجہ سیواجی

اسی اثنا میں ایک چغلخور نے سیواجی کی بی بی سورا بائی (جو راجہ رام کی ماں تھی) کے ذہن نشین

کہ مادر راجہ رام ست ساخت کہ سیواجی سنبھاجی پسر خود را کہ از زوجۂ دیگر ست میخواہد

یہ بات کی کہ یہ سیواجی اپنے لڑکے سنبھاجی کو جو دوسری بی بی سے ہے ولیعہد بنانا چاہتا ہو چنانچہ اس ولیعہد سازی، چنانچہ او را باین ارادہ از بنالا طلبیدہ است و اغلب کہ عنقریب در سدہ مختار ریاست شود زیرا کہ مذکور از ین کلمات ارادہ سے اس کو بنالا سے طلب کیا ہے، اور غالباً وہ عنقریب پہنچکر مختار ریاست ہوگا، یہ سراسیمہ شدہ زہر در طعام سیواجی انداخت تا آنکہ او قالب خاکی گذاشت (بساط الغنایم ص۵۷) عورت ان کلمات سے پریشان ہوئی اور سیواجی کے کھانے مین زہر ڈالدیا جسکو کھا کر وہ مرگیا،

دوسری تاریخ ظفرہ سے بعض انتخابات

یہ تاریخ آج سے ایک سو اکسٹھ ۱۶۱ برس پہلے اور سیواجی کی وفات کے پچانوے ۹۵ برس بعد لکھی گئی تھی، مؤلف اس کے خاتمہ مین لکھتا ہے :-

برارباب فضل وکمال ہویدا باد کہ احقر گردھاری لعل تاریخ ظفرہ از ابتداے بناے محمد نگر ارباب فضل وکمال کو معلوم ہونا چاہیے کہ کمترین گردھاری لعل نے تاریخ ظفرہ کو حیدرآباد مین محمد نگر در حیدرآباد لغایتہ حال کہ یکہزار و یکصد و ہشتاد و پنج ہجری می باشد بطریق مجمل بقلم آوردہ کی بنیاد کی ابتداسے آج تک کہ ۱۱۸۵ ہجری ہے اجمالی طور پر لکھا ہے، اگر زندگی باقی ہے تو اگر حیات باقی ست انشاء اللہ تعالی آیندہ انچہ بظہور می رسد تحریر خواہد آورد،

انشاء اللہ آیندہ بھی جو کچھ ظہور مین آئے گا وہ لکھا جائیگا،

اس تاریخ مین سیواجی اور اس کے بیٹے سنبھاجی کے متعلق جابجا جو الفاظ استعمال کیے گئے ہین وہ صاف ظاہر کرتے ہین کہ اس ہیرو کا مرتبہ مذکورہ بالا ہندو وقایع نگار کی نگاہ مین کیا تھا، رسالہ معارف کی متانت سے معافی چاہکر ہم ان الفاظ کی نقل کا (محض واقعات پر روشنی ڈالنے کی خاطر) ارتکاب کرتے ہین،

تاریخ ظفرہ کا پیرایہ بیان غالباً شفیق اورنگ آبادی کی خدمت مین مسلمان مورخون کی جانب سے یہ عذرخواہی کرسکے گا کہ مرہٹون کی نسبت سخت الفاظ استعمال کرنے کے مرتکب صرف مسلمان ہی نہین ہین ہندو مؤرخ بھی اُن کے ہمنوا ہین،

ذکر خروج سیوا و سنبھاجی وغیرہ مرہٹہ" اس عنوان میں جہاں جہاں سیواجی یا سنبھاجی کا نام آیا ہے گردھاری لعل نے سخت الفاظ کے بغیر یاد نہیں کیا، مثلاً

سیوائے ناخلف بہ نیابت پدر بدسلف دران دو پرگنہ (سوپہ و پونہ) می ماند سیوا مردود

سیوائے ناخلف اپنے بدسلف باپ کا قائم مقام ہوکر ان دونوں پرگنہ (سوپہ و پونہ) میں رہتا ہے سیوا مردود کہ در بے باکی و جلادت و مکر و حیلہ بے نظیر بود قابو یافتہ در ولایت کوکن عار تنبان انگیخت

مردود نے کہ بیباکی، بہادری اور مکر و حیلہ میں بےنظیر تھا قابو پاکر کوکن کے صوبہ میں غارتگریاں کیں،

آن شقی . . . آن غدار نابکار . . . مرزا راجہ بہ تلبیس آن ابلیس . . . آن ابلیس فن یعنی

سیوائے مقہور دور ۹۱ سنہ سیوائے لعین ہم واصل جہنم شد"

سیواجی نے جو عرضی عالمگیر بادشاہ کو لکھی تھی نقل کرکے اُس کے گستاخانہ لب ولہجہ پر سوخ موصوف خشم آلودہ ہوکر لکھتا ہے کہ جس وقت عالمگیر نے یہ عرضی پڑھی، تو

بر زبان الہام ترجمان گذشت کہ فریق زندیق بے توفیق را نمی رسد کہ با مقبولان درگاہ

زبان الہام ترجمان سے یہ نکلا کہ فریق زندیق بے توفیق کو یہ حق حاصل نہیں کہ مقبولان درگاہ صمدیت

صمدیت و منظوران نظر احدیت دم طعنہ زند زیرا کہ آن ناعاقبت اندیش نخوت ذکبر را

اور منظوران نظر احدیت پر زبان طعن دراز کرے، چونکہ اس ناعاقبت اندیش نے نخوت اور

سرمایۂ حیات خود ساختہ عنقریب بتلافی خودنمائی و بیحیائی خواہد رسید"

تکبر کو اپنی زندگی کا سرمایہ بنالیا ہے، اسلیے اُسکو عنقریب اسکی خودنمائی اور بیحیائی کا بدلہ ملے گا،

اس کے بعد ان الفاظ شاہی کا اثر ظاہر کرنے کے لیے کہتا ہے:

"چنانچہ آن سگ بے دم و خر بے سُم واصل جہنم شد"

چنانچہ وہ بے دم کا کتا اور بے سم کا گدھا واصل جہنم ہوا۔

ایسے بھی الفاظ ہین جو سبھا کے لیے استعمال کیے گئے ہین' زیادہ لکھنے سے خود ہمارا قلم انکار کرتا ہے لہذا اسی قدر پر اکتفا کی جاتی ہے'

تصویر کا دوسرا رُخ - آج عالمگیر بادشاہ کے متعلق جو جدید خیال کے ہندوؤن مین رائج ہے وہ ظاہر ہے' یہ بھی دیکھ لیجئے کہ یہ ہندو واقعہ نگار کیا لکھتا ہے' گردھاری لعل عالمگیر بادشاہ کی وفات کا واقعہ لکھ کر کہتا ہے'

آن شاہ دالا گہر درشیوۂ جہان داری بادشاہِ عادل و در پاس شریعت و در ریاضت ولی کامل بود

وہ شاہ دالا گہر فرمان روائی مین بادشاہ عادل تھا اور پاس شریعت اور ریاضت مین ولی کامل تھا'

نئی کتاب

سیر المہاجرین کا پہلا حصّہ

خلفاے راشدین

از

مولوی حاجی معین الدین صاحب ندوی سابق رفیق دار المصنفین

سیر الصحابہ کے سلسلہ مہاجرین کا پہلا حصہ اس نام سے شائع ہوا ہے' اسمین حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ حضرت عثمان ذی النورینؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے حالات ذاتی' سوانح' اخلاق و فضائل اور انکی خلافت کے سیاسی' انتظامی' علمی' دینی کارنامے' اور فتوحات ملکی بہ تفصیل لکھے گئے ہین' جن کو پڑھ کر خلافت راشدہ کی ۳۰ سالہ تاریخ پوری سامنے آجاتی ہے' اور ان خلفائے راشدین کے کمالات' فضائل' مناقب اور کارنامے پیش نظر ہوجاتے ہین' ضخامت ۵۰۷ صفحے' لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ' قیمت ہے

(مینجر)

سوشیالسٹ حکومت کے نتائج

از

مولوی عبدالسلام ندوی

(۴)

لیکن ان خطرات کے ساتھ اس قسم کی حکومت کے اخلاقی، اقتصادی اور انتظامی نتائج کے متعلق تمام ماہرینِ اقتصاد نے تصریح کی ہے کہ وہ

(۱) افراد کے ملکۂ استنباط اور ذمہ داری کے احساس کو بالکل فنا کر دیتی ہے،

(۲) اور ہر کام مین حکومت کی مداخلت سے روپیہ بہت زیادہ صرف ہوتا ہے حالانکہ اگر وہ کام افراد کے ہاتھون انجام پاتا تو اس سے بہت کم رقم صرف ہوتی،

چنانچہ موسیو (بول سروا یولیو) لکھتے ہین کہ:-

حکومت کے ہاتھ مین تمام اقتصادی قوتون کے آجانے سے فرانس جدید اپنے ملکۂ استنباط، قوتِ عزم، اور نشاطِ ذاتی کو کھوتا جاتا ہے، اور حکومت اس کو اپنا غلام بنا کر دفعتہً کمزور اور اُسکی اخلاقی حالت کو تباہ کر رہی ہے،

(ہربرٹ اسپنسر) کہتا ہے کہ:-

قانون سازی ایک دوسرے قانون سازی کی محتاج ہوتی ہے جو ایسے نتائج پیدا کرتی ہے جو قانون ساز کے خیال مین بھی نہین آئے تھے، کیونکہ قانون سازی لازمی طور پر دوسرے مدبرین کو پیدا کرتی ہے، حکومت کے دفتری اقتدار کو وسیع کر دیتی ہے، اور ملازمین سرکاری کی تعداد کو بڑھا دیتی ہے، اور جسقدر حکومت کی مداخلت زیادہ ہوتی جاتی ہے اسی قدر افراد اپنے ملکۂ استنباط کو

کھوتے جاتے ہین، اور یہ مداخلت روز بروز افراد مین یہ خیال پیدا کر دیتی ہے کہ ہر نقصان کا دور کرنا اور ہر فائدہ کا پیدا کرنا حکومت کے فرائض مین داخل ہے،

واقعات سے بھی ان اقوال کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ کوئی حکومت قومی کامون کو سرکاری ملازمون کے بغیر انجام نہین دے سکتی، اس لیے حکومت کا دائرۂ عمل جسقدر وسیع ہوتا جاتا ہے، اسی قدر سرکاری ملازمون کی تعداد مین بھی اضافہ ہوتا ہے، مثلاً آج سے پچاس برس پہلے فرانس مین سرکاری ملازمون کی تعداد ۱۸۸۰۰۰ تھی، اور حکومت کو اُن پر (۲۴۵) ملین صرف کرنا پڑتے تھے، لیکن اب یہ تعداد ۶۸۹۰۰۰ ہے، اور حکومت کو اُن پر ۶۲۷ ملین صرف کرنا پڑ رہی ہے، اور اس تعداد مین ابھی اور بھی اضافہ ہوگا، کیونکہ تعلیم جس قسم کے افراد کو پیدا کر رہی ہے، اُن مین ملازمت کے سوا اور کسی قسم کے تجارتی زرعی اور صنعتی کامون کے انجام دینے کی قابلیت ہی نہین ہوتی، اس لیے وہ لازمی طور پر ملازمتون کی طرف متوجہ ہونگے اور اس سے ملازمانِ سرکاری کی تعداد مین اور اضافہ ہوگا،

دفتری نظام کی یہ وسعت، حکومت کے اختیارات کو غیر محدود اشخاص (ملازمین سرکاری) مین تقسیم کر دیتی ہے، اور اس طرح ایک ایسا مرتب و منظم سلسلہ قائم ہو جاتا ہے کہ ہر سرکاری ملازم ایک دوسرے سرکاری ملازم کا محتاج ہو جاتا ہے، یا بالفاظ دیگر ہر سرکاری ملازم ایک دوسرے سرکاری ملازم پر حکومت کرتا ہے، اور یہ غلامانہ سلسلہ اسقدر طویل ہو جاتا ہے کہ اگر ایک وزیر معمولی کام بھی لینا چاہتا ہے تو اُسکو درجہ بدرجہ ایک چپراسی تک کا محتاج ہونا پڑتا ہے، اور اس طرح اس سلسلہ مین اسقدر پیچ و خم پیدا ہو جاتے ہین کہ وہ ایک قفس آہنین بن جاتا ہے جس سے ایک سرکاری ملازم کا نکلنا دشوار ہو جاتا ہے، لیکن باوجود ان دشواریون کے قوم کا استقلال ذاتی اور ملکہ استنباط اسقدر فنا ہو جاتا ہے، کہ وہ اس سے بھی بیچارہ نظام حکومت کی خواہشمند ہوتی ہے، چنانچہ (لیون سی) کہتا ہے کہ

ہم کو ایک بلند آواز سنائی دیتی ہے جو نہایت بیچارہ اور وسیع نظام حکومت کا مطالبہ کرتی ہے،

اس لیے حکومت کو اس مطالبہ کی بنا پر چھوٹے سے چھوٹے کام کے لیے بھی قوانین بنانے پڑتے ہین اور ہر ایک کام کے لیے ایک مستقل نظام قائم کرنا پڑتا ہے، چنانچہ پریس بین گاڑیون کی آمدورفت کا جو جدید نظام قائم کیا گیا ہے، وہ ۴۲۵ دفعات پر مشتمل ہے لیکن اس قسم کے قوانین ونظام ہمیشہ تنزل پذیر قوموں مین قائم کیے جاتے ہین، چنانچہ دغاستون یوسیبیس کہتا ہے کہ:-

رومن قوم کے نظام حکومت مین اس قدر پیچ وخم کبھی نہین پیدا ہوا تھا جسقدر اُن کے آخر زمانہ مین پیدا ہوا، اس زمانہ مین کاغذی نظام اسقدر وسیع ہوگیا تھا کہ ایک سرکاری ملازم جب جاتا تھا تو بہت سے محرر اس کے ساتھ ہوتے تھے،

اس وسیع دفتری نظام حکومت کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حکومت کے تمام کام بہت دیر مین انجام پاتے ہین، چنانچہ موسیو (بورڈ) ایک چھوٹے سے شہر کا ایک واقعہ بیان کرتے ہین کہ:-

وہان ایک نہر کا دہانہ ٹوٹ گیا اور اسمین اُن کے پاس کی ایک موری کی نجاست شامل ہوگئی، میونسپلٹی کے سامنے یہ معاملہ پیش ہوا تو بحث ومباحثہ کے بعد اُس نے حکومت کو اس طرف توجہ دلائی اور بہت سے وزرا، ممبران ہاؤس آف لارڈز، ممبران پارلیمنٹ اور انجینیرون کی مداخلت کے بعد دو سال مین اس کی اصلاح ومرمت کی تجویز پاس ہوئی، لیکن اس مدت مین اس شہر کے باشندون کے دل مین بذات خود اصلاح ومرمت کا خیال تک نہین پیدا ہوا،

یہی وجہ ہے کہ جہان اس قسم کی بااقتدار مرکزی حکومت قائم ہوجاتی ہے، وہان اس زمانہ کے تمدنی سروسامان کی بہت کمی نظر آتی ہے، مثلاً فرانس کے بڑے بڑے شہرون کی صرف چند سڑکون پر برقی روشنی ہوتی ہے، اور ٹرمیوے صرف اُس کے چند بڑے بڑے شہرون مین چلتی ہے،

اس تاخیر اور کمی کے ساتھ ہر چیز کی قیمت بھی گران ہوجاتی ہے، چنانچہ فرانس مین گیس کی قیمت اور ملکون سے زیادہ ہے، اور ٹیلیفون پر گفتگو کرنے کی اجرت وہان لندن، برلن، بروسیلز، اسٹرڈم اور نیویارک سے

تین گنائی جاتی ہے، شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ یہ حکومت کی بے پروائی اور عدم مداخلت کا نتیجہ ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تاخیر اور گرانی حکومت کی توجہ اور کثرت مداخلت سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ (۱) اولاً تو میونسپلیٹیون مین جو مرکزی حکومت کی قائم مقام ہوتی ہین ممبرون کی رایون مین سخت اختلاف و انقلاب ہوتا رہتا ہے اور اس تبدل و تغیر سے ان تمام چیزون کی کمپنیان بدلتی رہتی ہین دوسرے وہ سرمایہ دارون سے بیدریغ روپیہ وصول کرتی ہین اس لیے تاوان کے خوف سے سرمایہ دار اس قسم کی کمپنیان نہین قائم کرتے اور جو قائم کرتے ہین اُن کو دیوالیہ ہونا پڑتا ہے چنانچہ دو تین کمپنیون کے سوا فرانس مین ٹریموے کی تمام کمپنیان دیوالیہ ہوگئین

(۲) ثانیاً حکومت جن چیزون کو خریدتی ہے ان کی قیمت ایک طویل مدت کے بعد ادا کرتی ہے اور اس کے وسیع اور پیچیدار دفتری حکومت کا لازمی نتیجہ ہے مثلاً ایک فوج کے کمانڈر نے ایک کارخانے مین جو توپ بنوایا جسکی قیمت سات فرنک اور اسی سینتا تھی لیکن جب اسکو ادا کرنا چاہا تو وزارت جنگ کے تین خط وزارت مال کے ایک خط اور دوسرے کمانڈرون اور دفترون کے افسرون کے پندرہ خط ایک تجویز اور ایک یادداشت کے ذریعہ سے یہ رقم وصول ہوئی اس بنا پر تاجر اس تاخیر کا معاوضہ اشیا کی قیمت کی گرانی سے کرتے ہین اور حکومت کو عموماً ہر چیز کی دوگنی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے بلکہ ایک یادداشت سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت نے ایک بار فوج کے لیے ۳۰ ہزار بچھے اور کانٹے خریدے تو ان مین ہر ایک کی قیمت پچاس سنتیمات ادا کرنی پڑی حالانکہ وہ عام طور پر دس سنتیمات مین فروخت ہوتے تھے

اس وسیع اور پیچیدار دفتری نظام سے جو مالی زیاریان ہوتی ہین اس کی ایک نہایت واضح مثال یہ ہے کہ فرانس مین ایک اجنبی کمپنی نے دو عظیم الشان صنعتی مرکزون کے درمیان ایک ٹریموے لائن جاری کی جسکی سالانہ آمدنی ۱۰۰۰۰ فرنک ہوئی اور کمپنی کو ۷۰۰۰ فرنک دفتری نظام پر خرچ کرنا پڑا لیکن مقامی حکومت کو ایک اجنبی شخص کی یہ کامیابی ناگوار ہوئی اس لیے اس نے اس کی جگہ ایک فرم

انجینیر کو مقرر کردیا، اور اُس فرنچ انجینیر نے سب سے پہلے نئے سرے سے دفتروں کی تنظیم و ترتیب کی، اور بہ کثرت ملازم مقرر کیے، جن کے نام اور عہدے الگ الگ تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک سال سے کم مین مصارف بڑھ کر ۲۰۸ فیصدی ہوگئے، اب کمپنی کو اپنے دیوالیہ ہونے کا خطرہ پیدا ہوا تو اس نے حکومت سے درخواست کی کہ انجینیر کا عہدہ اور اس کی تنخواہ تو قائم رکھی جائے لیکن اس کے دفتری اقتدار کو اٹھالیا جائے، حکومت نے اس درخواست کو قبول کرلیا، اور اب دوبارہ کمپنی کے مصارف اصلی حالت پر آگئے، لیکن اس لیٹین دفتری تجربے سے کمپنی کو تقریباً نصف ملین فرنک تاوان دینا پڑا،

اس کثرتِ مصارف کی بنا پر فرنچ نوآبادیون کی حالت نہایت ابتر ہورہی ہے، انگریز اپنی نوآبادیون پر بہت کم روپیہ صرف کرتے ہین لیکن فرنچ نوآبادیون پر سالانہ ۱۱۰ ملین صرف کرنا پڑتا ہے، حالانکہ ہم کو اُن سے تجارتی فائدہ دس ملین بھی نہین حاصل ہوتا، بلکہ فرنچ نوآبادیون پر جو رقم سرف ہوتی ہے، اس سے دوسری قومون کی تجارت کو فروغ حاصل ہوتا ہے، کیونکہ یہ قومین جس نرخ پر اپنے تجارتی سامان فروخت کرتی ہین، ہم اُس نرخ پر فروخت کرنے سے عاجز ہین، اس لیے ہماری نوآبادیون کے باشندے دوسری قومون سے کاروبار کرتے ہین، چنانچہ ان لوگون نے دوسری قومون سے جو تجارتی سامان خریدے ہین، اس کا موازنہ اگر فرنچ تجارتی سامان سے کیا جائے تو ان کی قیمت ۴۰ ملین زیادہ ہوتی ہے، لیکن اس کی وجہ صرف وہ وسیع اور پیچدار دفتری نظام حکومت ہے جس نے ہماری تجارت کو شکنجے مین جکڑ رکھا ہے، مثلاً ڈوشتین مین جسکی مردم شماری ۱۰۰۰۰۰۳ (۲) ہے ہم نے جسقدر ملازم رکھے ہین اُن کی تعداد اُن ملازمون سے زیادہ ہے، جن کے ذریعہ سے انگریز ۲۰۰ ملین ہندوستانیون پر حکومت کررہے ہین، سرکاری ملازمین کی اس کثرت اور دفتری نظام کی اس وسعت کو دیکھ کر ایک اخبار لکھتا ہے کہ :-

شاہان داھومی کے دورِ حکومت مین اُن کے ملکون کے قیام کو ہمارے تاجر ہماری نوآبادیون کے قیام پر ترجیح دیتے ہین کیونکہ اُن کو ان نوآبادیون مین خطرناک دفتری پیچیدگی محسوس ہوتی ہے ہم اپنے اوپر

حکومت کرنے کے اصول سے ناواقف ہوکر جن دفتری مظالم کے سامنے مجبوراً سر تسلیم خم کر رہے ہیں اُن کے سامنے ظالم سے ظالم بادشاہ بھی ہیچ ہیں،

اس لیٹین دفتری نظام حکومت سے لازمی طور پر بجٹ میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے، چنانچہ ۱۸۶۹ء میں ہمارا بجٹ ایک ملیار اور آٹھ سو ملین کا تھا، لیکن اب ترقی کرکے چار ملیار ہو گیا، اور اگر اسمیں میونسپلیٹوں کا بجٹ بھی شامل کرلیا جائے تو اس کی مجموعی تعداد پانچ ملیار ہو جاتی ہے، لیکن اس قسم کے بجٹ کی کمی صرف ٹکسوں کے ذریعہ سے پوری کی جاسکتی ہے، اس لیے حکومت کو ہر چیز پر غیر معمولی ٹکس لگانا پڑتا ہے، اور جو چیزیں معمولاً جس قدر زیادہ استعمال کی جاتی ہیں اسی قدر اُن پر ٹکس کی شرح زیادہ ہوتی ہے، مثلاً شراب پر جو ٹکس لگایا گیا ہے اس کی تعداد اس کی اصلی قیمت سے دس گنا زیادہ ہے، نمک، تنباکو اور پٹرول کا بھی یہی حال ہے، ۱۸۹۸ء میں موٹر کمپنی نے جو رپورٹ مرتب کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حکومت یا میونسپلٹی کو ۶۵ فرنک منافع کے مقابل میں ۱۴۹ فرنک ٹکس ادا کرتی ہے، اُسکو سو فرنک پر دو سو فرنک ٹکس دینا پڑتا ہے، اس بنا پر حکومت کا اقتدار جس قدر بڑھتا جاتا ہے اوسی قدر تمام پبلک اور صنعتی کاروبار تباہ ہوتے جاتے ہیں، فرانس کی طرح دوسری لیٹین سلطنتوں میں بھی جہاں ایسی ہی وسیع الاقتدار حکومت قائم ہے، دفتری پیچیدگی کا یہی حال ہے، چنانچہ ایک اٹالین افسر نے اٹلی میں سوشیالسٹ حکومت اور اس کے نقصانات کے متعلق جو یادداشت مرتب کی ہے اُس کے چند اقتباسات حسب ذیل ہیں،

سرکاری افسر جو کمشنروں کے حاکم ہیں صرف یہی نہیں کہ ہم ان کو احکام کے ایجاد کرنے کا مجاز نہیں کرتے، بلکہ اُن کو یہ بھی اجازت نہیں دیتے کہ وہ اُن کی تشریح کریں اور اُن کو عمل میں لائیں، حالانکہ انتظامی حیثیت سے یہ نہایت ضروری ہے، اگر ہم اُن کے اُن فرائض و اختیارات کو جو قانون سرکاری فرامین اور وزراء کے حکم سے ان کو حاصل ہیں مستثنیٰ کردیں تو وہ ایک قدم بھی بغیر اس کے نہیں اُٹھا سکتے کہ ایک وزیر پہلے ان کو حکم دے پھر دوسرا وزیر اسکی تائید کرے، اور کمشنر اور وکلائے مال

دفتروں اور یونیورسٹیوں کے افسر چھوٹی سی چھوٹی رقم بھی اس وقت تک صرف نہیں کرسکتے جب تک کسی وزیر کی اجازت نہ حاصل ہو جائے یونیورسیٹی یا کوئی خیراتی انسٹیٹیوشن اگر ایک میٹر قبہ کی زمین خریدنا یا چند فرنک کی وصیت قبول کرنا چاہے تو اس کو یونیورسیٹی کی کمیٹی یا اُس خیراتی کام کے دفتر سے مشورہ لینا پڑیگا، اور یہ ضروری ہوگا کہ کنسٹری کی انتظامی مجلس اُس سے اتفاق کرے، بادشاہ کے سامنے اجازت حاصل کرنے کے لیے اس تجویز کو پیش کرے اور اسکو ایک یادداشت کے ساتھ وزارت کے دفتر میں بھیجے، اُس کے ساتھ اسناد نتھی کرے، پھر وزیر اس کے متعلق مجلس شوری میں ایک یادداشت پیش کرے اور وہ مجلس اپنی راے اُس کے متعلق ظاہر کرے پھر بادشاہ اپنی دستخط سے ایک فرمان صادر کرے، اور مجلس حساب کے سامنے اُسکی تصدیق ہو،

اس طرز حکومت نے اٹلی میں سرکاری ملازمین کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ کردیا ہے، اور اُس کا بجٹ مصارف سے لبریز ہوگیا ہے، اس وقت ہندوستان کے جمہوریت پسند اصحاب جو بغارم اسکیم کو اپنی بڑی کامیابی سمجھتے ہیں کیا ان تصریحات پر غور کرینگے؟ کیا وزرا اور اُن کے اسٹاف کی تنخواہوں نے بجٹ میں کوئی غیر معمولی اضافہ نہیں کیا؟ اور کیا اس سے دفتری اقتدار میں پہلے سے زیادہ وسعت نہیں پیدا ہوگئی؟ فاعتبروا یا اولی الابصار

المأمون

علامہ شبلی رح

خلیفہ مامون الرشید کے عہد سلطنت کے حالات ابتک اُس کے بازاری نسخے عام طریقے سے فروخت ہوتے تھے، اب مطبع معارف نے خاص اہتمام سے طبع کراکے شائع کیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی بہترین ہے ضخامت ۲۲۴ صفحے، قیمت عہ وعیرہ

عربِ قدیم
پر
مستشرقین کی ایک نئی کتاب

از

جناب شیخ عنایت اللہ صاحب ایم اے معلم عربی گورنمنٹ کالج، جھنگ

زمانۂ حال کا پہلا یورپی سیاح جس نے عرب اور خصوصاً یمن کے آثار عتیقہ کا علمی لحاظ سے مطالعہ کیا اور اپنے سفر کے حالات کو ایک لائق استناد کتاب مین جمع کیا، ڈنمارک کا ایک عالم نی بہر (NIEBUHR) نامی تھا، یہ ایک اتفاق حسنہ ہے کہ اس کے تقریباً ڈیڑھ صدی بعد اسی کے ایک ہموطن یعنی ڈاکٹر نیلسن (کوپن ہیگن یونیورسٹی) نے عرب قدیم کی تاریخ، تمدن، مذہب، زبان، کتبات اور دیگر آثار کے متعلق ایک جامع و مانع تاریخ مرتب کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے جس سے مقصود یہ ہے کہ ان شعبون مین زمانۂ حال مین اب تک جو تحقیقات ہو چکی ہین، اُن کے نتائج کو ایک کتاب کی صورت مین یکجا پیش کیا جائے، یہ وہی ڈاکٹر نیلسن ہین جو آج سے چند سال پہلے "عرب کے قدیم مذہب" کے متعلق ایک کتاب لکھ چکے ہین، اور جن کی تحقیقات اور خیالات سے مشہور مستشرق ولہاؤزن کو شدید اختلاف رہا ہے، چنانچہ صاحب موصوف الذکر اپنی تحریرون مین ایک سے زیادہ دفعہ لکھ چکے ہین کہ مین ناظرین سے نیلسن کی کتاب (عرب کا قدیم مذہب) پڑھنے کی ہرگز سفارش نہین کر سکتا، بہرحال اس اہم کام کی انجام دہی مین متعدد جرمن علمائے مستشرقین نے جو عرب قدیم کی ادبیات کے ماہر خصوصی ہین اُن کے ساتھ شرکت اور رفاقت کی ہے، اُن کے اسمائے گرامی یہ ہین،

(۱) فرٹس ہومل، جو منسٹن یونیورسٹی کے ایک پرانے اور مسلم الثبوت استاذ اقوام و السنۂ سامیہ کے متعلق متعدد اور مستند کتابون کے مصنف اور شاید ڈاکٹر نیلسن کے استاد ہین (۲) رودولف کاسس (روین آئیٹرا)

جو اس سے پیشتر یمن کی قدیم زبان اور وہان کے کتبون کے متعلق اپنی تحقیقات شائع کر چکے ہین اور کر رہے ہین (۳) گرد ہمن (۴) اور لتمان،

کتاب ہذا تین جلدون مین مکمل ہوگی، ان مین سے پہلی جلد جو عرب کے قدیم تمدن کے لیے وقف کی گئی ہے شائع ہو چکی ہے، اور عمدہ کاغذ پر نہایت نظر افروز شکل و صورت مین چھپی ہے اور ۶۷ تصاویر کے ساتھ مزین ہے، جو زیادہ تر قدیم محلات، خرابات، کتبات اور دیگر آثار پر مشتمل ہین، اس جلد کے کئی حصے یا ابواب ہین، پہلے باب مین اس کتاب کے مرتب و مدون یعنی نیلسن کا ایک مبسوط مضمون بطور مقدمہ کے ہے جس مین انھون نے عربی اثریات کے متعلق زمانۂ حال کی تحقیقات اور انکشافات کی تاریخ بیان کی ہے، اور اس کے مختلف شعبون مین نئی بہر کے علمی سفر سے لیکر آج تک جو ترقی عہد بعہد ہوئی ہے، اس کا ذکر کیا ہے، باقی ابواب یا حصص کی تفصیل حسب ذیل ہے،

ہوبل :- جنوب عرب کی تاریخ کا مختصر خاکہ :-

رودوکناکس :- جنوب عرب کی قدیم ریاستون مین لوگون کی عام طرز معاش،

گرد ہمن :- جنوب عرب کے آثار عتیقہ،

نیلسن :- عرب کا قدیم مذہب،

ڈاکٹر اڈوارڈ گلاز (یمنی) آثار کے ایک مشہور محقق گذرے ہین، انھون نے اپنے سفرون مین اندرون عرب سے بہت سے کتبے حاصل کیے تھے، جو اب وین (آسٹریا) کی "مجلس علمی" مین محفوظ ہین، ڈاکٹر صاحب مذکور اپنی حین حیات مین ان کتبات کے متعلق اپنی تحقیقات شائع کر گئے تھے، اب یہ انتظام کیا گیا ہے کہ یہ تمام قیمتی اور پر از معلومات کتبات مع ترجمہ و تشریح کے زیر تبصرہ کتاب کی آئندہ جلدون مین شایع کیے جائین، مذکورۂ بالا مضامین کے علاوہ قدیم زبان کی صرف و نحو اور فہرست الفاظ درج کی جائیگی،

امید ہے کہ جب یہ کتاب مکمل ہو چکے گی تو اس کے واسطہ سے علما کے لیے قدیم عرب کے متعلق

ایسا مواد اور مسالہ مہیا ہوگا جس سے اب تک استفادہ نہین ہوا تھا، اور جنوبی عرب سبا، معین اور ثمود وغیرہ کے متعلق بہت سے نئے معلومات روز روشن مین آئین گے

یہ کتاب اپنے مضامین کی اہمیت کے لحاظ سے اس لایق ہے کہ اس کا ترجمہ اُردو مین کیا جائے، جسکے ذریعہ سے اُردو دان اصحاب بھی مستشرقین کی محنت اور ان کی علمی تحقیقات سے مستفید ہوسکین، اس بارہ مین میرا روے سخن ڈاکٹر عبدالستار صاحب صدیقی ایسے اصحاب سے ہے، جو عربی زبان کے استاد فاضل ہونے کے ساتھ جرمن زبان مین بھی خوب مہارت رکھتے ہین، انھون نے لسانیات ایران کے متعدد حصص کا ترجمہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے (دیکھو اورنٹیل کالج میگزین بابت فروری ۲۷ء) میری ناچیز راے مین کتاب ہذا اگر بدرجۂ اولی نہین تو کم ازکم بدرجۂ مساوی اس بات کی ضرور مستحق ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف اس کے ترجمہ اور اشاعت کی طرف توجہ مبذول فرمائین، بندہ بھی حسب استطاعت خود بعض حصص کا ترجمہ اپنے ذمہ لیکر اس مفید کام مین اُن کا ہاتھ بٹانے کے لیے تیار ہے بجالیکہ وہ کسی شریک کار کی ضرورت محسوس کرین،

گلِ رعنا

ازجناب مولانا حکیم عبدالحی صاحب مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلما لکھنؤ

جسمین اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے باکمال اُردو شعرا کے صحیح حالات اور اُن کے منتخب اشعار اور اُن کے ہر قسم کے کلام کے نمونے درج ہین، دارالمصنفین اعظم گڈھ نے شائع کیا ہے، لکھائی چھپائی عمدہ کاغذ اعلیٰ ضخامت ۵۴۸ صفحے، قیمت ۵/

مینجر

تلخیص و تبصرہ

ریڈ انڈین کون ہین؟

مسٹر ویریل نامی ایک شخص نے ابھی حال مین ایک کتاب لکھی ہے جسمین انھون نے یہ ثابت کیا ہے کہ امریکہ کے ان اصلی باشندون کو "ریڈ انڈین" (سرخ ہندوستانی) کہنا کسی طرح مناسب نہین ہے، اس لیے کہ ان کا ایک بہت ہی مختصر حصہ اس رنگ کا ہے، شمالی امریکہ اور جنوبی امریکہ ہر دو براعظمون مین جو مختلف قبائل آباد ہین اُن کے رنگ باہم مختلف ہین، بعض ان مین سے تقریباً سیاہ ہین، بعضون کا رنگ جنوبی یورپ کے باشندون سے قدرے زردی مائل ہے اور بعض شمالی قبائل کا رنگ سُرخ بھی ہے، اور اسی سے غالباً متاثر ہوکر پچھلے سیاحین نے اُن کا یہ نام رکھ دیا ہے، لیکن اگر ان مین بعض قبائل رنگ کے اعتبار سے سُرخ بھی ہین، پھر بھی ہندوستانی ان مین سے کوئی نہین ہے، لہذا تاوقتیکہ ان کا کوئی جدید نام نہین رکھا جائیگا یہ اسی قسم کے مختلف ناموں سے (مثلاً ریڈ انڈین، ریڈ مین اور ریڈ اسکن) پکارے جائین گے،

اس کے بعد دوسرا سوال یہ ہے کہ یہ باشندے دراصل کہان سے آئے؟ اور یہ اسقدر پیچیدہ سوال ہے کہ علم الانسان کے ماہرین آج تک اسمین پریشان ہین، جس نظریہ پر سب سے زیادہ اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ یہ لوگ ایشیا سے شمال و مغربی گوشہ کے راستہ سے آئے اور رفتہ رفتہ مشرقی ساحل کی جانب وسطی اور جنوبی امریکہ کے پہاڑون اور میدانون مین پھیل گئے، یہان کے مختلف قبائل کے زبان و تمدن اور جسمانی ساخت وغیرہ مین جو شدید اختلافات ہین اور مایا اور ایزٹک جیسی قومون کی تہذیبین جو اسوقت موجود ہین، اُن کے متعلق متعدد اور مختلف نظریے پیش کیے جا چکے ہین لیکن مسٹر ویریل کا نظریہ ان سب سے

جداگانہ ہے۔ یہ تسلیم کرتے ہوے کہ بعض شمالی قبائل منگولین نسل سے معلوم ہورہے ہین اور اس بنا پر وہ شمالی ایشیا کے راستہ سے ضرور آئے ہون گے، لیکن اگر ایک محدود رقبہ کے اندر دیکھا جائے تو تمام منگولین اثرات ختم ہوجاتے ہین اور وسطی اور جنوبی امریکہ کے بعض قبائل تو شمالی ایشیا سے زیادہ ملایا اور پولینیشیا سے آئے ہوے معلوم ہوتے ہین، بعض ان مین بہت نمایان طور پر سامی شکل وصورت کے نظر آتے ہین، اور اب تک ان مین سامی رسوم ورواج چلے آتے ہین، اس کے علاوہ ان مین جو مختلف زبانین رائج ہین، ان کا ان قبائل کی زبانون سے کوئی تعلق نہین جو ایشیا کے شمال ومغرب مین بستی ہین، بلکہ یہ اختلاف زبان، اختلاف مذہب اور اختلاف رسوم اس بات کا صاف پتہ دیتا ہے کہ وہ کسی ایک نسل سے نہین ہین، سٹر ڈیریل کو ان اختلافات کی تاویل کی بجز اس کے اور کوئی دلیل نہین ملی کہ وہ اولاً تو یہ کہین کہ انسانی نسل کا شیوع بذات خود نہین ہوا اور ثانیاً یہ کہ بعد مین مختلف قومون اور نسلون کے باشندے بھی مثلاً ایشیا کے مختلف حصون، ملیشیا، پالینیشیا اور یورپ سے آآکر ملتے رہے، نیز یہ بھی امکان ہے کہ بحر اطلانتک کے ساحلی ممالک اور بحرالکاہل کے اُس براعظم سے بھی جو کسی زمانہ مین اُس کے وسط مین تھا، کچھ لوگ آئے ہون گے، یہ صرف اس بات کا ثبوت ہے کہ نسل انسانی کا شیوع بذات خود اسی خطہ مین ہوا ہے جسے آج ہم دنیاے جدید یا نئی دنیا کے نام سے موسوم کرتے ہین، بلکہ کثرت شواہد وہ دلایل اس امر کی طرف لیجاتے ہین کہ یہ شیوع انسانی یہان یورپ سے کہین پیشتر وجود مین آیا ہے،

سٹر ڈیریل کے اس نظریہ پر سب سے پہلا اعتراض جو ہوسکتا ہے، وہ یہ ہے کہ اس سرزمین مین اب تک شیوع انسانی کے کوئی آثار نہین پائے گئے ہین لیکن اس کے جواب مین وہ یہ کہتے ہین کہ اب تک ان آثار کی تلاش ہی نہین ہوئی ہے اور کوئی وجہ نہین ہے کہ کل کو یا آئندہ سال تک یہ آثار نہ مل جائین، لیکن اس جواب مین جو خامی ہے وہ یہ کہ امریکہ مین نہ صرف بوزنہ صورت انسان کا پتہ نہین چلتا ہے بلکہ کسی ایسے وجود ہی کا خواہ زندہ ہو یا مردہ سرے سے پتہ نہین ہے جو انسان اور

بندروں کے مشترک باپ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو، دنیائے جدید اور دنیائے قدیم کے بندروں میں بہت بڑا فرق ہے، لیکن پھر بھی یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ تمام درمیانی کڑیاں غائب ہوگئی ہوں گی،

بہرحال اس کتاب کے سب سے دلچسپ ابواب وہ ہیں جنمیں مسٹر ڈیریل نے وسطی اور جنوبی امریکہ کے بعض قبائل کے عادات و اخلاق، رسوم و رواج، اور مذاہب کے حالات بیان کیے ہیں جو معلومات کے اعتبار سے بالکل نئے معلوم ہوتے ہیں، اُن کے عادات و اخلاق کے متعلق اب تک جو عام خیال چلا آتا تھا اس کی اُنھوں نے نہایت زوردن سے تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ گوری قومون کا اثر ہے، ورنہ یہ 'سُرخ ہندوستانی' (ریڈ انڈین) بالعموم نہایت سنجیدہ، با اخلاق اور دیانتدار ہوتے ہیں، یہ جانوروں پر بہت مہربان ہوتے ہیں اور پالتو جانور رکھنے کے بہت شایق ہوتے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ میں نے اکثر ایسے 'سُرخ' ہندوستانیون کو دیکھا ہے جنھون نے صرف اس خیال سے اپنے خیمون کی چھتون پر لدی ہیں کہ کسی پرندے کو اپنا گھونسلا بنانے میں تکلیف نہ ہو، باوجود اس کے کہ ان گوری قومون نے انھیں طرح طرح کے فریب اور دھوکے دیے ہیں، ان پر ہزار ہزار ظلم و ستم کیے ہیں، انھیں مختلف ایذائیں پہنچائی ہیں، انھیں اپنا غلام بنا رکھا ہے (اور یہ سلوک اور برتاؤ ان کے ساتھ ابتدا سے چلا آتا ہے) پھر بھی ان کا ان اوصاف اور اخلاق کے ساتھ زندہ اور باقی رہنا ایک حیرت انگیز امر ہے، یہ عجیب بات ہے کہ برٹش گائنا جو خراب حکومت کے لحاظ سے بطور مثال کے پیش کیا جاتا ہے، صرف وہی ایک جگہ ایسی ہے جہاں 'سُرخ' ہندوستانیون کے ساتھ اچھا سلوک ہوتا ہے، ورنہ تمام امریکہ میں اُن کے ساتھ برابر برتاؤ کیا جاتا ہے،

مصر کا ایک نیا دیوتا

مصر کو اپنے قدیم تہذیب و تمدن کے لحاظ سے خاص اہمیت حاصل ہے اور مصریون کو اس پر اسی قدر ناز ہے کہ اب وہ اپنے وطن کو قدیم تہذیب و تمدن کا اصل گہوارہ قرار دینے کا بیباکانہ دعوی کر رہے ہیں، یہی

وجہ ہے کہ مصری اخبار و رسائل مین وہان کے قدیم تاریخ و تمدن پر ہمیشہ بحث و تمحیص ہوتی رہتی ہے، اور وہ اپنی قدیم تاریخ کے چہرہ سے تاریکی کے بہت سے پردون کے چاک کرنے مین کامیاب ہو چکے ہین؛

لیکن افسوس ہے کہ مصر کی بارھوین سے سترھوین حکومت تک کا زمانہ ابتک تاریکی مین پڑا ہوا ہے، اور اہل علم مین اس دور کے متعلق بہت زیادہ اختلافات ہین، مگر مصر کی خوش قسمتی سے امریکہ کی ایک جماعت مصر کے قدیم تاریخ و تمدن کی جلوہ آرائی کی طرف مائل ہو گئی ہے، اور اس لیے وہان چند سال سے کھدائی کے ذریعہ اکتشافات کا ایک وسیع سلسلہ جاری ہے،

ان چند سالون مین وہان کھدائی کا جو سلسلہ جاری رہا، اس مین نمایان کامیابی حاصل ہو چکی ہے، اور وقتاً فوقتاً "معارف" کے اخبار علمیہ مین اُن کا تذکرہ کیا جا چکا ہے، اب اسی سلسلہ مین جدید ترین اکتشافات جو ۱۹۲۶ء کے اواخر مین اتمام کو پہونچے ہین وہ ہیکل مدمود کے چند آثار ہین،

ان آثار مین سے شاہ سنوسرت سوم کا ایک مجسمہ ہے، جس کی کتابت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مصر کی تیرھوین حکومت سے تعلق رکھتا ہے، جو ۲۴۲۶ ق م سے ۲۲۶۶ ق م تک وہان قائم رہی،

اور اسی مقام پر ایک دوسرا مجسمہ ملا ہے جسکے متعلق کہا جاتا ہے کہ سرزمین مصر پر اب تک جتنے آثار دستیاب ہوئے، ان مین اُس کی کوئی دوسری نظیر موجود نہین ہے، کیونکہ یہ مجسمہ معبود منتو کا ہے، جسکو علم الاصنام مین لڑائی کا دیوتا کہا جاتا ہے، اور اسی کے قریب اس کی رفیقہ راقوی کا مجسمہ بھی بنا ہوا ہے، علم الاصنام کے ان دونون دیوتا اور دیبی کے یہ مجسمے سب سے پہلی مرتبہ دستیاب ہوے ہین، اُن کے اکتشافات سے کم از کم تاریخ کا یہ مسئلہ تقریباً حل ہو گیا کہ مصر مین وہان کی بارھوین حکومت سے رومانیون کے زمانہ یعنی تقریباً تین ہزار برس تک ان دونون کی پوجا کی گئی ہے، اس لیے مصر کے مشہور دیوتا رع (سورج) سے ان دونون دیوتا اور دیبی کی پرستش کا زمانہ مصر مین زیادہ طویل ہے، اس نظریہ کی مزید تائید پتھر کی ایک لوح سے بھی ہوتی ہے جو اسی جگہ دستیاب ہوئی ہے، اس لوح مین حکومت رومانیہ کے ایک شاہی خانوادہ کی تصویر اس طرح منقوش ہے

کہ والدین اپنے دو بچون کے ساتھ ہیکلِ مدود کی ایک عید کے موقع پر وہان زیارت کے لیے آئے ہین اور وہین ایک ضیافت مین مصروف ہین

ہیکلِ مدود مین ان مجسمون کے علاوہ ایک خاص دیوار بھی کھڑی ہوئی ملی ہے جس پر بعض عبارتین کندہ ہین جس سے بعض اہم تاریخی عقدون کے حل ہونے کی امید ہین وابستہ ہین اُن کے علاوہ اس مقام پر بعض تاریخی شخصیتون کے چند اور مجسمے بھی پائے گئے ہین

امید کی جاتی ہے کہ یہ اکتشافات مصر کی قدیم تاریخ و تمدن کے بعض اہم اسرار کی عقدہ کشائی کرینگے

"ر"

عورتین بابل کے قانون مین

مسٹر جان ایل ریک نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے کہ عورت نے قدیم بابلیون کے عہد سے موسوی شریعت تک اپنے حقوق و مرتبہ مین کیا ترقی کی مصر کے ایک ممتاز اہل قلم استاذ سلیم عقاد نے عربی مین اس کا ملخص "المرأۃ فی قانون حمورابی وفی القانون الموسوی" کے نام سے اس کتاب کا ترجمہ کیا ہے جو چند دن ہوے کہ ہمارے کتبخانہ مین موصول ہوئی ہے مناسب ہے کہ مختصر طور پر اُس کے مباحث کا خلاصہ ناظرین معارف کے سامنے پیش کر دیا جائے

کتاب تین فصلون پر مشتمل ہے پہلی فصل مین کلدانی حکومت کو دو دور قدیم بابلی اور حمورابی حکومت مین تقسیم کرکے دو بابون مین جگہ دی گئی ہے چنانچہ پہلے دکھایا گیا ہے کہ قدیم بابلیون کے عہدِ حکومت مین جو تقریباً ۴۵۰۰ برس کا زمانہ ہے عورتین مردون سے روپوش رہتی تھین باپ کو حق حاصل تھا کہ اپنی لڑکیون کو ضرورت کے وقت چند روپیون مین فروخت کردے اور یہ خرید و فروخت برابر جاری رہتی مرد اپنی بیوی کو صرف یہ کہکر طلاق دیسکتا تھا کہ "تو میری بیوی نہین" اور اس پر نہ کوئی ملامت کی جاتی اور نہ اس عہد کی سوسائٹی مین یہ فعل مذموم خیال کیا جاتا لیکن اگر عورت کی زبان سے یہ جملہ نکلتا کہ "تو میرا شوہر نہین" تو وہ نہ صرف سوسائٹی مین

مطعون ہوتی بلکہ قانون کے حکم سے غرقاب کردی جاتی، اور اسی طرح اسی عہد مین یہ انسانیت سوز طریقہ بھی جاری تھا جیسا کہ مورخ ہیروڈوٹس نے لکھا ہے کہ ہر عورت کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنی زندگی مین ایک مرتبہ ہیکل زہرہ مین جاتی اور کسی شخص سے ..... اور اس کے ساتھ وہ اسوقت تک ہیکل سے باہر قدم نہین رکھ سکتی تھی جب تک کہ وہ اس کا معاوضہ بھی کسی معمولی رقم کی صورت مین قبول نہ کرلیتی کہ یہ ایک دینی و مذہبی کام تھا اور وہ رقم نہایت متبرک و مقدس تصور کی جاتی تھی، چنانچہ وہ شخص اپنی طرف سے وہ رقم یہ الفاظ کہتے ہوئے عورت کے سپرد کرتا کہ "دیبی زہرہ سے دعا کر کہ وہ تجھ سے راضی ہوجائے"

اس کے بعد دوسرے باب مین بتایا گیا ہے کہ پھر بابل مین حکومت حمورابی کا دور ۲۲۸۳ ق م سے شروع ہوتا ہے، جو تقریباً تمام پچھلی شریعتون اور قانونون کو منسوخ کردیتی ہے اور یہ معلوم ہے کہ ۱۹۰۲ء مین موسیو مورگی کی سرکردگی مین جو وفد بلاد فارس گیا تھا اس نے خط مسماری مین ایک حجری ستون کا انکشاف کرکے اس عہد کے تمام قوانین اہل علم کے سامنے پیش کردیے ہین، جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس عہد کے دور انسانیت کا جہان تک اقتضا رہا، عورتون کے حقوق و مرتبہ مین نمایان ترقی ہوئی، مثلاً جیسا کہ بتایا جاچکا ہے کہ قدیم بابلیون کے عہد مین عورتون کو طلاق لینے (خلع کرانے) کا مطلق حق حاصل نہ تھا، اور اگر ایسا کرتین تو عبرتناک سزائین دیجاتی تھین مگر حمورابی قانون نے عورتون کو اجازت دی کہ اگر ان کے پاس معقول وجوہ موجود ہون تو شوہر سے طلاق لے سکتی ہین، اور اب یہ فعل نہ قانونی جرم باقی رہا، اور نہ سوسائٹی مین غیر مستحسن سمجھا جانے لگا، پھر بھی اس دور کے قانون مین بعض نقائص موجود رہ گئے تھے، مثلاً جن عورتون پر زنا کی تہمت لگائی جاتی، وہ دریا مین ڈال دی جاتین اگر وہ پانی کی سطح پر آجاتین تو وہ پاکباز ٹھہرتین اور اگر غرقاب ہوجاتین تو مجرم تصور کی جاتین،

لیکن مؤلف نے یہ الزامی جواب دیکر قانون حمورابی کی طرف سے مدافعت کی ہے کہ اس عہد سے زیادہ متمدن عہد یعنی قرون وسطی مین بھی گرجا کا یہی قانون نافذ تھا اور اسکو خداوندی حکم (judgement de dieu ou ordalie) سے تعبیر کیا جاتا تھا،

پھر کلدانیون کے بعد بنی اسرائیل کا دور آیا اور یہین سے کتاب کی دوسری فصل شروع ہوتی ہے، اس عہد کو بھی مولف نے دو دورون مین تقسیم کیا ہے، ایک حضرت موسیٰ سے پہلے بنی اسرائیل کا دور اول ہے اور دوسرا دور حضرت موسیٰ سے شروع ہوتا ہے اس موقع پر مولف نے مختلف مثالون سے دکھایا ہے کہ عورتون کے حقوق اور مرتبے کسی قدر جزوی اختلاف کے ساتھ بنی اسرائیل کے اس پہلے دور مین بھی حمورابی دور کے مماثل رہے البتہ بعض قوانین مین ترمیم و اصلاح ہوئی، مثلاً اب متہمہ عورتون کو دریا مین ڈالنے کے بجائے ایک قسم کا متبرک تلخ پانی پلایا جاتا، جسمین جوتون کی روندی ہوئی مٹی بھی ملائی جاتی، اگر وہ پانی اس عورت کو نقصان پہونچاتا تو وہ مجرم سمجھی جاتی ورنہ الزام سے بری کر دی جاتی

اس کے بعد موسوی عہد مین عورتون کے حقوق و مراتب بتائے گئے ہین اور مولف نے مختلف دلائل و براہین اور یورپ کے ممتاز اہل علم کے اقوال سے ثابت کیا ہے کہ یہی وہ شریعت ہے جس نے عورتون کو انکے شایان شان حقوق و مراتب عطا کیے، اور جس کے قوانین انسانیت، شرافت، اور موجودہ تمدن کے صحیح معیار پر پورے اترتے ہین، البتہ متہمہ عورتون کو اس دور مین بھی پانی پلانے کا وہی طریقہ جاری رہا، اور اسی سلسلہ مین عورتون کے متعلق موسوی شرائع کا دنیا کے مختلف شرائع و قوانین سے موازنہ بھی کیا گیا ہے، اور دراصل مولف کی سعی و محنت اور وسعت علم کا اسی موازنہ و تقابل سے پتہ چلتا ہے، اس موازنہ و تقابل مین موسوی شریعت کو فرانس کے مدنی قوانین بھی ترجیح دیگئی ہے

سب سے آخری فصل مین قانون حمورابی اور موسوی کا تفصیلی موازنہ ہے، جسمین جرمنی کے ایک ممتاز اہل قلم فریڈرک ڈیلیٹش کے اس نظریہ کا تار و پود بکھیرا گیا ہے کہ قانون حمورابی کو شریعت موسوی پر تفوق حاصل ہے، مولف نے مثال کے طور پر دکھایا ہے کہ حمورابی قانون مین عورتون کو اپنی ملک مین تصرف کا کوئی اختیار نہین دیا گیا ہے، اور فرانسیسی قانون مین اس کا یہ حق اور زیادہ سلب کر لیا گیا ہے کہ وہ اپنی مملوکہ اشیاء کو نہ فروخت کر سکتی ہے نہ رہن رکھ سکتی ہے اور نہ اس کو شوہر کی مرضی کے خلاف کسی قسم کے تصرف کا اختیار حاصل ہے، برخلاف اسکے موسوی شریعت مین عورتون کو اس معاملہ مین ان شرائع سے بہت کچھ زیادہ حقوق حاصل ہین، افسوس ہے کہ مولف نے اپنے اس موازنہ و تقابل مین اسلامی شریعت کو پیش نظر نہین رکھا، ورنہ اسکے سامنے عورتون کے حقوق کا ایک اور عالم ہوتا،

" ر "

اخبارِ علمیہ

طبقات الارض کی کانفرنس گذشتہ مہینہ مین واشنگٹن مین علم طبقات الارض کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی، جس کے اجلاس تواتر بیس دن تک ہوتے رہے، اس کانفرنس مین مختلف ممالک کے نمایندے شامل ہوئے تھے، چنانچہ حکومتِ مصر کی طرف سے استاذ محمود بک ایاظہ جو مصر کے باغات کے ناظم اعلیٰ ہین بھیجے گئے تھے تاکہ وہ کانفرنس کے سامنے باغات کے متعلق اپنے تجربات پیش کرین، کانفرنس طبقات الارض کے مختلف اہم مباحث پر بحث کرتی رہی، حکومت ولایات متحدہ امریکہ نے اراکین موتمر کی خاص پذیرائی کی، چنانچہ ایک مخصوص ٹرین اُن کے لیے متعین کردی گئی تھی کہ وہ اسپر پورے ملک کا دورہ کرسکین،

ترکون کی عظیم الشان قومی تاریخ کی تدوین علم تاریخ وجغرافیہ کو قومون کے عروج وزوال کے اسباب مین خاص امتیاز حاصل ہے، اس لیے حکومتِ ترکی نے ان علوم کی طرف خاص اعتنا کیا ہے، چنانچہ ان دونون علوم کی تدوین کے لیے علیحدہ علیحدہ دو مجلسین قائم کی گئی ہین جن کے ارکان ایسے ترک اہل علم منتخب ہوے ہین جو ترکی قومیت کے سب سے قوی العقیدہ پیرو ہین، یہ لوگ دس پندرہ سال مین قوم ترک اور بلاد ترکیہ کی مستند مکمل اور ضخیم تاریخ وجغرافیہ مرتب کرینگے، جن کے ماخذ جہانتک ممکن ہو مستند سے مستند ہون گے ان ہر دو کو اسکی بھی اجازت دیگئی ہے کہ وہ اپنی خدمات مین غیر ملکون کے دیگر مستند مواد تاریخ وجغرافیہ انون سے اشتراک عمل کرین،

طہران مین عربی تعلیم مصر کی حکومت کے سامنے قونصل مصر متعینہ ایران نے ایران کے پایہ تخت طہران مین ایک عربی مدرسہ قائم کرنے کی تحریک پیش کی تھی جسپر سردست حکومت مصر نے دو لائق اساتذہ کو ایران بھیجا ہے،

جو وہان کے مدارس مین عربی زبان کی تعلیم دینگے،

سیرۃ عمر بن عبد العزیز، خلیفۂ عادل حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی سیرت پر محدثین نے متعدد کتابین لکھی تھین، جن مین سے ایک یعنی امام ابن جوزی کی سیرت چھپ چکی ہے لیکن ابھی حال مین ان کی سب سے قدیم سیرت ایک مصری عالم نے نہایت اہتمام اور تصحیح کے ساتھ شائع کی ہے اس کے مصنف ابو محمد عبد اللہ بن عبد الحکیم ہین، جن کا زمانہ ۱۵۵ھ سے ۲۱۴ھ ہے، یہ امام شافعی کے معاصر اور امام مالک کے شاگرد ہین، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ۱۰۱ھ مین وفات پائی ہے، اس لیے یہ گویا ان کی وفات کے سب سے قریب عہد مین لکھی گئی ہے، اور ان کے واسطہ سے لکھی گئی ہے، جنھون نے صرف ایک دو واسطون سے اُن کے حالات سے واقفیت بہم پہونچائی تھی،

ٹیگور کی درسگاہ اور شاہانِ اسلام، گذشتہ سال ٹیگور مصر گئے تھے، اہل مصر نے ان کا ان کے شایانِ شان استقبال کیا تھا، اور وہان کے شعرا نے اپنے عربی قصائد اُن کے سامنے پیش کیے، اور عربی شاعری کے محاسن اور امتیازات اُن کو بتائے، اس وقت اُنھون نے اس زبان سے ناواقفیت کا عذر کیا لیکن وعدہ کیا کہ وہ ادھر توجہ کرین گے، اس کا اثر یہ ہوا کہ ٹیگور کو عربی ادبیات کا بھی احساس ہوا، اور اپنی درسگاہ کے کتبخانہ کیلیے عربی کی کتابین جمع کرنے کا خیال ہوا، شاہِ مصر نے ان کے اس خیال کی پوری قدردانی کی، اور عربی ادبیات کی مصری مطبوعات اُن کی درسگاہ کے کتبخانہ کیلیے ہدیۃً بھیجی ہین، اور اعلیٰ حضرت نظامِ دکن نے ایک لاکھ روپے کی شاہانہ امداد اس غرض سے ان کو عنایت کی ہے کہ اس سے وہ اپنی درسگاہ مین اسلامی ادبیات کی ایک کرسی قائم کرین،

اڈیٹر المقتطف کی وفات، علمی حلقہ مین یہ خبر نہایت افسوس کے ساتھ سُنی جائیگی کہ مصر کے مشہور علمی، صنعتی، زراعتی، اور فلسفیانہ رسالہ المقتطف کے دوسرے اڈیٹر ڈاکٹر یعقوب صروف نے بھی ۱۰ جولائی ۱۹۲۷ء

کو وفات پائی، یہ وہ شامی اہل قلم ہیں جس نے عربی ممالک مین سب سے پہلے، سائنس حکمیات، فلسفہ اور اختراعات جدیدہ کے معلومات بہم پہونچائے، اور پورے پچاس برس اس نے اس اہم خدمت کو انجام دیا، ۱۸۷۶ء مین اس نے اس رسالہ کو جاری کیا تھا، اور اب تک اسی طرح پوری شان کے ساتھ جاری رہا، اس کی پیدائش ۱۸۵۶ء مین ہوئی تھی، بیروت امریکن کالج مین تعلیم پائی تھی، اور پھر وہین ریاضیات کا پروفیسر مقرر ہوگیا تھا، وہین اس رسالہ کی اشاعت کا اس کو اور اس کے رفیق فارس نمر کو جو پہلے وفات پا چکا ہے، خیال آیا تھا، ترکی حکومت نے اپنی اجازت سے اُن کی ہمت افزائی کی، آخر یہ مصر مین آکر تکمیل کو پہنچا، یعقوب صروف کے بعد فواد صروف نے اس رسالہ کی زمام ادارت اپنے ہاتھ مین لی ہے،

عراق کی علمی مجلس ناکام رہی، شام کی علمی مجلس کے طرز پر عراق مین جس علمی مجلس یا ایکاڈیمی کے قائم کرنے کا خیال وہان اہل علم و اہل قلم اصحاب کو پیدا ہوا تھا، اور جس کے لیے وہان کے وزیر تعلیم نے دس ہزار روپے منظور کیے تھے، افسوس ہے کہ وزارت تعلیم یہ حقیر رقم بھی نہ دے سکی، اور خواہش کی کہ لوگ بلا اجرت اعزازی طور سے اس کے خدمات انجام دین، مگر یہ محنت کا سودا چک نہ سکا، اور تجویز ناکام رہی، یہی فرانسیسی اور انگریزی طرز حکومت کا نمایان فرق ہے، شام کی فرانسیسی حکمداری مین ہر طرح کی سیاسی و انتظامی بے اطمینانی ہے مگر علم و فن کی ترقی کا کام جاری ہے، عراق کی انگریزی حکمداری مین ہر طرح کا سیاسی و انتظامی امن و امان ہے کہ تجارتی کاروبار اور تیل کی برآمد مین فرق نہ آنے پائے مگر علم و فن کا بازار سرد ہے،

پنجاب مین تعلیمی ترقی، جون کے آخری ہفتہ مین پارلیمنٹ مین کہا گیا کہ ہندوستان کے تمام صوبون مین سے اس وقت پنجاب کی تعلیمی رفتار ترقی سب سے تیز ہے، پچھلے چار برسون کے اندر وہان طلبہ کی تعداد

دونی ہوگئی ہے، پہلے دہان ۷، ۲ فیصدی تعلیم تھی، اب بڑھکر ۵، ۴ تک پہونچ گئی ہے، دہان لازمی تعلیم بھی تیزی سے ترقی کر رہی ہے، اس وقت اس کے دیہاتی رقبہ کے ۴۰ میل مین لازمی تعلیم جاری ہوچکی ہے مگر جب یہ حساب لگایا جائیگا کہ ابھی کام کرنے کے لیے کیا باقی ہے تو افسوس ہوگا کہ تعداد کے لحاظ سے ابھی ۹۶ فیصدی، اور رقبہ کے لحاظ سے ہزارون میل سے زیادہ کا کام باقی ہے، پنجاب کی اس تیز رفتاری کے معیار سے دوسرے صوبون کی سُست رفتاری کا اندازہ لگا لیجیے،

ولایاتِ متحدہ امریکہ کی مخلوط آبادی، ولایات متحدہ امریکہ کی مردم شماری کے آخری اعداد و شمار سے واضح ہوتا ہے کہ وہان کی ۱۵ ملین آبادی مین سے ۴۷۶۸۰ انگلستان اور شمالی آرلینڈ کے مہاجرین کی نسل مین سے ہین، ۵۰۶۲۶۸۰ جنوبی آرلینڈ کے، ۳۳۲۶۱ اسٹریلیا کے، ۹۷۱۴ نیوزیلینڈ کے، ۳۷۴۳۷۴ جرمنی کے، ۱۰۸۲۳۹۹ فرانس کے، ۱۳۱۶۰۹۳ کے، ۳۴۷۲۴۳۷۰ اٹلی کے، ۱۶۷۸۴۶۳ پولینڈ کے، ۱۲۶۰۶۹۵ ناروے کے ۲۲۳۴۶۶۹ روس کے اور ۱۸۶۷۵۳۲ سویڈن کے مہاجرین کی نسل سے ہین،

برطانیہ کی مجلس طبی کا اجلاس، انگلستان کی مشہور وقیع مجلس طبی کا سالانہ اجلاس ۱۵ جولائی سے ۲۳ جولائی تک اڈنبرا مین منعقد ہوا، اجلاس مین ملک کے مشہور اطبا نے مختلف مباحث طبیہ پر نہایت وقیع مضامین پڑھے، جن مین سے پروفیسر ہیوگلین کا مضمون "انسولین اور اُس کا ذیابیطس مین عمل" یا پروفیسر جان ٹائٹ کا مضمون "طحال کی ترکیب اور اسکے وظائف" اور ڈاکٹر آبرین اور پروفیسر فریزر وغیرہ کے مختلف مباحث پر مضامین خاص اہمیت رکھتے ہین،

" ر "

باب التقریظ والانتقاد

شعر و شاعری عرفی

حیدرآباد دکن میں جامعۂ معارف کے نام سے فارسی کی جو علمی انجمن قائم ہوئی ہے اُس کے مقاصد کا بیان اس سے پہلے معارف میں آچکا ہے، اس انجمن کا سب سے پہلا کارنامہ شعر و شاعری عرفی یعنی فارسی زبان میں عرفی کی شاعری پر ایک مفصل تبصرہ ہے، جو آقا سید محمد علی استاذ فارسی نظام کالج کے فضل و کمال کا ممنون ہے آجتک یورپین نے ہندوستان کے فارسی شعرا و ادبا کو نہایت حقارت کی نگاہ سے دیکھا ہے لیکن یہ انجمن اب اس تعصب اور بیگانگی کو دور کرکے ہندوستان کے فارسی شعرا و ادبا کو بھی گوشۂ گمنامی سے نکالکر دنیا سے روشناس کرنا چاہتی ہے،

اس سلسلہ میں جامعۂ معارف میں آقا سید محمد علی نے سب سے پہلے عرفی کو لیا ہے اور اُس کے حالات اور شعر و شاعری پر نہایت مفصل خطبہ دیا ہے جو ۴۰ صفحوں میں بعنوانِ بالا چھپا ہے، عرفی اگرچہ درحقیقت ایک ایرانی شاعر تھا، جو شیراز میں پیدا ہوا تھا لیکن اس کے فضل و کمال نے ہندوستان میں نشو و نما پائی تھی، اور استاذ مرحوم نے شعر العجم کی چوتھی جلد میں ہندوستان کی ایک عجیب و غریب خصوصیت یہ بتائی ہے کہ،

> جو چیز یہاں باہر سے آتی ہے چند روز کے بعد اس میں ایسی موزونی اور لطافت آجاتی ہے کہ خود اس کے وطن میں نہ تھی،

اور اس کو متعدد مادی مثالوں سے ثابت کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:-

بعینہ یہی فرق شاعری مین بھی ہے ایران کے اُن شعرا کو لو جو ایران سے ہندوستان مین آئے اور یہانکی آب و ہوا اور خیالات سے متاثر ہوئے، ان کا کلام اُن شعرائے ایران سے جدا ہے جو ایران ہی مین رہے دونون کے کلام مین صاف یہ فرق نظر آئیگا، عرفی نظیری طالب آملی کلیم قدسی غزالی کے کلام مین جو لطافت نزاکت باریک خیالی اور رنگین ادائی ہے وہ شفائی اور محتشم کاشی مین کہان پائی جاسکتی ہے،

آقا سید محمد علی بھی اپنی تقریر مین ہندوستان کی اس خصوصیت کو تسلیم کرتے ہین چنانچہ فرماتے ہین،

اگر عرفی و شیرازی ماند در ہند نے آمدشل شعرائے معاصر ایرانی خود شفائی وحیرتی و حارث و یحیی و امثال ایشان گمنام یا کم نام میمرد و امروز عرفی امروزہ را نداشتیم پس عرفی پرورده ہندست و ہندوستان بوجود عرفی افتخار می نماید شیراز را باید حق بالیدن بہ وجود عرفی ندارد و آقائے شیراز خوہش دارم عرفی را بہ ہند واگذارید برائے افتخار شما سعدی و حافظ و قاآنی بس است،

اس کے بعد اُنھون نے عرفی کے حالات بیان کیے ہین جن کے دو ماخذ یعنی مآثر رحیمی اور تذکرہ عرفات ہین یعنی شاہدات مذکورہ ہین، استاد مرحوم نے بھی شعرالعجم مین انھین دونون کو عرفی کے حالات کا مستند ترین ماخذ قرار دیا ہے لیکن ان کا بہترین ماخذ ایک اور تھا یعنی خانخانان کے حکم سے محمد قاسم سراج نے عرفی کے دیوان کی جو ترتیب دی تھی اسپر عبدالباقی نے ایک دیباچہ لکھا تھا جسمین عرفی کے حالات اور واقعات درج کیے تھے، چنانچہ مآثر رحیمی مین اس کا ذکر آیا ہے، اور اس تقریب سے مولانائے مرحوم بھی اس ماخذ سے واقف تھے لیکن ان کو یہ افسوس تھا کہ،

یہ نسخہ آج کل نایاب ہے ورنہ غالباً بہت ہی دلچسپ باتین معلوم ہوتین،

لیکن آقا سید محمد علی کو خوش قسمتی سے یہ ماخذ بھی ہاتھ آیا ہے لیکن مولانائے مرحوم نے اس ماخذ سے جن دلچسپ باتون کے معلوم ہونے کی توقع کی تھی، وہ پوری نہین ہوئی اور انھون نے جو حالات بیان کیے ہین اُن سے اُن حالات پر مطلقاً کوئی اضافہ نہین ہوا ہے، جو شعرالعجم مین مذکور ہین، آقا محمد علی نے دیوان عرفی کے متعلق

اپنی جو تحقیقات بیان کی ہے وہ تلخیص کے لایق ہے کہ اس سے بہت سے دلچسپ حقایق کی پردہ دری ہوتی ہے وہ کہتے ہین :- "محمد قاسم سراج نے خانخانان کے حکم سے عرفی کا جو دیوان مرتب کیا تھا اس مین قصیدہ غزل مثنوی اور قطعہ رباعی کے چودہ ہزار شعر تھے اسوقت یہی کلیات عام طور پر مستعمل ہے لیکن اسمین اشعار کی تعداد چودہ ہزار سے کم ہے یعنی غزل کے اشعار تقریباً چار ہزار قصائد کے تقریباً تین ہزار مثنوی مجمع الابکار کے تقریباً ایک ہزار چار سو مثنوی فرہاد و شیرین کے تقریباً پانچسو رباعیون کے تقریباً چار سو پچاس اور قطعات کے تقریباً پانچسو ہین جن کی مجموعی تعداد تقریباً نو ہزار ہوتی ہے بقیہ اشعار کا حال معلوم نہین کیا ہوئے لیکن غزل کے ان چار ہزار اشعار مین ممکن ہے کہ ایک ہزار شعر عرفی کے ہون بقیہ اشعار ایسے شعرا کے ہین جو استاد نہین معلوم ہوتے بلکہ بالکل مبتدی نظر آتے ہین عرفی قصیدے کا بہت بڑا استاد تھا جو انوری اور خاقانی کی ہمسری کا دعوی کرسکتا تھا لیکن اگر اس کی غزلون پر نظر ڈالی جائے تو وہ کسی غزل گو کے دوش بدوش نہین کھڑا ہو سکتا مین ایران مین تھا کہ عرفی کا کلیات جو ہندوستان مین چھاپا گیا تھا وہان آیا مین نے اُس کے قصائد پڑھے تو تسلیم کیا کہ وہ ایک بہترین اُستاد ہے لیکن اس کی غزلون کے پڑھنے سے مجھ کو مایوسی ہوئی اور مایوسی کے ساتھ تعجب ہوا کہ جو شاعر قصیدہ مین اس قدر مضمون آفرین اور بلیغ ہو وہ غزل مین کیون مبتدی اور مہمل گو نظر آتا ہے اگرچہ اس کی غزلون مین چند عمدہ غزلین بھی نظر آئین تاہم میرا تعجب قائم رہا لیکن جب ہندوستان مین آیا تو یہان کا یہ عجیب طریقہ دیکھا کہ یہان کے چھاپے خانے بہت سے اشعار کو چھاپ کر ایک شاعر کی طرف منسوب کردیتے ہین اور اُن کو لوگ وحی کی طرح قبول کرلیتے ہین حالانکہ وہ اشعار کسی طرح اس شاعر کی طرف منسوب نہین کیے جاسکتے مثلاً حافظ کا جو دیوان ۱۲۸۸ھ عربن بمبئی مین چھپا ہے اس کی ایک غزل مین ایک شعر ہے

از رنگ برگ پان و سیہ باری و چونہ شد دندان آن نگار سفید و سیاہ و سرخ

حالانکہ خواجہ حافظ پان سیہ باری سے واقف نہ تھے

اسی طرح ہندوستان مین جو غزلین ظہیر فاریابی کے نام سے چھپی ہین وہ کسی ہندی شاعر کی ہین اور اس

مجموعہ مین ایک غزل بھی ایسی نہین ہی جو ظہیر کی طرف منسوب کی جا سکے، یہ ظہیر اپنے اس دیوان مین ایک جگہ کہتا ہے کہ مین صائب کے انداز مین شعر کہتا ہون، حالانکہ ظہیر صائب سے چھ صدی پہلے گذرا ہے،

آقائے ممدوح کہتے ہین کہ ہندوستان مین پہلے یہ طریقہ تھا جو اب بھی موجود ہے کہ یہان کے شعراء اساتذۂ قدیم کا تخلص اختیار کرتے تھے، چنانچہ سعدی ہندی کا نام ہم سب کو معلوم ہے، اور ظہیر ہندی کی غزلین ظہیر فاریابی کے نام سے مطبع نولکشور لکھنؤ نے شائع کی ہین، دکن مین اب بھی ایک شاعر ہے جس کا تخلص نظامی ہے، اس بنا پر مین نے یہ رائے قائم کی تھی موجودہ مطبوعہ نسخہ مین جو غزلین عرفی کے نام سے شائع ہوئی ہین وہ کسی دوسرے غیر معروف شاعر کی ہین، جس نے اپنا تخلص عرفی کیا تھا، البتہ اس مین چند غزلین عرفی کی بھی شامل ہو گئی ہین اور مطبع نولکشور اس غلط مبحث کا ذمہ دار ہے، لیکن جب مین نے قلمی نسخے دیکھے، یہان تک کہ وہ قلمی نسخہ بھی میری نظر سے گذرا جو عرفی کے زمانے کے قریب لکھا گیا ہے تو مجھے افسوس کے ساتھ معلوم ہوا کہ قلمی نسخے بھی مطبوعہ نسخے کے ساتھ مطابقت رکھتے ہین، اب مین نے مزید تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ جو مصیبت بیچارے خواجہ حافظ پر آئی تھی وہی غریب عرفی پر بھی آئی ہے، یعنی خواجہ حافظ کا دیوان خود اُن کے زمانے مین مرتب نہین ہوا تھا بلکہ اُن کے بعد اُن کے دولت مند شاگرد محمد گل اندام نے اُس کو مرتب کیا اور جس شخص کے یہان خواجہ کے اشعار ملے اُس سے اُن کو حاصل کیا، یہان تک کہ اخیر مین ایک غزل کی قیمت ایک اشرفی مقرر کی تاکہ اس لالچ سے جس شخص کے پاس حافظ کی غزلین ہون وہ اس کے حوالے کر دے، چنانچہ اشرفی کے لالچ سے بہت سے لوگ حافظ کے نام سے خود غزلین لکھ کر یا دوسرون سے لکھوا کر لائے، اور اس زرین صلہ کو حاصل کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ حافظ کے دیوان مین اس قسم کی غزلین شامل ہو گئین،

بنویس دلا بیار کاغذ از عاشق بیقرار کاغذ

اسی طرح خود عرفی کا دیوان بھی اس کی زندگی مین مرتب نہین ہوا بلکہ اس کی وفات کے بعد اس کی ترتیب خانخانان کے حکم سے دی گئی، اس بنا پر اس مین دوسرون کی بندیانہ غزلین بھی شامل ہو گئین، مآثر رحیمی اور

کلیات عرفی کے دیباچہ کے مطابق عرفی نے پہلے ایک دیوان خود مرتب کیا تھا جسمین ۶ ہزار شعر تھے لیکن دوسرون کی نقل لینے سے پہلے ہی وہ ضائع ہوگیا، چنانچہ اس نے خود ایک غزل مین جس کا ایک شعر یہ ہے

رصد شرع سبز چون نشود محو کہ من شش ہزار آیت احکام ہتر یاختہ ام

اس پر افسوس کیا ہے اُس کے بعد اس نے ۹۹۶ھ مین آٹھ ہزار شعر کا ایک دوسرا دیوان مرتب کیا اور اسکے مرتب کرنے کے تین سال بعد وفات پائی، اور اپنے مرض الموت مین اس دیوان کا مسودہ خانخانان کے پاس بھیجدیا کہ اُس کے حکم و توجہ سے صاف ہوکے شایع ہوجائے، لیکن یہ مسودہ ۱۰۲۴ھ یعنی ۲۵ برس تک خانخانان کے کتب خانہ مین یونہین پڑا رہا، اُس کے بعد محمد قاسم سراج کے سپرد کیا گیا کہ وہ اس کو مرتب و شایع کرے، اس کے ساتھ یہ تاکید بھی کی گئی کہ جس شخص کے پاس عرفی کے اور اشعار ہین ان کو بھی اس دیوان مین شامل کیا جائے، سراج نے اس خیال سے کہ عرفی کے چھ ہزار اشعار پہلے ضائع ہوچکے ہین، اس لیے اس کے تمام اشعار کی مجموعی تعداد چودہ ہزار ہے، اس کے دیوان کو چودہ ہزار شعر تک پہونچایا، اس اضافہ کے متعلق استاذ مرحوم شعرالعجم مین لکھتے ہین کہ

"صمصام الدولہ شہنواز خان نے تذکرہ بہارستان سخن مین لکھا ہے کہ عرفی کا ضائع شدہ کلام بھی آخر ہاتھ آیا اور دیوان مین داخل کردیا گیا لیکن جو نسخے اس سے پہلے شائع ہوچکے تھے وہ ناقص رہے، یہ بیان قرین قیاس معلوم ہوتا ہے، مین نے عرفی کے دیوان کے نسخے باہم مختلف دیکھے ہین، میرزا صائب نے اپنی بیاض مین عرفی کے اکثر اشعار انتخاب کیے ہین جو موجودہ دیوانون مین نہین ملتے"

لیکن اس عبارت سے یہ معلوم نہین ہوتا کہ عرفی کا ضائع شدہ کلام کب ہاتھ آیا؟ اور کس کے ہاتھ آیا؟ اگر وہ خود محمد قاسم سراج کو ملا تو اس کے متعلق آقا سید محمد علی فرماتے ہین کہ مجھ کو سراج کے ادبی پایہ اور شاعرانہ مذاق کا حال معلوم نہین ہے، ممکن ہے کہ وہ حاطب اللیل ہو اور عرفی کے نام سے رطب و یابس جو کچھ ملا ہو سب کو ایک جگہ جمع کردیا ہو، خود خانخانان کو امور سلطنت اور کثرت مشاغل سے اول سے آخر تک سراج کے ترتیب دادہ

دیوان کے مطالعہ کرنے کی فرصت نہ ملی ہو اور سراج نے عرفی کے نام سے چھ ہزار خارجی شعر کو شامل دیوان کرکے خانخانان سے عظیم الشان صلہ حاصل کرلیا ہو، لیکن اگر سراج کے علاوہ کسی اور نے یہ کمی پوری کی تو حقیقت اور بھی مشتبہ ہو جاتی ہے، بہرحال دیباچہ کلیات عرفی، آخر رحیمی اور خود عرفی کے مادۂ تاریخ کے مطابق عرفی نے جو دیوان خود مرتب کیا تھا، اس میں ۲۷۰ غزلیں اور ۲۶ قصیدے تھے، لیکن اب مطبوعہ نسخے میں ۵۶۴ غزلیں اور ۱۴ قصائد ہیں، جن میں آقا سید محمد علی کے نزدیک تقریباً ۳ سو غزلیں عرفی کی نہیں ہیں، اور ان کو عرفی کے اصل کلام سے الگ کیا جا سکتا ہے، البتہ قصائد سب کے سب عرفی کے ہیں، کیونکہ سب کا انداز ایک ہی ہے، اور سب میں شاعرانہ احساسات موجود ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ سراج نے عرفی کے اور ممدوحین کے بیان سے لیکر بقیہ قصائد کو جمع کیا تھا،

شاید یہ کہا جائے کہ ایک قصیدہ گو شاعر قصیدہ کے مثل غزل نہیں کہہ سکتا، اسی طرح غزل گو شاعر غزل کے درجہ کے قصیدے نہیں کہہ سکتے، مثلاً خاقانی اور انوری کی غزلوں کا درجہ ان کے قصائد سے پست ہے، اور سعدی اور حافظ کے قصائد اُن کی غزلوں سے فروتر ہیں، اس لیے اگر عرفی کی غزلیں اُس کے قصائد کے رتبہ کو نہیں پہونچتیں تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ جعلی اور مصنوعی ہیں، لیکن اس فرقِ مراتب کے تسلیم کرلینے کے بعد بھی کم از کم یہ ماننا پڑیگا کہ گو ایک شاعر جس نے اپنی عمر کسی صنفِ شعر میں بسر کی ہے، دوسری صنف میں پست رتبہ ہو جاتا ہے، تاہم وہ اس میں بالکل مبتدی اور مہمل گو بھی نہیں بن جاتا، مثلاً حافظ اور سعدی کے قصائد اگرچہ ان کی غزلوں کے درجہ کو نہیں پہونچتے، تاہم وہ بلند اور اُستادانہ اشعار سے بالکل خالی نہیں ہیں، اسی طرح انوری، ظہیری، اور خاقانی کی غزلیں بھی اگرچہ اُن کے قصائد سے فروتر ہیں، لیکن بایں ہمہ ان کا انداز ان کے قصائد ہی کا ہے، لیکن عرفی کی جو غزلیں منسوب ہیں وہ اس کے قصائد سے بالکل میل نہیں کھاتیں، چنانچہ اگر کوئی شخص انوری کے قصائد کو عرفی کے قصائد پر ترجیح دینا چاہے تو اسکو اس خطرناک موازنہ میں نہایت غور و فکر سے کام لینا پڑیگا، لیکن عرفی کی غزلوں پر غزل کے ہر استاد کی غزلوں کو بہ آسانی ترجیح

دینا چاہیے تو اس خطرناک موازنہ مین نہایت غور و فکر سے کام لینا پڑیگا، لیکن عرفی کی غزلون پر غزل کے ہر استاد کی غزلون کو بہ آسانی ترجیح دیجا سکتی ہے عرفی نے قصائد مین اساتذۂ قدیم کا تتبع کیا ہے اور کامیاب ہوا ہے، لیکن اس کے برعکس جہان کہین غزل مین کسی استاد کا تتبع کیا ہے افسوسناک طور پر ناکامیاب رہا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ عرفی نے بہت سے قصائد کی ابتدا مین تشبیب لکھی ہے جو ایک قسم کی غزل ہے لیکن اگر ان تشبیبون کا مقابلہ اس کی غزلون سے کیا جائے تو زبان و بیان مین زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوگا،

مادی حیثیت سے عرفی کے کلام پر بحث کرنے کے بعد انھون نے معنوی حیثیت سے اس کے کلام پر نظر ڈالی ہے، اور اس سلسلے مین سب سے پہلے تاریخی حیثیت سے اسکے اسلوب سخن اور انداز بیان کی تعیین کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رودکی دقیقی اور فردوسی کے زمانہ تک شعرائے ایران سادگی بیان اور فصاحت الفاظ کا زیادہ لحاظ کرتے تھے، اور تشبیہات و استعارات قریب الماخذ استعمال کرتے تھے لیکن نظامی اور خاقانی نے اس روش کو بدل کر دقیق مضامین پیدا کیے اور بعید الفہم تشبیہات و استعارات سے کام لیا، یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام عوام کی سمجھ سے بالاتر ہے، اور اس سے صرف علما فائدہ اٹھا سکتے ہین، لیکن ساتوین صدی مین امامی ہروی مجد ہمگر سعدی ہمام اور خواجہ حافظ نے پھر اس پیچیدہ روش کو بدل کر قدما کا سادہ اسلوب بیان اختیار کیا، الفاظ، عام فہم اور سلیس استعمال کیے اور تشبیہات و استعارات سے بہت کم کام لیا، اس لیے شاعری بالکل عام فہم ہوگئی اور شعر گوئی کا عام مذاق پیدا ہوگیا لیکن نویں صدی مین پھر اس روش مین انقلاب پیدا ہوا اور شعرا نے پھر وہی نظامی اور خاقانی کا پیچیدہ انداز کلام اختیار کیا، امیر علی انوائی اور ملا عبد الرحمن جامی نے اس کی ابتدا کی اور فغانی نے اس کے تتبع مین زیادہ نام پیدا کیا اور فغانی کے معاصرین مین اہلی شیرازی خواجہ اصفی اور میر شاہی نے بھی اس کا تتبع کیا یہان تک کہ سانی شریف تبریزی بیخی لاہیجی محتشم کاشی ضمیری اصفہانی اور وحشی بافقی کے زمانے تک یہ روش تمام ایران

ہندوستان اور توران پر محیط ہوگئی اس کے بعد مرزا قلی سلیمی، خواجہ حسین ثنائی، ولی دشت بیاضی، عالمی، قاضی نورالدین اصفہانی، فہمی، حاتم کاشی، قمی، صبری اور ساوجی وغیرہ نے اس اسلوب مین اور بھی اغراق ومبالغہ سے کام لیا، اس کے بعد عرفی کا زمانہ آیا تو اس نے اس شراب تند کو اور بھی دو آتشہ کردیا، اور تمام شعرا مثلاً فیضی، رکنای مسیحی اور حکیم شفائی بھی اس کی تقلید کرنے لگے، اور نویں صدی کے اواخر سے بارھویں صدی تک یہ روش قائم رہی، اور اس نے اس قدر مقبولیت حاصل کی کہ معمّا گوئی شاعری کی ایک مستقل صنف ہوگئی اور اس مین متعدد کتابین تصنیف ہوئین، چونکہ اس روش نے ہندوستان مین زیادہ وسعت اور مقبولیت حاصل کی، اس لیے ہندوستان کے لوگ اس طرز کے اساتذہ مثلاً فیضی، عرفی، نظیری، بیدل صائب اور غنی وغیرہ کی عزت شعرائے ایران سے زیادہ کرنے لگے، اور ایرانیون نے اس طرز کو ہندی طرز کا لقب دیا، اور آج تک ہندوستان مین یہی روش متداول ومقبول ہے، لیکن ایران مین بعض سیاسی اسباب کی بنا پر بعد کو یہ روش بدل گئی، اور بارھویں صدی کے اواخر مین ہاتف اصفہانی، صباحی بیدگلی اور لطف علی بیگ آذر وغیرہ نے وہی سعدی اور حافظ کی سادہ روش اختیار کرلی، اور اس روش نے قاآنی، سروش اور فروغی جیسے شعرا پیدا کردیے،

عرفی کے اسلوب وانداز بیان کے بعد انھون نے اس کے قصائد سے مثالین پیش کرکے اسکی تائید کی ہے، لیکن اس کے علاوہ عرفی کے کلام مین اور بھی بہت سی خصوصیات ہین جن کو انھون نے بالکل نظرانداز کردیا ہے، لیکن انھون نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے، وہ بہرحال ایک ادبی مجلس کی شان کے موافق ہے، اور اگر شعبۂ جامعۂ معارف مین اس قسم کی تقریرین ہوتی رہین تو امید ہے کہ فارسی زبان اور فارسی شاعری کے متعلق بہت سے تاریخی مباحث سے ہندوستان آشنا ہوجائیگا، عام ناظرین کے لیے اس رسالہ کی قیمت ۴ر ہے اور مولف کے پتہ سے حیدرآباد سے ملے گی،

" ع "

نقشِ ارژنگ

پنجاب کے نوجوان شاعر چودھری جلال الدین صاحب اکبر نے اس نام سے اپنا مجموعۂ کلام شایع کیا ہے۔ اکبر بادشاہ کا خطاب جلال الدین تھا، اس مناسبت سے جلال الدین صاحب کا اکبر تخلص کرنا تاریخی مناسبت پر مبنی ہے۔ ان کا مجموعۂ کلام چھوٹی تقطیع کے ۱۳۵ صفحوں میں ہے اور مختصراً مختلف اصنافِ سخن پر حاوی ہے۔ شروع میں مختلف اصحاب کے قلم سے بہ ترتیب تعارف، مقدمہ اور گران قدر رائیں لکھی گئی ہیں، ان میں سے ہر صاحب نے اکبر کی شاعری کے متعلق حوصلہ افزا خیالات ظاہر کیے ہیں۔

یہ مجموعہ تین حصوں پر منقسم ہے۔ نقوشِ رنگین جس میں مختلف عنوانوں پر چند نظمیں، رباعیات اور قطعات ہیں، نقشِ غیر فانی دوم، یہ اُن غزلوں کا مجموعہ ہے جو اُنھوں نے میٹرک پاس کرنے کے بعد کالج کی زندگی میں کہیں، اور نقشِ غیر فانی حصۂ اول میں میٹرک پاس کرنے سے پہلے کی چند غزلیں ہیں۔

پہلے حصہ میں شفقِ صبح، ایک تصویر دیکھ کر، بچپن، اقبال لسان العصر اکبر، خونِ آرزو، تجدیدِ آرزو، انارکلی، دعاہائے مستجاب، کے مختلف عنوانات پر ان کی نظمیں نہایت دلکش، فصیح اور مؤثر ہیں۔

یہ خواب ہے کہ طلسمِ خیال ہے، کیا ہے؟ ریاضِ خلد کا رنگِ جمال ہے کیا ہے؟
یہ روز و شب کا مقام عمال ہے کیا ہے؟ مری نگاہ کا حدِ کمال ہے، کیا ہے؟
بلندیوں پہ یہ رنگین مکان کیسا ہے
جہان بھر سے انوکھا جہان کیسا ہے

رباعیات کے ذیل میں ہے،

جب روحِ غمِ جہان سے گھبراتی ہے ذکرِ غمِ شاہ سے سکون پاتی ہے

آئینے کی طرح آنسوؤن مین مجھکو تصویرِ حسینؑ کی نظر آتی ہے،

غزلون مین اکبر نے حسرت موہانی کے رنگ کا تتبع کیا ہے اور کامیابی کے ساتھ اس کی پیروی کی ہے اس لیے اُن کو آئندہ پنجاب کا حسرت کہنا مناسب ہوگا، بیان کی سادگی الفاظ کی روانی ابتذال کے پرہیز فارسی ترکیبون کی ہلکی سی چاشنی یہ سب باتین اکبر مین پائی جاتی ہین جس کا ثبوت اُن کا یہ کلام ہے،

بہارِ زندگانی گلفشان معلوم ہوتی ہے — تری تصویر سینے مین نہان معلوم ہوتی ہے
مصیبت کشمکشہائے محبت کی نہین جاتی — وفا کی ٹیس دردِ جاوداں معلوم ہوتی ہے
فروغِ بیخودی ہے اُن کے پیراہن کی رنگینی — کوئی موجِ شرابِ ارغوان معلوم ہوتی ہے
فسانے قیس کے کچھ آشنا معلوم ہوتے ہین — کتابِ عشق دل کی داستان معلوم ہوتی ہے
تری چشمِ خمار آلود مین اک سحرِ قاتل ہے — نگاہِ مہربانی جانستان معلوم ہوتی ہے
بہارِ ناز سے اُس نوگلِ رعنا کی اے اکبر — محبت گلستان درگلستان معلوم ہوتی ہے

اسی زمین اور قافیہ ردیف مین تین غزلین ہین اور تینون اچھی ہین ان کی ایک غزل کا شعر ہے اور کتنا اچھا شعر ہے،

وہ چشمِ دلنواز ہے پھر برسرِ کرم — حاصل سکون یاس کی راحت نہین مجھے

اسی قسم کے اور بہت سے اچھے شعر اُن کے کلام مین موجود ہین جو اُن کے حسنِ ذوق کو ظاہر کرتے ہین تاہم ان تمام خوبیون کے ساتھ پنجاب کے حسرت کے متعلق ہمین یوپی کے حسرت کی اس رائے سے اتفاق ہے کہ شاعر نے اپنے مجموعۂ کلام کی اشاعت مین عجلت کی خاندانِ مومن کے رنگ کے لیے دیگر خصوصیات کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ فارسی ترکیبون اور محاورون پر کامل عبور ہو اُس کے بغیر اس رنگ کا نباہنا آسان نہین سمجھتے ہین،

ہے ستم خوردۂ جنون اکبر — اسکی خانہ بدوشان نہ گئین

عیسائی دنیا مین جو مختلف فیہ امور ہین اور اس سلسلہ مین علمی تحقیق و تدقیق کے لحاظ سے جو موشگافیان کی گئی ہین انھین عمداً نظرانداز کردیا جائے، اس لیے یہ کتاب دراصل محض سرسری اور سادہ حالات پر مشتمل ہے لیکن اس موقع پر بھی کہین کہین خواجہ صاحب نے بعض تاریخی و علمی حقایق کے انکشاف کی کوشش کی ہے، مثلاً ص ۳۵ پر ایک سامری عورت کے سلسلہ مین سامریون کے متعلق فرماتے ہین کہ "دراصل وہ فارسی نژاد تھے" لیکن تمام سامریون کو فارسی نژاد بتانا صحیح نہین ہے کیونکہ خود کتاب مقدس کی تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ سمرون مین بنی اسرائیل کے ایسے قبائل بھی آباد تھے جو مذہب سامری کے پیرو تھے، اور خصوصاً خواجہ صاحب جس عورت کا تذکرہ فرما رہے ہین وہ خود اپنے الفاظ "ہمارے باپ یعقوب" اور "کنوان عطا کیا" (یوحنا ۴ : ۱۲) سے اپنے اسرائیلی ہونے کا ثبوت پیش کر رہی ہے،

کتاب کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس موضوع پر سیحی توسط سے جو حالات مل سکتے تھے، سب کو مسلسل اور مربوط طریقہ سے یکجا کردیا گیا ہے، البتہ ایک آدھ مقام پر بعض چیزین ایسی نظرانداز ہوگئی ہین جنھین خاص اہمیت حاصل ہے، مثلاً جس موقع پر بتایا گیا ہے کہ یہود نے حضرت مسیح کے قتل کا فیصلہ کیا وہان یہ بھی بتانا تھا کہ فیصلہ قایافس سردار کاہن نے کیا اور اسکے ساتھ اس کے تعلق یوحنا کے اس بیان کو بھی پیش کرنا تھا کہ "اس نے یہ اپنی طرف سے نہین کہا بلکہ اس سال سردار کاہن ہوکر نبوت کی" (یوحنا ۱۱ : ۵۱) کیونکہ جیسا کہ معلوم ہے پھر اسی قایافس ہی نے حضرت مسیح کے لیے مذہبی عدالت سے موت کا آخری فیصلہ سنایا،

خواجہ صاحب ان اسرائیلیات مین مسلمانون کے لیے جابجا توسین مین اسلامی عقیدے بھی نہایت مختصر جملون مین لکھتے گئے ہین اور آخر کے چند صفحون مین "حضرت عیسیٰ کی نسبت مسلمانون کا خیال" کے عنوان سے اسلامی عقائد بھی پیش کیے ہین لیکن خواجہ صاحب کی یہ مختصر تصریحات اس مربوط اسرائیلی افسانے کے سامنے جسکو خواجہ صاحب نے مرتب کیا ہے، قطعی ناکافی ہین اگرچہ انھون نے بعد مین اس موضوع پر ایک رسالہ لکھنے کی امید دلائی ہے، لیکن ضرورت تھی کہ اسی موقع پر اس ضمیمہ کو اور وسعت دیتے

اور اسلامی عقائد اور اس کے استدلالات کو بھی مناظرانہ طرزِ تحریر سے علٰحدہ ہو کر یکجا کر دیتے، تاکہ ناظرین عیسائیون کے عقائد کے موافق عیسائی تعلیم کا نمونہ" دیکھنے کے بعد اسلامی معتقدات سے بھی پوری طرح آگاہ ہو جاتے،

آخر مین "اسلامی علم و ادب مین حضرت عیسیٰ کا ذکر" کے عنوان سے عیسائیون کو مخاطب کر کے لکھتے ہین کہ "اسلامی شعرا نے حضرت عیسیٰ کا نام بھی اپنی شاعری کا ایک مستقل باب قرار دے لیا، جسمین ہر شاعر نے مختلف طریقون سے حضرت عیسیٰ کی تعریف لکھی ہے" اور اس ذیل مین مختلف شعرا کے کلام نمونہ کے طور پر پیش کیے ہین، اس سے خواجہ صاحب کا مقصود یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ اور اُن کے معجزات پر مسلمانون کو اس درجہ یقین رہا کہ اُن کے ادبیات مین "اعجاز مسیحائی" ایک خاص عنوان قرار پا گیا، اور شعرا نے مختلف خیالات جذبات اور احساسات کے ادا کرنے مین اس وصف کو مجازاً استعارۃً تشبیہً اور تمثیل کے طور پر استعمال کیا،

افسوس ہے کہ خواجہ صاحب اپنی اس تالیف مین اپنے مخصوص طرزِ انشا کو قائم نہ رکھ سکے اور گو بیاچہ مین اس کا خود اعتراف کیا ہے لیکن اس سلسلہ مین انھون نے ایسی بے اعتنائی کی کہ دلی کا انتساب لکھتے ہوئے خواجہ صاحب کے شایانِ شان نہین، مثلاً "اسے بڑی فکر" "منگیر ہو گئی" "یا احکامات" "رہایش" اور "انکساری" وغیرہ جیسے الفاظ کا استعمال اس سے بدگمانی ہوتی ہے کہ خواجہ صاحب نے اسمین خود محنت کم کی ہے..... حقیقت یہ ہے کہ خواجہ صاحب اب کامیاب مصنف ہو چکے ہین اُن کو اب خود زیادہ محنت کرنے کی ضرورت بھی کم ہے، خدا خواجہ صاحب کے قدردانون کو سلامت رکھے اُن کی ہر تحریر کو وہ دعا تو دیتے ہی ہین اور ایک مصنف کے لیے اس عہد مین اس سے زیادہ اور کیا چاہیئے، کتاب ۲۱۲ صفحون پر تمام ہوئی ہے، لکھائی چھپائی اچھی اور کاغذ اوسط درجے کا ہے، قیمت ۱؎ جناب ابن عربی صاحب کاکن حلقہ مشایخ گڈپو دہلی سے طلب کیجیے،

"ر"

مطبوعات جدیدہ

الکحل اور زندگی، جناب جان اسے ہنٹر ایم بی سی ایم کا ایک رسالہ "الکحل اور زندگی" کے نام سے ہے جس مین نہایت دلچسپ پیرایہ مین سائنس کے اصول کی روشنی مین شراب کے خطرناک اثرات بتاکر اُن سے محترز رہنے کی تلقین کی گئی ہے، کتاب مختلف اسباق مین منقسم ہے، انداز بیان نہایت سلیس اور دلکش ہے، اور سائنس کے اہم اور پیچیدہ مسائل دلچسپ تمثیلون سے نہایت آسان پیرایہ مین سمجھائے گئے ہین، جناب مولوی حامد حسن صاحب قادری نے اس رسالہ کو اُردو مین منتقل کیا ہے، ترجمہ کی زبان نہایت صاف، سادہ اور سلیس ہے، حجم ۱۴۱ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ اچھا ہے، قیمت ۱۲ر پتہ: میکمیلن اینڈ کمپنی لمیٹیڈ، کلکتہ، بمبئی، مدراس، لندن،

شرف اصحاب الحدیث۔ یہ حافظ ابوبکر خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ صاحب تاریخ بغداد کا ایک نایاب رسالہ ہے جسمین اُنھون نے جماعت اصحاب حدیث کے فضائل ومناقب لکھے ہین، شروع مین "اصحاب احادیث" کی اصطلاح متکلمین اسلام کے مقابلہ مین قائم ہوئی تھی، کیونکہ محدثین کی مقدس جماعت جسمین آئمہ مجتہدین بھی تھے عقائد مین متکلمین کے عقائد سے اصولی اختلاف رکھتی تھی، حافظ ابوبکر خطیب بغدادی آخر عمر مین اسی جماعت مین داخل ہوگئے تھے، اور اسی وقت یہ رسالہ ان کے قلم سے نکلا تھا، ایک سیاہ حلیۂ طبع سے عاری تھا، جناب مولانا محمد صاحب ایڈیٹر اخبار محمدی دہلی شکریہ کے مستحق ہین کہ وہ اس نایاب رسالہ کو مدینہ منورہ کے کتب خانہ سے نقل کرلائے، اور اُسکو اُردو ترجمہ کے ساتھ فضائل محمدی کے نام سے موسوم کرکے شایع کیا ہے، رسالہ مین جیسا کہ اُس کے نام سے ظاہر ہے اس

جماعت کے فضائل و مناقب اور اس کا برسرحق ہونا ثابت کیا گیا ہے، اور اس کے مقابل گروہ کی غلطیاں اور گمراہیاں بھی واضح کی گئی ہیں، رسالہ کا ترجمہ صاف اور سلیس ہے، آخر کے دو صفحوں میں عربی اور اردو دونوں میں مؤلف کے سوانح حیات سرسری طور پر درج کیے گئے ہیں، حجم مجموعی ۱۴۴ صفحے، لکھائی، چھپائی اور کاغذ اچھا ہے، قیمت عہ پتہ:- دفتر اخبار محمدی اجمیری دروازہ دہلی،

اسوۂ حسنہ، مولوی سید محمد اسحاق صاحب نے حدیث کی مختلف صحیح کتابوں سے اخلاق و موعظت کی پانچسو حدیثیں جمع کی ہیں، اور اُن کا ترجمہ "اسوۂ حسنہ" یا "اسلامی اخلاق" کے نام سے شائع کیا ہے، ترجمہ صاف اور سلیس ہے، لیکن کیا بہتر ہوتا اگر اخلاق کے مختلف ابواب قائم کرکے ان حدیثوں کو ان کی مناسبت سے مختلف ابواب میں تقسیم کر دیا جاتا، بہرحال یہ کتاب مسلمانوں کے لیے مفید اور اُن کے پڑھنے کے لایق ہے، حجم چھوٹی تقطیع پر ۱۸۸، لکھائی، چھپائی اور کاغذ اچھا ہے، جلد خوشنما اور مطلا ہے، قیمت ۱۲ر پتہ:- جناب محمد فخر الدین صاحب احمدیہ کتاب گھر قادیان،

درثمین، ہندوستان کی مشہور انگریزی شاعرہ مسز سروجنی نائیڈو کے دلآویز انگریزی کلام کے منظوم ترجمے اردو کے مختلف رسائل میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں، جناب تصدق حسین صاحب شکریہ کے مستحق ہیں کہ اُنھوں نے ان دُرہائے نا سفتہ کو ایک سلسلہ میں منسلک کرکے "درثمین" کے نام سے شائع کیا ہے، اُردو ترجموں کے مقابل کے صفحوں پر انگریزی کی اصل نظمیں بھی دیدی گئی ہیں، ابتدا میں جناب اختر دہلوی اور جناب سید ہاشمی صاحب فرید آبادی رکن دار الترجمہ حیدر آباد کے دلچسپ مقدمے ہیں، امید ہے کہ شائقین ادب اس شاعرۂ ہند کے انگریزی خیالی پیکروں کو اس ہندوستانی لباس میں پسند فرمائیں گے، رسالہ کا حجم ۱۰۴ صفحے، لکھائی، چھپائی اور کاغذ عمدہ ہے، قیمت کتاب مجلد عہ غیر مجلد عہ/ پتہ:- احمدیہ پریس چار مینار حیدر آباد،

سیر گل، جناب جلیل احمد صاحب قدوائی بی اے علیگ نے اپنے ان سولہ مختصر افسانوں کا مجموعہ "سیر گل" کے نام سے مرتب کیا ہے، جو وقتاً فوقتاً مختلف رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں، ان میں کے چند افسانے

روسی اہل قلم چیخوف اور فرانس کے ایک اہل قلم موپاسان کے مختصر افسانوں کا ترجمہ ہیں اور چند جناب مرتب کے طبعزاد ہیں اس لیے یہ سب اگرچہ ایک ہی قلم کی گلکاریاں ہیں تاہم ہر ایک میں مختلف رنگ کے نقش و نگار ہیں فی الجملہ چیخوف کے افسانے پر لطف سادہ اور صحیح کیرکٹر کا بہترین نمونہ ہیں جن میں تحلیل نفسی کے صحیح اصول از خود نمایاں ہوتے ہیں اور موپاسان کا افسانہ "گورستان کی نازنین" بھی دلچسپ اور پڑھنے کے لائق ہے مختصر افسانوں کے طرز تحریر میں اصل جان سلاست اور روانی ہے جناب جلیل نے اس کے نباہنے کی خاص کوشش کی ہے لیکن کہیں کہیں انھیں اپنی ناکامی کا اقرار کرنا پڑیگا، مگر پھر بھی طرز تحریر نہایت صاف سلیس اور سادہ ہے ابتدا میں جناب خواجہ غلام السیدین صاحب بی اے ایم ایڈ کا مقدمہ ہے جسمیں انھوں نے ان افسانوں پر تبصرہ کیا ہے حجم چھوٹی تقطیع پر ۲۰۵ صفحے، لکھائی چھپائی اچھی اور کاغذ خاصہ ہے قیمت عہ مولف سے مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے پتہ سے طلب کریں

ہماری غذائیں اس نام کے رسالہ میں جناب ڈاکٹر محمد مجیب الدین احمد خان صاحب فانی لودھیانوی نے انسان کی عام غذاؤں کی علمی (سائنٹفک) اور طبی نقطۂ نظر سے تشریح کرکے اُن کے مفید یا مضر ہونے اور ان کی قوت غذائی کے تناسب اور اُن کے استعمال کرنے کے طریقے بتائے ہیں اگرچہ جناب مؤلف نے اس رسالہ کو عام فہم بنانے کی خاص کوشش کی ہے لیکن طبی اصطلاحات کے بکثرت آجانے سے ایک حد تک نامانوسیت باقی رہ گئی ہے تاہم اردو میں یہ تالیف انسان کی سب سے ضروری سامان حیات پر سب سے پہلی کتاب ہے اس لیے ہماری قدردانی کی مستحق ہے حجم چھوٹی تقطیع پر ۱۴۴ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ معمولی ہے قیمت عہ جناب مؤلف سے کنگ میڈیکل ہال دہلی کے پتہ سے طلب کریں

"ر"

اعلان

افسوس ہے کہ اڈیٹر صاحب معارف مدراس وحیدرآباد کے طویل سفر سے اب تک واپس تشریف نہ لاسکے، اِس لئے اس مہینہ کا پرچہ بغیر شذرات کے شایع کیا جاتا ہے، آیندہ ماہ مین اس کی تلافی ہوجائے گی،

"منیجر"

مجلد بستم	ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۳۴۶ھ مطابق ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۲۷ء	عدد چہارم

فہرست مضامین

نکاح بلا ولی،	مولانا سید سلیمان ندوی	۲۴۹-۲۵۲
معیارِ تاویل،	"	۲۵۳-۲۵۸
لفظ "صلوٰۃ" قرآن شریف مین،	مولوی زید احمد صاحب ایم اے،	۲۵۹-۲۸۲
مزدک،	جناب سید وقار احمد صاحب متعلم ایم اے عثمانیہ یونیورسٹی	۲۸۳-۲۸۸
فضائے آسمانی یا جوِّ سما،	مولوی حامد حسن صاحب قادری لکچرار سینٹ جانس کالج آگرہ،	۲۸۹-۲۹۴
مثنوی فتح گجرات علامہ فیضی،	مولنا سعید الدین خان بہادر متوسل سرکار بھوپال،	۲۹۵-۲۹۸
مصر کا قانونِ نکاح،	"ع"	۲۹۹-۳۰۳
فلسطین مین تعلیمی جد وجہد،	"ر"	۳۰۳-۳۰۵
اخبار علمیہ،	"	۳۰۶-۳۰۹
مرأۃ احمدی،	"	۳۱۰-۳۱۲
تاریخ فلسفۂ اسلام،	"	۳۱۵
شرح قصائد خاقانی جلد دوم،	"ع"	۳۱۵-۳۱۷
مطبوعات		۳۱۸-۳۲۰

مقالات

نکاح بلا ولی

ضمیمۂ مباحث سابقہ | اوپر کا مضمون چھپ جانے کے بعد ایک اور واقعہ پر نظر پڑی جس سے ہمارے خیال کی مزید تائید ہوتی ہے، فاطمہ بنت قیسؓ ایک مشہور صحابیہ عقیلن، قدیم ہجرت کرنے والی صحابیات مین ان کا شمار ہے، ۸ھ مین جب حضرت علیؓ کی فوج یمن بھیجی جارہی تھی، ان کے شوہر بھی اس مین شامل تھے، انھون نے کسی وجہ سے راستہ سے اپنی بیوی کو طلاق بھجوادی، وہ آنحضرت صلعم کے پاس آئین، آپ نے فرمایا عدت گذرنے کے بعد اپنی نسبت مجھ سے مشورہ کر لینا، عدت کے بعد ان کے نکاح کے خواہان کئی اکابر صحابہ تھے، جن مین حضرت معاویہؓ حضرت عبد الرحمان بن عوفؓ اور حضرت ابو جہمؓ ہین، آپ نے اپنی طرف سے حضرت اسامہ بن زیدؓ کا نام پیش کیا، حضرت فاطمہؓ کے اہل خاندان نے اسامہؓ کو ناپسند کیا، اور خود حضرت فاطمہؓ کو بھی تامل تھا، مگر ارشاد نبوی سے وہ انحراف نہ کرسکین اور آپ سے عرض کی،

امرک بیدک فانکحنی من شئت	میرا معاملہ آپ کے ہاتھ مین ہے جس سے چاہئے میرا
(مسلم ذکر دجال)	نکاح کر دیجئے،

آنحضرت صلعم نے ان کا نکاح حضرت اسامہؓ سے کر دیا، اور ان کے اولیاء کی ناپسندیدگی کی کوئی پروا نہ کی،

اس واقعہ کے متعدد اجزا ہین، اور ہر ایک کا علٰحدہ علٰحدہ ثبوت مجھ کو دینا ہے، سب سے اوّل یہ کہ اُن کے اولیا، یا اہل خاندان مدینہ مین موجود تھے، اور دوسرے یہ کہ انھون نے اس کو ناپسند کیا، تیسرے یہ کہ اولیا نے نہین بلکہ خود انھون نے یا آنحضرت صلعم نے انکی طرف سے وکیل بکر انکا نکاح کر دیا، ان کے اولیا موجود تھے، حضرت فاطمہؓ کے باپ قیس کا حال معلوم نہین، لیکن تاہم ان کے خاندان بنی فہر کے ارکان موجود تھے، حضرت ابن اُم مکتوم، ان کے رشتہ کے بھائی تھے، صحیح مسلم مین ہے،

انتقلی الی بیت ابن عمك عمرو بن ام مکتوم (مسلم) — اپنے چچازاد بھائی عمرو بن ام مکتوم کے ہان چلی جاؤ،

اعتدی فی بیت ابن عمك ابن ام مکتوم (بروایت) — اپنے چچازاد بھائی ابن ام مکتوم کے گھر مین عدت گذارو،

انتقلی الی ابن عمك عبد اللہ بن عمرو بن ام مکتوم وھو رجل من بنی فہر فہر قریش من البطن الذی ھی منہ، — اپنے چچازاد بھائی عبد اللہ بن عمرو بن ام مکتوم کے پاس جاؤ، وہ قریش کے خاندان فہر کے تھے، اور فاطمہ بھی اُسی خاندان کی تھین،

وہ خود کہتی ہین، کہ مین نے اپنے خاندان کے لوگون مین عدت گذاری،

ان اعتدّ فی اھلی (مسلم باب طلاق مذکور) — مین اپنے خاندان کے لوگون مین عدت گذارون،

ان کے علاوہ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کے حقیقی بھائی ضحاک بن قیس موجود تھے، جنکی عمر اس وقت غالباً سات برس کی ہوگی، یعنی اتنی ہی تھی، جتنی حضرت ام سلمہؓ کے صاحبزادہ کی تھی، جن کو اُن کی ماں نے اپنا نکاح پڑھانے کا حکم دیا تھا، جیسا کہ گذر چکا ہے، وہ ۴ھ مین پیدا ہوئے تھے، (دیکھو تہذیب واصابہ وغیرہ) صحیح مسلم مین اسی واقعہ کے ضمن مین ہے،

فاطمۃ بنت قیس اخت الضحاك بن قیس (ذکر الرجال) — فاطمہ بنت قیس، ضحاک بن قیس کی بہن،

اب یہ بات باقی رہی کہ اُن کے اہل خاندان نے اس نکاح کو ناپسند کیا تھا، طبقات ابن سعد مین صرف تین راویون کے واسطہ سے تحریری روایت ہے، یہ تینون رجال مسلم کے ہین،

اخبرنا یزید بن ہارون، اخبرنا محمد بن عمرو عن ابی سلمہ عن فاطمۃ بنت قیس انہا حدثتہ کتبوا منہا کتابا، انہا کانت تحت رجل من قریش من بنی مخزوم فطلقہا البتۃ فلما حلت ذکرت ان معاویۃ وابا جہم خطباہا فذکرت ذلک لرسول اللہ صلعم فقال رسول اللہ صلعم اما معاویۃ فلا مال لہ واما ابو جہم فلا یضع عصاہ عن اہلہ، فاین انتم من اسامۃ بن زید فکانت اہلہا کرہوا ذلک فقالت لا تزوج الا من قال رسول اللہ۔

(جلد ۲ صفحہ ۲۰۱)

ہم سے یزید بن ہارون نے بیان کیا، ان سے محمد بن عمرو نے بیان کیا، انھون نے ابو سلمہ سے ابوسلمہ نے خود فاطمہ بنت قیس سے انھون نے بیان کیا اور لوگون نے اس کو تحریر مین ضبط کر لیا، کہ وہ قریش کے خاندان بنی مخزوم مین سے ایک کی زوجیت مین تھین، اس نے ان کو طلاق بائن دیدی جب وہ عدت گذار چکین تو اُن کو معاویہ اور ابوجہم نے پیام دیا، فاطمہ نے آنحضرت صلعم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا معاویہ تو مفلس ہین، ابوجہم اپنی بیوی پر ڈنڈا اٹھائے رہتے ہین، تم لوگ (خطاب فاطمہ کے خاندان والون سے ہے) اسامہ کو کیون بھولے ہو، تو گویا فاطمہ کے خاندان والون نے انکو ناپسند کیا، فاطمہ نے کہا مین تو اسی سے بیاہ کرونگی، جس سے رسول اللہ صلعم نے کہا ہو،

صحیح مسلم مین ہے کہ آپ نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ سے کہا،

انکحی اسامۃ بن زید فکرہتہ ثم قال انکحی اسامۃ فنکحتہ،

(باب طلاق مذکور)

اسامہ بن زید سے نکاح کر لو، تو مجھکو ناپسند ہوا، پھر آپ نے کہا کہ اسامہ سے نکاح کر لو تو مین نے ان سے نکاح کر لیا،

مسلم کی دوسری روایت مین ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ بیان کرتی ہین،

فلما کلمنی رسول اللہ صلعم قلت امری بیدک

تو جب رسول اللہ صلعم نے مجھ سے گفتگو کی تو مین نے

فانکحنی من شئت (ذکر دجال) — کہا میرا معاملہ آپ کے ہاتھ مین ہے جس سے چاہئے میرا نکاح کر دیجئے،

مسلم کی تیسری روایت مین ہے،

فانکحہا رسول اللہ صلعم اسامۃ بن زید (باب طلاق مذکور) — تو رسول اللہ صلعم نے اسامہ بن زیدؓ سے اُن کا نکاح کر دیا،

پورا واقعہ ذہن نشین کر لینے کے بعد یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ کے رشتہ دار اہل خاندان اور اولیا موجود ہین، تاہم براہ راست لڑکی کو (ان کا سن اس وقت سترہ برس معلوم ہوتا ہے) پیغام دیا جا رہا ہے، لڑکی اپنا معاملہ اولیا کے ہاتھ مین نہین دیتی، بلکہ خود رسول اللہ صلعم کے ہاتھ مین دیتی ہے، اور رشتہ دارون کی مرضی کی پروا کئے بغیر خود (فنکحتہ) یا رسول اللہ صلعم کی وکالت مین (ولایت مین نہین) وہ حضرت اسامہؓ سے نکاح کر لیتی ہین،

ہمین یہ معلوم ہے کہ قاضی عیاض اور امام نووی نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ اور حضرت ابن ام مکتومؓ کے اس باہمی نسب کو جو صحیح مسلم مین ہے، اہل انساب کی روایت کی بنا پر قبول کرنے مین تردد ظاہر کیا ہے، مگر روایات مسلم کے مقابلہ مین روایات انساب کیا چیز ہین؟ علاوہ ازین "اھلی" "میرے خاندان کا" کیا جواب ہوگا؟

المامون

خلیفہ مامون الرشید کے عہد سلطنت کے حالات، اب تک اس کے بازاری نسخے عام طریقے سے فروخت ہوتے تھے، اب مطبع معارف نے خاص اہتمام سے طبع کرا کے شایع کیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی بہترین ہے، ضخامت ۲۲۴ صفحے قیمت عہ

"منیجر"

معیارِ تاویل

لفظ "صلوٰۃ" قرآن شریف مین،

از

سید سلیمان ندوی،

ہم نے اگست کے شذرات مین، "غیر مذہبی عربی تعلیم" کے فتنہ سے مسلمانون کو ہشیار کیا تھا، آج اُس کی متعدد پیش نظر مثالون مین سے ایک مثال آپ کے سامنے ہے، مولوی نعیم الرحمان صاحب ایم اے لکچرار عربی و فارسی الہ آباد یونیورسٹی، عربی کے لایق گریجویٹ ہین، عربی سے بعض تاریخی کتابون کا اردو مین ترجمہ کر چکے ہین، اب حال مین آپنے مسئلۂ "صلوٰۃ" کے متعلق دادِ تحقیق دی ہے، نماز کا بعض لوگون پر سخت ہونا، خود قرآن کی شہادت ہے، اب اس کی سختی کو کم کرنے کیلئے، مختلف تجویزین سوچی جارہی ہین، بعض اصحاب تو نماز کے اوقات کو کم کرنا چاہتے ہین، بعض رکعات کی تخفیف کے خواستگار ہین، بعض ارکان کی تقلیل کے خواہشمند ہین، اور ان سب کا استدلال قرآن پاک سے ہے، یضل بہ کثیرًا و یھدی بہ کثیرًا،

مولانا نعیم الرحمان صاحب ایم اے کی رائے ہے کہ نماز کی مخصوص صورت صرف مسجدون مین جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والون کے لئے ہے، علحدہ اور منفرد اشخاص کے لئے یہ مخصوص صورت واجب نہین، بلکہ محض دل سے "یادِ خدا" کر لینا کافی ہے، کاش یہ بھی ہوتا،

سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ گمراہیان اور غلطیان کیون پیش آرہی ہین؟ اس لئے آرہی ہین،

کہ "کتاب" کے ساتھ "سنت" کو نہین لیا جاتا، یہی غلطی گذشتہ معتزلہ نے بھی کی اور اب موجودہ معتزلہ بھی کر رہے ہین، تاہم گذشتہ معتزلہ اس قدر دلیر نہ تھے کہ وہ سنت متواترہ اور عمل متواتر کی تغلیط یا تکذیب کرین، مگر اب دنیا اس دنیا نوسی زمانہ سے علم و فہم مین بہت کچھ ترقی کر چکی ہے،

سوال یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم پر صرف الفاظ قرآنی القا ہوئے یا ان کے معانی بھی القا ہوئے، اگر پہلی صورت ہے تو نعوذ باللہ اس عہد کے اصحاب علم خود حاملِ وحی سے زیادہ عالم بلکہ پیغمبر بننے کے مستحق ہین، اور اگر دوسری صورت ہے تو حاملِ وحی نے ان معانی کی تعلیم اپنے پیروون کو دی یا نہین، اگر نہین دی، تو

بلغ ما انزل الیک	جو تجھ پر اتارا گیا، اس کو دوسرون تک پہونچا،

کا فریضہ کیونکر ادا ہوا، اور

یعلمھم الکتاب	وہ قرآن اُن امیون کو سکھاتے ہین،

کس کی شان مین ہو گا، اور

لتبینہ	تاکہ تم لوگون کے لئے اس کی تشریح کردو،

کا کس کو حکم ہو گا،

اور اگر آپ نے اس کے معانی و مطالب اور تشریحات اپنے پیروون کو بتائے تو وہ کیا ہوئے؟ اور کہان ہین؟ اور کیونکر مٹ گئے؟ اور کب مٹ گئے؟ اور

وانا لہ لحافظون	ہم ہین اس کی حفاظت کرنے والے،

کا وعدہ کیا ہوا، یہ حفاظت لفظی، معنوی، اور تشریحی ہر حیثیت سے تھی، اب اس تسلیم سے چارہ نہین کہ وہ عملی حیثیت سے بتواتر عمل اہل اسلام اور علمی حیثیت سے صحائف سنت اور کتب حدیث مین موجود ہین، ان صحائف و کتب و احادیث و روایات پر اصولاً بحث کرنے کی گنجائش ہر وقت حاصل ہے،

مگر اُن سے قطع نظر کرنا کسی طرح ممکن نہین، بنا برین قرآن پاک کی کسی آیتِ کریمہ کی تفسیر و تشریح کرتے وقت الفاظ اگر کئی معنی کو محتمل ہون تو عملِ تواتر اور روایتِ صحیح یہی دو چیزین ہین جو ان کے اصلی معنی کی تعیین کرین گی، اگر یہ سررشتہ ہاتھ مین نہو تو پھر صحت و خطا کا معیار کیا رہیگا،

اس مختصر تمہید کے بعد عرض ہے کہ قرآن پاک مین "اقامتِ صلوٰۃ" (نماز کھڑی کرنے کا) جو صحیح مفہوم ہے، اس کو ہمارے دوست مولوی زبید احمد صاحب نے نہایت خوبی سے لکھا ہے، اور بیان کیا ہے، لیکن وہی ایک آیت اُن کے استقصاء سے رہ گئی ہے، جو میری تحقیق مین اقامتِ صلوٰۃ کے مفہوم کو بالکل روشن کر دیتی ہے، اور کسی شک و شبہہ کی گنجائش نہین چھوڑتی ہے، ہمارے مکرم پروفیسر نعیم الرحمان صاحب سے بخلوص عرض ہے کہ وہ بھی اس پر غور فرمائین،

"اقامتِ صلوٰۃ" سے مطلق نماز کے معنی مقصود ہین، خواہ وہ مسجد مین ہو یا غیر مسجد مین، یا ضرور ہے کہ اس کے معنی "مسجد مین نمازِ باجماعت" کے ہون، اگر دوسرے معنی مراد ہین، تو چاہئے کہ غیر مسجد مین نمازِ باجماعت نہ ہو سکے جس طرح غیر گرجا مین عیسائیون کی نماز اور غیر بتخانہ مین بت پرستون کی پوجا اور غیر آتشکدہ مین پارسیون کی عبادت نہین ہو سکتی؟ کیا ایسا کہنا اصولِ اسلام کا براہ راست مسخ نہین ہے، اور اگر صرف "نماز" مراد ہے خواہ وہ کہین ہو تو پھر "صلوٰۃ" بمعنی مسجد کی مناسبت "اقامتِ صلوٰۃ" مین کیا رہجاتی ہے، اور اگر یہ کہا جائے کہ اس کے معنی صرف "نمازِ باجماعت" کے ہین خواہ وہ مسجد مین ہو یا غیر مسجد مین، تو پھر اقامتِ صلوٰۃ کے معنی "اقامتِ مسجد" کے نہین، بلکہ "اقامتِ جماعت" کے لینے ہون گے، اور "صلوٰۃ" بمعنی "مسجد" نہین، بلکہ بمعنی "جماعت" ہو گا، کیا آرامی یا عبرانی زبان مین "صلوٰۃ" جماعت کے معنی مین کہین آیا ہے؟ جس آیت کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے وہ حسبِ ذیل ہے،

واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوٰۃ	اور جب اے رسول تو اُن مسلمان مجاہدین مین ہو، اور
فلتقم طآئفۃ منھم معک ولیاخذوا	ان کے لئے نماز کو کھڑی کرے، تو ایک گروہ تیرے

اسلحتھم، فاذا سجدوا فلیکونوا من ورائکم ولتات طائفۃ اخری لم یصلوا فلیصلوا معک ..... فاذا قضیتم الصلوٰۃ فاذکروا اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبکم فاذا اطمانتم فاقیموا الصلوٰۃ ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا (نسا ۱۵)

ساتھ کھڑا ہو، اور اپنے ہتھیارون کو لیے رہے، اور جب وہ سجدہ کرے تو تم لوگون کے پیچھے ہو جائے، اور دوسرا گروہ جس نے نماز نہین پڑھی، وہ آئے اور تیرے ساتھ نماز پڑھے ..... پھر جب تم نماز ختم کر چکو تو اللہ کو کھڑے بیٹھے سوتے یاد کرو، اور جب تم کو اطمینان ہو جائے تو نماز کھڑی کرو بیشک نماز مسلمانون پر مقررہ وقتون پر فرض ہے،

آیت کے ابتدائی حصہ مین "اقامتِ صلوٰۃ" کا حکم ہے، یہ میدانِ جنگ کا واقعہ ہے، دشمن باقاعدہ نماز کا موقع نہین دے رہا ہے، اب بتائیے کیا یہان اس میدانِ جنگ مین نماز چھوڑ کر مسجد کی تعمیر کا حکم ہے، یا میدانِ جنگ چھوڑ کر مسجد مین جا کر پہلے دوڑ کر نماز پڑھ آنے کا حکم ہے، یا محض نمازِ جماعت کا حکم ہے، آگے چلیے، ایک ایک رکعت نماز پڑھ لینے کے بعد دوسری رکعت کے متعلق حکم ہے کہ پھر علٰحدہ علٰحدہ اُٹھتے بیٹھتے، اور سوتے جس طرح موقعے یادِ الٰہی کر لو، پھر جب اطمینان ہو تو نماز کھڑی کرو، اطمینان کے بعد ہی یعنی اسی سفر مین میدانِ جنگ کے اندر اقامتِ صلوٰۃ کا حکم دیا گیا، اب یہان مسجد کہان سے آئی، کیا ہر صحرا، اور جنگل اور پہاڑ اور سمندر مین جہان جہان مسلمان فوج جائے، ہر منزل مین، دن مین پانچ وقت مسجد بنائی جائے، اور نماز پڑھی جائے،

حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطی،

سب نمازون کی نگہداشت کرو اور خصوصاً بیچ کی نماز کی،

اس آیت پاک کا ترجمہ آپ یہ کرتے ہین، کہ "تمام مسجدون کی حفاظت کرو اور خصوصاً بیچ کی یعنی مرکزی مسجد (خانہ کعبہ) کی"، بہت خوب! لیکن آیت اتنی ہی تو نہین ہے، بلکہ پوری آیت یون ہے،

حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ وقوموا للہ قانتین، فان خفتم فرجالاً او رکباناً فاذا امنتم فاذکروا اللہ کما علمکم مالم تکونوا تعلمون ۔

(بقرہ ۳۱)

سب نمازون کی نگہداشت کرو خصوصاً بیچ کی نماز کی (یعنی عصر کی نماز) اور خدا کی سامنے خضوع و خشوع کے ساتھ کھڑے ہو، پھر اگر کوئی ڈر ہو تو پیادہ یا سوار ہو کر (جس طرح ہو سکے) اور جب ڈر جاتا رہے، تو اس طرح خدا کو یاد کرو جس طرح تم کو اس نے بتایا جو تم نہین جانتے تھے،

اگر آپ کا ترجمہ اختیار کیا جائے تو معنی یہ ہون گے،

"سب مسجدون کی حفاظت کرو، خصوصاً مرکزی مسجد کی، اور خدا کے سامنے خضوع اور خشوع کے ساتھ کھڑے ہون، اگر ڈر ہو تو پیادہ اور سوار (جس طرح ہو سکے) اور جب خوف جاتا رہے تو تو اس طرح خدا کو یاد کرو جس طرح اس نے تم کو بتایا جو نہین جانتے تھے"

اس حالت مین اول آیت (حفاظت مسجد) کا آیت کے بعد کے حصون سے کیا تعلق رہے گا یعنی یہ کہ "اول تو کوشش کرو کہ مسجدون مین جا کر خصوصاً خانہ کعبہ مین جا کر نماز با جماعت ادا کرو، اور اگر اس ارادہ کی تکمیل مین جان کا خوف ہو تو خیر پیادہ ہو کر، اور اگر اس مین ڈر ہو تو سوار ہی ہو کر نماز پڑھ لو، اور جب ڈر جاتا رہے تو پھر اسی طرح پڑھو جس طرح خدا نے بتایا ہے" یہ سفر اور جنگ کا حکم ہے، جیسا کہ "خوف" اور "امن" کے الفاظ ظاہر کرتے ہین، اس کا تعلق مسجد کی نماز با جماعت سے نہین بلکہ نماز کی شکل و صورت یعنی ارکان سے ہے، یہ آیت غزوۂ خندق کے موقع کی ہے جب صحابہؓ کی اور خود حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عصر کی نماز قضا ہو گئی تھی، اسی لئے اس نماز عصر کا خاص طور سے ذکر ہے، مطلب تو یہ ہے کہ نماز ہر حال مین ادا کی جائے، خواہ صلح ہو یا جنگ، امن ہو یا خوف، اگر حالت جنگ ہو یا میدان جنگ مین دشمن کے حملہ کا خوف ہو تو پیادہ

ہوکر پڑھو، اگر یہ بھی ممکن نہو تو سوار ہی پڑھو، پھر جب یہ حالت جاتی رہے تو جس طرح نماز کا طریقہ تم کو بتایا گیا ہے، اس طرح پڑھو،

اس کے سوا دوسرے معنی ہو نہین سکتے، جنگ مین پیادہ ہوکر پڑھنے یا سوار ہوکر پڑھنے کی اجازت دینا، اور بحالت امن اس طرح نماز پڑھنے کا حکم دینا جس طرح اُس نے یعنی (خدا نے) بتایا، نماز کی صورت و شکل اور ارکان سے اس کا تعلق ہوگا، "سجدون کی نماز باجماعت" سے نہین، چونکہ ہمارے دوست مولوی زبید احمد صاحب نے تفصیل اس رائے کی تغلیط کی ہے، اس لئے مجھے زیادہ کہنے کی حاجت نہین، صرف ایک بات کہنا چاہتا ہون جو طلب قرآن پاک کا آیتون کا ہمارے مکرم پروفیسر نعیم الرحمان لینا چاہتے ہین، آنحضرت صلعم اور صحابۂ کرام نے وہی سمجھا کہ نہین، اگر نہین سمجھا تو وہی مطلب ہوا کہ عامل وحی اور اس کے پیرو خدا کے مراد و مفہوم سے واقف نہ ہوئے، اور بالآخر یہ عقدہ کشائی چودہ سو برس کے بعد ایک عجمی نے کی، اور اگر واقف تھے، تو کیا تمام عمر مین ایک دن بھی، ایک دن کے پانچ وقتون مین سے ایک وقت بھی ہزارون صحابہ مین سے کسی ایک نے بھی اس پر عمل کیا،

مولوی زبید احمد صاحب اپنے دلائل کا ترکش خالی کرنے کے لئے گھیرا رہے ہون گے اس لئے مین زیادہ ان کو روکنا نہین چاہتا، ناظرین ذرا ان کی تیراندازی کی داد دین، یہ مولویون مولویون کی لڑائی نہین، گریجویٹ گریجویٹ کی جنگ ہے، اس لئے براہِ عنایت "مولوی صاحبان" اپنی تکفیر و تفسیق کے بانے الگ رکھین، وہ اس مین دخل نہ دین،

لغات جدیدہ،

چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری، قیمت عہ "منیجر"

لفظ صلوٰۃ قرآن شریف مین

از

مولوی زبید احمد صاحب ایم اے، الہ آباد یونیورسٹی،

میرے قابل رفیق کار مولوی نعیم الرحمٰن صاحب ایم اے کا نام گرامی محتاجِ تعارف نہین، آپ پہلے مدراس گورنمنٹ کالج مین عربی و فارسی کے پروفیسر تھے، دو سال سے الہ آباد یونیورسٹی مین لکچرار ہین، آپکا علمی ذوق اور تحقیق و تدقیق کا شوق نہایت قابل تعریف ہے، آپکے علمی مقالات اردو کے موقر رسالون مین شائع ہوتے رہتے ہین، دو سال سے الہ آباد یونیورسٹی سے ایک سالانہ علمی رسالہ نکلنے لگا ہے، اس کے گذشتہ نمبر مین آپ نے مندرجہ بالا عنوان پر ایک فاضلانہ مضمون سپرد قلم فرمایا ہے، جس تفحص و کاوش سے یہ مقالہ لکھا گیا ہے وہ درحقیقت مولانا کے شایان شان ہے، لیکن آپ جن نتائج کو پہنچے ہین ان سے مجھکو کلی اختلاف ہے، ان اوراق مین یہ اختلاف مع دلائل طرفین ارباب علم و بصیرت کے سامنے پیش کرتا ہون تاکہ صحت و عدم صحت کے متعلق رائے قائم کیجا سکے، قبل اس کے اصل مبحث کی طرف توجہ کرون، اپنے فاضل رفیق کار کی خدمت مین یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہون کہ مین یہ مضمون مناقشہ و مجادلہ کی غرض سے یا خدانخواستہ آپ کی قابلیت پر حملہ کرنے کی نیت سے نہین لکھ رہا ہون، حاشا و کلا، وکفی باللہ شہیدا، بلکہ محض تحقیق حق میرا مقصود ہے مولانا کے مضمون کا حاصل یہ ہے،

۱۔ لفظ صلوٰۃ عربی نہین آرامی لفظ ہے جسکے معنی مسجد کے ہین،

۲۔ قرآن شریف مین یہ لفظ "دعا و نماز" کے معنون مین بھی آیا ہے، مگر جہان کہین

قرآن شریف مین یہ لفظ مشتقات 'اقامت' کا مفعول ہے، وہان تو اس کے معنی مسجد ہی کے ہین، اس سلسلہ مین آپ تجزیہ کے طور پر پیش کرتے ہین کہ جہان کہین قرآن شریف مین صلوٰۃ بمعنی "مسجد" ہے وہان یہ لفظ واؤ کے ساتھ لکھا جائے اور جہان کہین "دعاؤ استغفار" کے معنی مین ہو، وہان باقاعدہ الف کے ساتھ (یعنی صلاۃ) لکھا جائے،

۳- نماز کی معین شکل، صرف جماعت کے لیے مخصوص ہے، منفرد شخص کے لیے نماز مقررہ ترکیب سے ادا کرنا ضروری نہین،

پہلے دو نتیجے درحقیقت ایک ہی ہین، اس لیے دونون نتیجون پر مین بحیث مجموعی ایک ہی جگہ تنقید کرتا ہون، اور تیسرے نتیجہ کے متعلق، بعد مین علٰحدہ عرض کرونگا،

الف، لفظ صلوٰۃ عربی نہین آرامی ہے، جس کے معنی مسجد کے ہین،

ب، اقیموا الصلوٰۃ مین، صلوٰۃ کے معنی مسجد ہی کے ہین،

مولانا کے دلائل کے ساتھ ساتھ اپنا جواب دیتا جاؤنگا، مولانا کے دلائل یہ ہین

۱- قرآن شریف مین بہت سے غیر عربی الفاظ مستعمل ہین جنکی بہترین مثال لفظ رحمان ہے، ان مین سے ایک لفظ صلوٰۃ ہے، جسکی اصل "صلوتا" آرامی لفظ ہے جس کے معنی مسجد کے ہین،

جواب سے پہلے ایک چھوٹے سے مقدمہ کی ضرورت ہے،

عربی کا شمار سامی زبانون مین ہے جنمین آرامی، عبرانی، سریانی و حبشی وغیرہ زبانین داخل ہین، یہ بات محققین یورپ کے نزدیک ہنوز پایۂ ثبوت کو نہین پہنچی کہ ان مین سے کون سی زبان السنۂ سامیہ کی ماں ہے، لیکن یہ ان کا آخری فیصلہ ہے کہ عربی (یعنی عرب کی زبان) السنۂ سامیہ کی اگر ماں نہین ہے تو ماں سے قریب تر ضرور ہے، کیونکہ اقوام سامیہ کا مسکن اولی عرب تھا، یعنی بالفاظ دیگر لغات آریہ (ہندو یورپی شاخ) مین سنسکرت کی جو حیثیت ہے اس سے

کہین زیادہ تفصیلی کی ہے لغات سامیہ پر اس مسئلہ پر مین نے اپنی کتاب ادب العرب مین پوری بحث کی ہے، غرضکہ جب عربی زبان کو السنۂ سامیہ کی مان سے قریب تر سمجھ لیا گیا ہے تو اس صورت مین جو الفاظ آرامی عبرانی اور عربی مین مشترک ہون گے وہ عربی کے الفاظ سمجھے جائین گے نہ کہ آرامی و عبرانی کے، اگر یہ بات تسلیم نہ کیجائے، تو کم ازکم یہ تو ضرور ماننا پڑے گا، کہ مشترک الفاظ کے لیے، ان تینون زبانون مین سے کوئی ایک بھی دوسرے کی مرہون منت نہین، مثال کے طور پر یون سمجھو کہ ہندو یورپی زبانون مین سنسکرت کو مقدم سمجھا جاتا ہے، پس سنسکرت، زند، یونانی، اور لاطینی مین جو الفاظ مشترک ہین ان کو یا تو سنسکرت کا ماننا چاہیے، یا کم ازکم ان کا دوسری زبانون مین مستقل وجود تسلیم کیا جائے، یہ ظلم ہے کہ "پدر" کے لیے سنسکرت، زند، یونانی اور لاطینی زبانون مین جو ایک لفظ ہے اوسے سنسکرت کا نہ مانا جائے اور یونانی و لاطینی سمجھا جائے،

اقوام سامیہ کے شروع مین صرف ایک زبان تھی، "عربی" جب وہ عرب سے نکلکر دیگر ممالک مین آباد ہوئے، تو وہان کے مقامی طبعی اقتصادی واجتماعی حالات کے ماتحت انکی اصل زبان مین فرق آجانا لازمی تھا جس طرح کہ سماتراء، جاوا، کے عرب نژاد مسلمانون کی زبان، اصل عربی سے مختلف ہوکر دوسرے نام سے مشہور ہوگئی اسی طرح عربی سے آرامی وعبرانی وغیرہ زبانین مختلف ہوگئین اور کچھ زمانہ تک زندہ رہکر مردہ ہوگئین، ان کے مقابلہ مین اونکی مان یا بڑی بہن، زبان عرب وسط عرب مین پھلتی پھولتی رہی،

اس مقدمہ کے بعد عرض ہے کہ اگر لفظ "رحمٰن" یا "صلوٰۃ" عبرانی یا آرامی زبان مین جون کا توان ملجائے تو اسے عبرانی یا آرامی نہ سمجھو بلکہ خاص عربی کا لفظ جانو، ہان اگر غیر سامی لفظ عربی مین ملے تو وہ البتہ دوسری زبان کا لفظ ہے کیونکہ عربی کو غیر سامی زبان سے کچھ تعلق نہین، مثلاً سراج سامی لغت کا لفظ نہین، چراغ کا معرب ہے، مگر رحمٰن یا صلوٰۃ کو عربی لفظ نہ سمجھنا ظلم ہے

اول الذکر لفظ کو دیکھو کہ مادۂ رحم سے مشتق ہے جو اپنے جملہ مشتقات کے ساتھ عربی مین کس قدر مستعمل ہے، صیغہ بھی عربی صرف کے مطابق، رحیم و رحمٰن کی وہی صورت ہے جو ندیم و ندمان کی ہے، پھر کوئی وجہ نہین کہ اسے غیر عربی سمجھا جائے،

قرآن شریف کی آیت واذا قیل لھم اسجدوا للرحمٰن قالوا وما الرحمن سے یہ استدلال کرنا کہ یہ غیر عربی لفظ ہے صحیح نہین، چونکہ لفظ رحمٰن علاوہ صفت ہونے کے، علم کی حیثیت سے بھی مستعمل ہوتا تھا، تو کفار نے آنحضرتؐ سے کہا کہ کبھی تم اللہ کی پرستش کے لیے کہتے ہو اور کبھی رحمٰن کی عبادت کے لیے، چنانچہ اس سے آگے کا جملہ انسجد لما تامرنا صاف بتا رہا ہے کہ کافرون کی مراد یہ تھی کہ کیا ہم ایسے بے مذہب اور بے اصولے ہوگئے کہ تم جسکو کہو گے اس کو سجدہ کرین گے، بخاری کی روایت مین ہے کہ جب حضرت علیؓ نے عہدنامہ کی پیشانی پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا تو قریش نے کہا کہ ہم رحمٰن کو نہین جانتے، ظاہر ہے کہ یہ انکار لفظ کی حقیقت و معنی سے نہ تھا بلکہ بعض دیگر مذاہب والے اپنے معبود کو رحمٰن کہتے تھے، کفار نے اس معبود کے ماننے سے انکار کیا، اسکی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ہم سے کہے کہ "مسیح موعودؑ" نے یہ فرمایا ہے اور "مسیح موعود" سے مراد غلام احمد صاحب قادیانی کو لے تو ہم یہ جواب مین کہین گے کہ ہم "مسیح موعود" کو نہین جانتے، اس انکار سے یہ لازم نہین آتا کہ ہم لفظ مسیح موعود سے واقف نہین، یا ہماری زبان کا لفظ نہین،

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رحمٰن عبرانی لفظ ہے، اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس کے صرف یہ معنی ہو سکتے ہین کہ اس لفظ کو زیادہ تر یہود و نصاریٰ اور بعض دیگر ارباب مذہب بولتے تھے، قریش ایسے غیر مذہب والون کے معبود کا نام سمجھکر استعمال نہین کرتے تھے، چنانچہ خداوند تعالیٰ کفار کی غلط فہمی دور کرنے کے فرمایا،

قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمن ایاما تدعوا فلہ الاسماء الحسنیٰ، یعنی اے رسول ان کافرون سے کہدے کہ خدا کہکر پکارو یا رحمن کہکر اس کے لیے سب اچھے نام ہین،

عربی مین محدود سے چند الفاظ ایسے ہین کہ ان کا مادہ یا ماخذ مشخص نہین ہوتا کیونکہ اس مادہ کے دیگر مشتقات جو اس لفظ کے ہم معنی ہون عربی مین مستعمل نہین ہوتے ایسے الفاظ کا مادہ معلوم کرنے کے لیے علمائے لغت کو قدرے دشواری پیش آئی ہے، اور اس کے دو طریقے ہین، ایک تو یہ کہ دوسری سامی زبان مین اس مادہ کے مشتقات پاکر اس لفظ کو اس زبان سے منسوب کر دیتے ہین، مگر یہ غلط طریقہ ہے کیونکہ کیا یہ ممکن نہین کہ فی الواقع وہ لفظ عربی ہی کا ہو، لیکن مرور زمانہ سے دیگر مشتقات کا استعمال عربی مین متروک ہوگیا، اور دوسری سامی زبانون مین باقی رہا، دوسرا طریقہ جو صحیح ہے یہ ہے کہ اس لفظ کو عربی ہی کا سمجھا جائے، اور ساتھ ہی کسی ایسے عربی مادہ کو اوس کا ماخذ قرار دیدیا جائے جس مین اس لفظ کا ماخذ بننے کی صلاحیت ہو، اس قسم کے الفاظ، لفظ برہان اور نبر وغیرہ ہین، ان کے لیے طریقہ اول کے مطابق مستشرقین یورپ کا خیال ہے کہ یہ عربی کے نہین، حبشی کے لفظ ہین، مگر یہ خیال غلط ہے، صاحب قاموس نے طریقہ دوم کی بنا پر ان کو بالترتیب برہن اور نبر سے جس کے معنی بلندی و بلند کرنے کے ہین نکالا ہے، اور یہ صحیح ہے،

علم لغت کی تدوین دوسری تیسری صدی ہجری مین شروع ہوئی، اگر ایام جاہلیت مین بھی علم لغت مدون ہوجاتا اور کتابین تصنیف ہوجاتین، تو ایسے شاذ و نادر الفاظ کے ماخذ مقرر کرنے مین کوئی دشواری نہ ہوتی، دو سو تین سو برس کے بعد مسلمانون نے علم لغت کی تدوین کی طرف توجہ کی تو وہ اب کس طرح یقین کے ساتھ بتا سکتے تھے، کہ ایسے الفاظ کی اصلیت کیا ہے،

قرآن شریف مین ان نام نہاد غیر عربی سامی الفاظ کا مستعمل ہونا صاف بتا رہا ہے، کہ اہل عرب ان الفاظ کو عہد نبوی مین عام طور پر بولتے تھے، خواہ ہمین اشعار جاہلیت سے

شہادت ملے یا نہ ملے، کیونکہ اس زمانہ کے کلام کا عشر عشیر بھی ہم تک نہین پہنچا، اگر ایام جاہلیت مین یہ الفاظ عربی مین مروج نہ ہوتے تو قرآن شریف مین بھی نہ آتے ورنہ قریش کے فصحا نئے اور غیر مانوس الفاظ کا استعمال پاکر قرآن شریف پر بہت اعتراض کرتے اور اسے کلام الہی ہرگز نہ مانتے، کیا آج اردو کا ادیب کوئی ایسا غیر اردو لفظ استعمال کرسکتا ہے جسکو اس سے پہلے کسی نے اردو مین مطلقاً استعمال نہ کیا ہو، مولانا کا پہلا استدلال یہ ہے کہ یہ لفظ "صلوتا" سے نکلا ہے جو آرامی زبان کا لفظ ہے، کیونکہ عربی قبل از اسلام مین یہ لفظ مع مشتقات کہین مستعمل نہین ہوا

مین جو کچھ اوپر عرض کرآیا ہون اسکی بنا پر یہ ناممکن ہے کہ قرآن شریف نے ایسے لفظ کو استعمال کیا ہو، جو اس سے پہلے عربون کی زبان پر مروج نہ ہو، اگر ایام جاہلیت کی شاعری مین اس لفظ یا اس کے مشتقات کا استعمال نہ ملے تو اس کے یہ معنی ہرگز نہین کہ یہ لفظ جاہلیت کی عربی مین مستعمل نہ ہوا ہو، کیا ہمارے پاس ایام جاہلیت کا تمام کلام موجود ہے علاوہ بریں ایک شعر اعشیٰ کا تو خود فاضل مضمون نگار نے حاشیہ ذیل مین نقل کیا ہے جس مین لفظ صلّی آیا ہے اور وہ یہ ہے،

وقابلها الریح فی دنها وصلّی علی دنها وارتسم

مگر ساتھ ہی یہ بھی تحریر فرمادیا ہے کہ مجھے اس قرأت پر شبہہ ہے وجہ شبہہ کچھ تحریر نہین فرمائی جب لغت کی مستند کتابون مین اسکا حوالہ موجود ہے تو پھر شبہہ کی کیا بات مولانا کے نزدیک صرف یہی ایک مثال ہے استعمال صلّی کی، عربی قبل از اسلام مین، مگر لسان العرب مین اس کے علاوہ اعشیٰ کا ایک اور شعر نقل ہے جس مین لفظ صلّی آیا ہے اور وہ یہ ہے (لسان جز ۱۲، ص ۱۹۸)

عليك ومثل الذی صليت فاغتمضی يوماً فان لجنب المرء مضطجعا

تیسرا شعر ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر مین نقل کیا ہے، (تفسیر ابن جریر جز اول ص۵)

لها حارس لا یبرح الدهر بیتها وان ذبحت صلی علیها و زمزما

چوتھا شعر نابغہ ذبیانی کا ہے جس صلوٰۃ بمعنی دعائے رحمت آیا ہے ؎

فآب مصلوہ بعین جلیۃ وغی دمہ بالجیکان حتم ونائل

جب سرسری تلاش سے جاہلیت کے ایسے چار شعر دریافت ہو گئے جس مین لفظ صلی آیا ہے، تو یہ کہنا کہ عربی قبل از اسلام مین یہ لفظ مستعمل نہین ہوا بالکل غلط ہے،

قرآن شریف مین صرف اللہ کا ایسا لفظ ہے جس کے نسبت جائز طور پر یہ خیال ہو سکتا ہے کہ قرآن شریف سے پہلے عربی مین مستعمل نہ ہوا ہوگا، لیکن جب اشعار جاہلیت مین یہ لفظ بھی ملتا ہے، تو صلوٰۃ جیسے الفاظ کے نہ ملنے کی کیا وجہ؟-

مولانا کا دوسرا استدلال یہ ہے کہ قرآن شریف مین غیر زبان کے الفاظ کا املا یہ ہے، کہ درمیانی الف کو املا مین نہین دکھلاتے، صرف اس سے پہلے حرف پر الف بنا دیتے ہین، مثلاً "اسماعیل" کا "املا اسمٰعیل" اور رحمان کا "رحمٰن" ہے، لفظ "صلاۃ" قرآن شریف مین "صلوٰۃ" لکھا جاتا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ غیر عربی لفظ ہے،

جواب مین عرض ہے کہ اگر یہ استدلال صحیح ہوتا، تو "صلاۃ" "صلت" لکھا جاتا نہ کہ "صلوٰۃ" یہ واؤ کیسا؟

مولانا ازراہ انصاف پسندی تسلیم کرتے ہین کہ بہت سے عربی الفاظ بھی اسی طرز مین لکھے جاتے ہین، مثلاً "ظالمین" کو "ظلمین" لکھتے ہین، یا اسکا برعکس بعض غیر عربی الفاظ پورے الف کے ساتھ لکھے جاتے ہین، مثلاً سراج جو یقینی طور پر غیر سامی لفظ ہے، بغیر الف نہین لکھا جاتا، لیکن مولانا ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرماتے ہین کہ عربی الفاظ کو نصف الف سے لکھنا محض کاتبون کی سہولت پسندی کا نتیجہ ہے، اور غیر عربی الفاظ کو پورے الف سے لکھنا ان کی غفلت کا مولانا کا یہ محض قیاس ہی قیاس ہے، پرانی سے پرانی تحریرات مین مولانا کے مدعا کے خلاف پایا جاتا ہے،

عربی وغیرعربی الفاظ کو ادھورے الف سے لکھنے کا قاعدہ زمانۂ نبوت سے جاری ہے، چنانچہ وہ خط جو آنحضرت صلعم نے مقوقس کے نام لکھا تھا اور جو اصل حال مین دستیاب ہوا ہے، اوسکے فوٹو سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ اللہ جو بیشک عربی لفظ ہے ادھورے الف سے تحریر ہے، بات صرف اتنی ہے کہ خواہ عربی الفاظ ہون یا غیرعربی، کاتبین درمیانی الف کو اکثر ظاہر نہین کرتے اور صرف حرف ماقبل پر الف بنا دینا کافی سمجھتے ہین، اس طرز املا کے لیے عربی یا غیرعربی الفاظ کی کوئی خصوصیت نہین اگر موسا وعیسا کو موسیٰ، وعیسیٰ لکھتے ہین تو ان کے غیرعربی ہونے کی وجہ سے نہین بلکہ عربی کا رسم املا بھی یہی ہے کہ اسمائے ناقص یائی کو یا کے ساتھ لکھتے ہین مثلاً اعلیٰ، اقصیٰ، حتی وغیرہ، رہا مولانا کا یہ فرمانا کہ زکاۃ کو زکوۃ اور حیاۃ کو حیوٰۃ محض اس وجہ سے لکھا جاتا ہے کہ یہ دونون لفظ صلوٰۃ کی طرح آرامی لفظ ہین، نہایت تعجب خیز ہے کیونکہ ان دونون لفظون کے مشتقات جاہلیت کے ادب مین بکثرت مستعمل ہوئے ہین،

قرآن شریف مین مناۃ کا املا جو عربون کا ایک بت تھا، منوٰۃ ہے کیا یہ غیرعربی لفظ ہے اور کیا ربا عربی لفظ نہین جو ربلو کی شکل مین لکھا جاتا ہے، بات یہ ہے کہ مولانا مستشرقین سے ایسے مرعوب ہوگئے ہین کہ ان کے رکیک سے رکیک اجتہاد کے سامنے سر جھکا لیتے ہین، ان لوگون کی تبحر علمی اور تحقیق وتدقیق کا یہ عالم ہے کہ مارگولیتھ لفظ اللہ کے لیے لکھتا ہے کہ یہ قریش کا مذکر دیوتا ہے اور اللات اسکی تانیث ہے، لفظ زندیق کی بابت یورپ کے ایک مشہور شرق شناس کی رائے ہے کہ یہ آرامی لفظ صدیقی کا مفرس ہے، مگر ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے حال ہی مین اس تحقیق کو غلط ثابت کیا ہے،

مین آرامی زبان نہین جانتا، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مین لفظ صلوٰۃ پر جو آرٹیکل ہے اس مین لکھا ہے کہ آرامی مین مادہ صلا ہے جس کے معنی جھکنے خم ہونے کے ہین

صلوتا اس سے اسم ہے جس کے معنی بھی جھکنے اور خم ہونے کے ہین اس مین یہ نہین لکھا کہ صلوتا کے معنی مسجد کے ہین،

عربی مین بھی یہ مادہ موجود ہے لیکن ثلاثی مجرد سے نہین آتا، باب تفعیل کی بھی تو ابتداً خاصیت جس کے یہ معنی ہین کہ اس معنی مین وہ مادہ ثلاثی مجرد سے نہین آتا، ایسے بیشمار الفاظ ہین خاص عربی کے جو ثلاثی مجرد سے نہین آتے اور ثلاثی مزید سے آتے ہین، مثلاً بغض اور تبغیض کہ ان کی گردان باب افعال سے آتی ہے نہ کہ مجرد سے، عربی مین صلاۃ کے معنی دعا کرنے کے ہین، جیسا کہ اعشیٰ وغیرہ کے شعرون سے ظاہر ہے، دعا چونکہ مخ العبادۃ ہے اس لیے نماز کو بھی کہتے ہین، آنحضرتؐ کے زمانہ سے نہین، بلکہ ہمیشہ سے، جس طرح آرامی صلاۃ سے اسم صلوتا بنا، اسی طرح یہان صلاۃ ہوا، اگر یہ لفظ آرامی مین بھی پایا جاتا ہے اور عربی مین بھی، تو کیا اس کے یہ معنی ہین کہ یہ آرامی لفظ ہے،

علاوہ برین عربی کا مشہور عالم لغت زجاج کہتا ہے کہ صلوۃ کی اصل لزوم ہے صلی (ثلاثی مجرد) کے معنی "لزم" کے ہین، اسے لیجئے، اس بنا پر صلوۃ کی حقیقت ثلاثی مجرد سے بھی نکل آئی، جس قدر عربی کے لغت کی کتابین ہین، ان مین سے کسی مین بھی صلوۃ کو غیر عربی نہین کہا گیا لسان العرب مین کئی ایک وجوہ دیئے گئے ہین، (ملاحظہ ہو لسان العرب جز ۱۹ صفحہ ۱۱۹) اب ایک اعتراض باقی رہجاتا ہے، اور وہ یہ کہ اگر صلوۃ عربی لفظ ہے تو پھر اس کے مختلف ماخذ مقرر کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی،

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر زبان مین ایسے الفاظ بے شمار ہوتے ہین جن کے لغوی و عرفی معنون مین کئی وجوہ سے مطابقت ہوتی ہے، 'عرب' خاص عربی لفظ ہے مگر ملک عرب کو "عرب" کیون کہا جاتا ہے، اس کے کئی وجوہ بیان کئے جاتے ہین، 'عروض' کے عربی نہ ہونے سے کون انکار کرسکتا ہے، مگر علم عروض کو عروض کہنے کی کئی وجہین بتائی جاتی ہین، علاوہ برین لغوی و عرفی

معنون مین مطابقت کرنے ہی کی ضرورت نہین پڑتی، بلکہ علم لغت کی کتابین دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بے شمار ایسے الفاظ ہین، جن کے صرف لغوی معنی ہی بیان کرنے کے لیے تعلیل و توجیہ کی ضرورت ہوتی ہے، اور وہ توجیہ ضروری نہین کہ ہمیشہ ایک ہو، پس اگر لفظ "صلوٰۃ" یا "تصلیہ" کے معنی نماز و ادائیگی نماز مقرر کرنے مین ایک سے زیادہ توجیہ بیان کیگئی تو اس کے یہ معنی نہین ہین کہ لفظ صلوٰۃ عربی نہین ہے،

لفظ "صلوٰۃ" کو شرعی اصطلاح کہا گیا ہے، اس سے یہ مراد ہرگز نہین کہ لغوی معنی، اصطلاحی معنی سے بالکل مختلف ہین، قرآن شریف سے پہلے بھی صلوٰۃ نماز کے معنی مین مستعمل ہوتا تھا، اسلام نے صرف اس قدر خصوصیت اور دیدی کہ اب صلوٰۃ سے مراد محض اسلامی نماز ہے، یعنی اقم الصلوٰۃ کے یہ معنی ہین کہ رسول کی بتائی ہوئی نماز پڑھو،

مولانا کا تیسرا استدلال یہ ہے کہ قرآن شریف مین دو موقعون پر لفظ "صلوٰۃ" ایسا آیا ہے کہ ایک جگہ تو بالاتفاق اس کے معنی مسجد کے ہین اور دوسری جگہ قدرے اختلاف ہے، وہ دو موقع یہ ہین

(الف) لھدمت صوامع وبیع وصلوٰت ومساجد

(ب) لاتقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاری

مولانا فرماتے ہین کہ پہلی آیت مین "صلوٰۃ" کو سب مفسرین وعلمائے لغت کنائس الیہود وامواضع الصلوٰۃ مراد لیتے ہین اور اسے عبرانی لفظ بتاتے ہین جسکی اصل "صلوتا" ہے،

اوّل تو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مین صلوتا کے معنی جھکنے کے لکھے ہین نہ نماز گاہ کے دوسرے اگر اس کے معنی نماز گاہ کے بھی ہین، تو مین یہ عرض کرتا ہون کہ یہان چار اسمائے ظرف (یعنی عبادتگاہ) مستعمل ہوئے ہین، یہ چارون الفاظ عربی الاصل ہین صوامع وبیع عیسائیون کی عبادت گاہین اور صلوات یہودون کے کنیسا ور مساجد مسلمانون کی نماز گاہین، ان مین سے تین کے عربی الاصل

ہونے مین تو کچھ شک نہین، صرف لفظ صلوات زیر بحث ہے، ممکن ہے عبرانی مین یہ لفظ عام نماز گاہ کے لیے مستعمل ہوتا ہو، سیاق کلام سے اور نیز مفسرین کے قول سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہودیون کے کنیسون کو صلوات کہتے ہین، کیا محض اس وجہ سے کہ کنایس الیہود کو صلوات کہتے ہین، یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ عربی مین صلوۃ بمعنی نماز کے ہے ہی نہین، قرآن شریف مین صرف ایک جگہ یہ آیا ہے جس کے معنی بھی 'مطلق نماز گاہ' کے نہین بلکہ کنایس الیہود کے ہین، جسکا اطلاق عیسائیون کے صوامع اور مسلمانون کی مساجد پر نہین ہو سکتا، اگر بفرض محال "صلوات" کے معنی مطلق نماز گاہ کے بھی ہین، تو کم از کم اس آیت کریمہ سے یہ ثابت ہے کہ خدا نے مسلمانون کی نماز گاہون کے لیے "مساجد" فرمایا نہ کہ "صلوات"، چنانچہ نہ قرآن مین نہ حدیث مین نہ کسی ادب کی کتاب مین کہین بھی صلوات بمعنی مساجد مستعمل نہین ہوا، کیا مولانا بتا سکتے ہین کہ صلوات المسلمین مساجد المسلمین کے معنی مین آیا ہے،

علاوہ برین، اقیموا الصلوۃ مین صلوۃ بمعنی مسجد "اقیموا" کے مقبول ہونے کی صلاحیت ہی نہین رکھتا، کیا اقام المسجد کہنا صحیح ہے، کیا مولانا کوئی نظیر پیش کر سکتے ہین، جو مفہوم مولانا اقیموا الصلوۃ سے نکالنا چاہتے ہین، اسکو خداوند تعالیٰ نے بجاے اقامۃ الصلوۃ کے 'تعمیر مساجد' سے ادا کیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، انما یعمر مساجد اللہ من امن باللہ والیوم الآخر واقام الصلوۃ واتی الزکوۃ ولم یخش الا اللہ الخ دیکھئے آبادی مسجد اور اقامت الصلوۃ دو مختلف چیزین ہین، قرآن شریف مین دوسری جگہ تعمیر مسجد کے لیے لفظ اتخاذ آیا ہے، ان الذین اتخذوا مسجدا ضرارا، الخ، پھر آگے ہے لا تقم فیہ ابدا، یہان صاف ظاہر ہے کہ قیام فی المسجد سے مراد قیام صلوۃ ہے، اور کوئی معنی ممکن ہی نہین، اسی "لا تقم فیہ" کا متعدی اقام الصلوۃ ہے،

علاوہ برین اقامت اصطلاح شرع مین بمعنی تکبیر آتا ہے، جو "اقامۃ الصلوۃ" بمعنی ادائے نماز

کے لیے شاہد ہے،

رہی دوسری آیت لاتقربوا الصلوٰۃ، یہان لفظ صلوٰۃ کے مفہوم کی بابت علمائے مفسرین مین قدرے اختلاف ہے، اکثرنے تو صلوٰۃ سے مراد نماز ہی لی ہے، قرآن شریف مین اس قبیل کی کئی ایک آیتین ہین، مثلاً، لاتقربوا الزنا، ولاتقربوا مال الیتیم، لاتقربوا الفواحش، اور بعض مفسرین یعنی زمخشری، ابوجعفر طوسی، اور مصنف صاحبی، صلوٰۃ سے مراد مواضع الصلوٰۃ لیتے ہین لیکن صلوٰۃ بول کر مواضع الصلوٰۃ مراد لینا لغوی بحث نہین ہے، اسکا تعلق علم بلاغت سے ہے، یعنی مظروف بولکر ظرف مراد لینا، یا حذف مضاف جس طرح واسئل القریۃ، الایۃ مین قریۃ سے اہل قریہ مراد ہین، اور ان دونون صورتون کا تعلق علم بیان سے ہے نہ کہ علم لغت سے، اور یہ بات ہمارے خلاف نہین ہے، کیونکہ ان تینون مفسرین مین سے کسی نے اس آیت مین لفظ صلوٰۃ کے متعلق لغوی بحث کرکے یہ نہین کہا کہ یہ عبرانی لفظ ہے، چنانچہ زمخشری کے الفاظ تو یہ ہین، معناہ لاتقربوا مواضعہا وھی المساجد، ابوجعفر کہتے ہین لاتقربوا اماکن الصلوٰۃ غرض کہ ان علمار نے یہان حذف مضاف یا مجاز مرسل قرار دیا ہے، البتہ آیت لھدمت صوامع وبیع صلوات مین ان مفسرین نے صلوات کو کنایس الیہود قرار دیا ہے اور عبرانی لفظ بتلایا ہے، لاتقربوا الصلوٰۃ مین بھی صلوٰۃ وہی عبرانی لفظ ہوتا تو یہ ظاہر کردینے اور مواضع الصلوٰۃ وغیرہ نہ لکھتے،

مولانا نے الزبیدی کا قول نقل کیا ہے جس مین کوئی بات مولانا کے موافق یا ہمارے خلاف نہین، اور وہ قول یہ ہے،

والصلوٰۃ اختلف فی وزنہا ومعناہا	ترجمہ، لفظ صلوٰۃ کے وزن ومعنی کی بابت اختلاف
اما وزنہا فقیل فعلۃ بالتحریک وھی	ہے بعض کے نزدیک اسکا وزن فعلہ بحرکت عین ہے
الظاھر المشہور، وقیل بالسکون	اور یہ قول مشہور ہے بعض کے نزدیک بسکون عین ہے

فتكون حركة العين منقولة من اللام
قاله شيخنا واما معناها، فقيل الدعاء
وهو اصل معانيها ومنه قول الاعشى
وصلى على دنها واما تسم، اى دعا لها
ان لا تخمض ولا تقد . . . والصلاة
عبادة فيها ركوع وسجود وفى المزهر
انها من الكلمات الاسلامية وفى الاكل نظر

مگر لام کی حرکت اس کو مل گئی، یہ ہمارے استاد
کا قول ہے، اور رہے اس کے معنی، پس کہا گیا
ہے کہ اس کے معنی دعا کے ہین اور یہی اس کے اور
معانی کی بنیاد ہے، چنانچہ اعشی کا قول ہے وصلی علی
الخ . . . اور صلاۃ رکوع وسجود والی عبادت کو
کہتے ہین اور مزہر مین کہ یہ لفظ کلمات اسلامیہ
مین سے ہے،

فاضل زبیدی، اس لفظ کا غیر عربی ہونا ہرگز نہین مانتا، وہ آگے چلکر کہتا ہے،

وان اراد وان الشرع استعمل هذه
اللفظة فذلك ينافيه قوله تعالى انا
انزلناه قرانا عربيا. وفى الصحاح
الصلاة واحدة الصلوات المفروضة
وهى اسم يوضع موضع المصدر
وصلى صلاة ولا يقال صلى تصلية

اور اگر یہ کہا جائے کہ شریعت نے سب سے پہلے یہ لفظ استعمال
کیا ہے تو یہ خیال، آیت کریمہ انا انزلناہ قرانا
عربیا کے خلاف ہے اور صحاح مین ہے کہ صلاۃ صلوات
مفروضہ کا واحد ہے اور وہ اسم ہے جو مصدر کی جگہ
استعمال کیا جاتا ہے صلی صلاۃ کہتے ہین اور صلی تصلیۃ
نہین کہتے،

یہانتک کوئی بات زبیدی نے خلاف نہین کی، بلکہ جو کچھ کہا ہمارے موافق کہا، وہ اس
لفظ کا غیر عربی ہونا گوارا نہین کرتا البتہ پہلی آیت مین صلوات کی تحقیق مین حسب معمول کنائس
یہود کہتا ہے، لا تقربوا الصلوٰۃ کی تفسیر مین یہی فاضل لکھتا ہے کہ یہان بحذف مضاف مراد
مساجد سے ہے، آگے چلکر کہتا ہے کہ صلوات چھوٹے صومعون کو کہتے ہین، لیکن اسکا واحد ہم نے
نہین سنا، یعنی زبیدی کی رائے مین صلوات کا واحد، صلاۃ بمعنی مسجد وکنیسہ کبھی مستعمل نہین ہوتا،

یہ بیان سراسر مولانا کے خلاف ہے، اس کے بعد مولانا فرماتے ہین کہ علمائے لغت اور مفسرین نے لفظ صلوۃ کا عربی ماخذ معلوم کرنے کے لیے بیکار کوشش کی، اس موقعہ پر آپ نے چند علمائے لغت کے اقوال نقل کئے ہین مگر کسی قول سے مولانا کی تسکین نہ ہوئی، سمجھ مین نہین آتا کہ جب ان لوگون کو یہ معلوم تھا کہ صلوات بمعنی کنایس عبرانی لفظ موجود ہے تو صلاۃ بمعنی نماز کی لغوی تحقیق کے لیے اس کوہ کندن وکاہ برآوردن سے کیا فائدہ تھا،

آگے چلکر مولانا لکھتے ہین کہ اب ثابت ہوگیا کہ یہ لفظ آرامی ہے جس کے معنی عبادت گاہ کے ہین، اور قرآن شریف مین لفظ "صلوتہم" یہی ابتدائی معنی ہین، آپ فرماتے ہین کہ عربی کا کوئی لفظ اس مفہوم کو خوبی کے ساتھ ادا نہین کرسکتا، جیسا کہ آرامی لفظ صلوتا کی شکل معرب،

کیا خوب! یہ تو آپ نے سچ فرمایا کہ اس سے بہتر اور کوئی لفظ اس مفہوم کو ادا نہین کرسکتا تھا، مگر اس سے یہ کہان ثابت ہوگیا کہ یہ عربی لفظ نہین، آپ تو محض لفظ "صلوۃ" کی بابت یہ فرمارہے ہین اور میرا اعتقاد ہے کہ قرآن مین جو لفظ جہان جو مفہوم ادا کررہا ہے اس جگہ اس سے بہتر اور کوئی لفظ اس مفہوم کو ادا نہین کرسکتا،

اس بحث کے بعد آگے چلکر آپ فرماتے ہین کہ قرآن مین صلوۃ کے معنی "مسجد" ہی کے نہین ہین، بلکہ دعا و استغفار کے بھی ہین جسکی تائید مین آپ نے ایک حدیث شریف نقل کی ہے، من دعی الی الولیمۃ فلیجب وان کان صائما فلیصل، اس مین ایک ٹکڑا ان کان مفطرا فلیاکل رہ گیا ہے، مولانا کے حدیث نقل کرنے سے معلوم ہوا کہ مولانا احادیث کے قائل ہین، لفظ "صلوۃ" کے معنی متعین کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ یہ بتایا جائے کہ خود آنحضرت صلعم نے کیا معنی بتائے اور سامعین نے نزول قرآن کے وقت کیا معنی سمجھے، اور یہ صرف احادیث صحیحہ سے معلوم ہوسکتا ہے صحاح ستہ کی ایک حدیث بھی مولانا پیش نہین کرسکتے جس مین اقیموا الصلوۃ کے معنی اقیموا المسجد ہو

مولانا کے معتقد بالحدیث ہونے سے مطمئن ہو کر کچھ احادیث سند مین پیش کرونگا مگر ذرا آگے چل کر مولانا نے ابوالبقا کا قول نقل کیا ہے: صلوٰۃ الرب علی النبی تعظیم الرحمۃ، وصلوٰۃ الملائکہ اظہار الکرامۃ وصلوٰۃ الامۃ طلب الشفاعۃ، اس کے متعلق کچھ اختلاف نہین لیکن اس سے ذرا آگے چلکر مولانا نے راغب اصفہانی کا قول نقل کیا ہے،

الدعاء یکون بالخیر والشر، والصلوٰۃ لا تکون الا فی الخیر۔۔۔۔ وکل موضع مدح اللہ تعالیٰ بفعل الصلوٰۃ او حث علیہ ذکر بلفظ الاقامۃ، نحو والمقیمین الصلوٰۃ وغیرہ یہ تمام اقتباس مولانا کے خلاف ہے، اسلیے اصفہانی نے "صلاۃ" کے معنی دعائے خیر کے لیے ہین، مگر یہان مولانا نے راغب اصفہانی کے مفہوم کو غلط سمجھا ہے، اصفہانی کا منشا صرف یہ ہے، کہ صلوا الصلوٰۃ، و اقیموا الصلوٰۃ مین بڑا فرق ہے، اقامۃ الصلوٰۃ کے معنی یہ ہین کہ نہایت عمدگی تعدیل ارکان وطمانیت قلب کیساتھ نماز پڑھی جائے، یہ بحث آگے آئیگی، رہا ان کا یہ کہنا کہ مصلین منافقین کے لیے مستعمل ہوتا ہے، صحیح نہین، کیونکہ مصلین کے معنی نماز پڑھنے والون کے ہین، نہ کہ ریاکار نمازیون کے البتہ جب اس کے ساتھ ایسا قرینہ آجاتا ہے جس کے معنی ریا و نفاق کے ہون تو البتہ اس سے ریاکار نمازی مراد ہوتے ہین، مثلاً آیت کریمہ فویل للمصلین الذین ھم عن صلاتھم ساھون الذین ھم یراؤن مین مصلین کے معنی مین بقیہ الفاظ کی وجہ سے برے معنی داخل ہو گئے، اور رہی یہ روایت "ان المصلین کثیر والمقیمین لھا قلیل" اس کا یہ مطلب ہے کہ سرسری طور پر نماز پڑھنے والے بہت ہین مگر تعدیل ارکان کے ساتھ نماز ادا کرنے والے کم ہین، ورنہ کلیتہ یہ کہدینا کہ مصلین ہمیشہ منافقین کے لیے آیا صحیح نہین، کیونکہ صلّی ایک سے زیادہ مقامات پر عمدہ مفہوم کے ساتھ قرآن مین مستعمل ہوا ہے، مثلاً

۱- الذی ینھیٰ عبدًا اذا صلّیٰ، چونکہ یہ سورہ علق کی آیت ہے، بہت ممکن ہے کہ

عبد مصلّی سے مراد جناب رسالتمآب ہی ہون،

۲- وذکر اسم ربہ فصلّی

۳- فلا صدق ولا صلّی

۴- انا اعطیناک الکوثر فصلّ لربک وانحر

خود لفظ مصلین بھی دو جگہ اچھے معنی مین مستعمل ہوا ہے،

۱- الا المصلین الذین ھم علی صلاتھم دائمون،

۲- ولم نک من المصلّین،

اس کے بعد مولانا فرماتے ہین کہ ہم نمازگاہ کے علاوہ لفظ صلوٰۃ ان اور چار معنون مین مستعمل ہونا فرض کیے لیتے ہین،

۱- بمعنی دعا عموماً و دعائے خیر خصوصاً

۲- بمعنی نماز مقررہ شکل مین،

۳- رحم و مغفرت کی دعا امت کے لیے،

۴- رسول مقبول کے لیے تعظیم و تکریم،

لیکن اب سوال یہ ہوتا ہے کہ کس موقعہ پر کیا معنی لیے جائین، مولانا نے ان سب آیات کریمہ کی جنمین لفظ صلوٰۃ یا اس کے مشتقات آئے ہین، ایک قریب قریب مکمل فہرست دی ہے کل ۱۷ یا ۱۸ کے قریب قرآن شریف مین صلوٰۃ مع مشتقات کے مستعمل ہوا ہے، مولانا کے نزدیک مندرجہ ذیل اٹھارہ انیس موقعون پر صلوٰۃ، مندرجہ بالا معانی اربعہ مین سے کسی نہ کسی معنی مین مستعمل ہوا ہے،

۱- اولئک علیھم صلوات من ربھم، سورہ ۲ آیۃ ۱۵۶،

۲- وهو قائم يصلي في المحراب	سورة	۳	آية	۳۸
۳- ان صلاتي ونسكي الخ	"	۶	"	۱۶۲
۴- ما كان صلاتهم عند البيت الا مكاء وتصديه	"	۸	"	۳۶
۵- لا تصل على احد منهم	"	۹	"	۸۴
۶- وصلوات الرسول،	"	۹	"	۹۹
۷- ان صلاتك سكن لهم،	"	۹	"	۱۰۳
۸- اصلواتك تامرك	"	۱۱	"	۲۳
۹- ولا تجهر بصلاتك	"	۱۷	"	۱۱۰
۱۰- الذين هم في صلوتهم خاشعون،	"	۲۳	"	۱
۱۱- كل قد علم صلاته وتسبيحه	"	۲۴	"	۴۱
۱۲- واقمن الصلوة	"	۳۳	"	۳۳
۱۳- هو الذي يصلي عليك الخ	"	۳۳	"	۴۲
۱۴- ان الله وملائكته يصلون على النبي	"	۳۳	"	۵۶
۱۵- قالوا لم نك من المصلين،	"	۷۴	"	۴۷
۱۶- فلا صدق ولا صلى	"	۷۵	"	۳۱
۱۷- وذكر اسم ربه فصلى	"	۸۷	"	۱۵
۱۸- الذي ينهى عبدا اذا صلى	"	۹۶	"	۱۰
۱۹- فويل للمصلين	"	۱۰۷		

اور بقیہ تمام آیات میں صلوٰۃ کے معنی مسجد کے ہیں،

جواب مین اول تو یہ عرض ہے کہ اٹھارہ انیس آیتون کی بابت آپنے جو یہ لکھا ہے کہ یہان معانی اربعہ مراد لیے جا سکتے ہین، اسکی دو صورتین ہین، ایک تو یہ کہ ہر جگہ چار دن معنی مراد لیے جائین دوسرے یہ کہ ہر مقام پر ان مین سے کوئی ایک معنی مراد لیے جائین، پہلی صورت تو یقیناً غلط ہے، رہی دوسری صورت مولانا نے کوئی تصریح و تشریح نہین فرمائی کہ کس جگہ کون سے معنی لیے جائین، صلوٰۃ کل پانچ معانی ہوئے، ایک مسجد اور چار اوپر لکھے ہوئے، آپ نے امتیاز کرنے کے لیے چار کو انیس آیات کے لیے مخصوص رکھا اور ایک کو بقیہ مقامات کے لیے، کیا آپ سے یہ جائز طور پر توقع نہین کی جا سکتی کہ آپ ان معانی اربعہ کے لیے بھی مزید تشریح فرما دیتے، کہ کہان کیا معنی لیے جائین، جب آپ "صلوٰۃ" کو آرامی لفظ قرار دیکر نماز گاہ کے معنی مین لیتے ہین تو اسی لفظ "صلوٰۃ" کو بعض آیتون مین دعا اور نماز عربی وغیرہ کے معنی مین اور بعض آیتون مین مسجد کے معنی مین کس اصول کی بنا پر سمجھ سکتے ہین، جب ہر جگہ وہی لفظ وہی اصل، پھر اختلاف کیسا آپ معانی اربعہ مین نماز شرعی کے مفہوم کو بھی شامل کرتے ہین تو جب بعض آیات مین صلوٰۃ کے معنی نماز مقررہ کے ہین، تو پھر جہان کہین آپنے اسے مسجد کے معنی مین لینا چاہا ہے، وہان بھی نماز ہی کے معنی لینے مین کیا قباحت لازم آتی ہے کہ آپ کو اس قدر کاوش کرنی پڑی،

ان آیات پر جسمین "صلوٰۃ" بقول مولانا مسجد کے معنی مین آیا ہے، نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات مین صلوٰۃ زیادہ تر مفعول واقع ہوا ہے، اقامت کا اور ایک ایک دو دو جگہ امر، قضے، محافظت، قصر بہ، قیام الی، استعانۃ بہ وغیرہ کا،

مولانا فرماتے ہین کہ "اقامۃ الصلوٰۃ" کے معنی عام طور پر نماز ادا کرنے کے لیے جاتے ہین مگر میری تحقیق کے مطابق اس کے معنی مسجد قائم کرنا ہین - آگے چلکر مولانا نے مسجد کی اہمیت اور جماعت کی تاکید کا ذکر کیا ہے، جس سے کسی مسلمان کو کچھ اختلاف نہین ہو سکتا، لیکن یہ اہمیت

دتاکید اس صورت مین بھی قائم رہتی ہے جبکہ صلوٰۃ کو نماز ہی کے معنی مین لیا جائے، اگر جماعت کی افضلیت اور مسجد کی اہمیت سے انکار ہوتا تو البتہ صلوٰۃ کے معنی مسجد ثابت کرنے کی کوشش بکار آمد اور نتیجہ دہ ثابت ہوتی، اب تو یہ کوشش تحصیل حاصل ہے، بشرطیکہ کوئی خاص فرق نہ بیان کیا جائے، لیکن مولانا نے ایک خاص بات پیدا کی ہے جو اسی وقت صحیح ہو سکتی ہے جبکہ اقامۃ الصلوٰۃ مین صلوٰۃ کے معنی مسجد کے لیے جائین اور وہ یہ ہے کہ نماز کی معینہ صورت صرف جماعت کے لیے مخصوص ہے، منفرد شخص کے لیے نماز مقررہ آداب رکوع و سجود سے ادا کرنا ضروری نہین، عام اعتقاد تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد مین جاکر یا جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھے اور تنہا نماز بشکل عبادت مخصوصہ ادا کرے، تو اقم الصلوٰۃ کے فرض سے سبکدوش ہو جائے گا، گو واسکعوا مع الراکعین کی تعمیل سے محروم رہیگا، اور اگر نہ جماعت کے ساتھ اور نہ تنہا نماز بشکل مخصوص ادا کرے تو وہ دونون حکمون کی عدم تعمیل کا ذمہ دار ہے، حقیقۃ یہ ایک بالکل نیا خیال ہے، اس خیال کو کہ یا تو نماز پڑھو جماعت کے ساتھ، ورنہ ضروری نہین، ثابت کرنے کے لیے مولانا نے، لفظ صلوٰۃ کے معنی مسجد مقرر کرنے کی جو کوشش کی ہے وہ فی الواقع تحصیل حاصل کے ذیل مین نہین آسکتی،

اب ہمین یہ دیکھنا ہے کہ صلوٰۃ کے معنی مسجد کے ہو سکتے ہین یا نہین، اس کے لیے مندرجہ ذیل امور پیش نظر رکھے،

۱- ہم اوپر ثابت کر آئے ہین کہ "صلوٰۃ" عربی کا لفظ ہے، کسی لغت کی کتاب مین اس کے معنی مسجد کے نہین لکھے، خود آرامی زبان مین اس کے معنی جھکنے وغیرہ کے ہین نہ کہ نمازگاہ کے، قرآن شریف کی ایک آیۃ، لھدمت صوامع وبیع وصلوات ومساجد مین صلوات کے معنی سب اہل لغت نے کنائس الیہود کے لیے ہین نہ کہ مساجد کے، کیونکہ مساجد کا لفظ خود آگے موجود ہے،

اور آیۃ لا تقربوا الصلوٰۃ مین صلوٰۃ کے معنی یا تو نماز کے ہین، یا مواضع الصلوٰۃ کے، بحذف مضاف،

۲- اگر صلوٰۃ کے معنی بفرض محال عبادت گاہ کے ہین تو اس سے مراد معابد الیہود لیے جا سکتے ہین، نہ کہ مساجد المسلمین، جسطرح اردو مین لفظ گرجا سے مسلمانون کی مسجدین مراد نہین ہوتین،

۳- خود مولانا تسلیم کرتے ہین کہ بعض آیات مین صلوٰۃ کے معنی نماز مقرر کے ہین،

۴- اقامت الصلوٰۃ مین اگر صلوٰۃ بمعنی مسجد ہے تو اقام المسجد بھی جائز ہوگا مگر یہ ترکیب نہ قرآن مین نہ حدیث مین نہ ادب مین کہین نہین آئی، اگر بفرض محال یہ ترکیب صحیح بھی ہے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ مسجدین قائم کرو، تو اس صورت مین تین قباحتین ہین،

(الف) محض مساجد بنا دینا یا قائم کر دینا کافی ہے۔

(ب) ہر شخص کیلئے مسجد قائم کرنا فرض ہو جائے گا،

(ج) اگر دوام و مواظبت کا مفہوم بھی لیا جائے، تو اس کے یہ معنی ہون گے کہ ہمیشہ مسجدین قائم کرتے رہو، یعنی ہر مسلمان کے لیے ایک دفعہ مسجد قائم کر دینا کافی نہین بلکہ ہمیشہ مسجدین بناتا رہے، یہ مذہب کیا ہوا آفت جان ہو گیا،

۵- فاذا قضیتم الصلوٰۃ فانتشروا مین مولانا کے نزدیک صلوٰۃ کے معنی مسجد کے ہین، مگر کیا لغۃً و محاورۃً اذا قضیتم المدرسۃ یا اذا قضیتم المسجد کے یہ معنی ہو سکتے ہین، جب تم مدرسہ یا مسجد سے فارغ ہو جاؤ، اگر صلوٰۃ کے معنی نماز کے لیے جائین تو کچھ قباحت نہین،

۶- اقامت کے معنی قابل لحاظ ہین، سب مفسرین بالاتفاق لکھتے ہین کہ اقامت الصلوٰۃ کے معنی تین ہو سکتے ہین (الف) تعدیل ارکان، کیونکہ اقام العود کے معنی لکڑی سیدھی کرنے کے ہین، یقیمون الصلوٰۃ ای یعدلون ارکانھا و یحفظون مما من ان یقع خلل فی افعالھا، یا (ب) مواظبت کیونکہ محاورہ اقام السوق کے یہی معنی ہین، یا (ج) مستعدی و آمادگی و اہتمام قام بالامر، اقامہ اذا جد فیہ

ان تینون معنون مین سے عام مفسرین نے پہلے معنی کو ترجیح دی ہے، کیونکہ قرآن پاک مین دوسرے لفظ کے ساتھ اقامت اسی معنی مین استعمال ہوا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اقیموا الوزن، ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اقامۃ الصلوٰۃ اتمام الرکوع والسجود والخشوع الخ، ابن الاثیر نے بھی یہی معنی لکھے ہین، یہ جو تین معنی اقامت کے اوپر بیان ہوئے ہین، یہ نماز کے ساتھ بھی مخصوص ہو سکتے ہین نہ کہ مسجد کے لیے،

۶- جماعت کی تاکید "اقامۃ الصلوٰۃ" سے ثابت نہین ہے، بلکہ دوسری آیتون، مانند وارکعوا مع الراکعین وغیرہ سے منصوص ہے،

۷- مولانا آیۃ کریمہ حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ مین صلوات سے عام مساجد اور صلوٰۃ وسطے سے مرکزی مسجد یعنی کعبۃ اللہ مراد لیتے ہین،

آج تک کسی مفسر نے یہان یہ معنی مراد نہین لیے، سب بالاتفاق نماز مراد لیتے ہین، اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ صلوٰۃ وسطے سے مراد عصر کی نماز ہے،

مین اوپر کہین لکھ آیا ہون کہ مولانا کے معتقد بالحدیث ہونے سے مطمئن ہو کر آگے احادیث نقل کرونگا، اب وہ موقع آگیا ہے، جب کسی لفظ کے مفہوم و معنی سمجھنے کے لیے زید و عمر کے قول سے استدلال کرنے کی ضرورت پڑے تو قول رسول مقبول سب سے زیادہ مقدم و مرجح ہوگا، خصوصاً اوس صورت مین جب کہ وہ لفظ ایسے کلام کا ہو جو آپ پر نازل ہوا اور جسکی تعلیم و تلقین آپ ہی نے کی ہو، اس معاملہ مین اہم سوال صحت روایت کا ہے، مگر یہ سوال، ہر عالم لغت کے قول کے متعلق یہی ناگزیر ہے، فرض کیجئے ایک لفظ قرآن کے معنی ایک عالم لغت کچھ بتاتا ہے اور حدیث نبوی مین اس کے معنی کچھ اور ہین، تو آپ کو کسکو ترجیح دینگے، صحت روایت دونون صورتون مین مشترک ہے، کیونکہ عالم لغت کا قول اوسکی کتاب لغت مین درج ہے، اور حدیث نبوی صحاح ستہ یا صحیحین مین درج

ہے، جنکی صحت کا معیار معتبر سے معتبر کتاب کی صحت سے زیادہ ہے،

"صلوٰۃ وسطے" کے بارہ مین ایک نہین بہت سی حدیثین ہین، چنانچہ ابن جریر نے حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطی کی تفسیر مین، احادیث سے پورے تین صفحات بھر دیئے ہین، ملاحظہ ہو، تفسیر طبری جزو دوم صفحہ ۳۴۲، اگر مولانا حدیث کے قائل ہین تو ان کو اتنی احادیث "صلوٰۃ وسطے" سے نماز عصر مراد ہونے کے بارہ مین دیکھکر مرکزی مسجد کا خیال چھوڑ دینا چاہیے آنحضرت صلعم سے بہتر قرآن کے الفاظ کون سمجھ سکتا تھا،

رہی مولانا کی یہ تجویز کہ جہان صلاۃ کے معنی مسجد کے ہون وہان صلوۃ کو واو کے ساتھ بلا الف لکھا جائے، اسکی بابت ایسی صورت مین جبکہ صلوٰۃ کے معنی مسجد کے قرار نہین پاتے، کچھ عرض کرنا فضول ہے،

۸- مین بحث کی خاطر فرض کئے لیتا ہون کہ اقم الصلوٰۃ کے معنی مسجد قائم کرنے یا مسجد مین جاکر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے ہین، اور یہ بھی مانے لیتا ہون کہ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ منفرد کے لیے نماز مخصوص ضروری نہین، لیکن جہان محض صلّ آیا ہے جیسے انا اعطیناک الکوثر فصل لربك وانحر، وہان صلّ کے معنی اگر نماز پڑھنے کے نہین تو اور کیا ہین، کیا یہان معنی دعا کے لیے جائین گے یعنی نعوذ باللہ خدا کے واسطے دعا کرو، یہان مسجد وغیرہ کا کچھ ذکر نہین پس محض یہ معنی ہوئے کہ نماز پڑھو، جماعت کے ساتھ کی کوئی قید نہین، اور صلّ امر کا صیغہ ہے، لہذا نماز بلا جماعت بھی فرض ہوئی،

تعجب ہے مولانا نے اپنی فہرست مین انا اعطیناک الکوثر کا ذکر نہین کیا، اونکی فہرست مین آخری آیہ فویل للمصلین الخ ہے، ایسی ہی فروگذاشت اُن سے ایک اور آیت کے ساتھ ہوئی، سورۂ معارج کی جو یہ آیتہ، الذین ھم علی صلاتھم دائمون آپنے نقل کی ہے اوسکا المصلین

سے نقل نہین کیا، حالانکہ لفظ 'مصلین' کی وجہ سے یہ حصہ بھی ضرور شامل ہونا چاہیئے تھا، یہ ٹکڑا بھی آپکے خلاف ہے، کیونکہ آپ مصلین کو منافقین کے ساتھ مخصوص کرنے کی طرف مائل معلوم ہوتے ہین اور یہان مصلین منافقین کے لیے نہین آیا، بلکہ سچے مسلمانون کے لیے ہے،

۹- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ مولانا نے تو یہ معنی لیے ہین کہ صبر اور مسجد کے ذریعہ مدد لو، مگر مین عرض کرتا ہون کہ یہان صرف نماز کے معنی مراد ہین، کیونکہ اگر اسکے معنی مسجد یا نماز جماعت کے لیے جائین تو یہ قباحت ہے کہ اگر کوئی ایک مسلمان اپنی قوم سے علیحدہ سفر مین، دشت مین، یا دشمنون مین گھر جائے تو وہ اس صورت مین صبر تو کر سکتا ہے، مگر مسجد یا جماعت کہان سے لائیگا، خداوند تعالیٰ نے مصائب و آفات کے مقابلہ کرنے کا جو نسخہ بتایا ہے وہ اسی وقت قابلِ عمل ہے جب کہ وہ اپنے ہم مذہبون مین ہو، تنہائی کی صورت مین اس نسخہ کا نصف حصہ بیکار ہے لیکن اگر آپ صلوٰۃ کے معنی نماز کے معنی لین تو یہ صورت ہر جگہ ممکن ہی، صبر اندرونی کیفیت اور نماز بیرونی حالت ہے، جس طرح صبر ہر صورت مین ممکن ہے اس طرح نماز بھی ہر جگہ ممکن ہے، استعینوا امر کا صیغہ ہی لہذا استعانت بالصبر والصلاۃ کی اہمیت سے انکار نہین کیا جا سکتا،

۱۰- احادیث سے ثابت ہے کہ منفرد شخص کے لیے بھی نماز بشکل عبادت مخصوصہ فرض ہے،

۱۱- مولانا اپنے اس دعوے کی تائید مین فرماتے ہین کہ نماز، دعا اور ذکر سے مختلف ہے، اور دعا اور ذکر کے لیے کوئی خاص شکل و صورت مقرر نہین مجھے تسلیم ہے لیکن اس سے یہ کہان ثابت ہوتا ہے کہ نماز مخصوص منفرد کے لیے کتاب موقوت نہین، نماز کے دعا و ذکر سے مختلف ہونے سے تو صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر خدا سے دعا مانگین یا اس کا ذکر کرین تو کسی خاص طریقہ کی پابندی کی ضرورت نہین، مگر آپ تو خود تسلیم کرتے ہین کہ نماز دعا و ذکر سے جداگانہ چیز ہے، پھر دعا و ذکر کا کسی صورت و شکل سے مقید نہ ہونا، انفرادی نماز کے کسی صورت سے مقید نہ ہونے کا کیونکر

مستلزم ہو سکتا ہے، آپ جماعت کی نماز کے لیے مخصوصہ آداب کی فرضیت کہان سے لے آئے ہین، اقم الصلوۃ کے معنی مسجد مین نماز پڑھنے کے سہی مگر اس سے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ نماز مقررہ شکل مین یعنی اسلامی نماز پڑھو، کیا محض اقامۃ الصلوۃ کے معنی مسجد مین اسلامی نماز پڑھنے کے ہو گئے، اگر یہ ہے، تو جہان نماز بے مسجد کے ہوگی وہ بشکل مقررہ ہوگی،

بہرحال مولانا نے اپنے طویل قابلانہ مقالہ مین لفظ صلوۃ کی بابت تلاش وجستجو کر کے جو نتیجہ نکالا ہے وہ صحیح نہین ہے، مولانا کی خدمت مین باادب واحترام گذارش ہے کہ جو کچھ اوپر عرض کر آیا ہون اسکو بہ نظر غور ملاحظہ فرماکر اپنے تفحص وکاوش کے نتیجہ پر نظر ثانی فرمائین،

وما توفیقی الا باللہ،

نفسیات ترغیب

مصنفہ

پروفیسر وہاج الدین صاحب اورنگ آباد دکن

کسی انسان کو کسی کام، یا چیز یا تحریک کے لیے کیونکر آمادہ کر سکتے ہین اور اسکو ترغیب اور شوق دلا سکتے ہین، اس کے نفسیاتی اصول کیا ہین، اس کتاب مین انھین اصول کی تشریح ہے، تجارت، اشتہارات اور تقریر و وعظ مین ہر جگہ ان اصول کی رعایت کی ضرورت ہے، اس لیے تجار کے مشتہرین، واعظین، مدرسین اور وکلا رسب کو اس کتاب کی ضرورت ہے۔

قیمت :- عہ

"منیجر"

مزدک

از

جناب سید وقار احمد صاحب متعلم ایم اے جامعہ عثمانیہ،

مزدک[1] کی شخصیت اور مذہب کے متعلق صحیح راے قائم کرنا اس لئے مشکل ہے کہ اس کے جو حالات ہم تک پہونچے ہین وہ صرف زردشتیون ہی کے ذریعہ سے پہونچے ہین، ان سے اس بات کی توقع رکھنی کہ انھون نے مزدک اور اس کے عقائد کی صحیح معنون مین ترجمانی کی ہوگی، بے سود ہے،

مزدک کا زمانہ چونکہ چھٹی صدی عیسوی کا تھا، اس لئے اس کے حالات کا بھی اچھی طرح معلوم کرنا مشکل ہے، تاہم اس کے جو حالات مختلف کتابون مین درج ہین ہم ذیل مین بیان کرتے ہین،

قباد (غباد) اپنے بھائی کے بعد ۴۸۸ء[2] مین تخت نشین ہوا، اس کے دس سال حکومت کرنے کے بعد (یعنی ۴۹۸ء مین) مزدک نیشاپوری نے مدائن مین آکر پیغمبری کا دعوی کیا، اس کے مذہب[3] مین زردشتی شریک ہونے لگے، قباد کو بھی اس کا مذہب پسند آیا، اور اس کا بدل و جان فریفتہ ہوگیا اور وہ مزدک کی ہر بات کو مانتا تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کو اپنے مذہب کی اشاعت کا اچھا موقعہ ملا اب وہ اپنی مرضی کے موافق ہر کام کرسکتا تھا،

---

[1] براؤن، [2] علامہ سر اقبال The Development of Metaphysics in Persia صفحہ (۱۸) سطر (۵) مین تحریر فرماتے ہین کہ یہ اشاعت کا پہلا پیغمبر مزدک انوشیروان کے عہد حکومت (۵۳۱-۵۷۸) مین ظہور ہوا، برخلاف اس کے قاموس العلوم انگریزی براؤن، معجم البلدان، البیرونی، "جوامع الحکایات" اور نامۂ خسروان مین لکھا ہے کہ مزدک قباد کے زمانہ مین آیا، اس کی وفات کے متعلق اگر براؤن اور قاموس العلوم انگریزی کے بیان کو تسلیم کر لیا جائے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انوشیروان کی سلطنت کے آغاز سے تین سال قبل یعنی ۵۲۸ء مین اس کا خاتمہ ہوگیا تھا،

[2] Encyclopaedia Britanica Volume XXI P 223

معجم البلدان صفحہ (۲۹۴) اور نامۂ خسروان،

بادشاہ کے منظورِ نظر ہونے کی وجہ سے اس کی جرأت بڑھ گئی تھی، چنانچہ اس نے نوشیروان کی ماں کو اپنے حرکات سے رنجیدہ کر دیا، جب قباد کے امرا نے یہ بات دیکھی تو انھون نے اس کو قتل کرنا مناسب سمجھا، اس لئے قباد کو گرفتار کر کے قید کر دیا، مگر وہ اس قید سے نکل بھاگا، اور کثیر فوج کے ساتھ ایران پر حملہ کر کے اپنے بھائی جاماسب اور دوسرے امرا کو گرفتار کر لیا، بعد مین اس نے سب کو معاف کر دیا، اس سے قباد کے خیالات مین تبدیلی ہوئی اور اس نے مزدکیون سے کنارہ کشی اختیار کر لی، قباد نے ۴۳ سال حکومت کے بعد ۵۳۱ء[1] مین وفات پائی، اس طرح تقریباً ۴۳ سال تک مزدک کو اپنے مذہب کی تلقین کا اچھا موقعہ ملا،

قباد کے بعد نوشیروان تخت نشین ہوا، اس نے اپنا فرض اولین سمجھا کہ مزدک اور اس کے پیروؤن کو کسی نہ کسی طرح قتل کرڈالے، پہلے اس نے چند مزدکیون پر اپنی مہربانی ظاہر کی، اس کے بعد رازمین تمام صوبہ دارون کو لکھ بھیجا کہ جہان کہین کوئی مزدکی نظر آئے اسے قتل کر ڈالا جائے، اپنے پایہ تخت مین اس نے مزدکیون سے کہا کہ وہ بھی ان کے مذہب مین شریک ہونا چاہتا ہے، اور اپنے نئے مذہب پر ایمان لانے کا اعلان سب کے سامنے کریگا، اس طرح دھوکے سے اس نے تمام مزدکیون کو ایک باغ مین دعوت دی اور وہان ان کے عالم بقا کر پہونچانے کا انتظام کر رکھا تھا، جون ہی وہ لوگ باغ مین قدم رکھتے تھے، نوشیروان کے سپاہی انھین گرفتار کر کے قتل کر ڈالتے

[1] قاموس العلوم انگریزی صفحہ ۲۹۴ مین مزدکیون کے قتل عام کی تاریخ ۵۲۸ء لکھی ہے، اس طرح یہ واقعہ مزدک کے مرنے سے تین سال قبل ہوا، مگر "جوامع الحکایات" کے مقدمہ (صفحہ ۴۸ حکایت ۱۸۲ ۱۸۳) اور نامۂ خسروان کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ مزدکیون کا قتل عام نوشیروان کے تخت نشین ہونے کے بعد ہوا، اس لحاظ سے ۵۳۱ء مزدک کی وفات اور مزدکیون کے قتل عام کی ہونی چاہئے، تاہم اس کے متعلق بہت اختلاف ہے،

اور الٹا دفن کر دیتے، اس طرح جب ان سب کا خاتمہ ہو گیا تو اس نے مزدک کو دعوت دی، اور اس کے ہمراہ تفریح کرتا ہوا اسی مقام پر آیا، جہاں سب مزدکی دفن کئے گئے تھے، نوشیروان نے مزدک سے کہا، "لو یہ تو تمھارے ہی برے مذہب کا نتیجہ ہے" اس کے بعد اس نے اشارہ کیا اور اس کے سپاہیوں نے اس کو گرفتار کر لیا اور اسی باغ میں جو مقام اس کے لئے مقرر کیا گیا تھا، زندہ دفن کر دیا گیا، اس طرح ایک دن میں ۸۰ ہزار[1] مزدکی مارے گئے، جب یہ ہولناک واقعہ ظہور میں آیا اس وقت ایک ایرانی (Zezon) Othes اور Yheophanes نامی موجود تھا، یونانی مورخین John Malalas نے ان کا بیان لکھا ہے، مزدک اور مزدکیوں کے قتل کے وقت بادشاہ کا عیسائی طبیب (Baze) بھی موجود تھا، اس طرح ان اہم واقعات کی عینی شہادتیں موجود ہیں،

مزدک کے مذہبی اصول کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آیا یہ اصول اسی کے ہیں، یا کسی دوسرے شخص کے، بعض ماخذوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اصل مصنف خرزان (Kharrizan) ہے، جو فارس کے ایک صوبہ کا باشندہ تھا،

سر اقبال فرماتے ہیں کہ "اس کے مذہب کی نہایت ہی اہم خصوصیت اجتماعیت (Communism) ہے، جس کو وہ مانی کے عمومی فلسفہ کے مقابلے میں ایک ادنی چیز سمجھتے ہیں، اسیاسی

[1] "جوامع الحکایات" صفحہ ۱۴۸، حکایت ۱۸۲، نامۂ خسروان اور قاموس العلوم انگریزی سے قتل عام کا ہونا مسلم ہے، صرف قتل عام کی تاریخ کے متعلق مؤرخین میں اختلاف ہے، برخلاف اس کے براؤن کہتے ہیں، کہ کثیر التعداد مزدکیوں کا جو ۵۲۸ء کے اختتام یا ۵۲۹ء کے آغاز پر مقتول ہوئے، ان کی نسبت یہ کہنا کہ وہ تمام ایک ہی دن میں مارے گئے، درست نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ نوشیروان کی حکومت کے آغاز میں ۵۳۱ء میں مزدکیوں سے بچے کھچے کارروائی عمل میں آئی تھی اس کے بعد بھی گو بظاہر نہیں مگر پوشیدہ طور پر یہ فرقہ باقی رہا،

حیثیت سے اس کا مقصد امرا اور دستورون کی قوت کو گھٹانا تھا، مجوسی مزدک کو دہریہ سمجھتے تھے جو گوشت نہین کھاتا تھا، منوچہر نے اپنے مذہب مین خون ریزی جائز کر دی تھی، یہی عنصر مزدک کے بھی مذہب کا تھا، زردشتی اس کی مذمت کرتے ہین،

مزدک[1] نے لکھا ہے، کہ ابتداے عالم سے جہان کے دو صانع ہین، ایک فاعل خیر جس کو یزدان کہتے ہین، یہ ایک نور ہے، دوسرا فاعل شر یعنی اہرمن جس کو ظلمت کہتے ہین، اور تاریکی سے تعبیر کرتے ہین، یزدان نیکی کا خدا ہے، اس سے بجز نیکی کے اور کچھ ظہور مین نہین آتا چنانچہ عقول نفوس، افلاک، کواکب وغیرہ یزدان ہی کے پیدا کئے ہوئے ہین، اس لئے اہرمن جس کا کام برائیون کا پیدا کرنا ہے، ان پر قادر نہین ہے، عناصر اور مرکبات بھی یزدان کے پیدا کئے ہوئے ہین، مگر ان مین اہرمن کو دخل ہے، مثلاً آگ جلاتی ہے، زہر جاندار کو ہلاک کرتا ہے، پانی کشتی کو ڈبو دیتا ہے، ان تمام افعال مین نقصان رسانی پائی جاتی ہے، جو اہرمن کا خاصہ ہے، چونکہ اہرمن کو فلک پر جانے اور فتنہ برپا کرنے کی قوت نہین ہے، اس لئے عالم بالا کا نام جنت رکھا ہے، اور زمین جس مین اہرمن کا بھی تصرف ہے، اور ہمیشہ اہرمن کے افعال یزدان کے مخالف ہوتے ہین، اس لئے اس کا نام دوزخ مقرر کیا ہے، اہرمن کی اتنی قدرت نہین ہے، کہ وہ آسمان پر بھی اپنا تصرف کر سکے اس حیثیت سے وہ یزدان سے کمزور ہے، اس لئے وہ زمین پر پوری پوری مخالفت کرتا ہے، اس کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ جو یزدان پرست ہین، ان کو بہکائے اور تکلیف پہونچائے، تاکہ وہ اس سے برگشتہ ہو جائین، وہ لوگ جو دنیاوی تکلیفون سے ڈر کر یزدان پرستی کرنے سے باز رہتے ہین، ان کی روح عالم سفلی مین پڑی رہتی ہے، یہی اس کے لئے دوزخ ہے، اور جو لوگ اہرمن کے افعال سے ڈر کر

[1] کتاب الملل والنحل صفحہ (۱۹۲) تاریخ کامل (۱۵۲) نامۂ خسروان اور (The Dev of Zoroastrianism in Persia)

یزدان پرستی کرتے ہین اور تکلیفون اور مصیبتون کو برداشت کرتے ہین، ان کے مرتے ہی ان کی روحین آسمان پر چلی جاتی ہین، اور وہ یزدان کے ساتھ ہمیشہ رہتی ہین، یہی ان کے لئے جنت ہے، اس لئے انسان کو اہرمن کے دام مین نہین آنا چاہئے،

مزدک نے ہستی کے دو پہلو یہان بیان کئے ہین، ایک "رشد" ہے جس کے معنی نور کے ہین، دوسرا تار یعنی ظلمت، انھین دو پہلوؤن کو اہرمن اور یزدان کے نام سے تعبیر کیا ہے، وہ نوری افعال کو اختیاری اور ظلمت کو اتفاقی خیال کرتا ہے، نیکی کا سرچشمہ نور ہے، اور شر و فساد کا ظلمت، اب نور کے اجزا ظلمت سے جدا ہو گئے ہین جب وہ ملین گے تو اس وقت قیامت ہو گی،

اس نے اصول و ارکان تین بیان کئے ہین، یعنی پانی، مٹی، اور آگ، چونکہ یہ سب باہم ملے ہین، اُن کی آمیزش سے مدبّر خیر و شر کے حادثات پیدا ہوئے ہین، جو کچھ ان کی حالت سے حاصل ہوا وہ مدبّر شر ہے،

یزدان کے متعلق اس کا خیال ہے کہ وہ حساس ہے اور عالم اصلی مین ایک کرسی پر اسی طرح بیٹھا ہے، جس طرح ایک بادشاہ بیٹھتا ہے، اس کے حکم بردار چار ہین، جو اس کی پیشی مین رہتے ہین، باز کشنا، یا دودھ، دانا، سورا یعنی قوتِ تمیز، و قوتِ حفظ و قوتِ فہم و قوتِ سرور، انھین پر یزدان کے کاروبار کا دارومدار ہے، اس سے کسی قدر مرتبہ مین کم سات شخص ہین، وہ بھی دربار مین حاضر رہتے ہین، وہ یہ ہین، سالار، پیشکار، بالون و بردان، کارروان، دستور، کودک،

ان ساتون مین بارہ روحانی قوتین ہین، خوانندہ، دہندہ، ستاندہ، برندہ، خورندہ، دوندہ، خیزندہ، کشندہ، زندہ، کنندہ، آیندہ، شوندہ، یابندہ، جب کسی شخص مین یہ تمام صفات پیدا ہو جائین گے، اس کا درجہ خدا کے برابر ہو گا، اور اس کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو گی،

مزدک لوگون کو جنگ و جدال سے منع کرتا تھا، جو اکثر عورتون اور اموال کی وجہ

ہوتا ہے، اس لئے اس نے عورتون کو حلال کیا اور اموال کو جائز رکھا، (وکان من دلیلہ ینھی الناس عن المخالفۃ والقتال ولما کان اکثر ذلک انما یقع لسبب النساء والاموال فاحل النساء واباح الاموال) اس طرح اس نے کہا کہ عورتون کو آزادی دینی چاہئے اور مال سب مین مساوی تقسیم کیا جائے، کوئی زیادہ مال رکھنے کا مستحق نہین ہے، کیونکہ ایک شخص صاحب جاہ و منصب ہو دوسرا نادار، یہ انصاف کے خلاف ہے، اس پر فرض ہے کہ وہ اپنی دولت کو نادارون پر برابر تقسیم کردے، عورتون کے متعلق وہ کہتا ہے کہ یہ بڑا ظلم ہے کہ عورت تو حسین ہو اور اس کا مرد قبیح، انصاف اور عین دین یہ ہے کہ مرد اپنی جمیلہ بیوی کو چند روز کسی ایسے مرد کو عطا کرے جس کی زوجہ بدصورت ہو، تاکہ وہ اس سے کچھ دنون لطف اُٹھائے، جو شخص اس قسم کی قسمت سے راضی نہ ہو اس کو مجبور کرنا چاہیئے،

بعض مصنفون کا خیال ہے کہ مزدک کی مذہب منوچہر مذہب کی طرح مسلمانون کے زمانہ تک باقی رہا، اور یہی خیالات بعد کے فرقون مین ظہور پذیر ہوئے، اسی خیال کو نظام الملک نے سیاست نامہ مین نہایت شد و مد سے بیان کیا ہے، اور اسماعیلیون کو جن سے اسے دلی نفرت تھی، مزدکیون کی اولاد ثابت کرنے کی کوشش کی ہے،

اس مذہب کے مشہور پیرو مندرجہ ذیل بیان کئے جاتے ہین، جو مختلف زمانون مین تھے، فرہاد، سیراب، آئین، ہوش، محمد، قلی گرد، اسماعیل بیگ، احمد ائی غزنی، اصفہان کے مضافات مین اس مذہب کے لوگ زیادہ رہتے تھے، اسلام کے عہد مین انھون نے اپنے نام مسلمانون سے رکھ لئے، تاکہ ان کے اصلی مذہب کا راز فاش نہ ہو جائے،

فضائے آسمانی

یا

جوِّ سماء

از مولوی حامد حسن قادری پکچرار سینٹ جانس کالج آگرہ

ایک ہیئت دان کا قول ہے کہ "آسمان کی فرضی تصویر جو شکل خلائے گنبد کے زمین کے افق سے افق تک پھیلی ہوئی نظر آتی ہے عظیم الشان اور نہایت عظیم الشان ہے، اور مین دل سے چاہتا ہون کہ مین آسمان کے اس تصور سے آگے نہ بڑھا ہوتا، لیکن اصلی آسمان عجیب پر ہیبت چیز ہے، وہان اول ایک ایسی وسعت ہے جہان سے شان و رفعت کا آغاز ہوتا ہے، اس کے بعد ایسی وسعت آتی ہے جہان سے عظمت و جلال شروع ہوتا ہے، اس کے بعد ایسی وسعت پیدا ہوتی ہے جہان سے قہارانہ متانت کی ابتدا ہوتی ہے، اس کے بعد ایسی وسعت نمایان ہوتی ہے جہان سے ہیبت شروع ہوتی ہے، اس کے بعد ایسی وسعت ظاہر ہوتی ہے جہان سے وحشت کا آغاز ہوتا ہے، اور اس وسعت سے وسعتِ عالم کا خفیف سا اندازہ ہوتا ہے، اگر تم خوش و خرم ہو اور ایسا ہی رہنا چاہتے ہو تو علم ہیئت کے مطالعہ کا نام نہ لو، تمام علوم و فنون مین علم فلکیات سب سے زیادہ دہشت خیز و وحشت انگیز ہے، لیکن اگر تم اپنے مستقبل کے لئے مضطرب و پریشان ہو تو فوراً علم ہیئت کا مطالعہ کرو اور تمھاری پریشانیان کم ہو جائین گی، لیکن یہ کمی عجیب و غریب ہوگی، یعنی دنیا کی ہر چیز کی اہمیت و عظمت تمھاری نظر مین گھٹ جائیگی، خلاصہ یہ کہ علم ہیئت اگر آبِ حیات ہے، تب بھی نہایت خوفناک ہے" اس علم کے مطالعہ سے جو واقعات معلوم ہوتے ہین، اور ایسی ہیبت و وحشت اپنے اندر رکھتے ہین وہ ستارون کی

بے اندازہ کثرت اور ان کے لامتناہی درمیانی فاصلے سے متعلق ہین،

ساحل بحر یا دلدل کے کنارے پر تم نے آلۂ جر ثقیل کا عمل دیکھا ہوگا، تم دیکھتے ہو کہ ایک ربع میل کے فاصلہ پر ایک بڑا وزن زنجیرون اور آلات کے ذریعہ سے ہوا مین معلق ہے، پھر تم وزن کو بیچ گرتے دیکھتے ہو، وہ زمین پر آتا ہے، اور پھر اوپر کی سمت واپس جاتا ہے جب دو یا تین فٹ زمین سے بلند ہو جاتا ہے، تو تم یکایک ایک تیز آواز سنتے ہو، اور بڑی کوشش اور غور کے بعد دریافت کر سکتے ہو کہ وہ آواز ایک سکنڈ قبل پیدا ہوئی تھی، یعنی آواز کے پیدا ہونے اور تمھارے کان تک پہونچنے کے درمیان مین اتنا وقفہ گذر گیا کہ عمل جر ثقیل نے وزن کو زمین سے تین فٹ اوپر کھینچ لیا، آواز ایک سکنڈ مین ایک ربع میل سے کچھ کم فاصلہ طے کرتی ہے، روشنی کے سفر مین بھی کچھ وقت صرف ہوتا ہے، لیکن اسکی رفتار آواز کی رفتار سے بے حد تیز ہے یعنی ایک سکنڈ مین ایک لاکھ ۸۴ ہزار میل سے بھی کچھ زیادہ فاصلہ طے کر لیتی ہے، تو جو چیز ایک لاکھ ۸۴ ہزار میل کے فاصلے پر ہو ہم کہہ سکتے ہین کہ وہ چیز ایک "ثانیۂ نور" کے فاصلے پر ہے، یعنی اتنی دور ہے جتنی دور روشنی ایک سکنڈ مین پہونچتی ہے، اب ایک سال مین تین کرور سکنڈ ہوتے ہین، اور آفتاب کی روشنی زمین پر پہونچنے کیلئے آٹھ منٹ لیتی ہے، لہذا بجائے اس کے کہ ہم اس فاصلہ کا حساب میلون سے کرین یون بھی کہہ سکتے ہین کہ آفتاب زمین سے آٹھ "دقیقہ نور" کے فاصلے پر ہے، (یعنی تقریباً آٹھ کرور نوے لاکھ میل) کس قدر عظیم الشان بعد ہے! اللہ اکبر!

آفتاب اور نظام آفتاب کے سیارون کے باہمی تناسب کا اندازہ کرنے کے لئے فرض کرو کہ ایک فٹ قطر کی طلائی گیند اور بہت سی چھوٹی چھوٹی گولیان جن کے قدمٹر کے دانے اور بچون کے کھیلنے کی گولیون کے درمیان ہین پچاس فٹ سے دو سو فٹ تک کے فاصلے پر رکھی ہوئی ہین، اس طرح کا ایک نمونہ لندن کے میوزیم آف پریکٹیکل جیالوجی مین رکھا ہوا ہے، لیکن ہمارے آفتاب کے علاوہ اور آفتاب یا ثوابت کرورون کی تعداد مین ہین، ان مین قریب ترین ستارہ (جسکا نام الفاسین توری ہے

ہم سے کم سے کم تین سال نور کے فاصلہ پر ہے، ایک سال نور ساڑھے پانچ کھرب میل کے برابر ہوتا ہے، تو یہ قریب ترین آفتاب تقریباً سولہ کھرب میل دور ہوا، اگر اس کی روشنی یکایک گل ہو جائے، تو ہم کو تین سال تک اس واقعہ کا علم بھی نہ ہوگا،

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ غیر متحرک ستارے یا ثوابت جو ہمارے آفتاب کے مثل آفتاب ہین، کتنے ہین؟ سرسری اندازہ یہ ہے کہ زمین کے کرۂ شمالی اور کرۂ جنوبی دونون سے خالی آنکھ سے نظر آنے والے ستارے (کیونکہ قطب شمالی کے کرۂ ارض سے جو ستارے نظر آتے ہین وہ قطب جنوبی کے کرہ سے نظر نہین آتے) تقریباً آٹھ ہزار ہین، تم کہوگے کہ یہ تو کچھ بہت زیادہ نہین ہین، لیکن ٹھہرو اور سنو کہ دوربین کیا کہتی ہے، قوی ترین دوربین کی مدد سے تقریباً دس کرور ستارے نظر آتے ہین جن کی روشنی ان کے فاصلے کی نسبت سے کم ہوتی چلی جاتی ہے، اور دشواری سے دکھائی دیتے ہین، اب ہم اس سے بھی آگے بڑھتے ہین، گزشتہ نصف صدی کے اندر معلومات فلکی مین فوٹوگرافی نے حیرت انگیز وسعت پیدا کر دی ہے، اور "خشک پلیٹ" کی ایجاد نے معلومات کا نیا دروازہ کھول دیا ہے، فوٹوگرافی کی معمولی پلیٹ جس کو ہم "تر پلیٹ" کہہ سکتے ہین دیر تک کھلی رہنے سے خراب ہو جاتی ہے، اور اس پر عکس صاف نہین آسکتا، لیکن خشک پلیٹ گھنٹون کھلی رہ سکتی ہے ہیئت دان اس ہیئت کو ایک حصہ آسمان کے مقابل قائم کر دیتا ہے اور چار پانچ گھنٹہ کھلا رکھتا ہے، اس ترکیب سے وہ ستارے جو قوی سے قوی دوربین سے بھی نظر نہین آتے اور چند سکنڈ یا چند منٹ مین معمولی پلیٹ پر نمایان نہین ہو سکتے خشک پلیٹ پر متواتر عکس ریز ہونیکی وجہ سے اپنا نقش ثبت کر دیتے ہین، اور انسان آنکھ سے نہ دیکھ سکنے پر بھی ان کو دیکھ سکتا اور ان کے فاصلے کو ناپ سکتا ہے، اس طرح کرورون نئے ستارون کا وجود ثابت ہو گیا ہے، یہ بے تعداد ستارے مختلف درجات نور رکھتے ہین اور ماہران ہیئت نے ایسے ذرائع ایجاد کر لئے ہین، کہ ان کی جسامت و فاصلہ کا قطعی و یقینی اندازہ کر سکتے ہین، ان مین کثیر تعداد ہے، جو ہمارے آفتاب سے بدرجہا بڑی ہے، ایسے

ستارے بھی دریافت کئے گئے ہین جو ہم سے چار، پانچ، دس اور بارہ "سالِ نور" کے فاصلہ پر ہین، اور جدید تحقیقات کی بنا پر ایسے قوی اسباب موجود ہین کہ بہت سے فوٹو گرافی کے ستارون کو ۳۲ ہزار سال نور کے فاصلہ پر مان لیا جائے، یہ پر ہیبت تعداد میلون مین ظاہر نہین کی جاسکتی، ناظرین ایک سال نور کی میلون کی تعداد پیش نظر رکھین، اب اس کے بعد کیا ہے؟ نہ کوئی دیکھ سکتا ہے، نہ اندازہ کرسکتا ہے، خلاے بسیط کی حد بندی طاقت بشری سے باہر ہے،

لہذا یہ صحیح اور لازم نتیجہ ہے کہ یہ کرورون آفتاب جو ہمارے آفتاب کی مثل گرم و روشن ہین اپنا اپنا جداگانہ نظام رکھتے ہین، اور بہت سے سیارے ان کے گرد گردش کرتے ہین، وہ سیارے سرد و بے نور ہو چکے ہین، اور اب روشنی نہین دیتے، بہرحال بعید ہونے کی وجہ سے اس قدر چھوٹے ہین کہ نظر نہین آسکتے، یہ امر بھی قرین قیاس ہے کہ ان مین سے بعض بلکہ اکثر سیارون کے اندر مادۂ حیات بھی موجود ہے، جو بالکل حیات ارضی نہین تو اس کے مشابہ ضرور ہے، اور گمان غالب ہے کہ ان بے شمار سیارون مین ذی عقل ہستیان آباد ہین، صحیح استدلال اور صائب غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا ذہن انسانی کی عجیب پرواز ہے،

ماہران فلکیات نے اجرام سماوی کی حرکت کے متعلق جس قدر نتائج اخذ کئے ہین ان مین اس نتیجہ سے زیادہ عجیب اور پر اسرار کوئی نتیجہ نہین کہ کرورون ستارون کے مجمع مین جنکی حد و انتہا کا ہم تصور بھی نہین کرسکتے، دو عظیم الشان لہرین مخالف سمتون مین حرکت کر رہی ہین، اور تمام ستارے انھین لہرون مین سے کسی ایک کے اندر شامل ہین، یہ ستارون کی لہرین کہان سے آرہی اور کدھر جارہی ہین، اس کا جواب ابتک رازِ سربستہ ہے، ایک اور نتیجہ جو آلۂ مقیاس الوان النجوم کی مدد سے حاصل ہوا ہے، یہ ہے کہ ہمارا آفتاب اور اس کے نظام کے کل سیارے ایک ستارۂ ویگا کی طرف حرکت کر رہے ہین، یہ صحیح ہے کہ یہ ستارہ ہم سے ہزارون کرور میل دور ہے

لیکن ہم کسی قدر تیزی کے ساتھ اس کی جانب دوڑے چلے جاتے ہین، یعنی ۱۹ میل فی سکنڈ کی رفتار سے، سچ یہ ہے کہ اِس خوفناک تصادم مستقبل کے مقابلہ مین فقط اس امید کا سہارا ہے کہ ہمارے اور دوسرے ستارون کے درمیان فاصلہ بے حد و غایت ہے، اور کسی واقعۂ ہائلہ کے پیش آنے سے قبل ایک طویل زمانہ گذرنا ضروری ہے، نیز یہ بھی قرینِ قیاس ہے کہ فضائے آسمانی مین جو قانونِ جذب و دفع جاری ہے اسکے زیر اثر ہمارا نظام شمسی ستارۂ دیگا کے پاس سے محفوظ گذر جاوے جس طرح موٹر کار شاہراہ کے ہجوم کے اندر سے بے ضرر گذر جاتی ہے،

مطالعۂ فلکیات کی ترقی اور دلچسپی مین آلۂ مقیاس الالوان نے فوٹوگرافی سے کم حصہ نہین لیا، واقعہ یہ ہے کہ ان دونون مفید ذرائع مشاہدہ نے ہر معمولی انسان کے لئے علم ہیئت کے ایجادات و اکتشافات کو دلچسپ بنا دیا ہے، ہر شخص ان آلات کی مدد سے بہت سے اسرارِ فلکی کا خود مشاہدہ کر سکتا اور ان کی تصدیق کر سکتا ہے، اگرچہ اصلی راز جن کا انحصار پیمایش و حساب پر ہے سوائے ریاضی دان کے کسی کے بس کی نہین، اجرام سماوی کی حرکت و جسامت کا صحیح سے صحیح اندازہ لگانا علم ہیئت کی جان ہے چنانچہ گرینچ کی شاہی رصدگاہ کے علمائے ہیئت نے نئے دم دار ستارے (یعنی ۱۹۰۷ء کے تیسرے تارے) کا فوٹو اِس طریقہ سے لیا کہ اس سے قبل ایسا فوٹو کبھی نہ لیا گیا تھا، ماہرانِ فلکیات کئی ہفتے تک مسلسل روزانہ رات کو خشک پلیٹ پر دمدار تارے کا فوٹو دو دو تین تین گھنٹہ کے وقفہ کے بعد لیتے رہے، اور اس طرح جو تصویرین لی گئین اور رایل ایسٹرانومیکل سوسائٹی مین پیش کی گئین ان سے تارے کی دم کی حیرت انگیز مختلف شکلین ظاہر ہوتی ہین، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ بجائے ستارے کے کسی جاندار چیز کی تصاویر ہین، اکتوبر ۱۹۱۰ء مین ہیلز کومٹ (دمدار تارہ) جس کا نہایت شوق و انتظار کے ساتھ انتظار تھا نظر آیا، اگرچہ عوام کے لئے مئی ۱۹۱۰ء سے قبل اس کے نظر آنے کی امید نہ تھی، دمدار تارے ماہرانِ نجوم کے لئے غیر معمولی مسرت کا باعث ہوتے ہین،

ان سے مراد بڑے بڑے تارے ہین، ورنہ چھوٹے چھوٹے دمدار تارے جو صرف دوربین یا فوٹوگرافی کے ذریعہ سے نظر آسکتے ہین، ہر سال دو تین نکلتے رہتے ہین، بعض دمدار تارون کی آمد متوقع ہوتی ہے، بعض بالکل خلاف اُمید نظر آتے ہین، کچھ اس سبب سے کہ ان کا وقت مقرر نہین ہوتا، اور کچھ اس لئے کہ اس وقت کا اندازہ ابتک نہین ہو سکا، اڈمنڈ ہیلی پہلا عالم ہے جس نے ایک خاص دمدار تارے کی حرکت کا قانون دریافت کیا، اور پیشین گوئی کی، کہ جو تارا ۱۶۸۲ء مین نظر آچکا ہے وہی ۱۷۵۸ء مین نظر آئے گا، وہ اپنی پیشین گوئی کی صداقت کے مشاہدہ کے لئے زندہ نہ رہا، اس نے قیاس لگایا تھا کہ یہ ستارہ جس کو اب اس کے نام پر ہیلیز کومٹ کہا جاتا ہے، وہی ہے جو ۱۵۳۱ء اور ۱۶۰۷ء مین نظر آچکا ہے، اس کی پیشین گوئی ایک سال بعد پوری ہوئی، جس کا سبب وہ تغیرات تھے جو دو سیارون یعنی جوپیٹر اور یورینس نے پیدا کر دیئے تھے، چونکہ یہ دونون سیارے ہیلی کے زمانہ مین دریافت نہین ہوئے تھے، اس لئے وہ دمدار تارے کی راہ مین ان سیارون کی رکاوٹ کا اندازہ نہ کر سکتا تھا، بہرحال ۱۷۵۹ء مین وہ تارا ظاہر ہوا اور غائب ہو گیا، اور پھر ۱۸۳۵ء مین نمودار ہوا، اور اس کے بعد ۱۹۱۰ء مین پوری آب و تاب کیساتھ ظاہر ہونے کا انتظار تھا، چنانچہ بالکل امید کے مطابق نمایان ہوا، اس کی مدتِ طلوع ۷۵ یا ۷۶ سال دریافت کی گئی ہے،

الفاروق

علامہ شبلی

حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت، اگرچہ مسخ شدہ صورت مین معمولی کاغذ پر اس گران پایہ کتاب کے بیسیون اڈیشن فروخت ہو رہے ہین، مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ اڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام و سعی بلیغ سے اس کا نیا اڈیشن تیار کرایا ہے، جو حرف بحرف نامی پریس کان پور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت، اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ، دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مطلا مجلد ضخامت ۳۱۲ صفحے، قیمت للعہ ،، منیجر ،،

مثنوی فتح گجرات

علامۂ فیضی

از

مولنا سعید الدین خان بہادر متوسل سرکار بھوپال،

اکبر کی مہمات جنگی مین محمد حسین مرزا کی بغاوت کا استیصال ایک اہم واقعہ ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ اکبر جب سورت سے روانہ ہوکر دار الخلافہ مین پہونچا تو محمد حسین مرزا نے سورت کے لے لینے کا ارادہ کیا، اور اس کے حدود مین آکر شورش برپا کی، اگرچہ اس مین اسکو ناکامی ہوئی تاہم اس نے بہت سے مقامات پر قبضہ کر لیا، اور احمد آباد پر مسلط ہونے کی لئے پیش قدمی کی اکبر نے روانہ ہوتے وقت گجرات کے تمام اختیارات خان اعظم کو کہ کو تفویض کر دیئے تھے، اور احمد آباد مین محمد حسین مرزا کا اسی سے مقابلہ تھا، لیکن خان اعظم حزم و احتیاط کی بنا پر اس سے معرکہ آرا نہ ہوا، اور اس کی خبر اکبر کو دی اکبر کو اس کا حال معلوم ہوا تو اس نے یلغار کرکے وہان پہونچنا چاہا، لشکر شاہی ابھی ایک برس لڑکر گجرات سے آیا تھا، اور اس نے اپنی جاگیرون سے روپیہ نہین وصول کیا تھا، اس لئے بادشاہ نے ان کو خزانۂ شاہی سے روپیہ دیا، دو ہزار کارآزمودہ بہادر ساتھ لئے، اور راستہ کے حاکمون کو حکم بھیجا کہ جتنی کوتل سانڈنیان ہون تیار کرکے اپنی انتخابی فوج کے ساتھ سر راہ حاضر ہون، غرض اس نے ۲۸ ربیع الثانی ۹۸۱ھ کو سانڈنیون پر بیٹھکر ساڑھے چار سو میل کی مسافت نو دن مین طے کی اور یہ واقعہ اس قدر اہم خیال کیا گیا کہ فیضی نے اس کو ایک مثنوی مین نظم کیا، جس کی نسبت علامہ شبلی مرحوم شعر العجم مین تحریر فرماتے ہین کہ:-

"اکبر کی مہم گجرات پر ایک مثنوی لکھی تھی، وہ بھی ناپید ہے، چند شعر ایک خط مین نقل کئے ہین،

لیکن یہ ناپید مثنوی میری قدیم کتابون مین قلمی موجود ہے، اور میرا ارادہ ہے، کہ اس کو طبع کرادون، مثنوی کے چند اشعار تحریر کرتا ہون، اکبر شاہ نے سانڈنی سوارون کے لشکر سے چڑھائی کی تھی اس لئے فیضی نے اس کا تلازمہ باندھا ہے،

چو سلطانِ انجم زخاور زمین — برسمِ عرب گشتہ محمل نشین،
کف انداز شد بختیِ آسمان — زمستی برآورد کف از دہان
کشیدند از خط صبحش مہار — کہ پیوند خود نگسلد از قطار،
شہنشہ برآورنگ شاہنشہی — بسر تاج اقبال ظل الٰہی، الخ

چند اشعار کے بعد اصل واقعہ کو شروع کرتا ہے،

کہ ناگہ یکے قاصدے تیز گام — رساند از خانِ عالم پیام
کہ گجراتیانند بر مکر دریو، — بصورت چو مردم بمعنی چو دیو
ہمہ متفق با محمد حسین — کج اندیش و ناراست از جانبین
شہنشاہ را این سخن کار کرد — برزم آوری عزم یلغار کرد
برون تاخت از آگرہ گرم حرب — چو خورشید کز شرق تازد بغرب
نخستین طلب کرد جازہ را — در آفاق افگند آوازہ را
ہمہ ساربانِ کمر بستہ چست — بویسِ قرن کردہ نسبت درست
شتر چو فرشتہ سرشتہ ز نور — بانگ زمان رفت بسیار دور
قد خود بہ تعظیم کردہ دوتا — کمر بستہ از بہر خدمت دوتا
بہ تعظیم بر سینہ بنہا دوست — زراہِ ادب باد وزانو نشست
خدیوِ عجم شاہِ عالی تبار — چو شاہِ عرب بر شتر شد سوار

شتر زین سواری سراپا فراز شد — شتربان بعزت حدی ساز شد
ببوے زمامش چو شہ دست برد — زمامِ ارادت بدستش سپرد
شتر مرکب موکب انبیاست — سواری بر و نسبتِ مصطفےٰ است
شہنشہ سواری جہازہ کرد — رہ و رسمِ پیغمبری تازہ کرد

تاریخون مین ہے کہ اکبر نے اس مسافت کو نو دن مین طے کیا تھا، لیکن فیضی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ اِس سفر کی مدت صرف ایک ہفتہ تھی،

شہنشہ شتابان براہِ سفر — زعمر گرامی شتابندہ تر،
بیک ہفتہ در احمد آباد رفت — تو گوئی کہ بر مرکب باد رفت
رسانند ارباب معنی بعرض — کہ شاہ ولی را بود طی ارض
برارباب کشف و کرامت جلی است — کہ شاہ بحق رتبہ داخل ولی است

اکبر احمد آباد پہونچا تو شہر کے لوگ حاضرِ خدمت ہوئے، اور فریق آمادۂ شر و فساد نظر آیا،

ہمہ پاکبازان شہر او نشیب — رسیدند ناگہ چو مردان غیب
مخالف پے جنگ آمادہ بود — میان را کمین بستہ ایستادہ بود
سپاہِ مغل با محمد حسین، — چو شوخان عیار پر شور و شین
دلیران گجراتی سبز رنگ — سراسر در آئینۂ ملک زنگ

محمد حسین مرزا نے اختیار الملک سے ساز باز کر لیا تھا، اس لئے محمد حسین کے قتل کے بعد بھی وہ فتنہ جوئی سے باز نہ آیا، چنانچہ فیضی محمد حسین کے واقعۂ قتل کے بعد لکھتا ہے،:-

چو آن فتنہ بنشست از تیغ شاہ — دگر فتنہ بر خاست از رزم گاہ

سپہ دار گجراتیان اختیار — کمین کردہ آمد پے کارزار
زرہ پوش گجراتیان یکسرہ — طپان مرغ آہنی پنجرہ

لیکن اکبر نے اس کو بھی مغلوب کر لیا چنانچہ فیضی اختتام مثنوی کے قریب کہتا ہے۔

دد دشمن بیکبار مقہور شد — چہ گویم کہ نور علی نور شد
ملک مژدہ گویان زبالا رسید — کہ منشور (اِنَّا فَتَحْنَا) رسید
فضا گفت صد آفرین شاہ را — قدر خواند (نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ) را،

نئی کتاب

سیر المہاجرین کا پہلا حصہ،

خلفاے راشدین

از

مولوی حاجی معین الدین صاحب ندوی سابق رفیق دار المصنفین

سیر الصحابہ کے سلسلہ، مہاجرین کا پہلا حصہ اس نام سے شایع ہوا ہے، اس مین حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت فاروقؓ، حضرت عثمانؓ ذی النورین اور حضرت علیؓ مرتضی کے حالات ذاتی، سوانح، اخلاق وفضائل اور ان کی خلافت کے سیاسی، انتظامی، علمی، دینی، کارنامے، اور فتوحات ملکی بہ تفصیل لکھے گئے ہین، جنکو پڑھکر خلافت راشدہ کی ۳۲ سالہ تاریخ پوری سامنے آجاتی ہے، اور ان خلفاے راشدین کے کمالات، فضائل، مناقب اور کارنامے پیش نظر ہو جاتے ہین، ضخامت ۵۰۳ صفحے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، قیمت ہے

"پنجر"

تلخیص و تبصرہ

مصر کا قانونِ نکاح

ٹرکی کے تمدنی انقلابات کا نہایت گہرا اثر مصر پر پڑ رہا ہے، اور عجب نہین کہ رفتہ رفتہ یہ سیلاب دنیائے اسلام مین پھیل جائے، نکاح و طلاق کے مسائل اور معاملات مین ٹرکی نے جو کچھ کیا ہے، وہ اخبارات کے ذریعہ آپ تک پہونچ چکے ہین، اب یہ شورش مصر تک پہونچ چکی ہے، لیکن چونکہ بحمد اللہ مصر مین ایسے روشن دل اور روشن ضمیر علما موجود ہین جو نئے حالات کو اسلام کے مطابق کرنے کی قابلیت رکھتے ہین، اس لئے انقلاب مین بھی اعتدال کی ایک صورت وہان قائم رہجانے کی امید ہوتی ہے، چونکہ معارف مین مسئلۂ نکاح پر ایک مسلسل مضمون نکل رہا ہے، اس تقریب سے مصر کی پارلیمنٹ مین نکاح کے متعلق جو اصلاحی قانون پیش ہوا ہے اس کا بھی آپ کے سامنے آجانا مناسب ہے، یہ قانون مختلف مسائل نکاح طلاق، نفقہ، تعدد ازدواج وغیرہ پر مشتمل ہے، اور اس کے کل ۲۵ دفعات بہ ترتیب ذیل ہین، جو المنار مصر سے لیکر نقل کئے جاتے ہین،

۱۔ تعدد زوجات،

(دفعہ ۱) ایک شادی شدہ شخص اس شرعی قاضی کی اجازت کے بغیر جس کے حلقے مین اُس کا مکان ہے، نہ کسی دوسری عورت سے نکاح کرسکتا ہے نہ کوئی شخص اس نکاح کو پڑھا سکتا ہے، نہ اس کی رجسٹری کرسکتا ہے،

(دفعہ ۲) قاضی ایک شادی شدہ شخص کو اس وقت تک دوسرے نکاح کی اجازت نہین دیسکتا

جب تک غور و فکر نہ کرے، اور جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ وہ حسن معاشرت کی قدرت رکھتا ہے، اور جو عورتین اس کے نکاح مین ہین، اور اس کے آبا و اجداد اور آل و اولاد مین جنکی کفالت اس کے ذمہ ہے، ان سے زیادہ لوگون کی کفالت کر سکتا ہے،

(دفعہ ۳) اس قانون پر عمل کرنے کے بعد نکاح کا جو دعویٰ ہوگا اگر عدالت کے سامنے اُس کا انکار کر دیا جائے، تو جب تک سرکاری کاغذ کے ذریعہ سے ثابت نہ کیا جائے، اس کی سماعت نہ ہوگی،

۲- (طلاق)

(دفعہ ۴) جو شخص حالتِ نشہ مین ہو، یا اس سے بجبر طلاق دلوائی گئی ہو، اسکی طلاق واقع نہوگی،

(دفعہ ۵) جو طلاق کسی چیز کے کرنے نہ کرنے پر متعلق ہو، واقع نہ ہوگی،

(دفعہ ۶) لفظاً یا اشارۃً جس طلاق کی تعداد بیان کر دی گئی ہو، اس سے صرف ایک طلاق واقع ہوگی،

(دفعہ ۷) طلاق کنائی یعنی جس مین طلاق اور غیر طلاق دونون کا احتمال ہو اس سے صرف بائن طلاق واقع ہوگی،

(دفعہ ۸) مکمل تین طلاق، طلاق قبل خلوت صحیحہ، طلاق باخذ مال اور اس طلاق کے علاوہ جس کے متعلق اس قانون مین یا قانون رقم ۵ سنہ ۱۹۳۹ء مین یہ تصریح کر دی گئی ہے کہ وہ بائن ہے، اور تمام طلاقین رجعی ہون گی،

۳- (شوہر کے شرائط پورے نہ کرنے پر فسخ)

(دفعہ ۹) اگر بی بی نکاح مین شوہر کو ایسی شرط کا پابند کرے جس مین اس کا فائدہ ہو، اور وہ مقاصدِ نکاح کے مخالف نہ ہو مثلاً یہ کہ وہ اس کے بعد کسی دوسری عورت سے نکاح نہ کریگا، یا اس کی سوت کو طلاق دیدیگا، یا یہ کہ اس کو کسی دوسرے شہر مین نہ لیجائیگا، تو یہ شرط صحیح ہوگی

اس کی پابندی لازمی ہوگی اور اگر شوہر اس شرط کو پورا نہ کرے، تو بی بی کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا اور جب تک وہ اس شرط کو ساقط نہ کردے یا اس شرط کی مخالفت کرنے پر راضی نہ ہوجائے اس کا حق فسخ نکاح ساقط نہ ہوگا،

۴- (میان بی بی مین نزاع اور نقصان کی وجہ سے طلاق)

(دفعہ ۱۰) اگر بی بی یہ دعوی کرے کہ شوہر اس کو ایسا نقصان پہونچا رہا ہے جس کے ساتھ ان دونون جیسے اشخاص مین عادۃً معاشرت قائم نہین رکھی جائیگی اور علحدگی کی خواستگار ہو تو اگر ضرر ثابت ہوجائے اور قاضی ان دونون کے درمیان مصالحت نہ کراسکے تو وہ اس کو طلاق بائن دیدیگا، اور اگر ضرر ثابت نہ ہو تو قاضی دو پنچون کو بھیجے گا، اور ان دونون کی راے کے مطابق جیسا کہ دفعات (۱۱- ۱۲- ۱۳- ۱۴- ۱۵- اور ۱۶) مین مذکور ہے، فیصلہ کریگا،

(دفعہ ۱۱) پنچون کے متعلق یہ شرط ہے کہ دونون مرد عادل ہون اور اگر ممکن ہو تو میان بیوی کے خاندان سے ہون اور اگر ان دونون کے خاندان سے نہ ہون تو ایسے اشخاص ہون جن کو میان بیوی کے حالات سے واقفیت حاصل ہو، ان مین مصالحت کرانیکی قدرت رکھتے ہون، اور نزاع کے احکام سے واقف ہون، گو قاضی کی تعلیم ہی سے سہی،

(دفعہ ۱۲) پنچون کے لئے یہ ضروری ہی، کہ میان بیوی کی نزاع کے اسباب سے واقف ہون اور مصالحت کے لئے پوری کوشش کرین اور اگر کسی معین طریقہ پر مصالحت ہوجائے تو کرادین،

(دفعہ ۱۳) جب دونون پنچ مصالحت سے عاجز آجائین، اور ضرر رسانی شوہر کی جانب سے یا میان بیوی دونون کی جانب سے ہو یا دونون کے حالات سے واقفیت نہ ہوسکے تو بلا عوض طلاق بائن کے ذریعہ سے علیحدگی کرادین،

(دفعہ ۱۴) اگر ضرر رسانی بی بی کی جانب سے ہو تو دونون پنچ وہ فیصلہ کرین جو متعینہ مصلحت کا

اقتضاء ہو یعنی بی بی کو شوہر کی حفاظت مین رہنے دین یا بی بی سے معاوضہ لیکر طلاق بائن کے ذریعہ سے علٰحدگی کرادین، لیکن اگر مصلحت معین نہ ہو تو دونون پنچون کو اختیار ہے کہ علٰحدگی کرادین اور اگر شوہر طلاق دینا نہین چاہتا تو نکاح قائم رہنے دین، لیکن اگر وہ طلاق دینا چاہتا ہے تو بی بی سے معاوضہ دلاکر طلاق دلادین،

(دفعہ ۱۵) اگر دونون پنچ اختلاف کرین تو قاضی ان دونون کو دوبارہ تحقیقات کرنے کا حکم دے، اگر اب بھی ان دونون مین اختلاف باقی رہے تو دوسرون کو پنچ مقرر کرے،

(دفعہ ۱۶) دونون پنچون کا یہ فرض ہے کہ جو فیصلہ کرین اس کو تمام حالات مین قاضی کے سامنے پیش کرین، اور قاضی اس کو نافذ کرے،

(دفعہ ۱۷) اگر شوہر ایک سال یا اس سے زائد مدت کے لئے بی بی سے الگ کسی دوسرے مقام پر رہے، اور اگر بی بی کو اس کی دوری سے نقصان پہونچے، تو وہ قاضی سے طلاق بائن کی درخواست کرسکتی ہے، گو شوہر نے اتنا مال چھوڑ دیا ہو کہ وہ اس سے اپنے مصارف چلاسکتی ہو،

(دفعہ ۱۸) اگر مسافر شوہر کے پاس خطوط کا پہونچنا ممکن ہو تو قاضی اس کے لئے ایک مدت مقرر کریگا اور اس کو یہ اطلاع دیگا کہ اگر اس کے ساتھ رہنے کے لئے وہ نہ آیا یا اس کو اپنے پاس بلا نہ لیا یا اس کو طلاق نہ دیدی، تو قاضی اس کو طلاق دیدیگا، تو جب مدت گذر جائیگی اور وہ اس کی تعمیل نہ کریگا تو قاضی طلاق بائن کے ذریعہ سے دونون مین علٰحدگی کرادیگا، اور اگر خطوط کا پہونچنا ناممکن ہوگا تو قاضی اس کو بلا اطلاع و تعین مدت طلاق دیدیگا،

(دفعہ ۱۹) ایک قیدی جس کے لئے آخر طور پر یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ اس کو ایک ایسی سزا دیگئی ہے جو اس کی آزادی کو تین سال یا اس سے زائد مدت کے لئے پابند کرے گی، اس کی بی بی اسکی قید کی مدت کے ایک سال گذر جانے پر قاضی سے بوجہ نقصان کے طلاق کی درخواست کرسکے گی، گو

اس نے اس قدر مال چھوڑا ہو جس سے وہ اپنے مصارف مین صرف کر سکتی ہو،

۵-(نسب کا دعوی)

(دفعہ ۲۰) میان بیوی کے درمیان اگر نکاح کے وقت سے ملاقات نہ ثابت ہو تو بی بی کے لڑکے کا دعوئ نسب نہ سنا جاویگا،

(دفعہ ۲۱) اگر ایک عورت شوہر کی غیر موجودگی کے ایک سال بعد بچہ جنتی ہے اس مدت مین دونون کے درمیان ملاقات ثابت نہین ہے، تو اس لڑکے کے نسب کا دعوئ سنا نہ جائیگا،

(دفعہ ۲۲) ایک عورت جس کو طلاق دیگئی ہو یا اس کا شوہر مر گیا ہو، اگر طلاق اور وفات کے وقت سے ایک سال سے زائد مدت مین بچہ جنے تو اس کے نسب کا دعوی نہ سنا جائیگا،

۶- (نفقہ)

(دفعہ ۲۳) بی بی کی حالت کیسی ہی ہو لیکن اس کا نفقہ شوہر کی فراخ دستی اور تنگدستی کے مطابق معین کیا جائے گا،

(دفعہ ۲۴) عدت کے نفقہ کے متعلق تاریخ طلاق سے ایک سال سے زائد مدت کا دعوئ نہ سنا جائیگا،

۷-(پرورش کا سن)

(دفعہ ۲۵) قاضی عورتون کو سات سال کے بعد نو سال تک لڑکے کی اور نو سال سے اگیارہ سال تک لڑکی کی پرورش کی اجازت دے سکتا ہے، بشرطیکہ اس کو یہ معلوم ہو جائے، کہ اس مین دونون کی مصلحت ہے،

(ع)

فلسطین مین تعلیمی جد وجہد

"الیضیاء دمشق مین فلسطین کے "نظام تعلیم" پر حیفا کے سرکاری مدرسہ کے مدرس اعلی سعید صباغ کے

بعض مفید بیانات شائع ہوئے ہین جن سے وہان کی عام تعلیمی جد وجہد کا پتہ چلتا ہے،

سررشتۂ تعلیم کی نظامت اعلیٰ پر اگرچہ استعماریت کے اثر سے ایک انگریز فائز ہے، تاہم وہ اپنے صیغہ کے تمام فرائض ایک مجلس شوری کے مشورہ سے انجام دیتا ہے، یہ مجلس وہان کے ایسے مخصوص اہل علم پر مشتمل ہے جنھین تعلیمی صیغہ مین بھی نمایان حیثیت حاصل ہے،

سررشتۂ تعلیم کے ماتحت سب سے اہم شعبہ صیغۂ تفتیش ہے، جس کے ماتحت مختلف علوم وفنون کے لئے جداجدا انسپکٹر اور ڈپٹی انسپکٹر ہر ضلع مین متعین ہین، جو اپنے اپنے ضلع کے تمام ابتدائی، ثانوی اور اعلی مدارس مین اپنے اپنے فن کی تعلیم کا معائنہ کرتے ہین، اور اور اساتذہ کے ایک مدرسہ سے دوسرے مدرسہ مین تبادلہ کا انتظام کرتے ہین، مدارس کی عام نگرانی اور دیکھ بھال بھی اسی صیغہ کے متعلق ہے، اور پھر ضلع وار انسپکٹرون پر ہر ہر فن کے جداجدا افسر ہوتے ہین چنانچہ انھین اعلی افسرون مین سے ایک پروفیسر خرل ہین، جو کیمبرج یونیورسٹی کے ممتاز تعلیم یافتہ ہونے کے علاوہ مشرقی زبانون بالخصوص قدیم زبانون کے فلسفہ کے خاص ماہر شمار کئے جاتے ہین، اور اسی کے ساتھ تاریخ وجغرافیہ مین بھی ان کو خاص دستگاہ حاصل ہے، اور سررشتۂ تعلیم مین انھین علوم کی نگرانی ان کے سپرد ہے، ان کے علاوہ ایک اور پروفیسر جبرئیل کانول بھی قابل ذکر ہین جنھین علوم طبعیہ اور ریاضیات مین خاص امتیاز حاصل ہے،

سررشتۂ تعلیم کی سب سے بڑی خوش قسمتی یہ ہے کہ اس نے پروفیسر اسعاف نشاشیبی کے خدمات بھی حاصل کرلئے ہین، انھین عربی علم وادب مین اس درجہ دستگاہ حاصل ہے کہ مصر وشام کے ممتاز اہل علم ان کے حاشیہ نشینون مین داخل ہین، ان کے علاوہ پروفیسر خلیل سکاکینی بھی جو وہان کے مختلف وطنی مدارس کے اہتمام کے فرائض انجام دیچکے ہین، اب سررشتۂ تعلیم سے منسلک ہوگئے ہین،

یہی لوگ ناظم اعلی یا چانسلر کی مجلس مشاورت کے ارکان ہین، تمام مدارس کے اساتذہ کو علمی و تعلیمی مشورے دیتے ہین، اور تعلیمی سلسلہ کی تمام نگرانی انھین کے سپرد ہوتی ہے،

خدا کا شکر ہے کہ ابتک مدارس کی تعلیمی زبان عربی ہی ہے، اسی مین تمام جدید و قدیم علوم و فنون کی تعلیم دیجاتی ہے، انگریزی زبان، زبان ثانی یا غیر ملکی زبان کے طور پر رائج کی گئی ہے، جس کی تعلیم ابتدائی مدارس کے تیسرے درجہ سے شروع ہوتی ہے،

سررشتۂ تعلیم نے تعلیم کی عام نشر و اشاعت، اور اس کو صحیح معیار پر لانے کے لئے مختلف طریقے رائج کئے ہین، چنانچہ ہر مدرسہ مین ایک کتب خانہ ضروری طور پر رکھا گیا ہے، جس مین مختلف قدیم و جدید علوم و فنون کی مفید کتابین جمع کیجاتی ہین، اور عربی زبان مین جدید علوم و فنون پر مصر و شام مین جو کتابین شائع ہوتی رہتی ہین، وہ یہان بالالتزام منگائی جاتی ہین،

اس کے علاوہ سررشتۂ تعلیم کے ماتحت ایک سالانہ اجلاس ہوتا ہے، جس مین تمام مدارس کے مدرسین اعلی، اور بعض دیگر ممتاز اساتذہ جمع ہو کر مدارس کے نظم و نسق اور علمی و تعلیمی ترقیون پر تبادلۂ خیالات کرتے ہین، اگرچہ وہان کے مدارس مین یوروپین اساتذہ بھی ہین، مگر با این ہمہ اس سالانہ اجلاس کی زبان عربی ہی ہوتی ہے،

اس کے علاوہ ہر تیسرے سال سررشتۂ تعلیم کی طرف سے متن علمی وفد تحقیق و تمحیص کے لئے ملک سے باہر بھیجے جاتے ہین، جنمین سے ایک امریکن کالج بیروت کو جاتا ہے، دوسرا مصر کی یونیورسٹی مین اور تیسرا انگلستان کی یونیورسٹیون مین بھیجا جاتا ہے،

یہان کے اساتذہ کی علمی و تعلیمی ترقی کا بھی خاص اہتمام کیا گیا ہے، اس کے لئے چند امتحانات مقرر ہین، جنمین وہ مختلف سالون مین شریک ہوتے ہین، اور اسی تناسب سے اون کے مقاصد مین ترقی کیجاتی ہے، جس کی وجہ سے اساتذہ کا علمی مطالعہ ہمیشہ جاری رہتا ہے،

خالص مذہبی مدارس اس سلسلہ سے الگ ہین، اور وہ اپنی قدیم حالت پر باقی ہین، مسلمانون نے بیروت مین اپنا ایک الگ اسلامیہ کالج بھی قائم کیا ہے، جسمین طلبہ کی خاصی تعداد ہے، اسکی بنا و تاسیس کا شرف ایک غیرتمند اور پرجوش عالم کو حاصل ہے،

" ر "

اخبار علمیہ

دنیا کی مردم شماری مین ترقی، جدید تمدن کے بے شمار ہلاکت آفرین مصائب کے باوجود دنیا اپنی آبادی کے تناسب سے روبترقی ہے چنانچہ اٹھارہوین صدی کے اوائل مین دنیا کی آبادی ۹۰۰ ملین نفوس پر مشتمل تھی، اور اب اس کی آبادی ۱۷۰۰ ملین تک پہونچ گئی ہے،

جرمنی مین الحاد، جرمنی مین قیام جمہوریت سے پہلے وہان کے گرجون کا نظم ونسق حکومت کے تحت تھا جو کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقون کے گرجون مین پادریون کا عزل ونصب بھی کرتی تھی، مگر ۱۹۱۹ء کے اعلان جمہوریت کے بعد حکومت نے صیغۂ مذہبی کو آزاد کر دیا، اور ان گرجون کا نظم ونسق وہان کی مسیحی انجمنین انفرادی طور پر انجام دینے لگین، مگر اس انقلاب کے نتائج سے ظاہر ہوا کہ مسیحیت کے حق مین یہ مذہبی آزادی راس نہ آئی، اور وہان عام طور پر الحاد و زندقہ کی وبا پھیل گئی، خصوصاً پروٹسٹنٹ فرقہ کے لوگون نے اس طرف خاص پیش قدمی کی، چنانچہ ۱۹۲۱ء تک اس فرقہ کے ۲۴۶۳۰۲ اشخاص اپنے ملحد ہونے کا اعلان کر چکے تھے،

ایک جدید قسم کی شکر، جرمنی کے ڈاکٹر برس چند سال سے لکڑی سے شکر تیار کرنے مین مصروف تھے، اب وہ اپنی جدوجہد مین کامیاب ہوگئے ہین، اور اپنے خاص اہتمام مین ایک کارخانہ کھول دیا ہے، جس کی شکر وہان کے بازار دن مین آگئی ہے، اور مقبول ہو رہی ہے، یہ شکر کسی قدر خاکستری رنگ لئے ہوئے ہے، جسمین ۹۵ فی صدی خالص شکر کے اجزا ہین، اس اختراع سے خطرہ ہے کہ جس طرح

جرمنی نے دنیا کے مختلف حصون خصوصاً ہندوستان مین نیل کی زراعت کو نقصان پہونچایا، اسیطرح کہین گنے کی زراعت کا بھی خاتمہ نہ کردے،

ہوائی جہازون کی ارزانی، اس وقت ہوائی جہازون کی تجارت مین مختلف ملکون مین مسابقت جاری ہے، جس کی وجہ سے ان کی قیمت مین نہایت ارزانی ہورہی ہے، ابتک اس مسابقت مین جرمنی کو تفوق حاصل ہے، چنانچہ وہان بڑے جہازون کی قیمت ۱۰۰ پونڈ اور چھوٹے جہازون کی تقریباً ۳۰۷ پونڈ ہے،

پانی کی گہرائی کی پیائش، فرانسیسی حکومت نے بحر اٹلانٹک کی گہرائی کی پیائش کے لئے ایک جہاز روانہ کیا تھا، اس پیائش کے نتائج پانی کی گہرائی کے ان قدیم نقشون سے بہت مختلف ثابت ہوئے، جو اس سے پہلے مرتب ہوئے تھے، اس کی وجہ سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ پانی کی گہرائی مین یکسانی رہنے کے بجائے، ہمیشہ کمی زیادتی ہوتی رہتی ہے،

جزیرون کی حرکت، اسی طرح حکومت اٹلی نے ایک وفد جزیرون کی حرکت کی تحقیق کیلئے بحر روم مین بھیجا تھا، اس وفد نے بھی اپنی روداد شائع کردی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ جزیرہ کورسیکا مغرب کی طرف نہایت آہستگی سے ہٹتا جاتا ہے، اور اس حرکت کا صحیح اندازہ تقریباً ایک صدی مین ۱۰ میٹر ہے،

امریکہ کی دولت، حکومت ولایات متحدہ امریکہ کی دولت وثروت سال بہ سال ترقی

پر ہے، اور ابتک یہ دنیا کے بازار مین بہت سے ممالک پر سبقت لیجا چکی ہے، ذیل کے اعداد و شمار سے واضح ہوگا، کہ دنیا کے بازار مین امریکہ کو کیا مرتبہ حاصل ہے، :-

لوہے کی تجارت کے مجموعی منافع مین امریکہ کا ۵۱ فیصدی حصہ ہے،

فولاد " " " " " ۶۶ " "

تانبے " " " " " ۵۱ " "

پٹرول " " " " " ۶۲ " "

لکڑی " " " " " ۵۲ " "

دیا سلائی " " " " " ۸۰ " "

رنگ " " " " " ۶۴ " "

روئی " " " " " ۵۵ " "

اور موٹرون کا حساب یہ ہے کہ اس وقت تمام عالم مین موٹرون کی مجموعی تعداد ۲۴۵۶۴۵۷۲ ہے جس مین خاص امریکہ مین ۱۹۹۵۴۱۴۴۷ موٹر ہین، گویا اس وقت امریکہ مین دنیا کے تمام موٹرون کے اعتبار سے ۸۱ فی صدی موٹر ہین،

شور و شغب کا اثر اعصاب پر، کولمبو یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر ڈاکٹر لرڈ نے اپنے دو ہفتے صرف اسی تجربہ کے لئے مخصوص کر دیئے تھے کہ شور و شغب سے انسان کے اعصاب پر کیا اثرات طاری ہوتے ہین،

چنانچہ وہ اس نتیجہ پر پہونچے ہین کہ انسان خواہ کسی کام مین مصروف ہو یا بیکار بیٹھا ہو اس کے اعصاب کو شور و شغب تھکا دیتے ہین، یہان تک کہ ایک سونے والا خواہ کتنی ہی بے خبری کی نیند لے رہا ہو، اس سے ضرور متاثر ہوتا ہے، اور اس کا عملی ثبوت یہ ہے کہ دو اشخاص ایک ہی

کام مین مصروف ہون ایک امن وسکون کی حالت مین کام کر رہا ہو، اور دوسرا شور وشغب مین، تو گو دونون اپنے کام کو ایک ہی وقت ختم کرین گے مگر پہلے کی بہ نسبت دوسرا شخص زیادہ تھک جائیگا،

اور اس سلسلہ مین یہ سن کر حیرت ہوگی کہ اہل علم مین یہی شدید اختلاف تھا کہ آیا اعصاب مین تھکن پیدا بھی ہوتی ہے کہ نہین، کیونکہ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ اعصاب برقی تار کی قسم کے ٹھوس ہوتے ہین، اس لئے در اصل پریشانی و درماندگی کا تعلق عضلات سے ہوتا ہے، مگر ایک انگریز موجد ڈاکٹر ہل نے ایک نہایت باریک اور نازک تھرمامیٹر ایجاد کرکے اس اختلاف کا فیصلہ کردیا، اس سے دس ملین درجہ حرارت کے ایک جزا کے اختلاف کا پتہ چلتا ہے، موجد نے اس سے ثابت کیا ہے کہ انسان کے اعصاب سے ادنیٰ سے ادنیٰ سرگرمی جو ظاہر ہوتی ہے وہ بڑی مقدار مین حرارت کو بڑھا دیتی ہے، جو ایک طویل آرام کے بغیر اپنی طبعی حالت پر نہین پہونچتی ہے، اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ تمام کام کرنے والون مین سے خصوصاً دماغی کام کرنے والون کو بہت زیادہ آرام کرنے کی ضرورت ہے،

ایک مفید طبی آلہ کی ایجاد، آسٹریا کے ڈاکٹر روڈلف ایک ایسے کہربائی آلہ کی ایجاد مین کامیاب ہوگئے ہین جس سے مشتبہ موتون کی تحقیق ہوسکے گی، دیکھا گیا ہے، کہ کبھی غشی وغیرہ سے مریض کی نبض ڈوب جاتی ہے، یا حبس دم ہوکر سکتہ کا ایسا عالم طاری ہوجاتا ہے، کہ اطبا کو مریض کے موت وحیات مین تمیز باقی نہین رہتی، اور اسکی وجہ سے موت کا فیصلہ کردیا جاتا ہے، مگر اب یہ جدید آلہ اس شبہہ کو زائل کرسکے گا، یہ آلہ مریض کے پیٹ پر لگایا جائیگا، اگر اسمین کچھ بھی جان باقی ہوگی تو اس کی کہربائی رو جسم مین حرکت پیدا کردیگی، پھر اسکی مدد سے مریض کی اکھڑی ہوئی سانس کو سنبھال لیا جائیگا، اگر یہ آلہ در اصل کامیاب ہوگیا تو یہ جدید علم طب مین بہت بڑا اضافہ ہوگا،

باب التقریظ والانتقاد

مرآۃ احمدی

تاریخ گجرات

گجرات کی تاریخ مین بہت سی کتابین لکھی گئی ہین، لیکن تفصیل و بسط اور استناد کے لحاظ سے مرآۃ احمدی کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے، یہ مرزا محمد حسن الملقب بہ علی محمد خان بہادر کی تصنیف ہے، ان کے باپ ۱۱۲۳ھ مین سلاطین دہلی کی طرف سے احمد آباد مین صوبۂ گجرات کے وقائع نگار تھے، اس وقت علی محمد خان بھی اپنے باپ کے ساتھ تھے، جوان ہو کر ۱۱۵۹ھ مین گجرات مین دیوان مقرر ہوئے، تاریخ وفات نہین معلوم، مگر کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۷۶ھ تک وہ بقید حیات تھے، اور خود یہ کتاب ۱۰ صفر ۱۱۷۵ھ کو اختتام کو پہونچی،

مصنف کو چونکہ دفتری کاغذات اور وقائع خاندانی واقفیت تھی اور اپنے عہدہ کے لحاظ سے تمام سرکاری کاغذات اور فرامین شاہی سے براہ راست اطلاع تھی، اس لئے وہ تمام واقعات جو اس کے مشاہدہ سے گذرے یا کاغذات سرکاری سے معلوم ہوئے، ان سب کو سلیقہ کے ساتھ اس کتاب مین یکجا کر دیا ہے، شاہجہان اور عالمگیر کے بہت سے فرامین بلفظہ اس مین موجود ہین، اس بنا پر اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے، اس کے علاوہ یہ تاریخ گجرات کی کامل تاریخ ہے یعنی آغاز سے جب گجرات پر ہندو راجہ حکومت کرتے تھے اس وقت سے اپنے عہد تک کے ایک ہزار سال کے واقعات اس نے اسمین قلمبند کئے ہین، اور یہ دعوی کیا ہے کہ اس نے تاریخ کے فرض کو نہایت ایمانداری اور ناطرفداری کے ساتھ ادا کیا ہے، چنانچہ خاتمہ مین لکھتا ہے:-

"کہ چون عہد نمودہ و برخود لازم و متحتم شمردہ کہ در نگارش احوالات از رعایت وعدالت خویش و بیگانہ پرہیز داشتہ آنچہ نفس الامر و بیان واقع باشد درج سازد"

یہ کتاب آج سے چالیس برس پہلے بمبئی مین ناقص صورت مین چھپی تھی، مگر یہ نسخہ نہ صرف ناقص تھا بلکہ جو چھپا بھی تھا وہ نہایت غلط، مسخ اور محرف تھا، ضرورت تھی کہ اس کتاب کو پوری صحت، اہتمام، اور تکمیل کے ساتھ چھاپا جائے، خوش قسمتی سے اس کا اصلی نسخہ جس پر خود مصنف کے دستخط اور ختم کتاب کے ایک سال بعد یعنی ۱۱۷۶ھ کا لکھا ہوا، مصنف کے خاندان سے دربار کھنبائت کی سفارش سے چارلس نارمن سڈن صاحب وزیر مال ریاست بڑودہ کو ہاتھ آیا، گجرات کے رقبہ کے معتدبہ حصہ کی وراثت اور ملکیت کا شرف ریاست بڑودہ کو حاصل ہے، اس بنا پر تاریخ گجرات کا سلسلہ ریاست بڑودہ سے بھی آکر مل جاتا ہے، ایسی حالت مین ریاست مذکورہ کا فرض تھا کہ وہ اس اہم کتاب کی اشاعت کی خدمت اپنے سرلے، چنانچہ اس کام کے لئے خود ریاست کے دارالعلوم بڑودہ کالج مین ایک مستحق اور لائق ہستی موجود تھی، اور وہ جناب پروفیسر نواب علی ایم اے کی ذات تھی، اس کتاب کی تصحیح و تحشیہ اور طباعت کی خدمت کیلئے ہز ہائنس مہاراجہ گائیکواڑ کی حکومت قابل تحسین ہی کہ اسنے پروفیسر ممدوح کا انتخاب کیا، اور ممدوح نے نہایت قابلیت اور سلیقہ کے ساتھ اس خدمت کو انجام دیا

اس وقت پیش نظر حصہ تاریخ مرآۃ احمدی کی جلد دوم ہے جو پہلے ناقص اور غلط سلط چھپی تھی، اس مین ناقص حصہ پورا کیا گیا، غلطیون کی تصحیح کی گئی، شروع مین دیباچہ لکھا گیا، آخر مین مختلف ضروری فہرستین، اور تشریحی حوالون کے نشان دیئے گئے، اسماء و اعلام کا برنامہ بڑھایا گیا، اور اس طرح نہایت عمدہ ٹائپ مین اچھے کاغذ پر، یہ کلکتہ کے بپٹسٹ مشن پریس مین چھپوائی گئی، آخر مین مشہور بنگالی مورخ جدوناتھ سرکار کا مختصر انگریزی مقدمہ ہے،

یہ جلد ۱۱۲۷ھ سے جو فرخ سیر بادشاہ کا زمانہ تھا، اور جس کی طرف سے مہاراجہ اجیت سنگھ والی جودھپور گجرات کا صوبہ دار مقرر ہو کر آیا تھا) ۱۱۶۵ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہی جب احمد شاہ ابدالی

ہندوستان آچکا تھا، اور گجرات تیموریون کی عملداری سے نکلکر مرہٹون کے قبضۂ تصرف مین وہ جا چکا تھا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ جلد واقعات تاریخی کے لحاظ سے نہایت اہم اور نازک زمانہ کی تاریخ ہے، مرہٹون کے تاخت وتاراج اور ان کے عروج وکمال کا بیان بھی اس مین ضمناً آگیا ہے،

ہز ہائنس گائیکوار بڑودہ کی طرف سے مشرقی کتابون کی اشاعت کا ایک سلسلہ ہے جس مین اب تک زیادہ تر سنسکرت کتابون کو جگہ ملی ہے، یہ فارسی کتاب اور غالباً پہلی فارسی کتاب اسمین داخل ہوکر اشاعت پذیر ہوئی ہے، اب تک اس سلسلہ مین ۴۳ کتابین شایع ہوچکی ہین، اور اب یہ چوالیسوین کتاب ہے، سنٹرل لائبریری بڑودہ کے پتہ سے ملے گی، قیمت لعہ ضخامت ۲۲۶ صفحے،

تاریخ فلسفۂ اسلام

جامعۂ ملیہ نے اردو کتابون کی تالیف وترجمہ کا جو سلسلہ شروع کیا ہے اس کی ایک کڑی یہ کتاب "تاریخ فلسفۂ اسلام" ہے یہ کتاب اصل مین، ٹ، ج، دوبوئر ایک ہالینڈی مستشرق کی جرمن کتاب کا ترجمہ ہے، جناب ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے، پی، ایچ، ڈی، (برلن) معلم فلسفہ جامعہ ملیہ نے اس ترجمہ کی خدمت انجام دی ہے، ڈاکٹر صاحب ہمارے شکریہ کے مستحق ہین، کہ انھون نے ہمکو ایک غیر زبان کی اہم تالیف سے روشناس کیا،

دوبوئر جیسا کہ خود اس کی طرف دیباچۂ مترجم مین اقرار کیا گیا ہے، اصل عربی ماخذ تک اسکی دسترس نہین ہوئی، بلکہ دوسرے یورپین مستشرقین نے اس موضوع کے متعلق جو کچھ لکھا تھا، اس کے اقتباسات کی یہ ترتیب ہے، جہان تک ایران کے عہد ساسانی اور اسلام کے عہد مین یہودی اور عیسائی علما، اور فلاسفہ کی کوششون کا اور عراق وشام مین ان کی علمی جدوجہد اور تراجم کا تعلق ہے، اس کتاب کے بیانات نہایت پرمعلومات اور محققانہ ہین، مگر نفس اسلامی فلسفہ اور مسلمان فلاسفہ کی

نسبت اس کا بیان نہایت ناقص اور ناقابلِ فہم ہے،

عجیب بات ہے کہ انھین مشرقی علما اور فلاسفہ کی تصنیفات وخیالات جن کو ہم نے ان کی اصلی زبانون مین اکثر پڑھا ہے، جب انھین کو یورپ کے مصنفین کی ترجمانی وتفسیر کے ذریعہ سے سنتے ہین، تو یہ معلوم ہی نہین ہوتا کہ یہ وہی خیالات آرا اور افکار ہین جن کو ہم نے پڑھا ہے، بلکہ ایک نئی دنیا معلوم ہوتی ہے جو ہماری بار بار کی جانی پہچانی دنیا سے بالکل الگ ہوتی ہے،

کل کتاب سات بابون پر منقسم ہے، باب اول، فلسفۂ اسلامی کی نمود وبود کا بیان، مشرقی حکمت یونانی علوم، باب دوم فلسفہ اور عربی علوم کے متعلق، علم اللسان، علم الفقہ، علم العقائد، علم وادب وتاریخ، باب سوم فینثا غورسی فلسفہ کے متعلق دو فصلین، فلسفۂ فطرت اور اخوان الصفا، باب چہارم مشرق کے نو فلاطونی اور ارسطاطالیسی حکمارین سے کندی، فارابی، ابن مسکویہ، ابن سینا، ابن الہیثم باب پنجم مشرق مین فلسفہ کا انحطاط، غزالی، اور قاموس نگار، باب ششم مین مغرب کے فلاسفہ مین سے ابن باجہ، ابن طفیل، اور ابن رشد، کا ذکر ہے، باب ہفتم مین خاتمہ ابن خلدون پر ہے،

سب سے پہلے یہ دیکھکر حیرت ہوتی ہے کہ اسلامی فلسفہ کی تاریخ لکھی جائے، اور اس مین رازی کا ذکر نہ ہو، شیخ الاشراق شہاب الدین سہروردی کا نام نہ ہو، ابو البرکات بغدادی کا تذکرہ نہو، ابن تیمیہ کا نام نہ آئے، اندلسی علمارین ابن حزم اور محی الدین بن عربی کا نام نہ لینا ناقابلِ عفو جرم ہے، پھر فلاسفہ کی فہرست مین ابن الہیثم کا نام دیکھنا جو علم المناظر والمرایا، اور ریاضیات کے ماہر اور مصنف تھے سخت تعجب انگیز ہے،

اسی طرح مسلمانون مین فلسفہ کا اصلی دور تیسری صدی ہجری کا ہے جس مین علاف، ابو الہذیل نظام وغیرہ پیدا ہوئے، مصنف نے اس دور کا نہایت ناقص تذکرہ علم العقائد (یعنی علم کلام) کی تاریخ مین کیا ہے، دراصل یہ کتاب اس بحث پر صرف ایک خاکہ کی کتاب ہے، جیسا کہ خود مترجم نے

دیباچہ مین لکھا ہے،

جناب مترجم نے کتاب کے ترجمہ مین پوری زحمت اُٹھائی ہے، مگر بہرحال چونکہ اس نوع کا انھون نے غالباً یہ پہلا کام کیا ہے، اس لئے وہ بہت کچھ تعریف کے مستحق ہین، یہ کتاب نہ صرف اپنے فلسفیانہ مباحث، بلکہ جرمن کی پیچیدہ ترکیب وعبارت کے سبب سے خاصی مشکل ہوگی، جیساکہ ترجمہ کی پیچیدگی اور فقرون کی طولانی سے ظاہر ہوتا ہے، تاہم ڈاکٹر صاحب کا اِس مشکل کو حل کرنا اور سینکڑون محاورات اور اصطلاحات کا اردو مقابل تلاش کرنا آسان کام نہین ہے، زبان کا سقم ہے، مثلاً وہ مقدمہ مین بھی لکھتے ہین، "چند خیالات کا مجموعہ ہوتا ہے جو اس قوم کا فلسفہ کہلاتے ہین" "زمانہ حال کے مسلمان ..... کر چکے تھے" "کوئی اغلاط پائے جائین" لیکن یہ ابتداے کار کے مسامحات ہین جو مشق سے جاتے رہین گے،

اسماء اور اعلام مین بھی مترجم سے تسامح ہوا ہے، صفحہ ۱۳۲ مین مہدیین صحیح نہین، موحدین درست ہے، ڈاکٹر صاحب کو اس مین تشابہ ہوا ہے صفحہ ۱۲۹ مین شہر "فیرہ" کو وہ فیض سمجھتے ہین، صحیح "فاس" ہے بعض اصطلاحات مین بھی غالباً کچھ تسامح معلوم ہوتا ہے، ایک جگہ مترجم نے علم العقائد کا مقابل علم الفرائض قرار دیا ہے جس سے مقصود غالباً علم فقہ ہے، ورنہ علم الفرائض تو وراثت کی تقسیم کے علم کو کہتے ہین، اسی طرح صفحہ ۱۴۴ مین "عقول کرات" کی جگہ شاید "عقول افلاک" ہونا چاہئے،

بعض تاریخی واقعات مین بھی غلطیان ہین، مثلاً صفحہ ۲ مین لکھا ہے "مدینہ پہلے (چار) خلفاء کا دارالحکومت تھا" حالانکہ یہ صریح غلط ہے حضرت خلیفہ چہارم کا دارالحکومت مدینہ نہین کوفہ تھا، اسی صفحہ مین ہے کہ "۱۵۰۲ء مین شیعون کی سلطنت ایران مین قائم ہونے کے بعد سنیون اور ان کی دائمی کشمکش کا خاتمہ ہوا" یہ سنہ تو یقیناً غلط ہے، اس وقت تک تو اسلام بھی پیدا نہین ہوا تھا ہجری سنہ مین بھی اِس قسم کا فیصلہ کن واقعہ خیال مین نہین آتا، اسی صفحہ کے آخر مین ہے "معاویہ کی فتح

کے بعد جس نے دمشق کو ممالکِ اسلام کا دارالسلطنت بنایا، مدینہ کی اہمیت محض ذہنی (شاید دینی ہو) حیثیت سے باقی رہ گئی، اسے اِس پر اکتفا کرنی پڑی کہ ایک حد تک یہودیت اور عیسائیت کے زیر اثر فقہ اور حدیث کی تدوین کرے" یہ کس قدر عظیم الشان جھوٹ ہے، یہ کس عہد کا واقعہ ہے، کہ مدینہ منورہ مین ایک حد تک یہودیت اور عیسائیت کے زیر اثر فقہ اور حدیث کی تدوین کیجائے، اس عہد مین تو وہان ایک بڑے نام یہودی اور عیسائی کا بھی وجود نہ تھا، اسی طرح علم الفقہ اور علم العقائد کے بیان مین بھی مصنفانہ اغلاط پائے جاتے ہین، جن پر حواشی کی ضرورت تھی،

بہرحال جامعۂ ملیہ نے اپنی چند ہی سال کی زندگی مین، تالیفات و تراجم کا جو مفید سلسلہ قائم کیا ہے، یہ کتاب اس کی ایک اہم کڑی ہے، ہم ڈاکٹر سید عابد حسین کا دوبارہ شکریہ ادا کرتے ہین، کہ انھون نے اردو مین اس مبحث پر سب سے پہلی کتاب پیش کی ہے، ضخامت ۱۵۸ صفحے خط باریک، قیمت عکا پتہ:۔ مکتبۂ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی،

شرح شادمانی

جلد دوم

بر قصائد حسان العجم خاقانی

از

پروفیسر شادمان

خاقانی کی شاعری کا درجہ کچھ بھی ہو، لیکن وہ اِس حیثیت سے نہایت خوش قسمت ہے کہ اس کے قصائد قدیم زمانہ مین بھی داخلِ درس تھے، اور موجودہ دور مین بھی شاملِ نصاب ہین، اس کی اس خوش قسمتی کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے نصابِ تعلیم مین ایک مدت سے اس قسم کی کتابین زیادہ تر داخل ہوتی

رہین جو مشکل، معلق، اور مبہم ہون، اور خاقانی کے قصائد اِس معیار پر پورے اترتے تھے، اس لئے جہان تک درس وتدریس کا تعلق ہے، اس کو نہایت حسن قبول حاصل ہوا، اور آج بھی مشکل اور اعلیٰ امتحانات کے نصاب مین اس کا یہ حسن قبول قائم ہے، چنانچہ بی، اے اور ایم اے کے فارسی کورسون مین اس کے قصائد کا انتخاب لازمی طور پر شامل ہوتا ہی، اور حال مین جو مشرقی امتحانات درجۂ کامل اور دبیر کامل وغیرہ کے نام سے قائم ہوئے ہین ان کے نصاب مین بھی اس کے قصائد شامل ہین،

خاقانی کی اِس مشکل پسندی نے ہمیشہ اہل علم کو اس کے قصائد کی شرح کرنے پر آمادہ کیا ہی، چنانچہ قدیم زمانہ مین بھی اس کی متعدد شرحین لکھی گئی ہین، اور حال مین بھی اہل علم کی ایک جماعت نے جنمین زیادہ تر پروفیسر شامل ہین اس کے قصائد کی شرحین لکھی ہین، زیر ریویو شرح جس مین خاقانی کے تیرہ قصیدون کی شرح کی گئی ہے، اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، جو مولوی سید محمد نقی صاحب شاد مان پروفیسر اورنٹیل کالج ریاست رام پور، کے زور قلم کا نتیجہ ہے، اور قدیم وجدید جس قدر شرحین ملی ہین سب کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہے،

اس شرح کی ابتدا مین سب سے پہلے ایک مقدمہ ہے جس مین اس شرح کی ترتیب و ماخذ کا تذکرہ ہے، اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھون نے اس کو کاوش سے لکھا ہے، اس کے بعد خاقانی کے حالات ہین جو زیادہ تر اس کے اشعار سے ماخوذ ہین، پھر خاقانی کے کلام پر ایک مختصر سا تبصرہ ہے جو بالکل ناکافی ہے، اس کے بعد قصائد کی شرح شروع ہوتی ہے، شرح کا مقصد ان طلبہ کی مشکلات کا دور کرنا ہے جن کے کورس مین خاقانی کے قصائد شامل ہین، اس لئے اگر شرح سے پہلے اجمالی طور پر ہر قصیدہ کا موضوع اور اس کی غرض وغایت بھی ظاہر کر دیجاتی تو قصیدہ کی شرح سمجھنے مین زیادہ آسانی ہوتی، لیکن افسوس ہے کہ مصنف نے اس طرف بالکل توجہ نہین کی،

جو لوگ اس زمانے کے امتحانات کے طرز سے واقف ہین ان کو معلوم ہے کہ طلبہ کے

دماغ پر مختلف علوم اور مختلف کتابون کا کس قدر بار رہتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ شروح وحواشی مین اختصار کو ہمیشہ مدنظر رکھتے ہین، اور زیادہ پڑھنے سے گھبراتے ہین، اس اصول کی بنا پر اگر اس شرح مین صرف خاقانی کے اشعار کے معانی ومطالب پر اکتفا کیا گیا ہوتا تو وہ طلبہ کے لئے زیادہ آسانیان پیدا کرتی، لیکن فاضل شارح نے تشریح کے ساتھ تنقید کا فرض بھی ادا کیا ہے، اور تنقید مین زیادہ تر صرف دو شخصون کو لیا ہے، ایک قابل نامی اور دوسرے فاضل بلگرامی، شرح کے اس طرز کو بعض لوگون نے ناپسند کیا ہے اور بعض لوگون نے پسندیدگی ظاہر فرمائی ہے، اس لئے فاضل شارح نے دونون رایون پر عمل کیا ہے، اور آہستہ آہستہ تنقید کا رنگ ہلکا کرتے گئے ہین، شروع کے تین قصائد مین تنقیدی رنگ گہرا ہے، اور بقیہ قصائد مین ہلکا، لیکن بہرحال طلبہ کی موجودہ ذہنیت وحالت کے بدلنے کے لئے یہ شرح نہایت مفید کارآمد ہے، اس زمانہ مین طلبہ کا یہ حال ہے، کہ جب وہ امتحانات کی تیاری کرتے ہین تو صرف تنکے کا سہارا ڈھونڈھتے ہین، ان کو ایک شرح ایک حاشیہ اور چند نوٹ کی ضرورت ہوتی ہے، جس سے الفاظ کے معانی اور اشعار کے مطالب سمجھ مین آجائین، صحت وعدم صحت سے ان کو بحث نہین ہوتی، تقلید محض ان کا شعار ہوتی ہے، تنقید سے کوئی غرض نہین رکھتے، لیکن اس شرح مین مختلف شراح کے بیان کردہ مطالب ومعانی کو طلبہ کے سامنے رکھدیا گیا ہے، اور ان کی غلطی ظاہر کردی گئی ہے، اس لئے اگر انھون نے اس شرح کو سامنے رکھکر امتحان کی تیاری کی تو مختلف شراح کے مطالب ومعانی ان کے پیش نظر ہوجائین گے، اور ان کو صحیح وغلط مین امتیاز کرنے کا موقع حاصل ہوگا،

"ع"

کتاب الفلاحت،

ابوذکریا علامہ یحیی بن محمد مشبیٰ کی کتاب کا ترجمہ جسے مولوی سید ہاشم ندوی نے ترجمہ کیا ہے، اسمین مصریون نبطیون، یونانیون اور مسلمانون کی زراعت اور باغبانی کے اصول کی تشریح کی گئی ہے، مطبوعہ معارف پریس حجم ۱۷ صفحے قیمت لاعہ

مطبوعاتِ جدیدہ

آدابِ شاعری، ضروریاتِ شاعری پر یہ ایک مفید کتاب سید محمد محب اللہ رفاعی حسینی عرف میر منور علی خان المتخلص بہ عالی حیدرآبادی نے لکھی ہے، اس مین اول زبان، لغتِ اردو، محرکاتِ شعر، اغراض و مقاصدِ شعر، نفسِ شاعری، خصوصیاتِ غزل، مصرع لگانا، بندش، تذکیر و تانیث، محاسن و معائبِ شعر، توارد، متروکات، وغیرہ شاعری کے ضروری ابواب پر اختصار کے ساتھ بحث ہے، اس کے بعد شعرا اور انشا پردازون کے لئے مختلف اصناف انسانی اور اشیاے کائنات کے اوصاف و صفات و القاب جو فارسی مین عموماً اہل کمال اور اہل زبان نے استعمال کئے ہین، ان کو الگ الگ یکجا کیا ہے، پھر بعض فارسی الفاظ کے ساتھ جو ملحقات عموماً لگائے جاتے ہین جیسے آرا، آفرین، افزا، بان وغیرہ اور ان مین سے ہر ایک کی ترکیب سے جو الفاظ مشہور و مستعمل ہین، ان کو لکھا ہے، پھر اور بندشین، جمع کی ہین، اس کے بعد غیر منقوط الفاظ لکھے ہین، آخر مین عروض و قافیہ کے مختصر قواعد بیان کئے ہین، کتاب محنت سے جمع کی گئی ہے، اور مبتدیون اور نوآموز شاعرون کے لئے مفید ہے، ضخامت ۷۶ صفحے، سلسلۂ انجمن ارباب اردو مین چھپی ہے، قیمت صہ پتہ:- دفتر رسالہ تحفہ، سروزگر، حیدرآباد دکن،

سوانح حضرت ابوذر غفاریؓ، مدت ہوئی کہ جناب مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی نے بسلسلۂ مضامین حضرت ابوذر غفاری صحابیؓ کے حالات القاسم دیوبند مین لکھے تھے، اس کے بعد وہ کتاب کی صورت مین شایع ہوئے، اب دوسری دفعہ دار المؤلفین دار العلوم دیوبند کی طرف سے یہ کتاب شائع ہوئی ہے، مولانا نے اس مین حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے حالات نہایت جامعیت اور استقصا کے ساتھ خاص ذوق و محبت کی زبان اور والہانہ شیفتگی کے ساتھ لکھے ہین،

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ صحابۂ کرام مین زہد و تقوی اور تجرد و تفرد مین مخصوص پایہ رکھتے ہین، اس

بنا پر ان کے حالات بجائے خود نہایت مؤثر ہین، اور مولانا کے طرز تحریر نے ان کو اور مؤثر بنا دیا ہی، امید ہے کہ اہل دل اصحاب اور عام مسلمان اس سے پوری طرح فائدہ اٹھائین گے، قیمت عہ، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، پتہ:۔

مطبع قاسمی دیوبند،

رقعاتِ اکبر، لسان العصر جناب سید اکبر حسین الہ آبادی مرحوم کے خطوط کا ایک مجموعہ پہلے بھی شایع ہو چکا ہی، اب یہ نیا مجموعہ قومی کتبخانہ لاہور نے شایع کیا ہے چھوٹی تقطیع پر ۱۳۱ صفحے ہین، شروع مین سر شیخ عبد القادر (سابق اڈیٹر مخزن) کا مقدمہ ہے، اور اس کے بعد مختلف اشخاص کے نام اکبر کے خطوط ہین، سب سے پہلے مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کے نام ۴ خطوط ہین، پھر مولانا حبیب الرحمان خان صاحب شروانی کے نام دو خط ہین، بعد ازین سید افتخار حسین صاحب کے نام ۹ خط ہین، پھر، خط ہز اکسلنسی مہاراجہ کشن پرشاد صاحب حیدر آبادی کے نام ہین، اس کے بعد منشی شرف الدین صاحب رامپوری کے نام کے ۳۵ رقعے ہین، اور آخر مین سر شیخ عبد القادر صاحب کے نام ۹ خط ہین، یہ خطوط اکبر کے حالاتِ زندگی اور اخلاق کے جاننے کے لئے نہایت دلچسپ ہین، اکثر خطوط مین اکبر صاحب نے اپنے اشعار کے انتخابات دیئے ہین، اور تقریباً ہر خط مین دنیا سے دل برداشتگی کے تذکرے ہین، قیمت ۱۰ر پتہ:۔ قومی کتبخانے ریلوے روڈ، لاہور،

سفر نامۂ یورپ، محترمہ جناب صغریٰ ہمایون بیگم صاحبہ نے ۱۹۲۴ء مین اپنے شوہر سید ہمایون مرزا صاحب بیرسٹر کے ساتھ ممالکِ یورپ کا سفر کیا تھا، اس سفر کے حالات روزنامچہ کی صورت مین موصوفہ برابر لکھتی گئی تھین، اور اب اس کو دو جلدون مین مرتب کر کے شایع کیا ہے، نہایت تفصیل سے ہر چیز اور ہر واقعہ کو لکھا ہے، اس سے پہلے بھی بعض مسلمان خواتین کے سفرِ یورپ کے حالات چھپے ہین، مگر جو تفصیل اس مین ہے وہ ان مین نہین، یہ کتاب ایک مسلمان خاتون کے جذبات مشاہدہ اور نقطہ ہاے نظر کی واقفیت کے لئے نہایت دلچسپ طرزِ ادا لیے، اور رواں ہے، انگلستان، فرانس، ہالینڈ، جرمنی، سوئزرلینڈ، اٹلی کے حالاتِ سفر اور مشاہدات کا ان مین تذکرہ ہے، قیمت شاید دو ڈھائی روپیہ ہو، سرورق پر لکھی نہیں، پتہ:۔ صغریٰ منزل

ہمایون نگر، حیدر آباد دکن،

ذکر مبارک، ہز ہائنس میمونہ سلطان شاہ بانو بیگم صاحبہ بھوپال نے سیرۃ نبوی مین یہ مختصر مگر مفید رسالہ اب سے چند سال پہلے لکھا تھا، اور نہایت مقبول ہوا تھا، تین اڈیشن اس کے پہلے چھپ چکے ہین، اب یہ اس کا چوتھا اڈیشن نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمان خان شروانی نے اپنی طرف سے چھپوا کر مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڈھ کو دیئے ہین، قیمت ۵ ر دفتر مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڈھ،

ذکر جمیل، نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمان خان شروانی نے یہ رسالہ آنحضرت صلعم کے حالات مین غالبًا اس غرض سے لکھا ہے کہ میلاد کی مجالس مین وہ پڑھا جائے، اور عام مسلمانون مین وہ تقسیم کیا جائے، چنانچہ نہایت اختصار کے ساتھ لیکن ذوق اور محبت کی زبان مین سرور کائنات علیہ السلام کے تمام سوانح مبارکہ لکھے ہین، قیمت ۵ ر پتہ:- دفتر ایجوکیشنل کانفرنس علی گڈھ،

ذکر الحبیب، مولانا ممدوح نے یہ رسالہ سرور کائنات کے اخلاق مبارکہ اور حلیۂ اقدس کے بیان مین مختصرًا لکھا ہے، ضرورت ہے کہ یہ دونون رسالے عام مسلمانون مین تقسیم کئے جائین، مستطیع اصحاب کو چاہئے کہ ان کے کئی کئی نسخے خرید کر غریب بھائیون مین اور غیر مسلمانون مین تقسیم کرین، قیمت ۱ ر پتہ:- دفتر کانفرنس علی گڈھ،

جامع الآداب، مصرمین طلبہ اور بچون کو نیک اخلاق و عادات کی تعلیم کے لئے آج کل عربی مین ایک کتاب لکھی گئی ہے، مولوی عبد الرحیم صاحب ناظم مکتبۂ علوم مشرقیہ اسلامیہ کالج پشاور نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے، اس مین ہر چیز کے متعلق لڑکون کو نہایت عمدہ تعلیم دی گئی ہے، بچون کی خاطر اس کا خط بھی صاف اور باشان رکھا گیا ہے، تاکہ ان کو پڑھنے مین آسانی ہو، ضرور ہے کہ والدین اسکو اپنے بچون کے مطالعہ مین دین ضخامت چھوٹی تقطیع پر ۵۵ صفحے، قیمت نہین لکھی، غالبًا عہ یا عہ ہو گی، پتہ:- مصنف سے اسلامیہ کالج پشاور سے طلب کیجئے،

مجلد بستم | ماہ جمادی الاول سنہ ۱۳۴۶ھ مطابق ماہ نومبر سنہ ۱۹۲۷ء | غدد پنجم

مضامین

شذرات	سید سلیمان ندوی	۳۲۲-۳۲۸
القضاء فی الاسلام	مولانا عبدالسلام صاحب ندوی	۳۲۹-۳۴۵
غنی کشمیری	مولوی اکرام الحق صاحب سلیم ایم اے	۳۴۶-۳۵۷
پرنس کائتانی کی ایطالی تواریخ اسلام کا مقدمہ	مترجمہ:- شیخ عنایت اللہ صاحب ایم اے،	۳۵۸-۳۶۶
اسلامی شمسی قمری سال	مولانا ابوالجلال صاحب ندوی،	۳۶۷-۳۷۳
عربوں کی تہذیب	ایچ۔ جی، ویلز، مترجمہ جناب یاض الحسن صاحب بمبئی	۳۷۴-۳۸۰
جامعہ آل البیت بغداد	" ر "	۳۸۱-۳۸۲
ایک نوجوان ترک پروفیسر کے جدید نظریئے	"	۳۸۲-۳۸۴
خدا اور روح	محمد عبدالرؤف بی اے حیدرآباد دکن	۳۸۵-۳۸۶
اخبار علمیہ	" ر "	۳۸۷-۳۹۰
جام صہبائی	جناب اثر صہبائی	۳۹۱
تلقیح فہوم اہل الاثر	" ج "	۳۹۲-۳۹۳
مشرقی کتبخانہ پٹنہ کی فارسی کتابوں کی آٹھویں فہرست	" ح "	۳۹۴-۳۹۷
برہان اور عبرت	" ع "	۳۹۷-۳۹۷
مطبوعات جدیدہ	"	۳۹۸-۴۰۰

شذرات

مدراس مین چند سال سے مجلس العلمائ نام ایک مجلس ہو جسکا صدر مقام ترچناپلی ہے، اس کے ماتحت ایک مدرسہ ہے جسمین غریب مسلمان بچے، اور یتیم اور نومسلم تعلیم پاتے ہین، نصاب تعلیم مین قرآن پاک اور دینیات کے علاوہ اردو، تامل، (ملکی زبان) اور انگریزی داخل ہے، ساٹھ ستر ہزار کی لاگت کی ایک خوبصورت عمارت ہے، ہزار بارہ سو ماہوار اس کا خرچ ہو، تبلیغ اور اشاعت تعلیم بھی اس کے فرائض مین ہین، امسال اسکی صدارت کا شرف اڈیٹر معارف کو عطا کیا گیا تھا، اسی بنا پر مجھے ستمبر کے وسط مین مدراس جانا پڑا،

اس سفر پر آمادگی کی دوسری وجہ یہ تھی کہ کئی سال سے مدراس کے احباب سے دارالعلوم ندوۃ العلما کے دارالاقامہ کی تعمیر کے لیے مالی اعانت کا وعدہ چلا آتا تھا، امید تھی کہ شاید یہ موقع اس عہد کے ایفا کے لئے مناسب ہو، چنانچہ مین ۷ ستمبر کی صبح کو ترچناپلی پہنچا، اسی دن جلسہ کا آغاز تھا، مدراس کے ان علاقون کی مادری زبان تامل ہے، اردو یہان کے مسلمان تک بھی برائے نام سمجھتے ہین، جلسہ مین تمام تقریرین تامل مین ہوئین، میرا خطبۂ صدارت بھی جو گو اردو مین چھپا ہوا تھا، وہان تامل مین ترجمہ ہوکر اور چھپکر حاضرین مین تقسیم ہوا،

جلسہ مین علما کی تعداد بھی ساٹھ ستر کے قریب موجود تھی، مختلف تجویزین منظور ہوئین، خیر یہ سب کارروائی تو ہوتی ہی رہین، میرے نزدیک اصل چیز جو ہوئی وہ یہ ہے کہ رات کے وقت میری درخواست پر تمام علما ایک

ہال مین جمع ہوئے، اور عربی مدارس کی اصلاح و ترقی اور اسلام کی موجودہ ضروریات اور علماء کے موجودہ فرائض پر ایک وسیع و مبسوط تقریر ان کے سامنے کیگئی، جس سے وہ بیحد متاثر ہوئے، اور مقرر کے خیالات سے انھون نے اتفاق کیا، اور ان ضروریات کے پورا کرنے اور ان اصلاحات کے جاری کرنے پر پوری آمادگی ظاہر فرمائی۔

ترچناپلی ان علاقون کے ہندؤن کا ایک نہایت مقدس مقام ہے، آرکاٹ کی اسلامی حکومت کا دوسرا پایہ تخت یہ شہر بھی تھا، سامنے پہاڑی پر قدیم مندر ہے، مگر اس سے بھی زیادہ مہتم بالشان اور پرانا اور یادگار مندر کاویری ندی کے پار ہے، شہر کے پاس ہی دو ندیان آکر ترچی بہتی ہین، اور ان دونون کے تقاطع سے بیچ مین ایک چھوٹے سے جزیرہ کی صورت بن گئی ہے، اس جزیرہ پر ایک نہایت ہی قدیم، نہایت ہی عجیب اور نہایت ہی یادگار مندر بنا ہوا ہے، اول چارون طرف قلعہ کی جیسی سنگی بلند اور مضبوط دیوارین ہین، جنمین چارون رخ پر چار دروازے ہین، پھر اسی طرح ان دیوارون کے بعد پے درپے ایسی ہی قلعہ نما اور مضبوط سات دیوارین ہین، اور ہر دیوار مین پہلے ہی دروازون کے بالمقابل ساتون دیوارون مین دروازے ہین، ہر دروازے کے سامنے ایک سڑک نکلتی ہے، اس طرح مندر کے گرد چار سڑکین ہین، اور ہر سڑک کے دورویہ بازار ہین، یہ تمام دروازے اور عمارتین سنگ تراشی اور بت تراشی کے اعلیٰ نمونے ہین، پتھرون کو کاٹ کاٹ کر اس کے بت اور ہندو اصنام کے مختلف مناظر بنائے ہین، بیچ مین اصل مندر ہے جسمین کرشنا دیوتا کا بت ہے، اور اس کے اوپر سونے کی چھتری اور کلس ہے، اسکی ایک طرف جاتریون اور میلون کے لیے ایک وسیع سائبان ہے، جو کئی سو ستونون پر قائم ہے، سورج دیوتا کی ایک پہاڑ کی طرح کی گاڑی ہے جو میلہ کے موقع پر نکالی جاتی ہے، اور ہزارون آدمی مل کر اس کو گھسیٹتے ہین،

لیکن ان تمام عجائبات سے زیادہ عجیب تر یہ ہے کہ اسکی سب سے پہلی دیوار کی پشت پر ایک گوشہ مین جڑے ایک گز

اونچائی پر اسی دیوار کے پتھر ہین، نہایت جلی قلم مین بخط نسخ (عربی) لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کھدا ہوا ہے، بجاریون نے اُس کو بھی ایک بت بنا لیا ہے، اُس پر ایک چھوٹی سی کھڑکی لگائی ہے، اور اس کتبہ پر شاید مدت سے تیل یا گھی اور سیندور لگا رہے ہین، جس سے لا الٰہ الا اللہ کے حرف مٹنے کے قریب ہین، اور محمد رسول اللہ کے حروف پوری شان سے قائم ہین، کہا جاتا ہے کہ کوئی صوفی درویش یہان آکر بیٹھ گئے تھے، بعض کہتے ہین کہ وہ اس دیوار کے پاس مدفون ہین اور یہ ان کی کرامت ہے،

بہرحال یہ تو ایک جملۂ معترضہ تھا، ذکر مجلس العلما کا تھا، اس مجلس کے پیش نظر یہ کام بھی ہے کہ دینی، اور تاریخ اسلام کے متعلق اردو تصنیفات کو تامل مین ترجمہ کرکے تامل بولنے والے مسلمانون مین شائع کرے، چنانچہ اس مجلس سے الگ مگر اسی شہر مین چند علما مل کر قرآن پاک کا تامل مین ترجمہ کر رہے ہین، یہ ترجمہ نظر ثانی کے لیے دوسرے مستند علما کے پاس بھیجا جاتا ہے اور اُن کے مشورہ کے بعد ترجمہ مستند ہو کر تحریر مین آتا ہے،

مدراس کے ان علاقون مین عربی مدرسون کی کمی بتین ہے، مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ ان مقامات مین چالیس سے زیادہ ایسے مدرسے ہین جنپر پچاس ہزار سے لیکر سات لاکھ سالانہ تک کے وقف ہین، خود شہر مدراس مین عربی کے متعدد مدرسے ہین جنمین ایک ساہوکار جمال محی الدین صاحب مرحوم کا مدرسۂ جمالیہ ہے، جس کے لیے ان کے صاحبزادہ جمال محمد صاحب اب دارالاقامہ کی نئی عمارت بھی بنوا رہے ہین، اور جس کے تمام اخراجات وہ خود اس کے وقف سے ادا کرتے ہین، خوشی کی بات یہ ہے کہ یہ مدرسہ جو پہلے پرانی طرز کا تھا، اس مین ایک سال سے اب نئی طرز پر تجدید اور اصلاح کیگئی ہے، نصاب بھی نیا بن گیا ہے، جسمین قرآن پاک، حدیث شریف، فقہ، اور ادب عربی کیساتھ ساتھ حساب، جغرافیہ اور تاریخ کا اضافہ کیا گیا ہے، انگریزی لازمی کیگئی ہے، اور ابتدائی درجون مین تامل اور اردو دونون کی تعلیم دیجاتی ہے، یہ خیال ہے کہ اس مدرسہ کو ان علاقون کے مدرسون کے لیے نمونہ کا مدرسہ بنایا جائے

اللہ تعالی کامیابی عطا فرمائے،

مدراس کے علاوہ مجھے اس سفر مین ویشارم، آمبور، عمرآباد، وانمباڑی بنگلور اور میسور بھی جانا پڑا، ہر جگہ بحمداللہ مسلمانون کو ہشیار اور بیدار پایا، **ویشارم** جو ایک چھوٹی سی جگہ، مگر مدراس کے اسلامی پایہ تخت آرکاٹ کے قریب واقع ہے، اور مدراس کے مشہور فیاض و خیری عبدالحکیم صاحب کا وطن ہے، موصوف نے یہان دو شفاخانے قائم کئے ہین، ایک جسمانی، اور دوسرا روحانی، جسمانی شفاخانہ غربا کا اسپتال ہے اور روحانی شفاخانہ لڑکون کا مدرسہ ہے جسمین اردو، فارسی، عربی، تامل، انگریزی اور دینیات کی کتابین پڑھائی جاتی ہین، امید ہے کہ وہان کے مسلمانون کی نگاہ التفات سے ترقی پائیگا،

آرکاٹ کے کھنڈر جاکر دیکھے، مسجدون اور مقبرون کے سوا تمام عمارتین مٹ گئی ہین، مقبرون مین ایک پکی قبر ہے جس پر ایک خوشنما پتھر لگا ہے، جس پر قاضی تلمسانی کا نام اور سنہ وفات لکھا ہے، دیکھکر حیرت ہوئی کہ کہان آرکاٹ، ہندوستان کا ایک کنارہ، اور کہان تلمسان کے قاضی جو شمالی افریقہ کا مشہور شہر ہے مگر انھین سا فرد آوارہ وطن عالمون اور درویشون کا فیض تھا جس نے ہندوستان کے ذرہ ذرہ کو توحید کے نور سے منور کر دیا، اونکی کرامات کا سنہ گیارھوین صدی ہجری اور کچھ تھا،

آمبور بھی خدا کے فضل سے دولتمند مسلمان سوداگرون کا مرکز ہے، آج سے چند سال پہلے یہان کے تاجرون کی جو حالت تھی وہ گو باقی نہین ہے تاہم ایسی گئی گذری بھی نہین ہے، یہان ۱۴ کے قریب چھوٹے بڑے مدرسے ہین جنمین بعض تعلیم کے معیار کے لحاظ سے مکتب کی حیثیت رکھتے ہین، بعض ان سے کچھ اونچے ہین، لڑکیون کے مدرسے بھی ہین مگر یہ دیکھکر حیرت ہوئی کہ ان مکتبون اور ابتدائی مدرسون مین سے اکثر کی ایسی خوبصورت اور بلند عمارتین ہین، جو ہمارے

یہان کے بڑے بڑے مدرسون اور اسکولون کو حاصل نہین اللہ نے تجارت مین بڑی برکت رکھی ہی،

آمبور کے قریب وہ تاریخی مقام ہے جسکا نام گڑھ آمبور ہے ایک پہاڑ کا دامن ہے جسمین حیدرآباد، آرکاٹ، اور میسور کی مشہور لڑائی ہوئی ہے، یہ میدان جنگ اب صلح کا میدان ہے، روشن کمپنی کے خوش عقیدہ مالکین اور شرکا مین سے محمد عمر صاحب نے اپنے نام سے یہان ایک نوآبادی بسائی ہے جس مین ان کے ذاتی مکان و باغ کے علاوہ ایک خوشنما مسجد اور ایک عظیم الشان عمارت جامعۂ دارالسلام ہے، مدرسہ کی عمارت جس مین درسگاہ، دارالاقامہ، مطبخ، مدرسین کے کمرے اور تمام ضروریات ہین، نہایت مستحکم خوشنما اور بلند ہے، شرائتی لڑکے ہین، آٹھ دس مدرسین ہین، نصاب مین بھی تجدید و اصلاح کیگئی ہے اور کوشش کیجارہی ہے، کہ یہ درسگاہ پورے احاطۂ مدراس مین، اصلاح، ردّ مدعات اور صحت عقیدہ کی اشاعت کرے، یہان کے طلبہ اور مدرسین کے سامنے دینی مدارس اور طریقۂ درس کے تغیر و اصلاح پر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تقریر ہوئی، اور جدید نصاب کے متعلق مشورے دیئے گئے،

وانمباڑی ان اطراف کے مسلمانون کی تعلیم کا مرکز ہے، یہان مسلمانون کا ایک کالج اور اسکول ہے، دونون کی عمارتین خاصی ہین، طلبہ کی تعداد بھی معقول ہے، مگر آدھے سے زیادہ طلبہ اور اساتذہ بھی ہندو ہین، اور دونون ملکر اتحاد و اتفاق سے یہان کام کررہے ہین، مگر سرمایہ تمامتر مسلمانون کا ہے، اور وہی اس کے منتظم بھی ہین، مگر یہ دیکھکر حیرت ہوئی کہ اسکول مین ہندو اور مسلمان طلبہ اکثر درجون مین الگ الگ پڑھتے ہین، کہ ہندوون نے اپنے لیے ذریعۂ تعلیم تامل اور مسلمانون نے اردو کو قرار دیا ہے، ایک ہی ملک کے، ایک ہی شہر کے، ایک ہی کالج کے، ایک ہی درجہ کے طلبہ کی اس حیثیت سے تقسیم تعجب انگیز ہے، یہان بھی میرا لکچر مذہبی تعلیم اور ہندو مسلم اتحاد پر ہوا،

دانبادی میں اسکے علاوہ چند عربی مدارس ہین جنمین بعض بہت پرانے ہین چنانچہ وہان کا مدرسہ مفید عام ۱۱۳۵ھ سے قائم ہی، یہان سب سے عجیب چیز لڑکیون کا مدرسہ ہی جس کیلئے ابھی ایک عظیم الشان عمارت تعمیر ہوئی ہی پس پردہ لڑکیون کا امتحان لیا، بعض لڑکیون نے نہایت ہی عمدہ صحت مخارج کے ساتھ قرآن پڑھا، قرآن پاک کا ترجمہ سنایا، اردو پڑھی، فارسی عبارت کا ترجمہ کیا، یہان بھی مسلمان لڑکیون کی تعلیم پر ایک مختصر تقریر کیگئی، یہان عربی کا ایک پرانا مدرسہ معدن العلوم ہے، جسمین اس دفعہ دوبارہ جانے کا اتفاق ہوا، طلبہ کے اصرار پر یہان عربی زبان مین علما کے فرائض پر بیٹھے بیٹھے کچھ تقریر کی جس کو طلبہ اور علما نے توجہ سے سنا،

آمبور سے آتے ہوئے راستہ مین ویلور پڑا، یہان بھی کچھ دور اسلامی کے یادگار کھنڈر ملے شہر بڑا ہی، یہان ایک مدرسہ پرانا ہی جسکی تاریخ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کے قریب پہنچتی ہی، اور وہان کا فیض بھی وہان پہنچا ہی، دوسرا مدرسہ باقیات صالحات نیا ہی جسکو شاید تیس برس گذرے ہون، یہ مدراس کا سب سے بڑا مدرسہ ہی، مولانا عبدالوہاب صاحب مرحوم نے اسکی بنا ڈالی تھی، عمارت بھی نہایت شاندار ہی، درسگاہین اور لڑکون اور مدرسین کے رہنے کے کمرے بھی بلند و مستحکم ہین مسجد بھی عظیم الشان ہی، بل کا وقت کم نہ ہونے کی وجہ سے چند منٹ سے زیادہ یہان ٹھہرنے کا اتفاق نہ ہوا، سرمایہ اس کے پاس کافی ہی، ابھی چند سال ہوئے کہ سی عبدالحکیم صاحب نے یہان ایک طب کا شعبہ قائم کرنے کے لیے پچاس ہزار روپیے دیئے ہین، اور بھی اسکو بڑی بڑی امدادین حاصل ہین، مگر بایں ہمہ اس کا نصاب درس پرانا ہے،

بنگلور، میسور کا کمنولتھ اور ریاست کے دفاتر کا صدر مقام ہے یہان بھی مسلمانون کے مدارس ہین، لڑکیون کا ایک اچھا خاصہ مدرسہ ہے، یہان محمد علی ہال مین مسلمانون کی دینی و دنیوی تعلیم پر تقریر کیگئی، اور نوجوانون کو مذہبی تعلیم کی دعوت دیگئی،

میسور، ہندوستانی ریاستون مین اپنے انتظامات اور سیاسی تنظیم و قانونی آزادی کی حیثیت سے اول درجہ کی

ریاست ہے، افسوس ہو کہ یہان مسلمانون کی تعلیمی حالت اچھی نہین، یہان چار پانچ فیصدی سے زیادہ مسلمان نہین، انکی مادری زبان تلنگی ہی مسلمانون کا کوئی خاص مدرسہ نہین اور نہ کوئی الگ اسکول ہی، حالانکہ یہان تعلیم کا نظام نہایت مکمل ہی، شہر مین دو چار خوشحال علما وہان کے سرکاری کالج کے تعلق سے موجود ہین، عیسائیت کی تبلیغ پورے جوش سے جاری ہی، اور اب کچھ کچھ آریت نے بھی دخل پانا شروع کیا ہے، تاہم ایک دو مسلمانون کی کوششون سے جنمین سے ایک "دیوانہ ملا" (مگر یہ ملا "دیوانہ بکار خویش ہشیار" ہے) ان کا نام مولانا مسلم ویلوری ہے، انگریزی بھی جانتے ہین، انھون نے ایک چھوٹا سا یتیم خانہ قائم کیا ہے، جسمین بیس پچیس یتیم بچے ہین، انکی تعلیم و تربیت کا وہ بہترین فرض انجام دے رہے ہین، اونکو صنعت بھی سکھائی جاتی ہی اور مذہبی تعلیم بھی دیجاتی ہی، اللہ تعالیٰ اُس کے کامون مین برکت دے تو یہان کی ایک اہم چیز ہوگی،

میسور کے اندرونی علاقون مین مسلمانون کی حالت بہت بری ہی کسی قسم کی تعلیم نہین ہی، جاہل پیرون کو فروغ ہی، جنمین سب سے بڑا حصہ پنجاب کے ایک بڑے کامیاب پیر صاحب کا ہی، ابھی پنجاب سے ایک نابینا مولوی گئے تھے، وہان جاکر الحمد للہ واحناف مین جھگڑا کرآئے، شہر کی جامع مسجد مین جمعہ کے بعد مسلمانون کی حالت، مسلمانون مین اتحاد و مصالحت اور اسلام کے عقائد صحیحہ پر وعظ ہوا، بعد کو خطون سے معلوم ہوا، کہ اس تقریر سے وہان دونون فرقون کی مخالفت مین بہت کمی ہوگئی، خدا ایسا ہی کرے،

اس ضمن مین سب سے اہم کام یہ ہوا کہ میری کوشش سے نہین بلکہ صرف خدا کے فضل اور بعض مخلص مسلمانون کی ہمت سے جنمین سب سے پہلا نام ساہوکار جمال محمد صاحب کا ہے، دارالعلوم ندوۃ العلما، کے دارالاقامہ کے لیے ستائیس ہزار کی رقم چندہ ہوئی جسمین اکیس ہزار وصول ہوگئے، اس طرح ارکانِ ندوۃ العلما، کو بڑی فکر سے نجات ملی، اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے،

مقالات

القضا فی الاسلام

یعنی

اسلام مین فیصلۂ مقدمات

از مولانا عبد السلام صاحب ندوی

مولفنے یہ مضمون ۱۹۲۷ء کے نومبر مین اورنٹیل کانفرنس کے اجلاس منعقدۂ الہ آباد مین پڑھا تھا، اور نئے موضوع ہونے اور مصنف کی تلاش و محنت کے سبب سے خاص طور سے پسند کیا گیا تھا، اس موضوع پر اب تک اردو مین کوئی چیز نہین لکھی گئی اکثر وہ اشخاص جو اسلامی قانون سے دلچسپی رکھتے ہین، اس قسم کے معلومات کے خواہشمند ہوتے ہین اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسکو معارف مین بھی شایع کیا جائے اور علحدہ رسالہ کی صورت مین بھی چھاپا جائے، "اڈیٹر"

اسلامی نظام حکومت مین قاضی کا منصب نہایت اہم ہے، اس بنا پر اسلام کے اساسی قانون یعنی قرآن مجید مین اس منصب کے تمام ضروری خصوصیات و اوصاف بہ تصریح مذکور ہین، مثلاً قاضی کے سامنے جو مقدمات پیش ہوتے ہین، ان مین مدعی، گواہ اور قاضی کو دو مختلف فرض انجام دینا پڑتا ہے، مدعی اور گواہ حق کو ثابت کرتے ہین اور بشرط ثبوت قاضی اس حق کو مدعا علیہ پر عائد کرتا ہے شرعی اصطلاح مین انھی دونون فرائض کا نام اثبات و الزام ہے، اور ان دونون مین مدعی و گواہ کے فرض یعنی "اثبات" کے لیے صداقت اور قاضی کے فرض یعنی "الزام" کے لیے عدالت ایک لازمی چیز ہے، اسلئے مدعی اور گواہ کا اخلاقی بلکہ قانونی فرض یہ ہے کہ سچائی کے ساتھ دعوی کو ثابت کرین، اور قاضی کا فرض یہ ہے کہ وہ عدل و انصاف کے ساتھ مدعا علیہ پر اس دعوی کا مطالبہ عائد کرے، اسی لیے قرآن مجید نے انفصال مقدمہ کے ان دونون ضروری اجزا کا ذکر بتصریح کیا ہے،

وتمت کلمات ربك صدقا وعدلا، تیرے خدا کے احکام سچائی اور انصاف (دونون حیثیتون) سے مکمل ہین

بالخصوص قاضی کے فرض یعنی عدل و انصاف کی ہدایت بار بار کی ہے،

واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل — تم لوگ جب لوگون کے درمیان معدمات کا فیصلہ کرو تو انصاف کیساتھ کرو،

اور یہ انصاف اس قدر عام ہو کہ غیر قومین بھی اوس سے متمتع ہوسکین چنانچہ یہود یون کے معاملات کے متعلق خود رسول اللہ صلعم کو حکم دیا گیا،

وان حکمت فاحکم بینھم بالقسط ان اللہ یحب المقسطین، — اگر تم یہود یون کے معاملات کا فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو کیونکہ خدا انصاف کرنے والون کو دوست رکھتا ہے،

لیکن یہ عادلانہ فیصلے اُسی وقت کئے جاسکتے ہین جب وہ ایک عادلانہ قانون کے مطابق کئے جائین، اور زمانۂ قدیم مین یہ عادلانہ قانون صرف آسمانی کتابون مین موجود تھا، اسلیے رسول اللہ صلعم کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا،

فاحکم بینھم بما انزل اللہ ولا تتبع اھواءھم عما جاءک من الحق، — ان آیات واحکام کے مطابق انکے درمیان فیصلہ کرو جنکو خدا نے اوتارا ہے اور جو حق تمہارے پاس آیا ہے اوسکو چھوڑکر ان لوگون کی خواہشون کی پیروی نہ کرو،

اور جو لوگ عادلانہ قانون کے مطابق فیصلہ نہین کرتے ان کو سخت ملامت کیگئی،

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفرون — جو لوگ خدا کی اوتاری ہوئی آیات کے مطابق فیصلہ نہین کرتے وہ لوگ کافر ہین

دوسری آیتون مین اس قسم کے لوگون کو کہین فاسق اور کہین ظالم کہا گیا ہے، اور ایک آیت مین اس کو زمانۂ جاہلیت کا فیصلہ قرار دیا گیا ہے،

وان کثیرا من الناس لفسقون افحکم الجاھلیۃ یبغون — اور بہت سے لوگ فاسق ہین کیا یہ لوگ زمانۂ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہین؟

یہی وجہ ہے کہ صرف صالح، ہدایت یافتہ اور برگزیدہ لوگون کو منصب قضاء کا اہل قرار دیا گیا، کیونکہ صرف یہی لوگ خدائی احکام اور آسمانی قانون کے مطابق فیصلہ کرسکتے ہین، چنانچہ بہت سے انبیاءؑ کے رشد و صلاح اور ہدایت و برگزیدگی کے تذکرے کے بعد ارشاد ہوتا ہے،

اولئک الذین اٰتیتھم الکتٰب والحکم والنبوۃ — یہی وہ لوگ ہین جنکو ہم نے کتاب دی ہے اور فیصلہ اور پیغمبری کا منصب عطا فرمایا اور

اور ان لوگون کے ہاتھ مین نہایت واضح قوانین و احکام دیدیئے گئے ہین کہ قانونی پیچیدگیان زنجیرِ عدل کی کڑیون کو باہم الجھانے دین،

ولقد اٰتینا بنی اسرائیل الکتٰب والحکم والنبوۃ ورزقنٰھم من الطیبات وفضلنٰھم علی العٰلمین واٰتینٰھم بینٰت من الامر

ہم نے بنو اسرائیل کو کتاب دی اور فیصلہ اور پیغمبری کا منصب عطا فرمایا اور ان کو پاک روزی اور تمام دنیا پر فضیلت دی اور انکو کھلے ہوے احکام دیے،

منصبِ قضا کے یہ ایجابی اور وجودی اجزا تھے، لیکن سلبی اجزا مین جو چیز ین عدل و انصاف مین رکاوٹ ڈالنے والی ہین ان مین سب سے خطرناک چیز رشوت خواری ہے، اسلیے اوسکی نسبت ارشاد ہوا،

ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بھا الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون،

اور اپنے درمیان اپنے مال کو ناروا طور پر نہ کھاؤ اور اوسکو حکام تک رسائی حاصل کرنے کا ذریعہ نہ بناؤ تاکہ لوگون کے مال کا ایک حصہ گناہ کے ساتھ جان بوجھکر خورد برد کر جاؤ،

قرآن مجید کے ساتھ احادیث مین بھی اس منصب کی ذمہ داریون کے متعلق نہایت تفصیلی ہدایات موجود ہین، مثلاً،

من ولی القضاء فقد ذُبح بغیر سکین

جو شخص قاضی مقرر ہوا وہ بے چھری ذبح کر دیا گیا،

من طلب القضاء واستعان علیہ وکل الیہ ومن لم یطلبہ ولم یستعن علیہ انزل اللہ ملکا یسددہ،

جس شخص نے منصبِ قضا کو خود چاہا اور اس کے حاصل کرنے کیلئے دوسرون کی مدد چاہی تو یہ منصب تنہا اوسی کے سپرد کر دیا گیا اور جس شخص نے نہ اسکو چاہا نہ اوس کے حاصل کرنے کیلئے دوسرے کی مدد کا خواستگار ہوا اوسکے لیے خدا ایک فرشتے کو اتاریگا جو اوسکو سیدھا راستہ دکھائیگا،

القضاۃ ثلاثۃ واحد فی الجنۃ واثنان فی النار

قاضی تین قسم کے ہوتے ہین جنمین ایک جنت مین جائیگا، اور بقیہ دو جہنم مین

فاما الذی فی الجنة فرجل عرف الحق فقضی	جو قاضی جنت مین جائیگا وہ ہے جس نے حق کو سمجھکر فیصلہ کیا اور
به ورجل عرف الحق فجار فی الحکم فهو	جس قاضی نے حق کو سمجھا لیکن ظالمانہ فیصلہ کیا وہ جہنم مین جائے گا،
فی النار ورجل قضی للناس علی جهل	اور جس نے بے سمجھے بوجھے فیصلہ کیا وہ بھی جہنم مین جائیگا
فهو فی النار،	
لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم	رسول اللہ صلعم نے رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے
الراشی والمرتشی،	دونون پر لعنت بھیجی،

انھین ذمہ داریون کی بنا پر صحابۂ کرامؓ اس منصب کو بہ مشکل قبول کرتے تھے، چنانچہ ایک بار خود رسول اللہ صلعم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو یمن کا قاضی مقرر کرکے روانہ کرنا چاہا تو انھون نے ان الفاظ مین معذرت کی

انک یرسلنی وانا حدیث السن ولا علم لی بالقضاء آپ مجھے روانہ فرماتے ہین حالانکہ مین کمسن ہون اور مجھکو فیصلہ کا علم نہین ہے،

سنن ابوداؤد مین ہے کہ ایک بار دو شخص آئے اور ایک مجمع مین فیصلہ کے لیے ایک شخص کی تلاش کرنے لگے، مجمع مین سے ایک شخص نے کہا کہ "مین فیصلہ کرونگا" حضرت ابوموسیٰ انصاریؓ نے جو مجمع مین موجود تھے مٹھی بھر کنکری لیکر اس کو مارا اور فرمایا،

انه کان یکره التسرع الی الحکم، ٹھہرو، فیصلہ کرنے کے لیے بہت جلد تیار ہوجانا مکروہ خیال کیا جاتا تھا،

عہد رسالتؐ کے بعد حضرت عمرؓ نے بھی اپنے عہد خلافت مین ان ہدایات وارشادات پر سختی کیساتھ عمل کیا اور عام طور پر تمام حکام کو لکھ بھیجا،

آس بین الناس عند کمر فی الحق سواء فی مجلسک ووجهک حتی لا یطمع شریف فی حیفک ولا ییئس ضعیف من عدلک[1] انصاف مین تمام لوگون کو برابر قرار دو، اور قریب و بعید کو یکسان سمجھو اور رشوت سے سخت احتراز کرو،

اس کے ساتھ مزید احتیاط کے لیے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ جو شخص معزز اور دولت مند نہ ہو وہ قاضی نہ مقرر

[1] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۴۷،

کیا جاے اور اس کی وجہ یہ لکھی کہ دولتمند رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا، اور معزز آدمی پر فیصلہ کرنے مین کسی کے رعب و دباب کا اثر نہ پڑے گا[1]

علانیہ رشوت خواری کے علاوہ بہت سے مخفی طریقے ایسے ہین جنکے ذریعہ سے رشوت لیجا سکتی ہے، حکام کو اگر تجارت کی اجازت دیجائے تو وہ اس کے ذریعہ سے بہت کچھ ناجائز مالی فوائد بھی حاصل کر سکتے ہین اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب قاضی شریح کو منصب قضا پر مامور کیا تو فرمایا،

لاتشترِ ولاتبع ولاترتشِ[2] نہ کچھ خریدو، نہ کچھ بیچو اور نہ رشوت لو،

تحفے اور ہدیے بھی درپردہ رشوت بن سکتے ہین، اور موجودہ زمانے مین حکام کے سامنے جو ڈالیان پیش کیجاتی ہین وہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہین، اس لیے خود رسول اللہ صلعم نے تمام عمال کو ہدیہ لینے کی ممانعت فرمائی تھی اور حضرت عمرؓ نے اس کو علانیہ رشوت قرار دیا جس کی وجہ یہ ہوئی کہ ان کی خلافت سے پہلے ایک شخص معمولاً ہر سال ان کی خدمت مین اونٹ کی ایک ران ہدیۃً بھیجا کرتا تھا، ان کے زمانہ خلافت مین وہی شخص ایک بار فریق مقدمہ ہوکر دربار خلافت مین حاضر ہوا، تو کہا کہ اے امیرالمومنین ہمارے مقدمہ کا ایسا دوٹوک فیصلہ کیجئے جس طرح اونٹ کی ران کی بوٹیان ایک دوسرے سے جدا کیجاتی ہین، حضرت عمرؓ اس ناجائز اشارے کو سمجھ گئے اور اسی وقت تمام عمال کو لکھ بھیجا کہ ہدیہ نہ قبول کرو کیونکہ وہ رشوت ہے[3]

فقہا نے اس مین اور بھی سختیان کی ہین، مثلاً ان کے نزدیک قاضی کسی کے یہان مخصوص دعوت بھی نہین کھا سکتا البتہ وہ عام دعوتون (مثلاً شادی بیاہ کی دعوتون) مین شریک ہوسکتا ہے، اپنے اعزہ و اقارب کا ہدیہ اگرچہ وہ قبول کرسکتا ہے، لیکن جب ان کا مقدمہ اوس کے اجلاس مین دائر ہو تو اس کو ان کا ہدیہ بھی قبول نہین کرنا چاہیئے، اسی طرح اگر کوئی شخص معمولاً اس کو قاضی ہونے سے پہلے ہدیہ

---

[1] اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف وکیع بحوالہ الفاروق [2] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۰ [3] ایضاً جلد ۳ صفحہ ۱۷۰،

دیا کرتا تھا تو وہ اگرچہ اس کا ہدیہ لے سکتا ہے، لیکن اگر اس کا مقدمہ اس کے اجلاس مین دائر ہو یا وہ اس حالت مین ہدئے کی مقدار کو بڑھا دے تو قاضی کو اس کے قبول کرنے سے احتراز کرنا چاہیئے[1]

رشوت اور ہدیہ کے علاوہ اور بھی بہت سے جذبات و احساسات غلط یا نامنصفانہ فیصلے کا سبب ہو سکتے ہین، اس لئے رسول اللہ صلعم نے ان جذبات و احساسات سے معرا ہو کر فیصلہ کرنے کا حکم دیا اور فرمایا لایقضی الحکم بین اثنین وھو غضبان قاضی غصے کی حالت مین دو آدمیون کے درمیان فیصلہ نہ کرے مدعی یا مدعا علیہ کے رونے دھونے سے بھی بہت سے حکام متاثر ہو جاتے ہین لیکن ان ہدایات کی بنا پر قضاۃ اسلام پر اس کا کوئی اثر نہین پڑتا تھا، چنانچہ ایک بار قاضی شریحؒ کے اجلاس مین ایک عورت ایک مرد کے خلاف مقدمہ دائر کرنے آئی، اور رونے لگی، امام شعبیؒ بھی وہان موجود تھے وہ اس کے رونے سے متاثر ہو گئے، اور کہا کہ "مین اس غریب کو مظلوم خیال کرتا ہون"، لیکن قاضی شریحؒ پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا اور فرمایا کہ حضرت یوسفؑ کے بھائی بھی تو شام کے وقت اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے تھے[2]، ان تمام احکام و ہدایات کے ساتھ امام یا قاضی القضاۃ کو ہمیشہ قاضیون کی نگرانی بھی کرتے رہنا چاہیئے[3]

ان تمام ہدایات کے بعد بھی اسلام مین قاضی کی تنہا رائے فصال مقدمہ کے لیے کافی نہین ہے بلکہ اس کو علماء کی ایک جماعت کے مشورے سے فیصلہ صادر کرنا چاہیئے[4]، اور موجودہ زمانے کی قانونی اصطلاح مین اس برگزیدہ جماعت کو جوری یا اسیسر بھی کہہ سکتے ہین،

اسلام مین امام مقدمات کے فیصلون کے لیے ایک ساتھ دو قاضیون کا تقرر بھی کر سکتا ہے اور ایسی حالت مین صرف ایک قاضی کو مقدمات کے فیصلے کا حق نہین حاصل[5] ہوتا اور یہ بعینہ وہی صورت ہے

---

[1] ہدایہ جلد ثالث صفحہ ۸۳، [2] الطرق الحکمیہ صفحہ ۲۰، [3] المقارنات والمقابلات صفحہ ۷۲، [4] المقارنات والمقابلات صفحہ ۲۹ [5] ایضاً صفحہ ۲۹،

جو موجودہ زمانے کی ہائیکورٹون مین پائی جاتی ہے،

قاضی کے تقرر کے شرائط فقہانے قاضی کے تقرر کے لیے دیانت، فقاہت، عدالت، راستبازی، پاکبازی، نیک کرداری اور اجتہاد کو ضروری قرار دیا ہے، اور قضاۃ اسلام نے ان اخلاقی محاسن کی بعض عجیب وغریب مثالین قائم کی ہین، مثلاً قاضی ابو خزیمہ جب اپنے کپڑے دھوتے تھے، یا سر یکہ جنازہ ہوتے تھے، یا اور کوئی ذاتی کام کرتے تھے، تو جب تک ان مشاغل مین مصروف رہتے تھے، اتنے زمانے کی تنخواہ نہین لیتے تھے اور کہتے تھے مین مسلمانون کا ملازم ہون اس لیے جب تک ان کے کام کے علاوہ دوسرے مشاغل مین مصروف رہون مجھے ان کے مال کا لینا جائز نہین[1]، ایک بار ان کو کسی مقدمہ کے متعلق ایک خط ملا جسکو انھون نے اپنی آستین مین رکھ لیا، ایک شخص نے اون سے اس خط کے کھولنے کی درخواست کی تو بولے اس کا تعلق انفصال مقدمہ سے ہے، اور فیصلہ کے لیے ایک خاص وقت مقرر کر دیا گیا ہے، چنانچہ جب اجلاس پر بیٹھے تو خط کھولا[2]، ہمارے فقہا نے قاضی کے تقرر کے لیے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ اس کو انسانون کے عام اخلاق وعادات سے بھی واقف ہونا چاہیئے کیونکہ بہت سے فیصلے ان پر موقوف ہوتے ہین[3]، اور قضاۃ اسلام انسانی کیرکٹر کے مختلف مدارج سے جس قدر واقف تھے اوسکی مثال بعض مقدمات کے فیصلہ مین آئے گی،

ہر مذہب کیلئے الگ الگ قضاۃ کا تقرر آج اگرچہ انگریزی سلطنت کے زیر حکومت مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہین، لیکن بایں ہمہ ایک ہی جج تمام مذاہب کے لوگون کا فیصلہ کرتا ہے، اسلام مین بھی اگرچہ ایک مدت تک ایک ہی قاضی اسلام کی تمام مختلف المذاہب رعایا کا فیصلہ کرتا تھا، لیکن مصر مین ملک الظاہر بیبرس نے ۶۶۳ھ مین اسلام کے چارون فقہی مذاہب یعنی حنفی، شافعی، مالکی، اور حنبلی کے لیے الگ الگ قاضی مقرر کیے[4]،

قاضی القضاۃ اسلام مین تمام قاضی ایک اور اعلیٰ عہدہ دار کے ماتحت ہوتے تھے، جسکو قاضی القضاۃ کہتے تھے اور اس زمانے مین اس کو چیف جسٹس کہہ سکتے ہین، اسلام مین سب سے پہلے یہ منصب امام ابو یوسفؒ کو ملا جو

---

[1] کتاب الولاۃ صفحہ ۳۶۲۔ و ۳۶۳ [2] صفحہ ۳۶۶، [3] ہدایہ جلد ثالث کتاب ادب القاضی صفحہ ۱۸۱ [4] محاضرۃ الاوائل صفحہ ۹۷،

امام ابوحنیفہؒ کے نہایت مشہور شاگرد تھے، اور انھون نے اپنے اثر سے علماء کے لیے ایک خاص لباس رائج کیا اور حنفی مذہب کی عام اشاعت کی[1] چونکہ یہ بہت بڑا ذمہ دارانہ عہدہ تھا اس لیے بعض سلاطین نے اس پر ضمانت کا لینا ضروری سمجھا، چنانچہ معزالدولہ نے عبداللہ بن الحسین بن ابی الشوارب کو قاضی القضاۃ مقرر کیا تو یہ شرط لگادی کہ وہ سالانہ دو لاکھ درہم کی ضمانت ادا کیا کرین[2] اس باطنی اثر و اقتدار کے ساتھ قاضی القضاۃ کا اجلاس ظاہری حیثیت سے بھی نہایت شاندار ہوتا تھا، چنانچہ مقریزی لکھتا ہے،

جب خلیفہ خود مختار ہوتا ہے تو ایک آدمی کو جج کا منصب عطا کرتا ہے اور اس کو قاضی القضاۃ کا لقب دیتا ہے، اور اسکا درجہ تمام ارباب العمائم اور ارباب القلم مین سب سے بڑا ہوتا ہے اور وہ بعض اوقات مبلغ (پروپیگنڈسٹ) بھی ہوتا ہے، اور اس کو اس وقت قاضی القضاۃ اور داعی الدعاۃ کہتے ہین، مذہبی امور مین کوئی چیز اس کے اختیارات سے باہر نہین ہوتی اور وہ شنبہ، اور سہ شنبہ کو زیادہ تر جامع عمرو بن العاص مصر مین ایک فرش اور حریر کے مسند پر بیٹھ کر اجلاس کرتا[3] اور اپنے اپنے مقدمہ کی تاریخ کے مطابق گواہ اس کے گرد دائین بائین بیٹھتے ہین اور اس کے اجلاس مین پانچ دربان ہوتے ہین، دو اس کے سامنے کھڑے رہتے ہین، دو مقصورہ (کٹہرہ) کے دروازے پر رہتے ہین اور ایک فریقان مقدمات کو اس کے سامنے لاکر پیش کرتا ہے، اس کے اجلاس مین چار احکام نویس ہوتے ہین جنھین دو دو آمنے سامنے بیٹھتے ہین، اس کے لیے کرسی دوات ہوتی ہے یعنی ایک روپہلی دوات جو محل کے خزانون سے اس کے پاس بھیجی جاتی ہے، اور ایک خاص تنخواہ دار شخص ہوتا ہے جو اس کو لاتا ہے، اسکی سواری کے لیے اصطبل سے ہمیشہ ایک خچر شہابی رنگ کا بھیجا جاتا ہے اور خچر کا مخصوص رنگ تمام ارباب حکومت مین صرف اسی کے لیے مخصوص ہے، اور اس پر ایک فدنی اور مخملی زین کسی جاتی ہے جو زیتون کے خزانہ سے آتی ہے تہوارون

[1] محاضرۃ الاوائل صفحہ ۹۶ [2] ر صفحہ ۹۸،

کے موقع پر اوسکی خدمت مین طوق بھیجے جاتے ہین اور اس کو سترے خلعت پہنائے جاتے ہین لیکن اس کے ساتھ طبل و بوق نہین ہوتا، البتہ جب وہ فیصلۂ مقدمات کے علاوہ تبلیغ و اشاعت کی خدمت بھی انجام دیتا ہے، تو خلعت کیساتھ طبل بوق اور جھنڈیان بھی ہوتی ہین جو ان جھنڈیون کے مثل ہوتی ہین، جنکے ساتھ وزیر صاحب السیف کو مشرف کیا جاتا ہے، اور جب وہ خاص طور پر فیصلہ کے لیے بیٹھتا ہے، تو اس کے گرد قرار کھڑے ہوتے ہین اور اور اس کے سامنے اعلان کرنے والے ہوتے ہین، اور اگر خلیفہ یا وزیر اس جگہ ہوتے ہین تو علانیہ ان کے نام کا اعلان کرتے ہین، اور اس کے سامنے لوگ دربانون اور پہرہ دارون کے ذریعہ سے لائے جاتے ہین اور جہان وہ موجود ہوتا ہے کوئی فوجی یا سویلین عہدہ دار اوس کے آگے نہین بڑھ سکتا اور کسی جائداد یا جنازے پر بغیر اوسکی اجازت کے نہین جا سکتا، اور جبتک وہ اجلاس پر ہے کوئی شخص اسکو اٹھا نہین سکتا، اور کسی گواہ کی توثیق و تعدیل بغیر اوس کے حکم کے نہین کیجا سکتی وہ دوشنبہ اور پنجشنبہ کے دن خلیفہ کو سلام کرنے کے لیے محل مین بیٹھتا ہے، اور اس کے نائب برابر فیصلہ کرتے رہتے ہین، اور بیت المال کا وکیل اس کے سامنے حاضر ہوتا ہے اور وہ ٹکسال کے دفتر کا بھی نگران ہوتا ہے، اور وہ خود اس کو بند کرتا ہے اور اس پر مہر لگاتا ہے اور اس کے کھولنے کے وقت بھی موجود رہتا ہے[1]

دارالعدل | اگرچہ عام لوگون کے مقدمات کے فیصلے کے لیے یہ انتظامات کافی تھے، لیکن خود حکام کے مقدمات کے فیصلے کے لیے اسلام مین کوئی مستقل اور علیحدہ انتظام نہین تھا، اور آج بھی اسکا کوئی الگ انتظام نہین ہے بلکہ وزیر ہند تک پر بھی عام عدالتون ہی مین مقدمات دائر کیے جاتے ہین، زیادہ سے زیادہ یہ کیا جاتا ہے کہ بعض حکام کے مقدمات کے فیصلہ کے لیے کمیشن مقرر کر دیا جاتا ہے، یا عارضی طور پر خاص عدالتین

[1] مقریزی جلد دوم صفحہ ۲۴۶

قائم کردی جاتی ہین، لیکن اسلام مین ابتدا ہی سے یہ محسوس کیا جاتا تھا کہ اگر ان معاملات مین حکام کی کوئی خاص حیثیت نہ قائم کیگئی، تو اس سے ان کے رعب و داب مین فرق آجائیگا جو سیاست و حکومت کیلئے نہایت ضروری ہے، چنانچہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام عمال کو طلب کیا اور ایک تقریر مین فرمایا کہ "جس شخص کو عمال سے کوئی شکایت ہو وہ کھڑا ہو کر پیش کرے"، اس پر ایک شخص اٹھا اور کہا کہ "آپ کے عامل نے مجھے سو کوڑے مارے ہین"۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "کیا تم بھی اوسکو سو کوڑے مارنا چاہتے ہو؟ اوٹھو" لیکن حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا کہ "یہ امر عمال پر گران ہوگا، اور آئندہ کے لیے ایک نظیر قائم ہوجائیگی" لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "یہ نہین ہوسکتا خود رسول اللہ صلعم نے بھی ایسا ہی کیا ہے"۔ بالآخر حضرت عمرو بن العاصؓ نے مستغیث کو اس شرط پر راضی کیا کہ نی تازیانہ دو اشرفیان لیکر اپنے حق سے باز آئے[1]

لیکن دمشق مین جب بعض امرا نے لوگون پر مظالم کئے تو سلطان نورالدین شہید نے مستقل طور پر ایک دارالعدل قائم کیا جسمین صرف ان مظالم کا فیصلہ کیا جاتا تھا جو وزرا اور امرا رعایا پر کرتے تھے، اور یہ پہلا دارالعدل تھا جو اسلام مین قائم کیا گیا تھا[2]

ثالث اگر کسی شخص مین وہ تمام اوصاف پائے جائین جو قاضی کے لیے ضروری ہین، تو اس کو دو شخص اپنے مقدمہ کے فیصلہ کے لیے ثالث مقرر کرسکتے ہین، اور اگر وہ دونون اس کے فیصلہ پر راضی ہوجائین تو اسکا فیصلہ نافذ ہوسکتا ہے، البتہ اگر قاضی کے اجلاس مین اس کے فیصلہ کا مرافعہ کیا جائے اور وہ اس کے مذہب کے موافق صحیح نہو تو وہ اوسکو منسوخ کرسکتا ہے، لیکن حدود و قصاص یعنی فوجداری کے مقدمات مین کسی شخص کو ثالث مقرر کرنے کا حق حاصل نہین ہے[3]، اور موجودہ قانون بھی اسکی اجازت نہین دیتا،

قاضی کے فرائض و اختیارات اسلام مین انفصال مقدمات کے علاوہ قاضی کے اور بھی چند فرائض ہین، اور اس کے اختیارات مین اور بھی چند چیزین داخل ہین مثلاً اسلام مین:-

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۷۰ [2] محاضرۃ الاوائل صفحہ ۸۳ [3] ہدایہ جلد ثالث صفحہ ۸۷

(۱) اوقاف کی نگرانی بھی قاضی کے فرائض مین داخل ہے، اور قضاۃ اسلام نے جس مستعدی اور دیانت کے ساتھ اس فرض کو ادا کیا ہے، تاریخ اسلام اس پر ناز کرسکتی ہے، مثلاً مصر مین پہلے اوقاف کا کوئی باضابطہ انتظام نہ تھا بلکہ وہ یا تو خود اہل وقف کے قبضے مین تھے یا ان کے متولی انکا انتظام کرتے تھے، لیکن ہشام کے عہد خلافت مین جب توبہ بن نمر مصر کے قاضی مقرر ہوئے تو انھون نے کہا کہ "منافع وقف کے اصلی مستحق صرف فقرا اور مساکین ہین، اس لیے مین ان کو خود اپنے قبضے مین لینا چاہتا ہون تاکہ وہ ضائع نہ ہونے پائین اور ان مین وراثت نہ جاری ہونے پائے"، چنانچہ انھون نے مصر کے تمام اوقاف کا انتظام اس وسیع پیمانے پر کیا کہ ان کے مرنے سے پہلے پہلے اوقاف کا ایک عظیم الشان محکمہ قائم ہوگیا[۱]، اور اس کے بعد تمام قضاۃ نے مختلف طریقون سے نہایت مستعدی کے ساتھ اوقاف کی نگرانی کی، چنانچہ قاضی محمد بن ابو اللیث نے تمام اوقاف کا بذات خود معائنہ کیا، اور خود اپنے قلم سے ان کی فہرست مرتب کی اور بہت سے اوقاف کے متعلق فیصلے کئے[۲]، قاضی ہارون بن عبداللہ مصر کے قاضی مقرر ہوکر آئے تو تمام اوقاف کے مداخل و مصارف سے واقفیت حاصل کی اور اس سے ایک وقف بھی نہ چھوٹا[۳]، مصر کے جو اوقاف قضاۃ اور اہل اوقاف کے قبضے مین تھے، قاضی لہیعہ نے شہادت لیکر یا خود اہل اوقاف سے اقرار کراکے ان کی تجدید کی، چنانچہ اس پر ایک شخص نے ان کی تعریف کی تو فرمایا کہ "مین ایک مدت سے اس کو چاہتا تھا، اور خدا سے میری دعا تھی کہ مجھکو ان اوقاف کے فیصلے کا موقع عطا فرمائے اب یہ موقع نصیب ہوا تو مین نے ایک ایک وقف کے متعلق اپنا فیصلہ صادر کیا اور ہر ایک کے متعلق نئی شہادتین حاصل کین[۴]"، قاضی عبداللہ عبدالرحمان بن عبیداللہ العمری نہایت مستعدی کے ساتھ اوقاف کو قائم و آباد رکھنا چاہتے تھے، چنانچہ خود انکی نگرانی کرتے تھے اور دن کے اکثر حصے مین معمارون کے ساتھ بیٹھکر وقف شدہ عمارات کی مرمت کرواتے تھے، چنانچہ ایک بار ان سے کہا گیا کہ "امام مالکؒ کے نزدیک اوقاف کی مرمت ضروری نہین" تو بولے کہ

[۱] کتاب ولاۃ مصر للکندی صفحہ ۳۴۴، [۲] ، صفحہ ۴۵۰ [۳] ، صفحہ ۴۴۴، [۴] ، صفحہ ۴۲۴،

اگر مہمت ہی نہ ہوگی تو وہ کیونکر قائم رہ سکیں گے، قاضی عبدالملک بن محمد الخرمی نے ہر مہینے کے تین دن اوقاف کی نگرانی کے لیے خاص کر دیئے تھے جس مین محکمۂ اوقاف کے اہل کارون کو ساتھ لیکر ان کی مرمت، اصلاح، اور صفائی کا حکم دیتے تھے، اگر ان مین کوئی خرابی نظر آتی تھی تو متولی کو دس کوڑے مارتے تھے[۱]

(۲) یتیمون کے مال اور جائداد کی نگرانی بھی قاضی کے فرائض مین داخل تھی، اور قضاۃ اسلام نے اس فرض کو بھی نہایت مستعدی کیساتھ ادا کیا ہے، چنانچہ مصر مین پہلے یتیمون کے مال و دولت کا کوئی باضابطہ انتظام نہ تھا لیکن قاضی عبدالرحمن بن خدیج نے سب سے پہلے اس کا انتظام کیا اور ہر قبیلے کے چودہری (شریف) کو اس کا ضامن بنایا[۲]، اس کے بعد قاضی خیر بن نعیم نے سب سے پہلے خلیفہ ابو جعفر کے حکم سے اس کو بیت المال مین داخل کیا اور اس کے لیے علیحدہ علیحدہ رجسٹر بنوائے، جنمین ہر یتیم کے مال کے مصارف و مداخل درج ہوتے تھے[۳]، قاضی مفضل بن فضالہ یتیمون کے معاملات پر اس قدر نظر رکھتے تھے کہ ان کے نسبت ایک بزرگ بار بار کہا کرتے تھے کہ

ولی الیتیم کابیہ[۴] یعنی یتیم کے باپ کی طرح اوسکی ولایت کا فرض ادا کیا،

قاضی ہارون بن عبداللہ مصر کے قاضی مقرر ہوئے تو بذات خود یتیمون کے مال کا معاینہ کیا، اس کا حساب لیا اور ان کے معاملات مین کوئی خرابی دیکھی تو ان کے اولیا، کو سزا دی اور علانیہ ان کی تشہیر کی[۵]، قاضی محمد بن ابواللیث نے عام اعلان کر دیا تھا کہ جس شخص کے قبضہ مین یتیمون کا مال ہوگا اور وہ اس کو حاضر نہ کرے گا تو وہ قانونی حفاظت کے حدود سے خارج کر دیا جائیگا، چنانچہ اس اعلان کے بعد ان کے رعب و داب سے خائف ہوکر لوگون نے یتیمون کا تمام سرمایہ اپنے قبضے سے نکال کر بیت المال مین داخل کر دیا[۶]، قاضی عمری پہلے شخص تھے جنھون نے بیت المال مین ایک صندوق بنوا کر رکھدیا تھا[۷]

---

[۱] کتاب ولاۃ مصر للکندی صفحہ ۳۹۵، [۲] صفحہ ۳۸۳، [۳] صفحہ ۳۲۵، [۴] صفحہ ۳۵۵، [۵] صفحہ ۳۸۲، [۶] صفحہ ۴۴۴، [۷] صفحہ ۴۵۰،

جس مین یتیمون کا تمام سرمایہ جمع کیا جاتا تھا[1]، قاضی ہارون بن عبداللہ اگرچہ بذات خود یتیمون کے مال کی نگرانی نہایت دیانت سے کرتے تھے لیکن جس صندوق مین یہ مال جمع کیا جاتا تھا، اسکی کنجی غیر محتاط اشخاص کے سپرد کردی تھی اور وہ اس مال کو بہت کچھ خورد برد کرجاتے تھے چنانچہ قاضی محمد بن ابی اللیث نے ان پر اس کے متعلق مقدمہ دائر کرادیا[2]،

(۳) جو لوگ موجود نہ ہون ان کے مال کی نگرانی بھی قاضی کے فرائض مین داخل تھی، اور قضاۃ اسلام نے اسی دیانت و سرگرمی سے ان کی نگرانی بھی کی، چنانچہ قاضی ہارون بن عبداللہ نے اس قسم کے لوگون کے تمام مال و دولت کو اکٹھا کرکے بیت المال مین داخل کیا اور ان کے لیے رجسٹر بنوائے[3]، قاضی محمد بن ابی اللیث نے عام اعلان کردیا تھا کہ جن لوگون کے ہاتھ مین غیر موجود اشخاص کا مال ہوگا، اگر وہ اس کو حاضر نہ کرینگے تو قانونی حفاظت سے محروم کردیے جائینگے[4]،

(۴) الادارث لوگون کے مال و دولت کی نگرانی بھی قضاۃ کے فرائض مین داخل تھی، اور انھون نے اسی ایمانداری کے ساتھ اس فرض کو بھی انجام دیا، چنانچہ قاضی ہارون بن عبداللہ نے اس قسم کے لوگون کے تمام سرمایہ کو اکٹھا کرکے بیت المال مین داخل کیا اور اس کے لیے رجسٹر بنوائے[5]، قاضی عمری نے ایک صندوق بنوا کر بیت المال مین رکھدیا تھا جس مین یتیمون اور لاوارثون کا مال جمع کیا جاتا تھا[6]،

انفصال مقدمہ لیکن قاضی کا سب سے عام اور اہم فرض انفصال مقدمہ ہے، اور اس حیثیت سے اسلام مین قاضی کے فرائض حسب ذیل ہین،

۱- وہ مقدمہ کی پیشی اور شہادت گذرانے کے لیے ایک تاریخ مقرر کرے،

۲- تاریخ معینہ پر اگر مدعی گواہون کو نہ پیش کرسکے تو وہ اوس کے خلاف فیصلہ کرسکتا ہے،

۳- وہ مقدمہ کے فیصل کرنے کے بعد خود اپنی مرضی سے اس پر نظر ثانی کرسکتا ہے،

---

[1] کتاب ولاۃ مصر للکندی صفحہ ۴۰۰ [2] صفحہ ۴۰۵ [3] صفحہ ۴۴۴ [4] صفحہ ۴۵۰ [5] صفحہ ۴۴۴ [6] صفحہ ۴۰۵

۴۔ اوس کو انفصالِ مقدمہ مین غصہ کرنا اور گھبرانا نہین چاہیئے،[1]

۵۔ اس کو مدعی، اور مدعا علیہ کے ظاہری بیان اور وضاحتِ تقریر کے مطابق فیصلہ کرنا چاہیئے گو یہ ممکن ہے کہ یہ فیصلہ اندرونی حالات اور صحیح واقعات کے لحاظ سے صحیح نہ ہو،[2] یہی وجہ ہے کہ گو کسی جج کو مقدمہ کی اصلی حالت معلوم ہو، لیکن وہ اپنے علم کے مطابق فیصلہ نہین کر سکتا بلکہ اس معاملے مین اسکی حیثیت صرف ایک شاہد کی ہو گی،

۶۔ اس کو مدعی، اور مدعا علیہ دونون کے بیانات کو سنکر فیصلہ کرنا چاہیئے،[3]

۷۔ وہ اگر فریقین کے درمیان صلح کرا دے تو بہتر ہے،[4]

۸۔ اُس کو فریقین کے ساتھ یکسان برتاؤ کرنا چاہیئے،[5]

۹۔ اگر مدعی مدعا علیہ کو حاضرِ عدالت کرانا چاہتا ہے تو قاضی کا فرض ہے کہ وہ اس کو طلب کرے، البتہ اس مین اختلاف ہے کہ صرف دعویٰ کرنے کے ساتھ ہی اس کو طلب کرنا چاہیئے، یا جب مدعی یہ ثابت کر چکے کہ دعوی کی کوئی اصلیت ہے،[6] مدعا علیہ کے حاضر کرنے کے جو طریقے اس زمانے مین مستعمل ہین قریب قریب وہی طریقے اسلام مین بھی ہین،[7]

۱۰۔ فریقین کو قاضی کے سامنے بیٹھنا چاہیئے،[8]

موجودہ زمانے مین بھی انفصالِ مقدمات کے وقت یہ تمام پابندیان ایک جج پر عائد ہوتی ہین، لیکن آج حکام کی بدمزاجی اور گھبراہٹ عموماً مشہور ہے اور مساوات بین الفریقین کے متعلق یہ مثل کہا جا سکتا ہے کہ

---

[1] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۴، اور دارقطنی صفحہ ۵۱۲، [2] صحیح مسلم کتاب الاقضیہ باب الحکم بالظاہر واللحن بالحجۃ، اطرق الحکمیہ صفحہ ۱۶۹

[3] ابوداؤد کتاب الاقضیہ باب کیف القضاء، [4] صحیح مسلم کتاب الاقضیہ باب استحباب اصلاح الحاکم بین الخصمین [5] دارقطنی صفحہ ۵۱۲

[6] اطرق الحکمیہ صفحہ ۱۰۱ و ۱۰۲ [7] المقارنات والمقابلات صفحہ ۵۰، [8] ابوداؤد کتاب الاقضیہ باب کیف یجلس الخصمان بین یدی القاضی،

ہمارے حکام ان پر عمل کرتے ہین یا کم از کم کر سکتے ہین، لیکن اسلام کی عدالتی تاریخ مین اس پر اس شدت سے عمل کیا گیا ہے کہ ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہ کے یہان ایک شخص آیا اور انھون نے اس کو کئی دن تک مہمان رکھا لیکن ایک دن جب وہ فریق مقدمہ بنکر ان کے سامنے حاضر ہوا تو بولے "اب آپ تشریف لیجائیے ہم فریق کو صرف فریق کے ساتھ ٹھہرا سکتے ہین"[1] یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر قاضی ایک فریق کی مہمانداری کرے تو اس کا فرض ہے کہ دوسرے فریق کو بھی مہمان بنائے۔

یہ صرف دور خلافت راشدہ کی مستثنیٰ مثال نہین ہے بلکہ زمانہ مابعد کے قضاۃ نے بھی اسی اصول مساوات پر عمل کیا ہے، چنانچہ ایک بار خلیفہ عبدالملک قاضی خیر بن نعیم کے اجلاس مین اپنے چچازاد بھائی کا فریق بنکر آیا اور ان کے فرش پر بیٹھ گیا، انھون نے کہا کہ "اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ کھڑے ہو" عبدالملک کو یہ ذلت گوارا نہین ہوئی اور مقدمہ کو چھوڑ کر چلا آیا[2]

ایک بار خلیفہ ابوجعفر نے قاضی غوث بن سلیمان سے اپنا ایک ذاتی مقدمہ فیصل کرانا چاہا جب داخلۂ مقدمہ کے تمام شرائط پورے ہو چکے تو انھون نے نہایت تہذیب سے کہا کہ "اب اگر مناسب ہو تو امیرالمومنین اپنے فریق کے برابر بیٹھ جائین"۔ چنانچہ وہ ان کے فرش سے اتر کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گیا[3]

سماعت مقدمات

اسلام مین دعووں کی تین قسمین کی گئی ہین۔

۱۔ بعض دعوے تو ایسے ہوتے ہین جنکی تردید و تکذیب خود رسم و رواج سے ہو جاتی ہے مثلاً ایک شخص ایک طویل مدت سے ایک گھر پر قابض ہے، ایک شخص اوسکے قبضہ و تصرف کو دیکھتا ہے لیکن اس طویل مدت مین کوئی روک ٹوک نہین کرتا اور یہ بھی ظاہر نہین کرتا کہ اس گھر سے اسکا حق متعلق ہے کسی قسم کا خوف بھی اس اظہار مین مانع نہین ہے اور ان دونون اشخاص مین قرابت یا وراثت کا کوئی تعلق بھی نہین ہے بایں ہمہ وہ اس طویل مدت کے بعد اس گھر کی ملکیت کا دعویدار ہوتا ہے

۲۔ اس کے بالکل برعکس بعض دعوی ایسے ہوتے ہین جنکی نسبت خود رسم و رواج سے معلوم ہو جاتا ہے کہ دعویٰ صحیح ہین

---

[1] کنز العمال صفحہ ۲، [2] کتاب ولاۃ مصر للکندی صفحہ ۳۵۶، [3] صفحہ ۳۷۵،

یا سچے ہو سکتے ہین مثلاً ایک مسافر کا یہ دعویٰ کہ فلان شخص کے پاس مین نے فلان چیز امانتہً رکھی ہے، یا یہ کہ مین نے اپنے فلان مسافر کو فلان چیز کا امین بنایا ہے،

۳- ان دونون کے درمیان بعض دعوے ایسے ہوتے ہین جنکی تصدیق اگرچہ رسم و رواج سے نہین ہوتی تاہم رسم و رواج سے انکی تردید و تکذیب بھی نہین ہوتی مثلاً دو شخصون مین باہم بالکل بیگانگی ہے لیکن باین ہمہ ان مین ایک شخص دوسرے پر اپنے قرض کا دعوی کرتا ہے[1]، ان تینون قسمون مین پہلے قسم کے دعوی کی تو سماعت ہی نہین ہو سکتی، البتہ اخیر کے دونون دعوے قابل سماعت ہین، اور ان کی سماعت کے متعلق قاضی کو حسب ذیل اختیارات حاصل ہین،

۱- ایک کام کو وہ کرنا نہین چاہتا لیکن مقدمہ مین صحیح نتیجہ تک پہنچنے کیلئے وہ کہہ سکتا ہے کہ مین ایسا کرونگا[2]،

۲- وہ ایک شخص کے اقرار کے خلاف فیصلہ کر سکتا ہے بشرطیکہ یہ ثابت ہو جائے کہ انصاف و صداقت کا اقتضاء اوس کے اقرار کے خلاف ہے[3]،

۳- ایک حاکم دوسرے حاکم کے فیصلہ کو منسوخ[4] کر سکتا ہے، جسکے معنی یہ ہین کہ اسلام نے اپیل کا دروازہ کھول دیا ہے،

۴- وہ مقدمات مین صحیح نتیجہ تک پہنچنے کے لیے قرائن و علامات سے کام لے سکتا ہے[5]، کیونکہ اسلام مین مقدمات کے فیصلون کی ایک بنیاد صلحاء کے فیصلون کی نظیر ہے[6] اور انبیاء گذشتہ کے بعض فیصلون سے یہ اختیارات مستنبط ہوتے ہین چنانچہ سنن نسائی کتاب آداب القضاء مین یہ روایت موجود ہے کہ ایک بار دو عورتین اپنے اپنے لڑکون کو ساتھ لیکر باہر نکلین، سو اتفاق سے ایک کے لڑکے کو بھیڑیا اٹھا لیگیا، اور جو لڑکا بچگیا اس کے متعلق دونون مین نزاع پیدا ہوئی، اور مقدمہ حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت مین پیش ہوا انھون نے اُس عورت کے حق مین فیصلہ کیا جو دونون مین بڑی تھی، فیصلہ کے بعد دونون حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس سے ہو کر گذرین تو انھون نے

---

[1] الطرق الحکمیہ صفحہ ۲۸۳ [2] سنن نسائی کتاب آداب القضاء، باب السنۃ للحاکم فی ان یقول للشی الذی لا یفعلہ افعل لیستبین الحق

[3] الطرق الحکمیہ صفحہ ۵ [4] سنن نسائی کتاب آداب القضاء، باب نقض الحاکم بالحکم یغیرہ ممن ہو مثلہ او اجل منہ

[5] الطرق الحکمیہ صفحہ ۱۷ [6] سنن نسائی کتاب آداب القضاء، باب الحکم باتفاق اہل العلم،

کہا کہ حضرت داؤد علیہ السّلام نے کیا فیصلہ کیا؟ ان دونوں نے واقعہ بیان کیا تو بولے دو چھری لاؤ میں لڑکے کو دو ٹکڑے کرکے دونوں کے درمیان تقسیم کر دوں" لیکن چھوٹی عورت اس پر راضی نہیں ہوئی، اور کہا کہ "میں اپنا حصہ بھی اپنے فریق ہی کو دیتی ہوں" انھوں نے یہ لڑکا اسی کو دلوایا، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ

۱- انھوں نے اس لڑکے کے دو ٹکڑے ہونے کی دھمکی اس لیے دی تھی کہ جس کا لڑکا ہے اس کی محبت اس کو گوارا نہ کرے گی، اور وہ اس پر راضی نہ ہوگی، حالانکہ وہ درحقیقت ایسا کرنا نہیں چاہتے تھے،

۲- اگرچہ چھوٹی عورت نے یہ تسلیم کر لیا تھا کہ اس کا حصہ بھی بڑی عورت کو دے دیا جائے، لیکن حضرت سلیمان علیہ السّلام نے اس کے اقرار کے خلاف فیصلہ کیا،

۳- انھوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ کو منسوخ کر دیا،

۴- انھوں نے چھوٹی عورت کی عدم رضامندی کو قرینہ قرار دیا اور اس سے اس کی محبت کا پتہ لگایا،

الفاروق

علامہ شبلیؒ

حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت اگرچہ مسبغ مستند صورت میں معمولی کاغذ پر اس گران پایہ کتاب کے بیسیوں اڈیشن فروخت ہو رہے ہیں، مگر اہل نظر کو ہمیشہ اسکے اعلیٰ اڈیشن کی تلاش تھی مطبع معارف نے نہایت اہتمام وسعی بلیغ سے اسکا یہ اڈیشن تیار کرایا ہے، جو حرف بحرف نامی پریس کانپور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت، اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ، دنیائے اسلام کا نگین نفیس نقشہ مطلاً مذہب، ضخامت ۳۱۲ صفحے، قیمت للعہ

"نظیر"

غنی کشمیری

از

جناب مولوی اکرام الحق صاحب سلیم ایم اے

غنی آن سخنگوئے بلبل صفیر نوا سنج کشمیر مینو نظیر

چو آن محفل افروز در خانہ نیست تہی تر از و ہیچ کاشانہ نیست (اقبال)

ہندوستان کے ان مشاہیر فارسی شعرا مین سے جنپر فارسی شاعری ہمیشہ ناز کرے گی، ایک مولانا غنی کشمیری ہین، تعجب ہے کہ علامہ شبلی نعمانیؒ نے جہان ابو طالب کلیم کا تذکرہ کیا ہے، وہان ان کے ہمسر اور ہمعصر ملا محمد طاہر غنی کی طرف توجہ نہین فرمائی، اسکی وجہ یا تو یہ ہوسکتی ہے، کہ غنی کسی نئی طرز کے موجد نہ تھے یا یہ کہ ان کا کسی دربار سے تعلق نہ تھا، وجہ کچھ بھی ہی، اس سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا کہ وہ اس قابل ضرور ہین کہ دنیا کو ان سے اور ان کے کلام سے روشناس کیا جاے،

جیسا کہ عام طور پر فارسی شعرا کے سوانح حیات کا حال ہے، مولانا غنی کے حالات زندگی بھی مفصل معلوم نہین، تذکرہ نویس اپنی عادت کے موافق بجز دو چار مدحیہ جملون کے اور کچھ نہین لکھتے، شاعر کے اخلاق و عادات، خط و خال، خواطر و تفردات، ایسی چیزین ہین جنسے ان کو سروکار نہین ہوتا، غنی اس کلیہ سے کب مستثنیٰ ہو سکتے تھے، چنانچہ ان کی تاریخ تولد، والد کا نام، خاندانی حالات، طرز معاش، وغیرہ تک تاریکی مین ہین،

ابتدائی حالات ع اتذکرہ وسیع انجمن مرتبہ نواب صدیق حسن خان مین صرف اتنا لکھا ہے :-

"غنی کشمیری از قبیلہ اسئی است"

تذکرہ نویس تو خیر ان باتون کو غیر ضروری سمجھتے ہین، افسوس تو یہ ہے کہ خود مولانا نے بھی اپنے ابتدائی حالات کا صراحتہً یا کنایتہً کہین ذکر نہین کیا، اتنا مسلم ہے، کہ کشمیر کے رہنے والے تھے، اور ۱۰۷۹ھ[1] مین وفات پائی، ڈاکٹر ریو فرماتے ہین[2] کہ غنی نے عالم شباب مین انتقال کیا، ان کا یہ قول غالبًا مرزا محمد افضل سرخوش کے بیان پر مبنی ہے[3] جسکی اصلی عبارت یہ ہے،

"امامرغ روحش درعین شباب بسرپنجہ شاہین اجل گرفتار گردید"

مگر مجھے اس سے اختلاف ہے اور اس کے دو وجوہ ہین،

(۱) غنی اپنے اشعار مین متعدد جگہ اپنی پیری کا ذکر کرتے ہین، اور نہایت صریح طور پر، ملاحظہ ہو،

(۱) زپیری چنان گشتہ ام ناتوان — کہ دندان بجنبد جائے زبان

(۲) ریخت دندان زدہن رفت جوانی برباد — آہ ازین ژالہ کہ در مزرع بختم افتاد

(۳) از ضعف پیری است مرا تکیہ چون عصا — گردم ہنوز ہرزہ چون طفلان نے سوار

(۴) زپیری ریخت دندانم ندارم تن بیاد حق — بازی آخر این تسبیح چون اطفال گم کردم

(۵) موئے سر کردم سفید اما خیالت در سر است — اخگر پنہان تہ این تودۂ خاکستر است

(ب) غنی کو ضعف اعضا کی بیحد شکایت تھی، درد بھی لاحق تھا اور وہ اس سے اسقدر تنگ آگئے تھے کہ دعا کرتے تھے، "باشد اے کاش عمر کوتاہ مرا" انھون نے خود اس ضعف کی مفصل کیفیت بیان کی ہے فرماتے ہین:-

قوت رفتار دارم با وجود ضعف پا — چون قدم در رہ گذارم میرود پایم ز جا

پشت پا گردید خم افزود ضعف تن مرا — گرچہ محکم می شود چون رشتہ میگردد دوتا

---

[1] دیوان منتخب سراج مین بھی سنہ وفات ۱۰۷۹ھ اور دیباچہ [2] فہرست کتب فارسیہ محفوظ حوزۂ برٹیانیہ صفحہ ۶۲۱ [3] دیوان غنی مطبوعہ نولکشور صفحہ ۱۶

گر چنین از درد اعضا خشک گردد پیکرم — می شود انگشت پایم رفتہ رفتہ خارِ پا
در علاجِ درد اعضا سخت حیران ماندہ ام — کاش میکردم زحیرت یکنفس گم دست و پا
گشتن از پہلو بہ پہلوئے دگر معراج ماست — نردبانے بہر ما گر دید نقش بوریا
بسکہ در اعضائے ما افتاد از خشکی شکست — ہر رگِ ما گشتہ موے کاسۂ زانوئے ما

میرے اعضا اس قدر شکستہ ہو گئے ہین کہ ہر رگِ زانو ایسی معلوم دیتی ہے جیسے کاسۂ چینی مین بال آگیا ہو، شعر مین لطیف ابہام ہے، جب چینی مین بال آجائے تو وہ ٹوٹ جاتی ہے ع ہو بے صدا وہ چینی جس مین کہ بال آیا،

قوت جذب پر کاہے بدست ما نماند — کاش بودے استخوانِ دست ما از کہربا
روزگارے معنیِ لغزش نہ فہمیدم کہ چیست — عاقبت افتاد این معنی مرا در پیش پا
لشکرِ ضعف ار بناز د بر سرِ من باک نیست — می گریزم لنگ لنگان در پناہِ مصطفےٰ
قصہ در مدت ندارد ہیچ پایانے غنی — تا بکے پیشِ طبیبان سر کنی این ماجرا

ایک رباعی مین فرماتے ہین،

دارم درد ے کہ ہست جانکاہ مرا — باشد اے کاش عمر کوتاہ مرا
ہر چند کہ نیست مہلک این درد ے — دایم تا مرگ است ہمراہ مرا

غنی کی نحیف البدنی کا یہ حال تھا کہ "از پیکر ہیولائیش پوستے و استخوانے ماندہ بود"[1] "عین شباب" مین اعضا کا اس قدر ضعیف ہو جانا مستبعد ضرور ہے، اور خاصکر جب پیری کا صریح ذکر موجود ہو، تو صرف یہی نتیجہ نکل سکتا ہے کہ مولانا نے عالمِ شباب مین نہین بلکہ عالمِ شیب مین وفات پائی،

تعلیم تحصیلِ علم کا ان کو نہایت شوق تھا[2]، اور علوم مروجہ مین کمال حاصل کیا تھا، مولانا کا خطاب

[1] تمہید دیوان غنی مطبوعہ نولکشور ص ۵ م [2] سرخوش کلمات الشعرا قلمی نسخہ،

اسی بات پر دال ہے، شاعری تو ان کے نزدیک ایک ثانوی چیز تھی، تمہید دیوان مین[1] [illegible]
"علم را لقاب عرفان ساختہ شعرش پردہ داری ہر دومی نمود و معارف حقیقی در لباس علوم رسمی رو پوش می ساخت"

اس بیان کی تصدیق وہ خود بھی فرماتے ہین ؎

زشعر من شدہ پوشیدہ فضل و دانش من چون میوہ کہ بماند زیر برگ نہان

ابدائے سخن گوئی | مرزا محمد افضل سرخوش کلمات الشعرا مین لکھتے ہین "تاریخ شعر گفتن او از لفظ غنی برمی آید"
اگر یہ صحیح مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا، کہ مولانا نے ۱۰۱۰ھ مین شاعری شروع کی، ابوطالب کلیم ۱۰۶۱ھ مین مرے ہین، غنی نے تاریخ کہی ہے،

"طور معنی بود روشن از کلیم"

یہ مسلم ہے، کہ کلیم مولانا کے رفقا مین سے تھے، علامہ شبلی[2] ایک جگہ ضمناً لکھتے ہین[3] کہ "یہ تینون شاعر (کلیم، صائب اور غنی) کشمیر مین مدت تک ہمدم اور ہم قلم رہے، اور باہم مشاعرے رہتے تھے"
اب دیکھئے ۱۰۴۲ھ مین ظفر خان احسن کشمیر کی صوبہ داری پر فائز ہوا ہے، اور مرزا صائب اس کے ساتھ کشمیر آئے ہین، اور وہان سے ہوتے ہوئے باپ کے ساتھ وطن کو واپس چلے گئے ہین[4] علامہ شبلی[5] فرماتے ہین[6] کہ "مرزا نے اخیر زندگی تک ایران سے قدم باہر نہین نکالا، ضرور ہے کہ ان حالات کے ہوتے ہوئے، ۱۰۴۲ھ ہی مین غنی سے ملاقات ہوئی ہوگی، اور کچھ مدت ہم صحبتی کا لطف رہا ہوگا، کلیم کی وفات پر غنی نے جو قطعۂ تاریخ لکھا ہے، اس مین ایک شعر ہے، ؎

عمرہا در یاد او زیر زمین
خاک بر سر کرد قدسی و سلیم

---

[1] ص ۴ [2] شعر العجم ج ۲ ص ۱۹۸ [3] ایضاً ص ۱۷۵ [4] ایضاً،

حاجی جان محمد قدسی اور علی قلی سلیم دونون مولانا کے زمرۂ احباب مین داخل تھے[1]، اور مسلّمہ طور پر ۱۰۶۱ھ سے پہلے فوت ہوئے، کلیم بھی ۱۰۵۵ھ مین کشمیر مین تھا[2]، یہ ممکن نہین کہ ان تمام باکمال شعرا کی ہم صحبتی کے باوجود غنی سخن سنجی کی طرف ملتفت نہ ہوئے ہون، مگر دفعتہً ۱۰۶۱ھ ہی مین بالکل بیساختہ طور پر غنی تخلص اختیار کرکے شاعری شروع کر دی ہو، اس بات کا واضح ثبوت کہ مولانا غنی ۱۰۶۱ھ سے بھی پہلے شاعری کرتے تھے ان کے اس شعر سے حاصل ہوتا ہے،

گلشن کشمیر را امسال شادابی کم است　　گر گل ابرے نمایان است آن ہم بے نم است

یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ ۱۰۵۵ھ مین کشمیر پر قحط کا سخت حملہ ہوا ہے، اس وقت تربیت خان حاکم کشمیر تھا، مولانا غنی بداہتہً اسی قحط کی طرف اشارہ کرتے ہین، دیوان مین ایک قطعہ ہے جس سے الٰہی شاعر کی تاریخ وفات ۱۰۵۲ھ برآمد ہوتی ہے اس مین تخلص طاہر دیا ہے،

گفت تاریخ وفاتش طاہر　　برد الٰہی زجہان گوئے سخن

قیاس ہوسکتا ہے، کہ ممکن ہے شروع مین طاہر تخلص کرتے ہون اور بعد مین غنی اختیار کیا ہو، اور وہ حسن اتفاق سے ۱۰۶۱ھ مین، اس پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ دیوان مین بجز اس قطعہ کے اور کوئی غزل یا فرد نہین جس مین طاہر آتا ہو، یہ درست ہے، مگر دیوان مین متعدد غزلین ایسی ہین جنمین مقطع نہین دیا گیا اور غیر منسلکہ اشعار مین بھی صرف معدودے چند تخلص کے حامل ہین، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ہر ردیف مین صرف پانچ سات غزلین مکمل ملتی ہین، اور ردیف اول کے ۴۷ غیر منسلکہ اشعار مین صرف دو ہین جنمین تخلص ہے، اس کے ساتھ یہ بھی قابل غور ہے کہ کہا جاتا ہے[3]، غنی نے اپنے اشعار مین سے ایک بیاض مرتب کرلی تھی، اور باقی تلف کر دیئے تھے، اگر یہ صحیح ہو تو اغلب ہے کہ انھون نے ابتدائی اشعار ہی ضائع کئے ہونگے، بہرحال یہ بات وثوق سے نہین کہی جاسکتی، یہ ایک نظریہ ہے

[1] بانکی پور کیٹلاگ نمبر ۲۳۴۱، [2] شعر العجم ج ۳ ص ۱۸۸، [3] میر حسین دوست سنبھلی تذکرۂ حسینی تتمۂ دیوان غنی ص ۱۴۲،

سفر | نواب صدیق حسن خان کے اس فقرہ سے کہ "مدت العمر در شہر خویش گذرانید" معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے کبھی کوئی سفر اختیار نہین کیا، ممکن ہے وہ سفر کو ناپسند کرتے ہون، کیونکہ فرماتے ہین، ؎

سفر چگونہ کنم ز آستانہ خویش — کہ ہیچ مردم چشم بقید خانہ خویش

مگر یہ صحیح نہین کہ تمام عمر کہین نہین گئے، وہ خود ایک رباعی مین کشمیر سے دور ہونے کا کنایۃً ذکر کرتے ہین،

کردہ است ہوائے ہند دلگیر مرا — ای بخت رسان بباغ کشمیر مرا
گشتم ز حرارت غریبی بے تاب — از صبح وطن بدہ طبا شیر مرا

احباب | غنی نے تمام عمر گوشۂ عزلت مین بسر کی، علامہ اقبال فرماتے ہین، ع

"چو اندر سرا بود در بستہ داشت"

تمہید دیوان مین ہے کہ "بجز معنی یگانہ با ہیچکس آشنائی نمی کرد"

شاید یہی وجہ ہے، کہ ان کے دیوان مین ان کے دوستون کا کوئی ذکر موجود نہین، بلکہ وہ خود ان کے عدم حصول کے شاکی ہین ؎

کردم ہر چند جستجو در عالم، — یاران موافق بہ جہان دیدم کم
افسوس کہ ہیچو مُہرہائے شطرنج — یک رنگ نیند ہم نشینان باہم

تاہم اس کے بھی معترف ہین کہ دنیا مین صحبت و اختلاط ناگزیر ہے، ؎

کس راز دام صحبت مردم نجات نیست — عنقاست گوشہ گیر غنی در زمان ما

پہلے آچکا ہے، کہ قدسی، سلیم، صائب، ان کے رفقا مین سے تھے، کلیم اور امیر الامرا اسلام خان سے تو خاص انس تھا، ان کی تاریخ وفات کہی ہے اور جس خلوص کے ساتھ کہی ہے اسکا اندازہ ان اشعار سے ہو سکتا ہے،

قطعہ تاریخ وفات ابو طالب کلیم

حیف کز دیوار این گلشن برید — طالبا آن بلبل باغ نعیم

اشک حسرت چون نمی ریزد قلم — شد سخن از مردن طالب یتیم
هر دم از شوقش دل اہل سخن — چون زبان خامہ میگردد دو نیم
عمرہا در یاد او زیر زمین — خاک بر سر کرد قدسی و سلیم
عاقبت از اشتیاق یک دگر — گشتہ اند این ہر سہ در یکجا مقیم
گفت تاریخ وفات او غنی — طور معنی بود روشن از کلیم

امیر الامرا اسلام خان۔

حیف کز فوت قدوۂ امرا — بہ سپر داغ شد نصیب سیاہ
دور زان آفتاب اوج کمال — مردمک شد ز گریہ ابر سیاہ
شد نفس نالہ در گلو ما را — ہیچ نے، زین مصیبت جانکاہ
جست این مصرع از زبان غنی — مرد اسلام خان و الا جاہ

اہل و عیال | مولانا دنیاوی تعلقات سے بالکل آزاد تھے، ان کے اہل و عیال کے متعلق تذکرہ نویس تو عادۃً خاموش ہین، ان کے اشعار سے بھی پتہ نہین چلتا، معلوم ہوتا ہے، انھون نے شادی نہین کی اور تجرد مین ہی زندگی بسر کرتے رہے،

مذہب | اگرچہ صوفیانہ خیالات بھی دیوان مین موجود ہین، اور امام حسینؓ کی تعریف مین بھی یہ شعر ہے،

کسے بدور جز اسر خرد تواند شد — کہ خاکپای شہیدان کربلا باشد

مگر ذیل کے شعر سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے، کہ غنی اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتے ہین،

دفع شد وسواس خاطر از نماز باحضور — ما بدست بستہ واکردیم قفل بستہ را

دست بستہ سے اشارۃً یہ ثابت ہوتا ہے،

اخلاق و عادات | مولانا محمد طاہر غنی کو مبدء فیاض سے طبیعت بھی غنی کرامت ہوئی تھی، وہ استغنا کی اس

بلند سطح پر پہنچے ہوئے تھے، جہان ان کی نگاہ مین دنیوی جاہ و احتشام کی کوئی وقعت نہین رہی تھی، نصیرآبادی کے الفاظ مین "..... درکمال بے تعلقی بودہ چشم برزخارف دنیا کہ در نظر عارف قدر برگ کاہے ندارد نکشودہ و بعلت آن غنی معنوی ہم بود"

صاحب شمع انجمن اس کی تصدیق یون کرتے ہین، "بمقتضائے طبعی مجبول بود، با وصف بے دستگاہی بحضور خاطر بسری برد، ازین جاست کہ غنی تخلص می کند"

عہد شاہجہانی کے پرتکلف تمدن مین جب کہ ساز عشرت کی صدائین فضائے ہند کو معمور کر رہی تھین اور وہ خواب آور نغمے کاہلی اور تنعم پرستی کا ایسا جذبہ پیدا کر رہے تھے، جسے حضرت عالمگیرؒ دیکھ کر تھرا اُٹھے اور اس قحط الرجال کے زمانہ مین جب کہ مردانگی کے اوصاف مفقود ہو چلے تھے، ایسے شخص کا پیدا ہونا جو صبر و استقلال، ایثار و استغنا کا نمونہ قائم کر دے کچھ کم تعجب انگیز نہین استغنا کا یہ حال تھا، کہ صاحب مشاہیر کشمیر لکھتے ہین کہ مولانا نے اپنے رہنے کے لیے ایک چھوٹا سا کمرہ منتخب کر رکھا تھا، مگر جب اندر ہوتے تو دروازہ بند کر دیا کرتے اور جب باہر تشریف لیجاتے تو کواڑ کھلے رکھتے، ایک دوست نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ متاع دوکان تو مین ہون، جب مین نہ ہون تو دروازہ بند کرنا بے سود ہے، علامہ اقبال اسی واقعہ کو نظم کرتے ہوئے لکھتے ہین[۲]:-

غنی آن سخن گوئے بلبل صفیر	نوا سنج کشمیر مینو نظیر
چو ن اندر سرا بود دربستہ داشت	چو رفت از سر تختہ را واگذاشت
یکے گفتش اے شاعر دلرسے	عجب دارد از کار تو ہر کسے
بپاسخ چہ خوش گفت مرد فقیر	فقیرم و با قسلیم معنی امیر
زمن آنچہ دیدند یاران رواست	درین خانہ جز من متاعے کجا است

[۱] قلمی نسخہ، [۲] پیام مشرق صفحہ ۱۲۰،

غنی تا نشیند بہ کاشانہ اش — متاعِ گرانے است در خانہ اش
چو آن محفل افروز در خانہ نیست — تہی تر ازین ہیچ کاشانہ نیست

اپنے استغنا کا ذکر وہ خود ان الفاظ مین کرتے ہین،

دائم جوانم از مددِ ہمتِ بلند — یعنی زبار منت کس خم نگشتہ ایم
ہر کہ چون من زد قدم در راہ استغنا غنی — اطلسِ گردون بپائے ہمتش پاتابہ است
لب سوال غنی پیش ممکان مکشا — کہ ترسم از دہنت نقمہ زبان گیرند

مولانا نے ہمیشہ اپنے آپ کو اربابِ دولت و ثروت سے بے نیاز رکھا، وہ پیٹ کی خاطر کسی امیر یا بادشاہ کی چوکھٹ پر ناصیہ فرسائی کرنا ذلت سمجھتے[1] تھے، فرماتے ہین، ؎

غنی از نیک نامی زر نہ گیرد — کہ نامِ زر گرفتن ہم گدائی است
سمی روزی برنمیدارد مرا از جائے خویش — آبرو چون شمع می ریزم بدریائے خویش

صلۂ شعر کے قبول کرنے سے انھین عار تھا، ؎

چرا غنی صلۂ شعر از کسے گیرد — ہمین بس است کہ شعرش گرفت عالم را

اسی بنا پر انھون نے تمام عمر فقر و فاقہ مین بسر کی اور کبھی ملول خاطر نہ ہوئے، اور اس بے دستگاہی مین کمالِ جمعیتِ خاطر سے دن گذارتے رہے، انھون نے اپنا اطمینان اس شعر مین ظاہر کیا ہے، ؎

ما بفقر و فاقہ خورسندیم ہمچو آسیا — گر رسد روزی غبار خاطرِ ما می شود

مولانا کی متوسع شخصیت، ان کی علو ہمتی، اور خود داری ایسی نہ تھی کہ لوگ اس سے متاثر نہ ہوتے عوام تو کیا خواص بھی ان کا ادب کرتے تھے، خود حاکم کشمیر نہایت تعظیم سے پیش آتا تھا، مگر مولانا کی آزاد

[1] تاریخ حدیہ مین یہ بے بنیاد الزام لگایا گیا ہے کہ سنہ ۲۵ جلوس مین غنی نے شاہ جہان کی خدمت مین قصیدہ پیش کیا اور ہزار روپیہ انعام پایا اس مین مصنف کو سہو ہوا ہے وہ شاعر فرد غنی تھا نہ کہ غنی،

طبیعت ان کے احترامات اور تکلفات کی گرانباری کی کب متحمل ہوسکتی تھی، وہ اس سے تنگ آگئے تھے، جھنجلا کر فرماتے ہین، ؎

از تواضعہائے مردم سخت حیرانم غنی ہرکرمی افتد بپایم کندۂ ما می شود

روایات | مولانا کی شخصیت کے اردگرد بھی بہت سی روایات جمع ہوگئی ہین، تذکرون مین ایسے قصے عام طور پر تفریح کے لیے درج کئے جاتے ہین، مگر بہت کم حقیقت پر مبنی ہوتے ہین، ہم مولانا کے متعلق دو روایات لکھین گے، ان کے متعلق مشہور[1] ہے کہ شاہ ہند نے سیف خان حاکم کشمیر کو لکھا کہ غنی کو ہماری خدمت مین دہلی روانہ کردو، سیف خان نے غنی کو بادشاہ کا پیغام دیا، تو انھون نے جانے سے انکار کردیا اور کہا کہ لکھ دو غنی دیوانہ ہوگیا ہے، سیف خان نے کہا کہ بھلا ایک فرزانہ کو دیوانہ کس طرح لکھ سکتا ہون، غنی دفعۃً دیوانہ وار دربار سے نکل کھڑے ہوئے، اور تین دن کے بعد مرگئے، قصہ کا وجود شاہ ہند کے پیغام پر منحصر ہے، اور ثابت کرنا مقصود ہے، کہ غنی شاہی درباروں سے بے نیاز تھے، شاہ ہند کے نام کی تصریح کہین نہین، شاہ جہان نہین ہوسکتا، کیونکہ جب غنی فوت ہوئے ہین تو حضرت اورنگ زیب عالمگیرؒ سریر آرائے سلطنت تھے، اب دیکھئے مولانا شاہی فرمان کے تین دن بعد فوت ہوئے ہین، تو گویا حضرت عالمگیرؒ ہی کا فرمان گیا ہوگا، اب یہ قریباً ناممکن ہے، کیونکہ بقول علامہ شبلی نعمانیؒ عالمگیر کے "زہد خشک" نے تو شاعری کا چراغ ہی گل کردیا[2]،

(۲) میر حسین دوست سنبھلی "تذکرۂ حسینی" مین فرماتے ہین،

"مرزا صائب این بیتش را شنیدہ عزیمت کشمیر نمودہ" شعر

موئے میان تو شدہ کرالپن کرد جدا کاسۂ سر ہا ز تن

پرسید کہ کرالپن گرنام رشتہ ایست کہ کوزہ گران کاسہ را چرخ جدا می سازند، گفت بلے، غنی دیوان خود را

---

[1] بانکی پور کیٹلاگ نمبر ۳۲۴، اوذ براکیٹلاگ مرتبہ اشرف، بحوالہ "غنی" [2] شعر العجم ج ۳ ص ۱۷۱،

کہ از یک بیت برگزیدہ بود، و دو ہزار بیت بیاض نگاشتہ و باقی را باب دادہ بود، پیش مرزا گذاشت، میرزا از مطالعۂ آن نہایت محظوظ شد، خصوصاً بر بیتے حسرتہا خوردہ گفت کہ کاش کہ این ہمہ کہ در تمام عمر گفتہ ام باین کشمیری می دادم و او این یک بیت حوالۂ من می کرد، بیت

حسن سبزے بخط سبز مرا کرد اسیر دام ہمرنگ زمین بود گرفتار شدم

یہ روایت بہت کچھ حقیقت پر مبنی ہے، مگر یہ درست نہین کہ مرزا صائب محض غنی کی ملاقات کیلئے ایران سے چل کر آئے، پہلے آچکا ہے کہ مرزا ۱۰۴۲ھ مین کشمیر گئے اور وہان سے ہوتے ہوئے وطن کو واپس چلے گئے، اور پھر انھون نے اخیر زندگی تک، ایران سے باہر قدم نہین نکالا[1]، البتہ اتنا ضرور ہے، کہ "چون کسبے پیدا از ہند دار دایران می شد، مرزا صائب می فرمود کہ برائے ماتحفہ از ہند آوردہ و آن عبارت است از اشعار غنی

دیوان | کہا جاتا ہے کہ مولانا نے ایک لاکھ سے زیادہ اشعار لکھے تھے، مگر ہم تک صرف دو ہزار کے قریب اشعار پہنچے ہین اور بقول سپرنگر والہ داغستانی (صاحب ریاض الشعرا) نے بھی ان کے دو ہزار اشعار دیکھے تھے، تمام تذکرہ نویس اس بات پر متفق ہین، کہ انکا دیوان مرزا محمد علی ماہر نے ترتیب دیا، مگر مطبوعہ دیوان کے دیباچہ مین یہ عبارت ہے "اما بعد مسلم مجرم بعرض میرساند..... چون این کج مج زبان بجناب آن مغفور نسبت شاگردی داشت..... خواستم باتفاق..... سر حلقہ شاگردان رسید ملک شہید بتدوین دیوان حق شاگردی بتقدیم رسانم"

معلوم نہین یہ مسلم کون ہین، قرائن سے مقدم الذکر بیان زیادہ قابلِ اعتبار معلوم ہوتا ہے، البتہ یہ ممکن ہے کہ مسلم نے ماہر کے مدون دیوان کو از سر نو ترتیب دیا ہو،

مطبوعہ دیوان مین دو ہزار کے قریب اشعار ہین، جو فرد، قطعات، رباعیات پر مشتمل ہین، دیوان کے قلمی نسخے بھی نایاب نہین برٹش میوزیم کا نسخہ (علامت Or 300) اٹھارہوین صدی کے شق اوّل کا لکھا ہوا ہے، خط شکستہ آمیز ہے، اور متن خاصہ صحیح ہے، کیمبرج لائبریری مین چار

[1] شعرالعجم ج ۳ ص ۵، [2] سراج الدین علیخان آرزو مجمع النفائس،

نسخے موجود ہین، انڈیا آفس، بانکی پور، دیوان ہند اور شاہان اودھ کے علمی خزانے بھی اس قیمتی چیز سے خالی نہین،

دیوان مین مکمل غزلیات کی نسبت فرد اور قطعات بہت زیادہ ہین، اور ایک نظر دیکھنے پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مختلف اللون جواہر ریزے بلا نظم و ترتیب کہین کہین سے چنکر یکجا کر دیئے گئے ہین اور درحقیقت ایسا ہی ہے، مولانا کی زندگی مین تو ان کے اشعار بے ترتیب ہی رہے، ان کی وفات کے بعد ان کے شاگردون اور دوستون نے مختلف سفینون سے جمع کر کے دیوان مین منضبط کر دیئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض شعر الحاقی آگئے اور بعض اصلی شعر اور لوگون کے ملک مین چلے گئے، مولانا کو اپنی زندگی مین بھی اس بات کی شکایت تھی، ؎

یاران بردند شعر ما را افسوس کہ نام ما نبردند

اور وہ غزل جس پر صائب نے تضمین کی ہے، ؎

درجواب آن غزل صائب کہ می گوید غنی

یاد ایامے کہ دیگر شوق ما سر پوش داشت

مطبوعہ دیوان مین نہین ہے،

نٹشے

مشہور جرمن فلاسفر فریڈرک نٹشے کی سوانحعمری اور اس کے خیالات، افکار، اور تصانیف پر بحث و تبصرہ مصنف پروفیسر سید مظفر الدین ندوی ایم اے، اس کتاب کو مصنف نے چار ابواب پر تقسیم کیا ہے، پہلے باب مین اس کے سوانح اور تصنیفات کا حال ہے، باقی تین ابواب مین خیر و شر، مسیحیت، اور آئندہ سپرمین (فوق البشر) پر اس کے خیالات اور نظریون کی تشریح، قیمت عمر

پرنس کائتانی کی ایطالی تواریخ اسلام

کا

مقدمہ

مترجمہ:- شیخ عنایت اللہ صاحب ایم اے، معلم عربی گورنمنٹ کالج جھنگ

اطالیہ کے مشہور مستشرق نے جو ایک طرف علوم مشرقیہ کا عالم اور دوسری طرف خاندانی امیر و نواب ہے، اس بیسویں صدی عیسوی کے آغاز سے ایطالی زبان مین ایک ضخیم اسلامی تاریخ کی تالیف مین مصروف ہے جسکی متعدد جلدین شائع ہو چکی ہین، اس کتاب کا مختصر تذکرہ معارف کے کسی نمبر مین گذر چکا ہے، اس کی شہرت مشرق و مغرب دونون مین پھیل چکی ہے، اس کتاب کا موضوع یہ ہے کہ ہر واقعہ کے متعلق بہ ترتیب سنین، مستند مورخین اسلام کے بیانات نقلی ترجمہ کے ساتھ ایطالی زبان مین یکجا کر دیا جائے، اور ساتھ ہی ساتھ اس کے متعلق حواشی اور تبصرے، ذیل مین لکھے جائین، اس کتاب سے مؤلف کی تاریخ اسلام پر بے انتہا وسیع النظری ثابت ہوتی ہے،

اس کتاب کی اہمیت کے تذکرے لائق فضلائے یورپ کی زبان سے اب تک سنتے چلے آئے تھے، اور اسکی عمدگی و خوبی کا نقش دل پر بیٹھ چکا تھا کہ خبر معلوم ہوئی کہ اس کا ترجمہ ترکی زبان مین شروع ہو گیا ہے، اس ترکی ترجمہ کا ایک نسخہ دیار عرب مین بھی پہنچا، وہان سے ایک صاحب بصیرت نے اوس کو پڑھکر لکھا، کہ "پرنس کائتانی کی تواریخ الاسلام طبل بلند بانگ، اور ہیچ باطن ثابت ہوئی، مغرب چاہے اسکی جتنی قدر کرے، مگر مشرق کی داد کی یہ مستحق نہین"، اسی زمانہ مین معارف مین کسی عربی رسالہ کے

واسطہ معارف مین اس پر ایک تبصرہ شائع ہوا، اس کو پڑھکر ہمارے عزیز دوست شیخ عنایت اللہ صاحب ایم اے نے لکھا کہ "مین اس کتاب کا اردو ترجمہ کرنا چاہتا ہون"۔ ہمین پہلے تو تعجب ہوا کہ کیا ہمارے نوجوان انگریزی خوانون مین کسی کو تاریخ اسلام سے بھی ایسی دلچسپی ہے، اور اس سے زیادہ تعجب یہ ہوا کہ کیا کوئی ہم مین ایطالی زبان کا جاننے والا بھی موجود ہے، مگر جیسا کہ شیخ صاحب کے تذکرہ مین پہلے لکھا جا چکا ہے، انھون نے اپنی تعلیمی تاریخ سنا کر ہماری حیرت کو دور کر دیا،

موصوف نے پرنس کائتانی کی کتاب کا مقدمہ ہمارے پاس بھیجا ہے، اوسکو پڑھکر معلوم ہوگا کہ ہمارے بڑے سے بڑے مستشرق کو اسلام کی تاریخ اور علوم کی طرف توجہ کن جذبات اور دلولون کا نتیجہ ہے، پہلے ہی باب مین اون کے خیالات بے حجاب ہوکر سامنے آجاتے ہین، بہرحال یہ مقدمہ ہم مسلمانون کے پڑھنے کے لائق ہے، یہ مقدمہ چھ فصلون پر منقسم ہے جو بہ ترتیب آپکے پیش نظر ہونگی، (معارف)

فصل اوّل

چھٹی صدی مسیحی اور ساتوین کے آغاز مین سلطنت بزنطینی کی مضطرب تاریخ سے کوئی علامت ان عظیم الشان واقعات کی بطور پیش خیمہ کے ظاہر نہین ہوتی جو ساتوین صدی کے وسط مین ایشیا کو تہ و بالا کرنے والے تھے، کسی کو سان و گمان نہ تھا کہ تاریخ عالم مین ایک جدید طاقتور عنصر ظہور مین آنے والا ہے، جس کے وجود سے تمام لوگ اخیر وقت تک بیخبر رہے،

عربون کے ناگہانی ظہور اور ان کی سریع ترقی نے چند سالون مین تمام مشرق کی ہیئت و صورت کو بدل دیا، یونانی اور ایرانی جنکو ایک عرصۂ دراز کے اخلاقی، سیاسی اور فوجی انحطاط نے ذلیل و خراب حال اور لامتناہی جنگون نے کمزور کر دیا تھا، ان نئے دشمنون کے بڑھتے ہوئے سیلاب کی تاب مقاومت نہ لاسکے، یہ واقعات اس قدر سرعت کیساتھ ظہور مین آئے کہ پیشتر اس کے کہ اس عہد کے لوگ ان لاعلاج

اور ناقابل تلافی نقصانات کی ماہیت کو سمجھین جو انھین پہنچے تھے، یونانی جیل طارس کے پار دھکیل دیئے گئے تھے، اور سلطنت ایران صفحۂ تاریخ سے مٹ چکی تھی، یونانی اپنے پایۂ تخت بزنطین مین لرزہ برتن، قوی ہیکل ایرانی دیو کو گرتے دیکھ رہے تھے، لہذا انھین نہ صرف اپنی شکست سے بلکہ جس سرعت سے ساسانی سلطنت خاک مین ملگئی، اپنے حریف کی طاقت کا اندازہ لگانے کے لیے کافی فرصت تھی، یونانیون نے سلطنت ایران کے برخلاف صدیون تک اپنا بہترین خون بہایا تھا، مگر انھین چند ان قابل لحاظ فتوحات حاصل نہ ہوئین، اس کے برعکس عربون کی نئی اور وحشی قوم کو دیکھو جسکو اس وقت تک کوئی جانتا نہ تھا، ان بدویون نے اچانک اپنے دشوار گذار صحراؤن سے نکلکر چند وارے نیارے کی لڑائیون مین بڑے کشت و خون کے بعد اس سلطنت کو شکست دی اور دس سال سے کم مدت مین اسکو ہمیشہ کے لیے صفحۂ ہستی سے محو کر دیا، چند سالون کے بعد یہی وحشی بے شمار تعداد مین خود قسطنطنیہ کی دیوارون کے نیچے نمودار ہوئے اور اگر وہ پسپا ہوئے تو ان کی پسپائی یقیناً بزنطینی پایۂ تخت کے محافظین کی شجاعت کی وجہ سے نہ تھی،

اگر آج ہمارے لیے یہ بات معلوم کرنا ممکن ہو کہ ان دور دراز نسلون کے دلون مین کیا کچھ گذرا تو ہم بلاشبہہ ان پر اسی قسم کا استعجاب اور خوف و ہراس مسلط دیکھینگے جو اس شخص پر طاری ہوتا ہے جو اپنے بدن کے جزء اعظم کو آگ کے شعلون مین قاہو تے دیکھتا ہے، اور خوف کھاتا ہے کہ باقی تمام جسم کا بھی یہی انجام ہونے والا ہے، جنگل کی آگ کے مانند جس کے شعلے جہان کہین پہنچتے ہین نئی خوراک حاصل کرتے ہین، اس آگ نے جو عرب مین مشتعل ہوئی، چند سالون کی قلیل مدت مین تمام دنیا کو بحر اطلانتک کے سواحل سے ہند کے تپتے ہوئے میدانون تک طے کر ڈالا اور تمام دنیا پر چھا جانے اور اس کو بھسم کر دینے کی دھمکی دی،،

حیرت و استعجاب کے وہ جذبات جو ان ناگہانی واقعات سے جنکی نظیر دنیا کی تاریخ مین تقریباً ناپید ہے، اتنی صدیون بعد ہمارے دل مین پیدا ہوتے ہین، یقین ہے کہ خلفاء اولین کے ہمعصرون

نے ان کو بہت زیادہ محسوس کیا ہوگا، کیا شاید انھین اس بات کا علم تھا کہ دشمن قبائل کی نقل و حرکت کو کوئی چیز نہین روک سکتی؟ بوجہ اپنی انتہائی کمزوری کے عیسائی اقوام اس ہیبت ناک آتش زدگی کے بالمقابل بے حس و حرکت اور بے دست و پا کھڑی رہین، ان سے کچھ نہ بن آیا، بلکہ انھین کچھ کرنے کی جرأت تک نہ ہوئی، کسی مین اس آگ کے روکنے کی طاقت نہ تھی، جب یہ فرد ہوئی تو اس کا فرد ہونا بیرونی مزاحمت کی وجہ سے نہ تھا، بلکہ محض اس وجہ سے کہ اس کا اندرونی زور ختم ہو چکا تھا، صرف اس وقت عیسائی اقوام کو اپنی مصیبت کی بے پایانی کو سمجھنے اور بازیافت کے لیے سعی کرنے کی فرصت اور مہلت ملی یونانیون کی سستی اور بزنطینی قیاصرہ کی کمزوری کی وجہ سے عیسائیت کئی آباد صوبے اور لاکھون پیرو کھو چکی تھی، جنکی تعداد شاید کل پیروان دین مسیح کی ایک تہائی سے زیادہ تھی، خود دین مسیح کا گہوارہ بیدینون کے قبضہ مین تھا، یہ مصیبت کبریٰ ہلاکت آفرین تھی جس کا مداوا کسی سے نہ ہو سکتا تھا، اگرچہ کھوئے ہوئے املاک اور نفوس کی بازیافت کے لیے جد و جہد اس دن سے لیکر آج تک بند نہین ہوئی اور اب بھی مشرق مین جاری ہے مگر جو فتوحات حاصل ہوئی ہین وہ اس بات کا لحاظ کرتے ہوئے حقیر نظر آتی ہین کہ اسّی برس سے کم عرصہ مین عیسائیت نے کیا کچھ ہاتھ سے دیا، اور تیرہ صدیون کی جد و جہد اور کشمکش کے بعد کیا کچھ واپس لیا ہے، اس ناکامی پر دل و جگر کے جتنے بھی پھپھولے پھوڑے جائین، تھوڑے ہین، مگر ہماری تلخ نوائی اور بھی زیادہ اندوہناک بنجاتی ہے اگر ہم ان فتوحات کو بھی حساب مین لین جو اسلام نے سولھوین اور سترھوین صدی مین حاصل کین اور جنکو عیسائیت نے ابھی جزءاً واپس لیا ہے،

یہ جنگجو بہادر کون تھے؟ کس چیز نے ان کو اپنے بھیانک صحراؤن سے دنیا کی فتح کے لیے باہر نکلنے کی تحریک کی؟ وہ ایسے حیرت انگیز کارنامے سرانجام دینے کے کس طرح قابل ہوئے، انھون نے چند سالون کی مختصر مدت مین جو فتوحات حاصل کین وہ اتنی عظیم الشان اور مکمل کیون ثابت ہوئین، کہ باوجود تیرہ صدیون کی جد و جہد اور ان کے قوی ذرائع و وسائل کے جو ہمارے اعلیٰ تمدن کے قبضۂ تصرف مین ہین،

ہم تہذیب و تمدن اور دین کے اس بڑے دشمن کو پیچھے ڈھکیلنے میں کامیاب نہیں ہوئے؟ شاید ہم میں کوئی نقص ہے درحالیکہ اس کے برعکس ہمارے حریفوں کو کوئی ناقابلِ انکار فوقیت اور فضیلت حاصل ہے جس کی بدولت وہ زبردست چلے آرہے ہیں اور ہم باوجود اپنی ترقیات کے اس کے اثر و نفوذ کو زائل نہیں کر سکے،

ساتویں صدی مسیحی اور اس کے بانی عیسائی اسلام کی فتح و ظفر کی تشریح سے ہرگز آگاہ نہ تھے، تشریح کے یہ معنی تھے کہ انسان کو اپنے نقائص کا علم ہو اور یہ وہ بات ہے جو کبھی کسی قوم کو حاصل نہیں ہوئی، خلفاء اولین کے ہمعصر عیسائیوں نے اپنے آپ سے اس قسم کے سوالات نہیں کئے، انھیں اس بات کا ہم سا علم تھا کہ فاتحین ایک نئے مذہب کے پیرو ہیں، اور یہ کہ وہ دین مسیح کو باطل قرار دیتے ہیں، وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس نئے مذہب کی بنیاد ایک پیغمبر نے رکھی تھی، جو یونانی اور لاطینی پادریوں والی عیسائیت کو منسوخ کرنے کا مدعی تھا، انھوں نے اس مخترع کا نام سنا تھا مگر اس کے نام کا تلفظ ان کے لیے اس قدر مشکل تھا کہ وہ اسے صحت اور درستی کے ساتھ نہیں پکار سکتے تھے، چونکہ نئے مذہب نے اپنے آپ کو تلوار کے زور سے بہت کشت و خون کے بعد پھیلایا تھا اور رومی اور بزنطینی پادریوں والی عیسائیت کو بڑی سختی کے ساتھ رد کیا تھا، اسلیے ان امور کا لازمی نتیجہ تھا کہ اسلام اپنے آپ کو عوام کے ذہنوں میں ایک نہایت خونخوار صورت میں پیش کرے، اور ایک شیطانی دھوکا نظر آئے،

مدافعت کی ضرورت سے مجبور ہو کر عیسائی پادریوں نے جو اس وقت اپنی جاہل قوم پر مسلط تھے، اپنے خوفناک دشمن کو ہر ممکن ذریعہ سے بدنام کرنے کی کوشش کی، ان کی مدت سے خواہش تھی، کہ تمام دنیا کو عیسائی بنایا جائے، مگر اسلام کی عظیم الشان کامیابیاں نہ صرف ان کے لیے سدِ راہ ثابت ہوئیں، بلکہ خود عیسائیت کے وجود کے لیے ایک دائمی خطرہ بن گئیں، یہ خطرہ اس لحاظ سے اور بھی بڑا تھا، کہ عیسائیت ابھی تک دینی مسائل اور سیاسی تفرقوں کے باعث بے نتیجہ داخلی جھگڑوں میں مبتلا تھی، درحالیکہ عیسائی لوگ فرقہ سازی اور الحاد کی مصیبت میں گرفتار ہونے کی وجہ سے دشمن کا یک جہتی کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتے تھے، مسلمان

متفق اور زبردست تھے، اور عیسائیت کے تمام نظام کو یک قلم مردود قرار دیتے تھے، اور کہتے تھے، کہ پادریون والی عیسائیت وہ مذہب نہین ہے جس کی حضرت مسیح نے تعلیم دی تھی بلکہ وہ پادریون اور دیگر شریر لوگون کی ساختہ پرداختہ چیز ہے، اس طرح اسلام وسط ایشیا، ایشیائی کوچک، افریقہ اور ہسپانیہ مین ہر روز نئے پیرو حاصل کر رہا تھا ہر روز مسلمان تعداد مین بڑھتے تھے اور عیسائی گھٹتے تھے، یہ پہلا موقع تھا کہ ایک نئے مذہب نے ظہور کرکے عیسائی مذہب کو از سرتاپا رد کیا اور تمام دنیا کی اقوام کے مذہبی عقیدہ کی بنیادی اصلاح کا بیڑا اٹھایا کسی مذہب نے حتی کہ عیسائیت نے بھی اتنی سریع، مکمل اور پائدار فتوحات حاصل نہین کی تھین، لہذا عیسائی لوگ دین جدید کے بانی کو (نعوذ باللہ) ایک بیرحم فریبی اور شیطان مجسم خیال کرنے لگے جس کا مقصد دنیا کے اکیلے سچے مذہب یعنی عیسائیت کو تباہ کرنا تھا، حضرت محمد (صلعم) ان کے دین اور ان کے جانشینون سے بڑی نفرت کیجانے لگی، اس نفرت کے ساتھ خوف بھی شامل تھا اور جون جون عیسائی لوگ مسلمانون کے ہاتھون زیادہ نقصانات برداشت کرتے گئے اور ان کا خطرہ بڑھتا گیا یہ نفرت بھی زیادہ ہوتی گئی، بجائے اس کے کہ یہ نفرت امتداد زمانہ کے ساتھ کم ہوتی مختلف حالات نے اس کو بیدار اور قائم رکھنے مین حصہ لیا، کیونکہ جب مسلمانون کا اندرونی زور ختم ہوگیا، اور وہ اس قابل نہ رہے کہ عیسائی اقوام کا نقصان کرے اپنی فتوحات کے دائرہ کو وسیع کرین تو اس وقت بھی ایشیائے کوچک اور ہسپانیہ کی دینوی لڑائیون اور بحر المتوسط کے ساحلون پر افریقی قراصین[1] (Corsairs) کی غارت گری نے اس نفرت کو زندہ رکھا اور دین

[1] نقل کفر کفر نہ باشد، ناظرین آئندہ ترجمہ پڑھتے وقت بھی اس اصول کو یاد رکھین، (مترجم) [2] عہد متاخرین کی لاطینی زبان مین (Corsarii) بحری قزاق یا بحری قزاقون کے جہاز کو کہتے ہین، انگریزی لفظ (Corsairs) فرانسیسی (Corsaire) اور ہسپانی (Corsario) اسی سے مشتق ہین عربون نے اسکو ہسپانی سے اخذ کرکے قرصان (جمع قراصین) بنالیا، شمالی افریقہ کے مسلمان بربری قراصین کے پہلو بہ پہلو یورپ کے عیسائی قراصین بھی تھے اسٹینلی لین پول صاحب نے اپنی ایک مستقل تصنیف بربری قراصین کی تاریخ کے لیے وقف کی ہے، (مترجم)

مسیح کے تارکین اور مرتدین کی وجہ سے عیسائی لوگ قدرتی طور پر خائف اور ہراسان رہے،

یہ نفرت جو اختلافِ مذہب و نسل پر مبنی تھی صلیبی جنگون کے زمانہ مین اور بھی زیادہ ہوگئی، ان لڑائیون کے دوران مین عیسائیون نے باوجود ہزارہا جانین صرف کرنے کے محض چند روزہ فتوحات حاصل کین، پرانی نفرت کے ساتھ ان شکستون کی کلفت اور غم وغصہ بھی شامل ہوگیا جو انھون نے ایسے دشمن سے اٹھائی تھین جو اپنی فتح کو اس بات پر بطور حجت اور وجہ ثبوت کے پیش کرتا تھا، کہ حق اسکی جانب پر ہے، مسیح کی مقدس قبر کو چند سالون کی مختصر مدت کے لیے چھڑانے کے لیے لاکھون قیمتی جانون کی بے فائدہ قربانی کی گئی، مگر یروشلم کی ریاست کے زوال کے بعد یہ مقام ہمیشہ کے لیے عیسائیت کے دشمنون کے ہاتھون مین واپس چلا گیا، اور آج بھی وہیں مسلم سپاہی جو عیسائیون کے مقدس ترین معبد مین بحقارت وتنفر تمباکو نوشی کرتا ہے، اس سلطان کی زبردست حکومت کا نمائندہ اور مظہر ہے جس کا بزعم خود حضرت محمدؐ کے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے دین مسیح کو نیست ونابود کرنا فرض منصبی ہے،

ہم سے قریب تر زمانہ مین عیسائیت نے بہادرانہ کشمکش اور جنگ وجدال کے بعد ہسپانیہ کے موروں (Moors) پر فتح پائی مگر قسطنطنیہ کے ہاتھ سے جاتے رہنے اور مسلمانون کے ہنگری مین اور وائنا کی دیوارون کے سامنے نمودار ہونے سے ان کے لیے یہ فتح بڑی گران قیمت ثابت ہوئی، خود اطالیہ کا ملک جو کہ یورپ کی عظیم الشان نشاۃ ثانیہ کا گہوارہ تھا، معرض خطر مین تھا، اور محض ایک سلطان کی اتفاقی موت کی وجہ سے ایک تباہی خیز حملہ سے بچ گیا، اسی دوران مین وینس اور جینوا کے ہاتھ سے مشرق کی تمام تو آبادیان یکے بعد دیگرے نکل گئین، ترکون کی عظیم الشان فتوحات سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا فتحمند اسلام کے خوفناک قالب مین از سر نو جان پڑگئی ہے اور یہ کہ وہ خلفاے اولین کی شان وشوکت کی ہمسری کرنا چاہتے ہین، اور یورپ اور باقی تمام دنیا کو مغلوب کرکے عیسائیت کو ہمیشہ کے لیے ذلیل کرنا چاہتے ہین، جس طرح کہ آٹھوین صدی مسیحی مین پرینیز کے پہاڑون پر عربون کے حملہ کا رکنا محض

افرنجہ (Frankish) اور چارلس مارٹل کی وجہ سے نہ تھا، اسی طرح اگر ترکون نے سترہوین صدی مین یورپ کو مفتوح نہ کیا تو اس کا سہرا محض اہل ہنگری اور صقالبہ کے سر نہین ہے، وہ زبردست موحدین جو عیسائی تمدن کی انتہائی حدود کے ساتھ ٹکرا رہی تھین، جسد اسلام کے منتفی ہونے سے پہلے کی آخری دھڑکنین تھین،

لیکن اگر ترکون کے اندرونی انحطاط نے یورپ مین ان کی پیشقدمی کو روک دیا، اور عیسائی اس قابل ہوئے کہ اپنی جدوجہد اور بازیافت کے کام کو از سر نو شروع کرین، جو آج بھی جاری ہے، تاہم فتح وظفر کا دن ہنوز دور ہے، مسئلہ شرقیہ کی تمام گذشتہ تاریخ، پچھلی لڑائی مین[1] (۱۸۹۷ء) یونانیون کی بدانجامی اور شکست اور بلقان کی مسلسل مشکلات کے زمانہ تک ثابت کر رہی ہے، کہ اس شخص مین ابھی کتنا دم خم باقی ہے جسکو بے انصافی سے "مرد بیمار" کہا جاتا ہے، انیسوین صدی کے اختتام پر یونانیون کی شکست کے یہ معنی ہین کہ عیسائی تہذیب، اسلامی تمدن کے سامنے ایک دفعہ پھر پسپا ہوئی ہے اور اس سے یہ ثابت ہے کہ مسلمان اقوام اب بھی سمجھدار سردارون کی ماتحتی مین مشرق کے انحطاط پذیر عیسائیون کے مقابلہ مین فوجی لحاظ سے زیادہ طاقتور ہین،

یورپ اور دنیائے اسلام کے باہمی تعلقات پر کئی پہلوؤن سے بحث ہوسکتی ہے، مگر بترہ صدیون کی تاریخ کے مندرجۂ بالا مختصر اور سطحی بیان مین اس مسئلہ کے صرف ایک پہلو کو لیا گیا ہے، چونکہ مین اس مقام پر اپنے مبحث سے دور نہین جانا چاہتا، اس لیے مین نے عمداً دوسرے اہم پہلوؤن پر زور نہین

[1] یاد رہے کہ کتاب ہذا کا سن تالیف ۱۹۰۳ء اور سن اشاعت ۱۹۰۵ء ہے، مصنف نے اپنے عہد کے واقعات سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ آج بھی حرف بحرف صحیح ہے اور امتداد زمانہ سے اس کی صحت مین ذرہ بھر فرق نہین آیا کیونکہ چار سال ہوئے ترکون نے مصطفےٰ کمال کی زیر قیادت ایشیائے کوچک مین سمرنا کے محاذ پر یونانیون کو جو شکست فاش دی اس سے مصنف کے متذکرۂ بالا واقعات تاریخی کا اعادہ ہوگیا ہے، اور مصنف کے اخذ کردہ نتیجہ کی تصدیق مزید، (مترجم)

دیا ہے، جن کے رد سے یہ ثابت کرنا آسان ہے کہ اسلامی تہذیب اور تاریخ کا مطالعہ کیا کچھ دلچسپی رکھتا ہے، مگر یہ وسیع مضمون تاریخی لحاظ ہی سے دلچسپ نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسا مضمون ہے جس کے کئی مسائل مہمہ لاینحل پڑے ہیں، جو آج تک یورپ کے ماہرین سیاست کو بہت پیچیں رکھتے ہیں، اسلام آج بھی عیسائیت کے بعد دنیا کا سب سے زبردست مذہب ہے اور بوجہ اپنے معتقدین کے یقین کامل کے جو انھیں اپنے مذہب کی حقانیت پر ہے، مسیحی عقائد کی اشاعت کے لیے بڑا بھاری سنگ راہ ہے اور آئندہ کئی صدیوں تک رہیگا، آج بھی عیسائی یورپ باوجود ان بیشمار وسائل اور ساز و سامان کے جنکو وہ استعمال میں لا سکتا ہے، اپنے تمدن کی آزادانہ توسیع کے راستہ میں اسلام کو مانند ایک ناقابل گذار دیوار کے حائل پاتا ہے،

گل رعنا

از جناب مولانا حکیم عبدالحی صاحب مرحوم ساحب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جس میں اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اسکی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے باکمال اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار اور ان کے ہر قسم کے کلام کے نمونے درج ہیں، دار المصنفین اعظم گڈھ نے شائع کیا ہے، لکھائی چھپائی عمدہ کاغذ اعلیٰ ضخامت ۵۴۸ صفحے قیمت صہ

"منیجر"

اسلامی شمسی قمری سال

تقویم المنہاج القویم

از

مولانا ابو الجلال صاحب ندوی

سنہ و سال کے حساب کے بغیر دنیا مین کسی متمدن قوم کا کام نہین چل سکتا، انسان کا فطری سال شمسی ہے، اور فطری مہینہ قمری ہے، قمری مہینون کے فطری ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ مہینہ کے لئے شاید دنیا کی ہر زبان کا لفظ چاند کے نام سے مشتق ہے، عربی مین مہینہ کو شہر کہتے ہین کلدانی مین شہر چاند کا نام تھا، فارسی کا ماہ ہندی کے ماس اور چاند دونون کا مرادف ہے، انگریزی کا منتھ صاف صاف مون کا فرزند ہے، اس سے بھی واضح دلیل یہ ہے کہ مہینون کے ایام ساری دنیا مین ہفتون پر منقسم ہین، وجہ یہ ہے کہ چاند کی حالتون مین ہفتہ وار نمایان امتیاز پیدا ہوتا رہتا ہے

فطری سال کے شمسی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ "سال" کے نامون کو ہر زبان مین نہین تو کم از کم عرب اور ہندوستان کی بولی مین بارش سے خاص تعلق ہے، ہندی کا برش اسکی برشا کال سے خاص مناسبت رکھتا ہے، عربی کا عام (برس) اگرچہ بارش کے معنی نہین دیتا مگر عوم (تیرنا) کو پانی سے خاص تعلق ہے، یہود کا پہلا مہینہ نیسان ہے، اس کا قدیم نام ایب تھا، (ع ب ب) کو سامی زبانون مین پانی سے خاص ربط ہے چنانچہ اُباب پانی ہی کو کہتے ہین، اور نیسان ہماری فارسی زبان مین بہت مشہور ہے، سال کے بارہ مہینے فرض کرنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ دو برساتون کے درمیان عموماً ۱۲ ہی مہینے گذرا کرتے ہین،

بہر حال ہمارا طبعی سال شمسی اور طبعی مہینہ قمری ہے، یہی وجہ ہے کہ دنیا کی تقریباً تمام قدیم قومین قمری مہینے اور شمسی سال استعمال کرتی تھین لیکن پورے ۱۲ قمری مہینون کے ایام کی مجموعی تعداد شمسی سال کے ایام سے کسرے زاید ۱۰ یا ۱۱ روز کم ہوتی ہے، اس لئے قمری مہینون کو شمسی برسون مین تحویل کرنے کے لئے کبیسہ کا اصول عام طور پر رائج تھا،

یہ طریقہ یہود کی بدولت عرب مین بھی معروف تھا، لیکن جب اسلام آیا تو اس نے اپنی ساری عبادتین اور کارروائیان صرف قمری مہینون کے اعتبار سے رکھین، رمضان کے روزے، عیدین کی نماز، اور کعبہ کا حج یہ سالانہ عبادتین ہین، ان کے لئے اسلام نے کبیسہ کا اصول مرعی نہ رکھا، عرب کے بعض قبائل اپنی لوٹ مار کے لئے نسی کرتے تھے یعنی ہر سال ایک قلمس (علم کا دریائے ذخار) کھڑا ہوکر اعلان کر دیتا تھا، کہ آیندہ سال کا ذی الحجہ فلان ماہ مین ڈال دیا گیا، اسلام نے اس کی سختی سے مخالفت کی، بعض لوگون نے نسی اور کبس کو ایک چیز سمجھ رکھا ہے، اس لئے وہ سمجھتے ہین کہ اسلام نے کبیسہ کو حرام کر دیا،

ان کا یہ خیال غلط ہے، نسی اور کبیسہ ایک چیز نہین، اور نہ کبیسہ کی خدا نے ممانعت کی ہے، بلکہ کبیسہ کا حساب تو خود قرآن پاک نے بھی استعمال کیا ہے، بلکہ اس نے صاف کہدیا ہے کہ چاند اور سورج دونون کو اور ان کے منازل کو خدا نے اسی لئے بنایا ہے، تاکہ تم برسون کا حساب و شمار جانو،

لیکن اس مین شک نہین کہ اسلام نے اپنی سالانہ عبادتون کا مدار قمری مہینون کو شمسی برسون مین تحویل کرنے پر نہین رکھا، اس لئے مسلمانون کا مذہبی سال یقیناً قمری ہے، اور اپنے مذہبی سال کو شمسی بنانے کی نہ تو ہم کو ضرورت ہے اور نہ اجازت، مگر تمدنی حیثیت سے مالی کاروبار کیلئے ہمکو شمسی یا شمسی قمری سال استعمال کرنے کی اسلام نے کوئی ممانعت نہین کی ہے،

ابتدا مین مسلمانون کو مالی سال الگ کرنے کی ضرورت بہت کم محسوس ہوئی، لیکن جس جس طرح تمدن بڑھتا گیا، حکومت پھیلتی گئی تو چونکہ مسلمان سلاطین نے اپنی ماتحت رعایا کے تمدنی رسم ورواج اور طرز حکومت مین بہت کم دخل دیا، اس لئے رعایا سے خراج وصول کرنے کے لئے انھین اسی شمسی حساب کی پابندی کرنی پڑی جو ایران و عراق مین پہلے سے رائج تھا، لیکن تنخواہون کی تقسیم کے لئے وہی عربی حساب قمری سالون کا قائم رہا،

سنہ ۳۶۳ھ مین خلیفہ طائع للہ عباسی کے زمانہ مین قمری اور شمسی برسون کی میزان برابر رکھنے کے لئے قاعدہ مدخل آذار ایجاد ہوا، مسلمان کسی طرح اپنا سال ہجری چھوڑ نہین سکتے تھے، اور شمسی سنہ دوسرون کا استعمال کرنا مناسب نہ تھا، اس لئے صورت یہ اختیار کی گئی کہ مسلمانون نے بھی رومیون کی طرح اپنا مالی سال آذار (مارچ) کے مہینہ سے شروع کیا، اور اپنے مالی سال کو بھی ہجرت ہی کی طرف منسوب کرتے تھے، مارچ کے مہینہ کی پہلی تاریخ جس سنہ ہجری مین پڑتی تھی، اسی سنہ کے نام سے یہ مالی سال بھی نامزد کرتے تھے، لیکن ہر ۳۳ برس قمری مین ایک برس مارچ کی پہلی تاریخ سے خالی ہوتا ہے، اس لئے ایک برس کا نام کاغذات سے محذوف ہوجاتا تھا، یہی قاعدہ مدخل آذار ترکون نے بھی قبول کیا، مگر اس مین بہت کچھ مالی دشواریان پیش آتی رہتی ہین،

قاعدہ مدخل آذار کے اس نقص کا نتیجہ ملک شاہ سلجوقی کے عہد مین سنہ ۴۶۷ھ مین یہ نکلا کہ ایک دن خزانہ مین خرچ کے واسطے ایک پیسہ بھی باقی نہ رہا،

اس لئے فقہا سے فتوی لیکر ملک شاہ نے عمر خیام کو فارسی حساب کو از سر نو درست کرنیکا حکم دیا، اس نے سات نامور حکما کی ایک مجلس ترتیب دی اور بحث ومباحثہ کے بعد کامل تین سال محنت کرکے سنہ ملکشاہی جلالی ایجاد کیا، اور زیج ملکشاہی مین اس کے اصول بیان کردیئے،

ملکشاہی تقویم کا اصول وہی ہے جس پر نظام کنکے سنہ الہی اکبر شاہی کی بنیاد قائم ہے،

پارسیون کا یزدجردی سال بھی دراصل خیامی اصول پر قایم ہے،

ملک شاہ کا سنہ جلالی چونکہ کسی قوم کی مقدس تاریخ سے وابستہ نہین ہے اس کو قبول عام اور دوام و قیام حاصل نہ ہوسکا، اس لئے اسلامی ممالک مین ایک زمانہ سے مسلمانون کا ایک الگ شمسی سنہ تصنیف کرنے کا خیال ہورہا تھا، ترکون نے اس پر بہت کچھ غور و فکر کیا، بھوپال مین بھی ایک سنہ محمدی ایجاد ہوا تھا، مگر چلا نہین،

حال مین حسن وفقی بک آل القاضی ایک دمشقی عالم نے ایک شمسی ہجری تقویم بنا کر دنیاے اسلام پر ایک بڑا احسان کیا ہے، انھون نے اپنی محنت کے نتیجہ کو ایک کتاب تقویم المنہاج القویم کی صورت مین ہدیہ عام کیا ہے، قیمت ؟ پتہ مکتبہ سلفیہ قاہرہ،

قرآن مجید نے ایک موقع پر مسجد قبا کے روز تعمیر کو (اول یوم) کہا ہے، اسی آیت سے تفاؤل کی بنا پر صحابۂ کرامؓ نے اپنے سنین کی ابتدا واقعۂ ہجرت سے کی، حسن وفقی بک نے حساب لگایا تو مسجد قبا کے سنگ بنیاد کا دن ۲۱ ستمبر سنہ ۶۲۲ء روز سہ شنبہ تھا، اور یہ آفتاب کے برج میزان مین داخل ہونے کی تاریخ تھی، اس لئے انھون نے اپنے شمسی ہجری سنہ کی ابتدا اسی تاریخ سے کی اور بجاے رومی مہینے استعمال کرنے کے عربی زبان کے اسلمے فصول کو دوبارہ زندہ کرکے حسب ذیل ناموں سے انھون نے اسی شمسی ہجری سنہ کو نامزد کیا،

مہینہ کا نام	تعداد ایام	کیفیت
خرفی (خریف کا مہینہ)	۳۰	خریف کا پہلا مہینہ سنہ ۱۴۱۱ھ مین یکم خرفی مطابق ۲۴ ستمبر
دسمی (گھاس اُگانے والا)	۳۰	" دوسرا " " یکم دسمی " ۲۴ اکتوبر
برک (سرما)	۳۰	" تیسرا " " یکم برک " ۲۳ نومبر
شیبان (برف)	۳۰	" چوتھا " " یکم شیبان " ۲۳ دسمبر

مہینہ کا نام	تعداد ایام	کیفیت
طحان (پیسنے والا)	۳۰	سردی کا دوسرا مہینہ سنہ ۱۹۳۰ مین یکم طحان مطابق ۲۲ دسمبر
زنۃ (سختی سرما)	۳۰	" " تیسرا " " یکم زنۃ " ۲۱ جنوری
ربعی (ربیع والا)	۳۰ سال کبیسہ ۳۱	ربیع کا پہلا مہینہ " " یکم ربعی " ۲۲ مارچ
دفئی (بارش گرما)	۳۱	" " دوسرا " " یکم دفئی " ۲۱ اپریل
ناتق (رمضان کا قدیم نام)	۳۱	" " تیسرا " " یکم ناتق " ۲۲ مئی
ناجر (پیاسا)	۳۱	گرما کا پہلا مہینہ " " یکم ناجر " ۲۲ جون
آجر (گرما)	۳۱	" " دوسرا " " یکم آجر " ۲۳ جولائی
بخناخ (بجھانے والا)	۳۱	" " تیسرا " " یکم بخناخ " ۲۳ اگست

اب تک عام طور پر یہ مشہور ہے کہ شمسی سال کے ایام کی مقدار ۳۶۵ دن چھ گھنٹے ہین، لیکن حقیقۃ اس کی مقدار اس سے کم یعنی ۳۶۵ دن ۵ گھنٹے اور کچھ دقیقہ اور ثانیہ مین حسابی صورت بیان مین یون کہین گے کہ ایک سال شمسی ۳۶۵ دن ۲۴۲۲۱۶ کا ہوتا ہے، اس بنا پر حسن توفیق بک نے ہر تین سال کو ۳۶۵ دن کا اور ہر سال کو جو ۴ پر پورا پورا تقسیم ہو جائے، ۳۶۶ دن کا قرار دیا ہے، لیکن ہر ۱۲۸ واں سال یعنی سنہ ۱۲۸ شمسی ہجری اور سنہ ۲۵۶ شمسی ہجری وغیرہ جو ۱۲۸ پر پورا پورا تقسیم صرف ۳۶۵ دن کا ہوگا

ہمارا متداول قمری ہجری سال ۳۵۴ دن ۸ گھنٹے ۴۸ دقیقہ کا ہوتا ہے، اس کی ابتدا یکم محرم سنہ ۱ سے ہوتی ہے، اور شمسی ہجری سنہ اس سے ۶۷ دن بعد سے شروع ہوتا ہے، اس بنا پر ہمارے قمری ہجری اور شمسی ہجری سنون کے ناموں مین فرق ہونا ضروریات سے ہے، جناب حسن توفیق بک نے ان دونون سنین کے توازن کا قاعدہ یہ بتایا ہے، مثلاً،

(۱) س = ق - $\frac{ق}{۳۳}$ یعنی شمسی ہجری سنہ اس طرح بنے گا کہ قمری ہجری سنہ کے نام

کی تعداد سے اسی تعداد کے $\frac{1}{33}$ کو گھٹا دیا جائے تو شمسی ہجری سنہ کا نام معلوم ہو جائیگا، مثلاً ۱۳۳۴ھ کو شمسی قمری بنانا ہو تو ۱۳۳۴ سے $\frac{1334}{33}$ گھٹا دین گے، ۱۲۹۷ ش ھ جواب نکل آئیگا،

(۲) شمسی ہجری سنہ کو قمری بنانا ہو تو س + $\frac{س}{32}$ کے قاعدہ سے جواب حاصل ہو گا یعنی شمسی سنہ کے نام مین اس کا $\frac{1}{32}$ جوڑ دین گے مثلاً ۱۲۹۷ مین $\frac{1297}{32}$ جوڑ دین تو ۱۳۳۴ جواب نکل آئیگا،

(۳) عیسوی سنہ میلادی کی ابتدا سے ۶۲۱ سال ۲۷۶ دن بعد ہمارے شمسی ہجری سنہ کی ابتدا ہوتی ہے، پس اگر ہم کو سنہ میلادی کو شمسی ہجری بنانا ہو تو قاعدہ یہ ہے کہ سنہ میلادی کے نام کو شمسی سال کے ایام کی مقدار سے ۶۲۱ سال ۲۷۶ دن گھٹا کر پھر شمسی سال کی مقدار ایام سے تقسیم کر دین گے، مثلاً ہم ۱۹۱۹ء کو شمسی ہجری بنانا چاہین تو صورت عمل یون ہو گی،

$$\frac{1919 \times 24222116 - 365 (621 \text{ سال } 276 \text{ دن})}{24222116} =$$

$$\frac{(2676 + 22681504 - 7008999) - 365 (41613726)}{24222116} =$$

$$\frac{47381896368}{24222116} = 1297 \text{ سال } 24222116 ; 99 \text{ دن،}$$

اس بنا پر نتیجہ یہ نکلا ۱۹۱۹ء = ۱۲۹۸ ش ھ کے برابر ہے،

جناب حسن وقفی بک نے تاریخون کی مطابقت کے لئے نہایت سہل اصول وضع کر دیئے ہین، انکی کتاب تقویم المنہاج القویم اس قابل ہے کہ ارباب حساب اس کو غور سے دیکھین ہمارے نزدیک ان کا مشورہ قابل قبول ہے، یہ کتاب ۳۶۲ صفحے کا مجموعہ ہے جس مین حسب ذیل ابواب و فصول ہین،

(۱) کلمہ مصنف، (۵) سال کی اصلیت

(۲) مقدمہ، (۶) عثمانی مالی سال،

(۳) دن اور گھنٹے کا بیان، (۷) تطبیق تواریخ کے جدید اصول اور جدولین اور

(۴) مہینہ کی حقیقت، ان کے استعمال کا طریقہ،

(۸) تحویل تاریخ،
(۹) تاریخ سے دن معلوم کرنا،
(۱۰) تصحیح تاریخ،
(۱۱) مالی سال،
(۱۲) فرنگی تقویم (کیلنڈر)،
(۱۳) شمسی قمری سنن کا فرق،
(۱۴) قمری ہجری اور شمسی میلادی کا تفاوت،
(۱۵) شمسی ہجری اور قمری ہجری کا فرق،
(۱۶) قمری ہجری سے سنہ مسیحی نکالنا،
(۱۷) شمسی ہجری کا طرز کبیسہ،
(۱۸) کبیسہ، مہملہ، اور عادیہ کی تمیز کا قاعدہ
(۱۹) قمری ہجری اور کبیسہ،
(۲۰) شمسی ہجری سنین کے پہلے دن کے نام،
معلوم کرنے کے قواعد،
(۲۱) شمسی ہجری کے ہر ماہ کا پہلا دن معلوم کرنا،
(۲۲) شمسی ہجری کے مہینے،
(۲۳) مہینوں کے ایام کی تعداد،
(۲۴) قمری ہجری سالوں کے پہلے دن،
(۲۵) قمری ہجری کے ہر ماہ کا پہلا دن،
(۲۶) تاریخ میلادی کی تصحیحات،
(۲۷) سنہ میلادی کے ایام شہور،
(۲۸) تاریخ میلادی کی تصحیح کی کیفیت،
(۲۹) فرنگی مہینوں کے نام،
(۳۰) شمسی ہجری، قمری ہجری، اور سنہ مسیحی کے ایام کی مطابقت معلوم کرنے کے قواعد و فوائد، اور جداول کے ذریعہ اصول مذکورہ کی توضیح،

سیرت عائشہ رضؓ

(طبع دوم) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالاتِ زندگی اور ان کے مناقب و فضائل و اخلاق اور ان کے علمی کارنامے اور ان کے اجتہادات اور صنفِ نسوانی پر ان کے احسانات، اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیاں اور معترضین کے جوابات، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ ضخامت ۳۵۰ صفحے قیمت ہے، "منیجر"

عربون کی تہذیب

از

ایچ، جی، ویلز،

مترجمہ جناب ریاض الحسن صاحب، بمبئی،

اسوقت دنیا مین کم کوئی ایسا انگریزی جاننے والا ہوگا جو مسٹر ایچ جی، ویلز کے نام سے ناواقف ہو اس نے فن فسانہ نگاری مین جو قابل قدر جدت پیدا کی ہے وہ محتاج بیان نہین اس کا قلم سائنس کے اہم سے اہم مسئلون کو اس طرح فسانہ کی صورت مین پیش کرتا ہے کہ ان کو ہر شخص آسانی سے سمجھ جاتا ہے جنگ عظیم کے زمانہ مین اس نے چند کتابین تصنیف کین جنمین عیسائی مذہب کے تمام بنیادی اصول کو پاش پاش کر دیا، ۱۹۱۷ء مین اسنے رسالہ پیرسن (لندن) مین ایک مضمون مین عیسائیت پر سخت حملہ کیا اور عیسائیت کو انسانی فطرت کے بالکل منافی ٹھہرایا، یہ کہنا تحصیل حاصل ہے کہ اس مضمون سے کتنا شور و غوغا بلند ہوا، عیسائیت کی اس نفرت نے کسی حد تک اسکو بعض اسلامی اصولون کا گرویدہ بنا دیا ہے، جسکے ذیل مضمون اسی جذبہ کا نتیجہ ہے جو اس نے عربون کی ذہنی اور دماغی ترقی پر سپرد قلم کیا ہے، اس مین مختصراً انون کے تمام شعبون پر ایک سرسری نظر ڈالی گئی ہے چونکہ زور و چسپ ہے اس لیے ترجمہ درج ذیل ہے،

یہ دیکھا گیا ہے کہ یورپ کے بڑے بڑے لوگ جنکی دماغی سطح عوام کیا بلکہ خواص سے بھی بہت بلند تھی، عیسائیت سے سخت بیزار تھے، بعض تو ان مین اسکا اظہار علانیہ کرتے اور بعض کسی ذاتی وجہ سے رک کر زبان اور قلم پر قفل لگا لیتے، ان مین سے بعض جنھون نے صرف عیسائیت ہی کا مطالعہ کیا تھا جب عیسائیت سے بیزار ہوئے تو سیدھے دہریت کی طرف گئے، اسی لیے اسلام ان تک پہنچا ہی نہین، اس گروہ مین والٹیر، روسو، نیٹشے، ہربرٹ اسپنسر، بکسلے، ڈارون، ہیوم، ہربرٹ ویلز کے نام قابل ذکر ہین، ان مین سے بعض اگر دہریے نہین تھے تو وہ عیسائی بھی نہین تھے، بلکہ خدا کے متعلق ان کا عقیدہ اسلامی عقیدہ کے قریب قریب تھا،

(مترجم)

ترکون کی تاریخ جلیلی معرکہ آرائیون کے قصے اور اسلام اور عیسائیت کے مابین بڑی بڑی لڑائیون کے واقعات کا ذکر کرنے سے قبل جسکی وجہ سے آج تک انسانیت کے اس دو بڑے گروہ مین نااتفاقی اور عدم رواداری کی خلیج حائل ہے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عربون کے دماغی نشو و نما اور ان کے ارتقائی منازل کے متعلق کچھ سپرد قلم کیا جائے، یہ لوگ ساتوین صدی مین اس خطہ زمین پر پھیلنا شروع ہوگئے تھے جس پر کبھی یونانیون کے علم و فضل کا ڈنکا بجتا تھا، رسول اللہ صلعم سے چند پشت قبل ان کا دماغ نشو و نما کی ابتدائی منزل طے کر چکا تھا، اس زمانہ مین شعر و شاعری کا کافی چرچا تھا، مذہبی مباحثے منعقد ہوتے تھے جنمین اکثر و بیشتر

اور قبائلی روایات کو تازہ رکھنے کی روح حلول کیے ہوئے تھی، ان واقعات کا مقابلہ یونانیون کے صرف اس زمانہ سے ہوسکتا ہے جب انکی تہذیب کا آفتاب عین نصف النہار پر پورے آب و تاب کیساتھ جلوہ گر تھا اس لیے کہ یونانیون نے سائنس کے علم کو ایجاد کیا لیکن اگر یونان سائنس کا موجد ہے تو عرب بھی کسی طرح اس سے کم نہین، آج دنیا مین علم و عمل کا جو پرتو ہمارے سامنے موجود ہے یہ سب عربون کا طفیل ہے، جنکے ذریعہ سے یہ چیزین ہم تک پہنچین بعض لوگون کا یہ خیال کہ اس تجدید علم مین رومانا کا بھی کچھ حصہ ہے، واقعات کی دنیا سے قطعاً دور ہے،

جب ہم عرب کا ذکر کرتے ہین تو اس سے ایک خاص چیز مراد ہوتی ہے، اسلام مین عربی تہذیب کو قدیم عربی تہذیب سے وہی تعلق ہے جو سکندر اعظم کے بعد سے یونانی تہذیب کو قدیم یونانی تہذیب سے ہے، عرب ابتدائی فاتحانہ حملون کے بعد یونانی ادب کے پہلو بہ پہلو آکر کھڑے ہوگئے، لیکن انھون نے اس سے جو کچھ استفادہ حاصل کیا وہ قدیم یونانی زبان کے ذریعہ سے نہ تھا، بلکہ عبرانی مین جو تراجم تھے انھون نے اسکو سامنے رکھا، نسطوری اور دوسرے عیسائی جو بازنطینی سلطنت کے مشرقی حصص مین آباد تھے عربون کے ساتھ تعلق رکھنے کی وجہ سے بہ نسبت بازنطینی درباری عیسائی پادریون کے کہین زیادہ تیز دماغ اور زود فہم ہوگئے تھے، اس گروہ کا اثر نہ صرف ساسانیون کے زمانہ تک محدود رہا بلکہ اسلام مین اتراک کے قوت حاصل کرنے سے قبل ان کا کافی اثر تھا، ایرانی انھین اپنا عقل کل مانتے تھے اس لیے کہ یونانی علم طب کو ان لوگون نے ایک حد تک محفوظ کر رکھا تھا، اور اس مین چند قابل قدر اضافے بھی کئے تھے، امری خلفا کے دور مین دربار کے بیشتر اطبا نسطوری تھے جنھون نے بغیر کسی دباؤ کے بخوشی اسلام قبول کیا تھا، ریاضی اور فلسفہ مین ارسطو کے بہت سے اقوال ان لوگون نے قدیم یونانی زبان مین اس حد تک جمع کئے تھے کہ اگر ان کا مقابلہ سینٹ بنڈیکٹ یا کیمبرج سے کیا جائے تو مؤخر الذکر کا درجہ بالکل ہیچ معلوم ہوتا ہے، ان نسطوری دماغون مین عربون نے اپنی تیز دماغی اور علم پروری کی جو قلم لگائی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علوم و فنون کے چمن مین بہار آگئی، اور شجر علم جو مدتون سے سوکھا پڑا تھا، از سر نو بار آور ہوگیا، گویا علم کا ذوق اور اس کی تلاش و جستجو کا ایک دریا امنڈا اور اپنے ساتھ بڑی سے بڑی چٹانون کو جو راہ مین حائل تھین خس و خاشاک کی طرح بہائے گیا،

ایران نے جو اب تک مذہبی تحریکون کا جولانگاہ بنا تھا دوسری طرف ایک اور ہی گل کھلایا یعنی اس سیلاب کے سامنے جب اس کی ایک نہ پیش گئی تو اس نے جھٹ عربی وضع قطع اختیار کرکے اندر اندر ایک نیا مسلک شروع کیا جس سے اسلام مین ایک نئے مذہب کی بنیاد پڑی جو تشیع کے نام سے مشہور ہے، یہ واضح رہے کہ یہ چیز خالص ایرانی نژاد ہے عرب کو اس سے کچھ تعلق نہین، ایرانیون نے یونانی زبان بھی سیکھی اور عربون کو اس سے کافی فائدہ ہوا، لیکن ایرانیون کے علاوہ ایک گروہ اور بھی تھا جو میدانِ علم مین کافی ترقی کرچکا تھا، یہ گروہ یہود کا تھا، عربی دماغ علم کا ایک خزینہ تھا اور یہود نہایت زود فہم تھے،

زبان آوری مین یہود کبھی نمایان نہین ہوئے، اسلام سے ہزار سال قبل انکی زبان یونانی تھی اور اس پر مصر کا زیادہ اثر تھا لیکن آج تمام اسلامی ممالک مین ان کی تحریری اور تقریری زبان عربی ہے یہانتک کہ ان کی بعض پرانی اور اہم کتابین عربی مین لکھی گئین، مثلاً میمونیون کی کل مذہبی کتابین عربی مین ہین، زبان کی اس خلط ملط مین جسمین یہود کو زیادہ دخل تھا، آج یہ پتہ لگانا نہایت دشوار ہے کہ عربی تہذیب مین خالص یہود کا اثر کہان ختم اور عربون کا کہان شروع ہوتا ہے،

اس کے علاوہ علم کا ایک تیسرا شعل ہند مین روشن تھا جہان سے اس کی شعاعین برابر عرب پر پڑتی رہین یہ شعل خالص علم ریاضی کا تھا، جس کے متعلق اس وقت مفصل بحث کرنا طولِ امل ہوگا، لیکن اس مین ذرا بھی شبہہ نہین کہ جس وقت عربی ماہتاب آسمانِ علم پر ضوفشانی کررہا تھا اس وقت ایک طرف علوم سنسکرت کی بھی کہکشان جلوہ گر تھی، دونون مین مدتون سرگوشیان رہین، یہانتک کہ تاریک آسمان جگمگا اٹھا، اموی خلفاء کے زمانہ مین عربون کا ذوقِ علم اور شوقِ جستجو معرضِ ہستی مین آگیا تھا لیکن اس کا شاندار ظہور عباسیون کے زمانہ مین ہوا، دنیا کے تمام علوم مین تاریخ کا پایہ سب سے بلند ہے، عربی تہذیب کے ابتدائی دور مین جو قابل قدر مصنفین گذرے ہین ان مین بیشتر حصہ مؤرخین کا ہے، جو جغرافیہ کو بھی اکثر تاریخ کے رنگ مین لکھتے ہین، امتدادِ زمانہ سے جیسے جیسے علم کا شوق بڑھتا گیا ویسے تفریحی افسانہ نویسی کا فن ایجاد ہوا، لیکن جب علم کی

ضرورت خواص سے گذر کر عوام تک پہنچی اور کاروبار مین اس کی ضرورت پڑنے لگی تو آہستہ آہستہ ایک منظم تعلیمی درسگاہ وجود مین آنا شروع ہوئی، یہان تک کہ نوین اور دسوین صدی عیسوی مین علم القواعد اور علم اللسان کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع ہوگیا جسکی مثال وہ خود آپ ہے، مغرب کی تعلیمی تحریک کے شروع ہونے سے صدیون قبل اسلامی دنیا مین متعدد مقامات پر مسجدون کے مدرسون سے بڑی بڑی یونیورسٹیان ہوگئی تھین، ان مین بصرہ، کوفہ، بغداد، قاہرہ اور قرطبہ کی یونیورسٹیان قابل ذکر ہین، ان مقامات پر علم کی جو مشعلین روشن تھین ان کی روشنی صرف اسی جگہ تک محدود نہ تھی بلکہ اسلامی دنیا سے تجاوز کرکے یکسان اطراف عالم پر پڑتی تھین، مشرق اور مغرب کے بیشمار طلبہ دور دراز ملکون سے صعوبتین برداشت کرکے آئے اور علم کی دولت سے مالامال ہوئے، قرطبہ کو لیجئے، یہان عیسائی طلبہ کی خاصی کثرت تھی جن کے ذریعہ سے عربی فلسفہ کی کرنین ہسپانیہ سے نکلکر پیرس، آکسفورڈ اور پڈوا (شمالی اٹلی کی یونیورسٹی) کی یونیورسٹیون پر چمکین اور ساری مغربی دنیا کو منور کردیا، قرطبہ کے مشہور فلسفی ابن رشد[1] (۱۱۲۶-۱۱۹۸ ع) کی شخصیت غالبًا مغربی تہذیب پر عربی اثر کا بہترین نمونہ ہے اس نے ارسطو کے فلسفہ کی گہرائی اس وضاحت سے پیمائش کی کہ ایک مسئلہ کی مذہبی اور علمی حیثیت کو بالکل صفائی سے ایک ایک کردیا اور اپنی اس شرح سے علمی تحقیقات کا وہ دروازہ دنیا پر کھولدیا جو اب تک تنگ نظر اسلامی یا عیسوی اثر کے ماتحت مذہبی مباحثون کے ہنگامون کی وجہ سے بند تھا، دوسری ممتاز شخصیت اس سلسلہ مین حکیم ابی سینا کی ہے (۹۸۰-۱۰۳۷ ع) جو اطبار کا سرتاج مانا جاتا ہے، یہ نامور ہستی اسلامی دنیا کے دوسرے سرے پر

[1] ابن رشد کے متعلق اب تک جتنی کتابین شایع ہوئی ہین ان مین غالبًا مولوی یونس مرحوم کی کتاب (شایع کردہ دارالمصنفین) نہایت جامع ہے، ابن رشد عقل کو عین مذہب سمجھتا ہے، اجتہاد اس کی نظر مین بہترین چیز ہے جو خدا نے انسان کو عقل کے ذریعہ سے عطا کی، اسلام اور علوم عقلیہ اس کے لیے ہم معنی الفاظ ہین اس لیے کہ وہ اسلام کو عین عقل کے مطابق سمجھتا ہے، اور اس پر دلائل دیتا ہے، یونانی فلسفہ پر اسکو اکثر سخت اعتراض ہے،

یعنی بخارا مین عالم وجود مین آئی، ابی سینا مدتون خراسان مین سفر کرتا رہا (ارسطو کے فلسفہ کا نامور شارح ہونے کا حق اس کو بھی حاصل ہے)

رسم الخط مین ترقی اور کتابین نقل کرنے کا فن اسکندریہ، دمشق، قاہرہ، اور بغداد مین رائج تھا، ۹۷۰ء کے آخر مین صرف عربا کی تعلیم کے لیے شہر قرطبہ مین ۲۷ مدارس تھے،

تھیچر[1] اور شول کا قول ہے کہ فن ریاضی کی عظیم الشان عمارت عربون نے یونانیون کی قائم کردہ بنیاد پر تعمیر کی اس لیے کہ ابتدائی ایام مین عربون مین اعداد کا ذکر سننے مین نہین آیا، تھیوڈرک اعظم کے زمانہ مین بوتھیس نے چند نشانات کا استعمال کیا جو ہمارے موجودہ ۹ تک ہندسون سے ملتے جلتے تھے، اسی طرح جربرٹ کے ایک شاگرد نے بھی چند نشانات بنائے تھے جو موجودہ ہندسون سے بہ نسبت بوتھیس کے ہندسون کے قریب تر تھے لیکن آخری ہندسہ یعنی صفر بارہوین صدی عیسوی تک معرض ظہور مین نہین آیا تھا، اسکی ایجاد یا دریافت کا سہرا ایک عرب ماہر فن ریاضی کے سر ہے جو محمد ابن موسیٰ (خوارزمی) کے نام سے مشہور تھا، اس نامور ہستی کو نہ صرف صفر دریافت کرنے کا فخر حاصل ہے بلکہ اس نے پہلے پہل اعشاریہ کا استعمال کیا اور ہندسون کی ترتیب موجودہ صورت مین کی مگر چند ہندوستانیون کا دعوی ہے کہ صفر اور اعشاریہ ہند کی ایجاد ہے، مساحت کو لیجئے، اقلیدس مین عربون نے زیادہ اضافہ نہین کیا، مگر الجبرا خالص ان کی ایجاد ہے، علم مثلث کے علم کو ترقی دی اور اس کو عروج کو پہنچایا جس کے سلسلہ مین خط مماس، جیب مستوی وغیرہ ایجاد ہوئے، طبیعات مین بھی ان کی کافی ایجادین ہین، مثلاً شاقول (پنڈولم) ان کے زور دماغ کا نتیجہ ہے، عینک سازی مین ان کو کافی مہارت تھی، اور اس فن مین بھی بہت سی چیزین ان کی وجہ سے دنیا مین آئین، دنیائے نجوم بھی ان کے پے در پے دماغی حملون سے نہ بچ سکی، ستارون کی رفتار اور حرکت معلوم

[1] دیکھو تاریخ یورپ مصنفہ تھیچر اور شول،

کرنے کے لیے بہت سے آلات ایجاد ہوئے، اور متعدد رصدگاہین بنائی گئین جو اب تک استعمال مین ہین، آفتاب کے گرد کرۂ ارض کا اپنے محور پر گردش اور آفتاب سے اس کے فاصلہ کا پتہ لگایا اور موسم گرما اور سرما کے وہ اوقات معلوم کئے جب دن اور رات برابر ہوتے ہین غرضکہ فن نجوم مین انھون نے نہایت قابل قدر اضافہ کیا، علم طب کو لیجئے، یونانیون کے علم طب کو ان سے چار چاند لگ گئے، انھون نے علم صحت اور علم الاجسام مین تحقیقاتین کین اور دواؤن کے نام رکھے، ان کے خواص دریافت کئے جو بعینہ آج رائج ہین، ان کا ایجاد کردہ طریقۂ علاج آج اس صدی مین بھی اکثر استعمال کیا جاتا ہے، عرب جراح بیہوش کن دواؤن سے ناواقف نہ تھے اور اکثر تو ایسی محیر العقول جراحی کرتے کہ دنیا دنگ رہ جاتی، اور لطف یہ کہ یہ تمام علوم عربون نے اس زمانہ مین رائج کئے جب مغرب جاہلیت کے دور سے گذر رہا تھا، دواؤن کے استعمال پر پادریون نے سخت بندش کر رکھی تھی، تاکہ لوگ مذہبی رسوم، جھاڑ پھونک اور ٹوٹکون سے علاج کرائین، علم کیمیا کے تو وہ سرے سے موجد تھے اور بہت سی نئی چیزین دریافت کین مثلاً کھار (پوٹاس) چاندی کا شورہ (نائٹریٹ آف سلور) گندھک وغیرہ، الکحل عربی زبان کا لفظ ہے، مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اجزاء شراب کی شکل مین یلیٹی کو معلوم تھے، جو پہلی صدی عیسوی مین گذرا ہے،

مصنوعات مین وہ اپنے زمانہ سے بہت آگے تھے، عمدہ سے عمدہ اور خوبصورت چیزین نہایت صفائی سے تیار کرتے تھے، سونا، چاندی، تانبا، پیتل، لوہا، فولاد وغیرہ ان دھاتون پر نہایت اعلیٰ درجہ کی نقاشی کرتے تھے مگر ان کے فن کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ کپڑا بننے مین آج تک ان سے کوئی بازی نہ لیجا سکا، ہم آج ان کی بعض تیار کردہ چیزون کا مقابلہ اگر موجودہ زمانہ کی مصنوعات سے کرتے ہین تو عقل دنگ ہو جاتی ہے، کاغذ سازی کا علم ان کو بخوبی معلوم تھا، اور رنگین چیزین وہ اپنے ہی بنائے رنگ سے رنگتے تھے، چمڑا بھی بنانے اور اس کو استعمال کے لائق بنانے

ہین ان کو اتنا کمال تھا کہ اسکی دھوم سارے یورپ مین تھی، دوائیون مین ٹنکچر کا استعمال کرتے تھے، شکر بنانا، اس کا صاف کرنا عمدہ سے عمدہ شراب کی کشیدگی کا راز ان کو معلوم تھا، زراعت کے فن مین بھی بڑا نام پیدا کیا، کھیتون کے سیراب کرنے کے لیے عمدہ نہ نہرین تعمیر کی تھین، شور اور بنجر زمین کو زرخیز بنانے کے طریقون سے آگاہ تھے، زراعت کے سلسلہ مین قلم لگانے مین تو ایسے استاد تھے کہ اکثر تجربہ کرتے کرتے نئے نئے قسم کے پھل پھول اگائے، مغرب مین انھون نے بہت سے مشرقی پھولون کو پروان چڑھایا اور ان پر متعدد کتابین اور رسالے لکھے، اس سلسلہ مین ایک چیز کا انسانی دماغ کی ترقی اور نشوونما کی نسبت سے اگر پتہ لگایا جائے تو وہ نہایت اہم ہے، یعنی صنعت کاغذ سازی اس صنعت کو عربون نے وسط ایشیا کے ذریعہ سے چینیون سے سیکھا، اور پھر یورپ نے عربون سے لیا، کاغذ ایجاد ہونے کے قبل تک کتابین چمڑے کے ٹکڑون یا پاپیرس (ایک قسم کا قدیم مصری کاغذ) پر لکھی جاتی تھین، عربون نے جب مصر پر قبضہ کیا تو پاپیرس کی برآمد بند ہوگئی، اس کمی نے چھاپنے کے فن کو ایجاد ہونے مین کافی دیر لگائی جس کی وجہ سے تعلیم مین سخت دقت لاحق ہوئی، قرون وسطی مین یورپ کی تمام تر جہالت اگر اس روشنی مین دیکھی جائے تو صاف نظر آئی جسکو یورپ کے مورخین تسلیم کرتے ہوئے رکتے ہین،

المامون

علامہ شبلی

خلیفہ مامون الرشید کے عہد سلطنت کے حالات ابتک اس کتاب کے بازاری نسخے عام طریقے سے فروخت ہوتے تھے، اب مطبع معارف نے خاص اہتمام سے طبع کرا کے شائع کیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی بہترین ہے، ضخامت ۲۴۴ صفحے قیمت عکاوعہ ۔ "بنجر"

تلخیص و تبصرہ

جامعۂ آل البیت بغداد

چند سال گذرے کہ عراق کی وزارتِ اوقاف نے دارالعلم بغداد مین ایک ایسی یونیورسٹی قائم کرنا چاہی جس مین صحیح اسلامی مذہبی تعلیم کے ساتھ دورِ حاضر کے جدید علوم و فنون کی تعلیم کا مکمل نظام قائم ہو، لیکن انگریزی استعماری حکومت کی موجودگی مین وزارتِ اوقاف اس مقصد مین کامیاب نہ ہوسکی تو اس نے اپنے لائحۂ عمل کے صرف ایک حصہ کو عملی جامہ پہنایا، اور "شعبۂ دینیۂ عالیہ" کے نام سے اس یونیورسٹی کے ایک حصہ کا افتتاح ہوگیا

اس شعبہ کے ماتحت جو مدرسہ ہے اس مین مختلف علومِ اسلامی کے لئے عالم اسلامی کے مختلف ممتاز اہل علم کے خدمات حاصل کئے گئے ہین چنانچہ فقہ حنفی کی تعلیم کے لئے استاذ محمد سعید راوی اور استاذ منیر قاضی، اہل سنت کے اصول فقہ کی تدریس کے لئے استاذ عبد الجلیل آل جبل، اور شیعی اصول فقہ کے لئے سید مرتضی آل یسین مقرر کئے گئے ہین، اور عراق کے مشہور رہنما استاذ طہ بک ہاشمی مدیر معارف عام علم تاریخ، محاکمات تاریخیہ، اور تاریخ مذہب پر، اور ٹیونس کے مشہور رہنما استاذ عبد العزیز ثعالبی فلسفۂ اسلامی و حکمۃ تشریع پر فاضلانہ خطبات دیتے ہین، علم النفس کے لئے ڈاکٹر ناجی بک اصیل، علم الاقتصاد کے لئے استاذ عبد الالہ حافظ، اور علم الاجتماع کی تدریس کے لئے استاذ صبیح بک نشأت مقرر ہین،

اس شعبہ کی طرف سے سو صفحون کا ایک رسالہ بھی شایع ہوتا ہے جس مین ان اساتذہ کے تمام خطبے شایع ہوتے ہین، اس پرچہ کی اشاعت کا کوئی خاص وقت مقرر نہین، بلکہ جب اساتذہ کے محاضرات سو صفحون تک پہونچ جاتے ہین تو وہ ایک پرچہ کی شکل مین شایع کر دیئے جاتے ہین، ابتک ایسے چھ پرچے شایع ہوچکے ہین، پہلا پرچہ

شعبان ۱۳۴۴ھ مین اور آخری محرم ۱۳۴۶ھ مین نکلا تھا،

طلبہ اس مدرسہ مین اپنی ثانوی تعلیم ختم کرکے داخل ہو سکتے ہین جن کے لئے ملکی وغیر ملکی کی کوئی شرط نہین رکھی گئی ہے، داخلہ کے لئے صرف مسلمان ہونا کافی ہے،

مدرسہ کا افتتاح ۱۹۲۵ء مین ہوا تھا جس مین وزارت اوقاف کی مجلس علماء نے ۱۲ طلبہ کو منتخب کرکے داخل کیا تھا، اور پھر جب ۱۹۲۶ء مین یہ طلبہ دوسری جماعت مین پہونچے تو پہلی جماعت کیلئے ۱۴ طلبہ کا دوبارہ انتخاب ہوا،

اس شعبۂ دینی کا افتتاح ۲۰ لاکھ روپیہ سے عمل مین آیا ہے، مدرسہ کا احاطہ دریائے دجلہ کے کنارے ۴ ہزار میٹر مربع مین واقع ہے جس کے ارد گرد نہایت خوش نما باغ لگے ہوئے ہین، عمارت دو حصون مین منقسم ہے، ایک حصہ مین سات کمرے ہین، جو درس کے لئے مخصوص ہین، اور دوسرے حصہ مین طلبہ کا دار الاقامہ ہے، اور ان دونون حصون کے وسط مین خطبون کے لئے ایک شاندار ہال ہے جس مین ۱۵۰ اشخاص کی گنجایش ہے، اور پھر اس عمارت کے اوپر بھی بالکل اسی طرح ایک دوسری منزل بنی ہوئی ہے،

اور اس احاطہ کے پہلو مین یونیورسٹی کے مختلف شعبون مثلاً انجینیری، طب قدیم وجدید، قانون، مختلف مشرقی ومغربی زبانون کی تدریس، اثری عجائب خانہ، رصد خانہ، کتب خانہ، دار الاقامہ اور مسجد وغیرہ کیلئے جداگانہ زمینین نامزد کی جاچکی ہین، خدا کرے کہ وزارت اوقاف کے منصوبے پورے ہون اور دار العلم بغداد مین جامعہ آل البیت کے نام سے مدرسہ نظامیہ بغداد کا منظر سامنے آجائے، " ر "

ایک نوجوان ترک وفیسر کے جدید نظریئے

ترکی کے آخری حیرت انگیز انقلاب سے ترکون کی ذہنی کیفیت مین بھی جو انقلاب ہوا ہے، اس کا اثر وہان کے علمی حلقہ پر بھی پڑا ہے اور اس سلسلہ مین جہان بہت سے قابل ستایش علمی کارنامے انجام پا رہے ہین وہان اسی ہیجانی ووجدانی کیفیت مین ایسی چیزین بھی سرزد ہو جاتی ہین جو مضحکہ خیز ہونے کے ساتھ غایت درجہ پر لطف ہوتی

ہین، تفریح طبع کے لئے یہ بیجا نہ ہوگا، اگر اس سلسلہ کی بعض نئی کڑیان ناظرین کے سامنے پیش کیجائین

اس ذہنی انقلاب کے سلسلہ مین ترکون مین بعض ایسے اہل علم افراد بھی نمایان ہوئے ہین جنھین ترکی قومیت، ادبیات، تمدن اور معاشرت کو دنیا کے سامنے قدیم سے قدیم شکل مین پیش کرنے کا خاص شغف ہے، کہ اگر ایک طرف یونان و ہیر اکے قدیم تمدن کو روشناس کیا جاتا ہے، اور ان کے متعلق اثری و کتبی دلائل و شواہد سے جدید نظریئے قائم کرکے پایۂ ثبوت تک پہونچائے جاتے ہین، تو دوسری طرف تورانی تمدن و آداب پر بھی بحث و تمحیص ہونی چاہئے،

چنانچہ کچھ دن گذرے کہ ترکی اخبار و رسائل مین یہ بحث نہایت زور و شور سے جاری تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام در اصل ترکی النسل تھے جب اس نظریئے کی بحث و تمحیص سے فرصت ملی تو زبان کا مسئلہ چھڑا، اور ایک آواز اٹھی کہ "ترکی زبان قدیم ترین علمی زبانون کا سرچشمہ ہے"، نیز "قدیم سے قدیم تمدن مین ایسے شواہد موجود ہین جو اس کو تورانی تمدن کی ایک شاخ ثابت کرتے ہین، مثلاً یونانی زبان مین "نوموس" (NOMOS) کا لفظ جس کے معنی "قانون" کے ہین حقیقت مین ترکی لفظ "نامیس" سے اخذ کیا گیا ہے جس کے معنی ترکی زبان مین "شرف و عزت" کے آتے ہین،

اسی طرح قانون حمورابی کے متعلق بابل مین جو انکشاف ہوا ہے، اور اس کو حمورابی قانون سے منسوب کیا گیا ہے، اس مین کی متعدد نظمین ترکون کے ان قدیم قبائل سے ماخوذ ہین جو قدیم زمانہ مین وہان آباد تھے،

اسی طرح ایک یہ نظریہ بھی ہے کہ ملک شام کی شہری بنا انھین اتراک کے ہاتھون انجام پائی، کیونکہ وہان طرابلس الشام کے قریب جو جزیرہ "ارواد" ہے وہ لفظ "عورت" سے ماخوذ ہے، اور یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ اس جزیرہ مین صرف عورتین رہتی ہون، اس لئے اس کا نام "ارواد" یعنی عورت قرار پا گیا،

یہ نظریئے بہ ظاہر اس درجہ مضحکہ خیز ہین کہ ہم ان کو ترکون کے خلاف ایک عام پروپگنڈے سے تعبیر کرکے قابل اعتنا نہین سمجھتے، لیکن عالم اسلامی کے مشہور رہنما شکیب ارسلان نے جو ترکون کی محبت مین بھی کافی بدنام ہو چکے

ہین، رسالۂ الزہرا مصر مین ان کو درج کرکے سرسری طور پر ان کی تردید کی ہے، مثلاً بتایا ہے کہ لفظ "ناموس" دراصل ترکی کا نہین عربی زبان کا لفظ ہے، اور عربی مین یونانی زبان سے آیا، عربی مین اس کے دو معنی آتے ہین، ایک "قانون و نظام، مثلاً ناموس نشو و ارتقاء" یا "نوامیس طبیعیہ" یا انجیل مین ہے "مین "ناموس" کی تنقیص کے لئے نہین بلکہ اس کی تکمیل کے لئے آیا ہون، اور دوسرے معنی "شرف و عزت" مثلاً "فلان صاحب ناموس ہے" یہ دوسرے معنی دراصل عام محاورہ ہے، جو عربون مین آخر زمانہ مین رائج ہوا، اور ترکی زبان مین دوسرے عربی الفاظ کے ساتھ یہ لفظ بھی داخل ہوا جیسا کہ اردو زبان مین بھی انھین معنون مین استعمال کیا جاتا ہے، اور اس کے علاوہ "ناموس" کا لفظ اسلام کے قبل سے فصیح عربی مین "شکار کی ٹٹی" اور "راہب کے خیمہ" اور محرم راز کے معنون مین موجود ہے، اس لئے بہرحال ترکی زبان سے قبل عربی زبان مین یہ لفظ موجود تھا جس کی شہادت مین عربی زبان کے لغت کی کتابین موجود ہین، بہ خلاف اس کے خالص ترکی زبان مین یہ لفظ موجود نہین ہے،

اور شاید امیر شکیب ارسلان بھی ان مزخرفات کی طرف اعتنا نہین کرتے اگر یہ ترکی یونیورسٹی کے ایک ممتاز پروفیسر یوسف ضیا بک کے قلم کے "رشحات" نہ ہوتے، لیکن اس سلسلہ مین ہمین شیخ محب الدین الخطیب مدیر الزہرا سے بھی ایک گونہ شکایت ہے، کہ انھون نے ترکون کے ایک فرد واحد کے فعل کو ترکون کی پوری نوجوان جماعت "کمالیون" کی طرف منسوب کرکے مضحکہ اڑایا ہے، باوجودیکہ اسی جماعت اور اسی یونیورسٹی کے ممتاز پروفیسرون نے یوسف ضیا بک کے خیالات کی نہ صرف تردید کی بلکہ یہان تک لکھا گیا، کہ ایسے مزخرفات کی اشاعت ترکی یونیورسٹی کے لئے باعث ننگ و عار ہے، اور پھر ترکون کے تمام ممتاز اخبارات یہان تک کہ نیم سرکاری اخبار "جمہوریت" ان خیالات سے تبری کرکے یوسف ضیا بک کو مطعون کر چکے ہین،

خدا اور رُوح

محمد عبد الرؤف بی اے حیدرآباد دکن

روسی حکیم ٹالسٹائے نے جس طرح گہرے سے گہرے خیال کو نہایت سادگی سے بیان کر دیا ہے، اُسی کا ایک نمونہ ذیل کی تحریر ہے،

حکیم ٹالسٹائے کہتا ہے:-

مجھکو خدا اور روح کا اسی طرح علم ہے جس طرح نامحدود کا یعنی بذریعہ تعریف نہین بلکہ بالکل ہی دوسرے طریقہ سے، تعریفات میرے لئے اس علم کو برباد کر دینے والی ہین، جس طرح مجھکو اس کا یقینی علم ہے کہ اعداد نامحدود ہین، اسی طرح مین جانتا ہون کہ ایک خدا ہے، اور مجھ مین روح ہے، میرے اس علم مین کسی قسم کا شک و شبہہ نہین، کیونکہ مین ناگزیر طور پر اس تک پہونچ جاتا ہون، اعداد کی نامحدودیت کے یقین تک مین طریقۂ جمع سے پہونچتا ہون،

خدا کے یقینی علم تک میری رہبری یہ سوال کرتا ہے کہ مین کہان سے آیا؟

روح کے علم کے لئے یہ سوال کہ، مین کون ہون؟ میرا رہنما ہے،

جب یہ سادہ سوالات میری رہبری کرتے ہین تو مین اعداد کی نامحدودیت، خدا اور میری روح کے وجود کے قطعی علم تک پہونچ جاتا ہون،

ایک مین، مین، ایک شامل کرتا ہون پھر ایک کا اضافہ کرتا ہون، اسی طرح ایک ایک بڑھاتا چلا جاتا ہون یا ایک چھڑی کو دو حصون مین تقسیم کرتا ہون، پھر دو دو جمع کرتا چلا جاتا ہون اس کے بعد مجھکو اس کا علم ناگزیر ہو جاتا ہے کہ عدد نامحدود ہے،

مین اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا جو میری نانی سے پیدا ہوئی اور میری نانی میری پڑنانی سے، آخر سب سے پہلے پیدا کرنے والا کون ہے؟ لہذا مین مجبوراً خدا کے وجود تک پہونچ جاتا ہون،

میرے پاؤن "مین" نہین، میرے ہاتھ "مین" نہین، میرا سر "مین" نہین، یہان تک کہ میرے خیالات بھی "مین" نہین،
آخر مین کیا ہون؟ "مین" "مین" ہون یعنی "مین" میری روح ہون،
چاہے مین کسی جہت سے خدا کے وجود تک پہونچنے کی کوشش کرون نتیجہ سب کا ایک ہے، میرے خیالات اور
میری عقل کی ابتدا، خدا، میری محبت کی اصل وہی اور میرے مادہ کی بنیاد بھی وہی خدا،
روح کے تصور کی بھی یہی حالت ہے، اگر مین اپنی صداقت کی تلاش پر غور کرون تو مجھ کو علم ہوتا ہے کہ میری یہ صداقت
کی تلاش میری ایک غیر مادی بنیاد پر مبنی ہے یعنی میری روح پر،
اگر مین اپنے بھائی سے اُلفت کے جذبات کی طرف توجہ مبذول کرون تو مجھکو معلوم ہوتا ہے کہ وہ تو صرف میری
روح ہے جو اُلفت رکھتی ہے،
کیا ہمارے متشکک احباب ان سادہ لیکن گہرے خیالات پر ایک لمحہ غور فرمائین گے؟

نئی کتاب

سیر المہاجرین کا پہلا حصہ

خلفائے راشدین

از مولوی حاجی معین الدین صاحب ندوی سابق رفیق دار المصنفین

سیر الصحابہ کے سلسلۂ مہاجرین کا پہلا حصہ اس نام سے شایع ہوا ہے، اس مین حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت فاروقؓ
حضرت عثمانؓ ذی النورین اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے حالات ذاتی، سوانح، اخلاق و فضائل اور ان کی خلافت کے سیاسی
انتظامی، علمی، دینی کارنامے، اور فتوحات ملکی تفصیل لکھے گئے ہین، جنکو پڑھکر خلافت راشدہ کی ۳۰ سالہ تاریخ پوری سامنے
آجاتی ہے، اور ان خلفائے راشدین کے کمالات، فضائل، مناقب اور کارنامے پیش نظر ہو جاتے ہین ضخامت ۲۰۵ صفحے
لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، قیمت ہے

"منیجر"

اخبار علمیہ

آیندہ، اس نام سے ایران مین ایک نہایت شاندار علمی و سیاسی ماہوار رسالہ ڈاکٹر افشار کی ڈیریکٹری مین طہران سے فارسی زبان مین نکلنا شروع ہوا ہے، اس کے تازہ نمبر مین پہلا مضمون سرمایہ داری پر، اور دوسرا مضمون ایران مین نمایندون کے طریقۂ انتخاب پر ہے، اُن کے علاوہ تاریخ فلسفہ پر ایک مضمون ہے جس مین دکھا گیا ہے، کہ ایران کا دماغ اس کے لئے خاص طور سے موزون ہے، اور اسلامی زمانہ مین بھی در اصل ایرانیون ہی نے اس کی خدمت کی اور اسلام مین اس کو رواج دیا، یہ بھی بتایا گیا ہے کہ برکیون کا مشہور آتش خانہ نوبہار ترکستان کے اس شہر مین واقع تھا، جس کو اب افغانی مزار شریف کہتے ہین،

اسکول آف اورینٹیل اسٹڈیز لندن مین اس وقت مصر کی ایک مسلمان خاتون بھی زیر تعلیم ہین، جنھون نے حضرت رابعہ بصریہؒ کے سوانح و حالات کو اپنا موضوع مطالعہ قرار دیا ہے، معلوم ہوا ہے، کہ انھون نے اس کے متعلق بہت سے معلومات فراہم کئے ہین،

اس وقت ہندوستان کی دو اسلامی ریاستون سے بیک وقت اندلس کے متعلق دو نہایت عمدہ کتابین شائع ہوئی ہین، دار الترجمہ حیدرآباد دکن سے مولوی عنایت اللہ صاحب ناظم دار الترجمہ نے اندلس کا جغرافیہ جس مین نئے اور پرانے ناموں کی تطبیق بھی کی ہے، اور اس کا نقشہ بھی بنایا ہے، شایع کیا ہے، اور بھوپال سے میر وبیر قاضی محمد صاحب نے اندلس کا سفرنامہ شایع کیا ہے، جس مین اندلس کے موجودہ آثار خاص طور سے بیان کئے ہین،

لاہور مین حفظ العلوم کے نام سے اردو لغات اور علوم اور سوانح کی جو قاموس تیار ہو رہی ہے، اور جس کا ذکر پہلے بھی معارف مین ہو چکا ہے، مولانا محمد علی، سر شیخ عبد القادر اور سید حسرت موہانی نے اس کی تحسین کی ہے، یہ بھی معلوم ہوا ہے، کہ مولوی محمد شفیع صاحب وائس پرنسپل اورنٹیل کالج لاہور جو مشرقی علوم کے نامور عالم و محقق ہین اور پروفیسر براؤن کے خاص شاگردون مین ہین وہ اس کے مضامین پر نظر ثانی کر رہے ہین،

معلم زبان گراموفون کسی دوسرے ملک کی زبان سیکھنے مین ایک بڑی دقت یہ تھی کہ خاص زبان کے بولنے والے استاد ہر طالب العلم اور ہر اسکول کو میسر نہین آ سکتے تھے، اور غیر زبان دان استاد کے ذریعہ سے جو تعلیم ہوتی ہے اس سے زبان کا لہجہ، الفاظ کا تلفظ، اور محاورات کی واقفیت نہین آتی، اس کا حل اس طرح کیا گیا کہ گراموفون کے ریکارڈون مین فصیح زبان دان کی گفتگو اتاری جاتی ہے کہ طالب العلم ان کو سنکر، الفاظ لہجہ اور تلفظ کی درستی کرین، یہ طریقہ اب اس قدر پسند کیا گیا اور مفید سمجھا گیا کہ لندن یونیورسٹی کالج مین اس کا ایک خاص شعبہ قائم ہو گیا ہے، اور اس کے ذریعہ سے انگریز بچون کو صحیح و فصیح فرنچ سکھائی جاتی ہے، اب اس صیغہ کے ماہر معلمین نے اس طریقہ مین چند اور ترقیان کی ہین، کل تعلیم ۱۵ دو رخے ریکارڈون مین دیجاتی ہے، اور الفاظ سے لیکر فقرون اور عبارتون تک بتدریج ترقی رکھی گئی ہے، اور ان مین سے گرامر، پرائمر اور کتاب کا سب کام لیا جاتا ہے، اور ساتھ ہی ۲۰۰ صفحون کی کتاب لکھی ہے جس مین اس کے طریقے اور بیانات کی تشریح کی گئی ہے،

حضرت عیسیٰؑ کی انسانی سوانحعمریان پروفیسر رنان جو اسلامی ادبیات اور علوم کے ماہر تھے، انھون نے شاید اسلام ہی کے اثر سے اس بات کی کوشش کی تھی، کہ انسان حیثیت یعنی ایک پیغمبر کی صورت مین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانحعمری لکھین، جس مین ان کی الوہی حیثیت کو کوئی درجہ نہ دیا جائے، اس وقت سے حضرت عیسیٰؑ کی اس حیثیت سے سوانح نگارون کی ایک جماعت پیدا ہو گئی، ابھی حال مین حضرت عیسیٰؑ کی دو سوانحعمریان لکھی گئی ہین، ایک انگریزی مین اور

دوسری فرنچ مین، انگریزی کتاب کا نام "یسوع کی ایک نئی سوانحعمری" (A new Biography Jesus) ہے، اور اس کے مصنف کا نام شرے جیکسن کیس ہے، فرنچ کتاب کا نام (Les Juifs de Jesus) ہے اور مصنف کا نام ہنری باربوسے ہے، دونون نے حضرت عیسیٰؑ کی تاریخی شخصیت کو تسلیم کیا ہے، مگر ان کی اصلی شخصیت کے بارہ مین دونون کے دو خیال ہین، باربوسے نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے، کہ حضرت عیسیٰؑ ایک "انقلاب پسند اشتراکی" (ریوولشنری کمیونسٹ) تھے، اور اسی لئے وہ دولتمندون سے نفرت کرتے تھے، اور غریبون سے محبت کرتے تھے، انگریز مصنف نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے خود کبھی مسیح ہونے اور اپنی دوبارہ آمد کا دعویٰ نہین کیا، یہ بعد کے لوگون کا اضافہ ہے، ٹائمز (لندن) کے تعلیمی ضمیمہ (۲۷ اکتوبر) کے اڈیٹر نے ان دونون مصنفون کے دعوون کے ماننے سے انکار کیا ہے،

جرمنی مین ڈاکٹر، جرمنی مین ۴۴ ہزار ڈاکٹر ہین جن مین سے ۵۲۶ جراح (سرجن) ہین، ۲۲۶ جلدی اور دموی امراض کے اور ۲۳۹ اندرونی اعضاء کے ماہرین ہین،

شیطان کی پرستش، متعدد سیاحون نے بیان کیا ہے کہ مغولستان (منگولیا) مین ایک فرقہ ہے، جو شیطان کی پرستش کرتا ہے، شیطان کے نام سے یہان بہت سے معبد ہین، جن مین شیطان سے دعا مانگی جاتی ہے، اور اس کے لئے انسانون کی قربانی کی جاتی ہے، انسان کو صندوق مین بند کرکے میدان مین بھوکا پیاسا چھوڑ دیتے ہین، جب وہ مرجاتا ہے، تو اس کو چیل کوے، گدھ وغیرہ کھاجاتے ہین، اس ملک کی آبادی ۲۵ لاکھ کی ہے، اور اس کی وسعت ۱۵ میل مربع ہے،

فلسطین کے قدیم آثار، فلسطین کی جمعیت آثار قدیمہ کے ارکان نے لندن کے مرکزی صیغہ مین عرض داشت

پیش کی ہے، کہ روز بروز فلسطین کے بہت سے آثار قدیمہ برباد ہوتے جاتے ہین، اس پر مشہور محقق آثار قدیمہ سر پیٹر کا خیال ہے، کہ اس سے بچنے کا ایک واحد وسیلہ صرف یہی ہے کہ فلسطین مین جلد از جلد آثار قدیمہ کا عجائب خانہ کھول دیا جائے، امید ہے کہ موصوف کا مشورہ قبول کر لیا جائیگا،

طلاق کی عمر، ایک ماہر فلسفۂ اخلاق واقعات طلاق پر غور کرکے اس نتیجہ تک پہونچا ہے کہ طلاق کے حادثے بالعموم دو مختلف زمانون مین واقع ہوتے ہین، یا تو شادی کے بارہ برس کے بعد طلاق ہوتی ہے، ورنہ بیس سال تک اجتماعی مدت گذار کر طلاقین دیجاتی ہین، اور اس کا یہ بھی خیال ہے ۷۰ فی صدی طلاق ایسے زن وشو مین ہوتی ہے جو صاحب اولاد نہین ہوتے،

پیرس مین مسلمان، پیرس مین مسلمانون کی آبادی ۷۵ ہزار ہے،

پیرس مین مرد اور عورت، پیرس مین مردون کی بہ نسبت تین لاکھ تیس ہزار عورتین زیادہ ہین،

یورپ مین تعدد ازدواج، یہ بنظر حیرت کے ساتھ سنی جائیگی کہ وہی یورپ جو اسلام کے مسئلۂ تعدد ازدواج پر سب سے زیادہ معترض تھا، جنگ عظیم کے بعد وہی سب سے زیادہ اس کی ضرورت کو محسوس کر رہا ہے، چنانچہ المرشد بغداد ایک امریکن اخبار "سیاح" سے ناقل ہے کہ یورپ اور امریکہ مین خود عورتین ایسی سوسائٹیان قائم کر رہی ہین، جن کا مقصد ملک مین تعدد ازدواج کو رواج دینا ہے، اس قسم کی سوسائٹیان، لندن، پیرس، برلن، اور برسلز مین قائم ہوئی ہین،

رباعیات

جامِ صہبائی

از اثر صہبائی،

(۱)

محرومِ بقا جامِ شہرت کے مزے — آلودۂ غم سرابِ دولت کے مزے
ہر چند محبت بھی ہے فانی لیکن — فردوس نژاد ہین محبت کے مزے

(۲)

ہے دیر و حرم مین اور نہ میخانون مین — مفقود ہے یہ بلند کاشانون مین،
ہر چند کہین نہین ہے تسکین یا رب — لیکن ہے اگر تو تیرے دیوانون مین،

(۳)

زندہ تو بہت ہین سوزِ ہستی ہی نہین، — میکش تو بہت ہین جوشِ مستی ہی نہین
عالم ہین بہت، مگر عمل ہے مفقود — حق بین تو بہت ہین حق پرستی ہی نہین

(۴)

بیگانۂ عقل و ہوش ہو جاتا ہون — طوفانِ یم خروش ہو جاتا ہون
تقدیر کو کوستا ہون ہنگامِ شکست — جب سوچتا ہون خموش ہو جاتا ہون،

(۵)

یرنگ طلسمِ زندگی کو پایا — آلودۂ غم ہر اک خوشی کو پایا،
تسکین ہے اگر تو ذکرِ یزدان مین اثر — سرچشمۂ بیخودی اسی کو پایا،

باب التقریظ والانتقاد

تلقیح فہوم اہل الاثر

مصنفۂ

حافظ ابو الفرج ابن جوزیؒ بغدادی

امام ابن جوزی رحمہ اللہ کی تصنیفات نے اسلام کو جسقدر فائدہ پہونچایا ہو، اور اہل علم کو جس قدر ممنون احسان بنایا ہے، وہ محتاج بیان نہین ہے، امام ممدوح کی ایک تصنیف یہ کتاب بھی ہے جس کا نام تلقیح فہوم اہل الاثر فی مختصر السیر والاخبار ہے، یہ کتاب ۱۸۹۳ء مین جیسا کہ اکتفاء القنوع کا بیان ہے تلقیح فہوم اہل الاثار فی مختصر السیر والاخبار کے نام سے یورپ مین چھپ چکی ہے، اس مطبوعۂ یورپ نسخہ کی اصل برلن کے کتبخانہ مین ہے، لیکن خوش قسمتی سے اس کا ایک نسخہ ہندوستان مین بھی ٹونک کے کتبخانہ مین موجود تھا، اس دوسرے نسخہ سے مولوی سید محمد یوسف رائے بریلوی ٹونکی نے نقل کے کر اور تصحیح کرکے اس کو دہلی سے شایع کیا ہے،

مولوی سید محمد یوسف ہندوستان کے ایک مشہور علمی خاندان سادات رائے بریلی کے رکن ہین، اُن کو قدیم اور نایاب کتابون کا بڑا شوق ہے، وہ اکثر ہندوستان کے گوشون مین نایاب کتابون کو تلاش کرتے انکی نقلین لیتے اور بقیمت ثمانیین تک پہونچاتے رہتے ہین،

اس کتاب کی تصحیح و تحشیہ مین انھون نے کافی محنت اٹھائی ہے، اس کے لئے انھون نے ابن سعد، کنز العمال انساب سمعانی، سیرۃ ابن ہشام، سیرت مغلطائی، انوار محمدیہ، زرقانی، معارف ابن قتیبہ، خصائص کبری، استیعاب

اور مغنی، وغیرہ کتابون کے علاوہ حسب ذیل قلمی کتابون سے بھی مدد لی ہے،

مسند ابو یعلی موصلی، تاریخ ابی حاتم، عسکری کی کتاب الاوائل اور ایک قلمی حاشیۂ استیعاب،

اس قدر محنت کے بعد بھی بعض مقامات پر تصحیح نہ ہو سکی، اور وہان حاشیہ دیکر (کذا فی الاصل) لکھدیا گیا ہے، معلوم نہین مولانا نے برلن کے مطبوعہ نسخہ سے کچھ مدد لی یا نہین، مقدمۂ ناشرین اس نسخہ کا ذکر تو ہے، لیکن یہ نہین بتایا کہ اس سے کیون مدد نہین لی گئی،

فاضل ناشر کے حاشیہ کو ہم نے جا بجا سے پڑھا، یقیناً وہ داد کے مستحق ہین، اور مفید ہین، لیکن بعض مقامات پر جہان ان کو طویل حاشیہ دینا پڑا ہے، یہ معلوم ہو جاتا ہے، ایک عجمی اپنے عجمی لحن مین بول رہا ہے، کاش ایسا نہ ہوتا،

اصل کتاب کی ترتیب یہ ہے کہ شروع مین ابتدا ے آفرینش، حضرت آدم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے، اس کے بعد رسول اللہ صلعم کی زندگی کے حالات ہین، اس کے بعد صحابہ کے حالات شروع ہوتے ہین، جس مین پہلے فضل صحابہؓ، صحابی کی تعریف، مراتب صحابہؓ اور صحابہؓ کی تعداد اور بڑے بڑے مشہور صحابہ کا ذکر ہے، پھر ردیف وار دوسرے صحابہؓ کا تذکرہ ہے، اس کے بعد مشہور صحابیاتؓ پھر ردیف وار عام صحابیاتؓ کا ذکر ہے، ہر قسم کے صحابہؓ اور صحابیاتؓ کے حالات کے بعد ان حدیثون کا ذکر ہے جن پر فقہ کا دار مدار ہے، اس کے بعد صحابہؓ کو مختلف طبقات پر تقسیم کر کے بتایا ہے، کہ کون حفاظ تھے، کون محدثین تھے، کن کا شمار فقہا مین تھا، وغیرہ وغیرہ اس کے بعد اولیات کا بیان پھر فن حدیث و رجال کے متعلق دوسری مفید باتین ہین

کتاب علوم و معلومات کا خزانہ ہے، حافظ ابن جوزی نے کوشش کر کے اس کوزہ مین دریا کو بند کیا ہے، اس بنا پر اس کی اشاعت اہل علم پر بڑا احسان ہے، امید ہے کہ اہل علم اس کی قدر کرین گے، اور اس سے فائدہ اٹھائین گے، قیمت ؟ پتہ محمد یوسف مدرسہ حاجی علی جان،

گھنٹہ گھر دہلی، "ج"

مشرقی کتبخانۂ پٹنہ کی فارسی کتابون کی آٹھوین فہرست

معارف ج ۸ نمبر ۳ مین پٹنہ لائبریری کی فارسی مخطوطات کی سات فہرستون پر ریویو ہوچکا ہے، اب ہمارے سامنے اس کی آٹھوین کڑی ہے، جو کتبخانہ کی عام فہرستون کے لحاظ سے گیارہوین جلد ہے، اس کے مرتب بھی وہی خان بہادر مولوی عبد المقتدر صاحب ہین جنھون نے پچھلی جلدین ترتیب دی ہین، اس لئے اس مین بھی وہ تمام خوبیان جو پچھلی جلدون مین تھین موجود ہین،

اس جلد مین طب، منطق، ہندسہ، ہیأت و نجوم، رمل، فال، تعبیر، اسمائے جواہر، فن تعمیر، خط کشی و رنگ آمیزی اور عکس و تصویر کی کتابون کا تذکرہ ہے، جن مین حسب ذیل کتابین خاص اہمیت رکھتی ہین،

نور العین، سنہ ۴۰۰ھ کی تصنیف اور سنہ ۹۰۰ھ کی تحریر خط پاکیزہ نستعلیق مصنف ابی روح محمد بن منصور بن ابی عبد اللہ بن منصور، جرجانی معروف بہ زرین دست، ملک شاہ سلجوقی کے حکم سے لکھی گئی، اس مین سوال و جواب کی شکل مین، آنکھون کی شناخت آنکھون کی قابل دید اور ناقابل دید بیماریان، اور ان کی دوا و درمان، اور آنکھون کو نفع نقصان پہونچانے والی چیزون کا بیان ہے، اور بتایا گیا ہے کہ کون کون عمل جراحی آنکھ کے کن کن امراض کو فائدہ پہونچا سکتے ہین، اور کون امراض چشم اس قسم کے ہین کہ انھین دوا تدبیر کچھ کام نہین کر سکتی، یہ تمام مباحث ۱۰ ابواب مین پھیلا کر لکھے گئے ہین، کتاب مین ۴۸ مسائل کا ذکر ہے، انداز بیان سوال و جواب کا ہے، مصنف نے کتاب مین بڑے بڑے حکما مثلاً حنین بن اسحاق اور زکریا رازی وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے، مصنف نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ان حکما نے زیادہ تفصیل کے ساتھ آنکھ کے امراض سے بحث نہین کی ہے، نمبر کتاب ۹۷۱،

۲۔ ذخیرۂ خوارزم شاہی مصنف کا نام یاقوت نے (معجم البلدان ج ۲ ص ۵۵) ابو ابراہیم بن الحسین بن محمد الحسینی بتایا ہے، حاجی خلیفہ نے اسماعیل بن الحسین بن محمد حسینی اور کتبخانہ کے نسخہ پر اسماعیل بن الحسین بن محمد بن احمد الحسینی الجرجانی لکھا ہے، سال وفات یاقوت نے ۵۳۱ھ بتایا ہے، حاجی خلیفہ نے مختلف مقامات پر ۵۳۰ھ ۵۳۱ھ اور ۵۳۵ھ لکھا ہے، خود اس کتاب سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مصنف ۵۰۴ھ کے قریب خوارزم آیا، جب کہ محمد شاہ خوارزم سلطان برکی کی طرف سے وہاں (۴۹۱ھ تا ۵۲۱ھ) حاکم تھا، اسی کے نام سے یہ کتاب تصنیف کی، حاجی خلیفہ نے اس مصنف کی تین کتابون کا اور ذکر کیا ہے، یادگار، خفی، علائی، (پٹنہ لائبریری عدد ۹۲۶) اغراض الطب (انڈیا آفس نمبر ۲۲۸۷) اس کتاب کو مصنف نے ۹ حصون پر تقسیم کیا تھا جن مین سے ۴ حصے کتبخانہ مین موجود ہین، یہ کتاب فارسی زبان کی قدیم سے قدیم طبی انسائیکلوپیڈیا کا پرانے سے پرانا نسخہ ہے،

۳۔ علاجات دارا شکوہی مصنفہ نور الدین محمد عبد اللہ حکیم شیرازی،

۴۔ شرح بست باب طوسی، اصطرلاب کے بیان مین، شارح نظام الدین عبد العلی بن محمد حسین البرجندی، یہ کتاب بو ہار لائبریری مین بھی ہے،

۵۔ کفایت التعلیم، مصنفہ امام ظہیر الدین ابی الحامد محمد بن مسعود بن الزکی الغزنوی، خط صاف نستعلیق، فن نجوم کی ایک نایاب کتاب،

۶۔ معیار الازمان، مختلف اقوام کے شہور و سنن کے بیان مین ایک قیمتی تصنیف، مصنف کا نام منشی الملک فخر الدولہ، دبیر الملک راجہ رتن سنگھ، بہادر ہشیار جنگ ہے، مصنف ۱۱۹۸ھ مین لکھنؤ مین پیدا ہوا ۱۲۳۸ھ تک کمپنی کا ملازم تھا، پھر ملازمت سے الگ ہو کر لکھنؤ آ رہا، ۱۲۳۴ھ مین یہ کتاب تصنیف کی، نسخہ ۱۲۳۹ھ کا لکھا ہے،

۷۔ رسالۂ رمل، نصیر الدین طوسی،

۸۔ بازنامہ مصنف کا نام معلوم نہین، چڑیون کے حالات، ان کی بیماریان اور علاج،

نادر کتابون کے ذیل مین اور بھی کتابون کے نام ہین، مگر انکی تفصیل تطویل سے خالی نہین، مولوی

عبد المقتدر صاحب کی ان کوششون نے ان کو یورپ کے حلقۂ علم مین بھی ممتاز کیا ہے، اور وہان کے اچھے اچھے لوگون نے ان پر تقریظین لکھی ہین جو حد درجہ حوصلہ افزا ہین، اور یہ چیز ان کو یورپ کی سیاحت کے بغیر حاصل ہوئی ہے،

اہل علم کو یہ فہرستین گورنمنٹ پریس، پٹنہ سے مل سکتی ہین، " ج "

برہان اور عبرت،

برہان جناب خواجہ مولانا محمد عبد الحئی صاحب فاروقی استاذ تفسیر و ناظم دینیات جامعہ ملیہ دہلی نے قرآن مجید کی تفسیر کا جو سلسلہ شروع کیا ہے، یہ کتابین اسی کی ایک کڑی ہین، الہلال کلکتہ نے تفسیر قرآن کا جو نیا طرز قائم کیا وہ دور جدید مین بہت مقبول ہوا اور متعدد لوگون نے اس کی نقل و تقلید کی خواجہ صاحب بھی اسی طرز کے مقلد ہین [illegible] کی تفسیر زیادہ تر سیاسی رنگ رکھتی ہے، قرآن پاک کے نزول کا منشا صرف حصول حکومت و سلطنت نہین وہ جس طرح جماعتی زندگی کی تعلیم دیتا ہے، اسی طرح وہ شخصی زندگی کی تعلیم بھی دیتا ہے لیکن اس تفسیر کی یک طرفہ حیثیت نے اس کی تفسیری حیثیت کم کر دی ہے،

برہان جو سورہ نور کی تفسیر کا نام ہے، اور جس کا موضوع صرف عورتون کی عصمت کا تحفظ ہے، اس قسم کے مضامین کی تو گنجایش ہی نہین رکھتا لیکن خواجہ صاحب نے اس مین بھی سیاست کی آمیزش کر ہی دی ہے، بہر حال یہ تفسیر تفسیر تو ہے نہین البتہ قرآن مجید کو اصل قرار دیکر اس مین دور جدید کے متعلق مختلف خیالات ظاہر کئے گئے ہین، لیکن تفسیری حیثیت سے وہ اس سے زیادہ بحث و نظر کے محتاج ہین، مثلاً رجم کے متعلق جو انھون نے خیالات ظاہر کئے ہین تفسیری حیثیت سے وہ اس سے زیادہ بحث و نظر کے محتاج ہین، کیونکہ رجم کے متعلق وہ تسلیم کرتے ہین کہ اس کا حکم قرآن مجید مین نہین ہے، بلکہ وہ شریعت کے قوانین عامہ سے مستنبط ہے، حالانکہ اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ حدود کے متعلق جب تک کوئی آیت نازل نہین ہوتی تھی، رسول اللہ صلعم احکام تورات

کے مطابق سزا دیتے تھے، اور توراۃ مین زانی کے سنگسار کرنے کا حکم موجود ہے، البتہ قرآن نے اس کے بجائے سو درّون کی سزا مقرر کی، اس لئے اصل سوال یہ ہے کہ اس آیت نے رجم کی سزا کو جو بہ اتباعِ قولِ رسول اللہ صلعم نے دی تھی منسوخ کر دیا یا وہ قائم ہے؟ لیکن نسخ کے لئے یہ ثابت کرنا ضروری ہے کہ سو درّون کی سزا کا حکم رجم کے بعد نازل ہوا ہے، اور یہ یقینی طور پر ثابت نہین ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسی تعارض کی بنا پر دونون مین تطبیق دی ہے یعنی پہلے درّے لگائے مین پھر رجم کیا ہے، کیونکہ ان دونون کا جمع کرنا ممکن تھا، بہرحال یہ ایک اصلاحی کتاب ہے جو قرآن مجید کو پیشِ نظر رکھکر لکھی گئی ہے، اس لئے قابلِ مطالعہ ہے، لکھائی چھپائی عمدہ قیمت عہ ضخامت ۱۴۴ صفحہ مکتبۂ جامعہ ملیہ دہلی سے مل سکتی ہے"

عبرت، خواجہ صاحب کی تفسیر القرآن کا یہ دوسرا ٹکڑہ ہے جس مین سورۂ یوسف کی تفسیر کی گئی ہے، اور حسبِ معمول سیاسی خیالات پر مشتمل ہے، بلکہ بعض جگہ اس نے نہایت بدنما صورت اختیار کر لی ہے مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے جو متعدد مذہبی و اخلاقی نتائج نکالے ہین، ان مین چند نتائج حسبِ ذیل ہین،

(۱) انگریزون کے دورِ حکومت مین بکثرت لوگ قحط و گرانی سے مرے ہین لیکن وقوعِ قحط سے پہلے وہ اس کا کوئی انتظام نہین کرتے بلکہ غلون کو خرید کر خود ہی مصنوعی قحط ڈال دیتے ہین،

(۲) مالیات کا صیغہ اصل ذریعہ حکومت ہے لیکن فنانس ممبر صرف انگریز ہوتے ہین ہندوستانی نہین ہوتے،

اسی قسم کے سیاسی اور اصلاحی خیالات سے کتاب لبریز ہے، اور ان خیالات کا حصہ اصل تفسیر سے زیادہ ہے، سیاسی حیثیت سے کسی حکومت پر نکتہ چینی کرنا کوئی قابلِ اعتراض بات نہین ہے لیکن سیاست خود ایک مستقل فن ہے، اور اسی فن کے حدود مین رہکر اس پر نکتہ چینی کی جا سکتی ہے قرآن مجید کا موضوع اس سے الگ ہے، اور وہ اس موضوع سے ذرہ برابر بھی نہین ہٹتا، خود عہدِ نبوت مین بہت سی جبار و قہار سلطنتین قائم تھین اور وہ اپنی رعایا پر ظلم بھی کرتی تھین، لیکن قرآن مجید نے نہ انکے سیاسی مظالم گنائے ہین نہ ان کے طریقِ حکمرانی پر کہین نکتہ چینی کی ہے، پھر ایسی مقدس کتاب کی تفسیر مین اصل متن کے مطالب و مقاصد کو چھوڑ کر خارج از بحث سیاسی بحث کہان تک موزون ہو سکتی ہے، بہرحال خواجہ صاحب کا جذبۂ حریت و آزادی قابلِ قدر ہے لیکن اس کا اظہار بے موقع کیا جاتا ہے، اس ٹکڑے کی لکھائی چھپائی بھی عمدہ ہے ضخامت ۱۶۰ صفحہ قیمت عہ اور مکتبۂ جامعہ ملیہ دہلی سے مل سکتی ہے"

"ع"

مطبوعات جدیدہ

سفرِ حجاز، جناب خطیب قادر بادشاہ صاحب المخلص بہ بادشاہ مرحوم نے ۱۹۱۰ء مین حرمین شریفین کا جو سفر کیا تھا اس کے حالات مراسلات کی صورت مین مخبر دکن مدراس کو روانہ کرتے رہتے تھے، بعد کو انھون نے یہی مراسلات بہ ترمیم و اصلاح سفرنامے کی صورت مین شایع کر دین اور ہمارے سامنے اس سفرنامہ کا دوسرا اڈیشن ہے، اب اگرچہ حجاز کی زمین و آسمان بالکل بدل گئے ہین، اور اس سرزمین مقدس مین بہت سے سیاسی و مذہبی انقلابات رونما ہو چکے ہین، اس لئے اس پرانی داستان مین کوئی لطف باقی نہین رہا، تاہم سفر حج کے جو سادہ حالات انھون نے خلوص و صداقت سے بلا تصنع و تکلف لکھے ہین وہ مؤثر ہین اور بعض موقع بہ موقع ان کے چند اشعار اور بھی زیادہ دلچسپی پیدا کرتے ہین، لکھائی چھپائی متوسط ضخامت ۲۰۴ صفحہ قیمت ۸ر نمبر ۸، گوڈون اسٹریٹ مدراس سے خطیب محمد عبد الرشید سے مل سکتی ہے،

التحقیق الحسن فی اثبات القمیص فی الکفن، مولانا ابو المکارم محمد علی صاحب اختلافی مسائل پر چھوٹے چھوٹے رسائل اکثر لکھا کرتے ہین، انھون نے اس رسالہ مین آثار و احادیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ عہد رسالت، عہد صحابہؓ اور عہد تابعین مین کفن مین قمیص دینے کا رواج تھا، اور اس پر جس قدر اعتراضات ہوتے ہین ان کے جوابات دیئے ہین، رسالہ کے دیکھنے سے مصنف کی تحقیق و وسعت معلومات کا اندازہ ہو سکتا ہے، لکھائی چھپائی متوسط، ضخامت ۱۶ صفحہ قیمت و پتہ درج نہین،

ہدایۃ المنطق، علم منطق فرنگی محل کے فضل و کمال کا ہر دور مین جزو کمال رہا ہے، جناب مولانا عنایت احمد صاحب فرنگی محلی افسر مدرس مدرسۂ عالیہ نظامیہ فرنگی محل لکھنؤ نے اس سنت دیرینہ کو اس دور مین زندہ کیا ہے، منطق کے مسائل کو اردو مین نہایت وضاحت کے ساتھ لکھا ہے، اور اصطلاحات منطقیہ کی پیچیدگیون سے عموماً احتراز کیا ہے، تاکہ بچون کو مطالب کے سمجھنے مین آسانی ہو، لیکن باوجود اس اختصار کے منطق کے تمام ضروری مسائل اس رسالے مین آگئے ہین، امید ہے کہ مدارس عربیہ کے طلبہ اس سے فائدہ اٹھائین گے، ضخامت ۲۰ صفحہ، قیمت درج نہین، مصنف سے معلوم ہو سکتی ہے،

النفحۃ الاجملیہ فی الصلات الفعلیہ، عربی زبان مین بہت سے افعال کسی حرف جر کے ذریعہ سے متعدی ہوتے ہین جن کو اس فعل کا صلہ کہا جاتا ہے، لیکن چونکہ ان افعال اور ان حروف کے مواقع استعمال کا علم تمام تر تتبع و استقرار پر موقوف ہے، اس لئے جن کی نظر وسیع نہین ہوتی وہ ان افعال کے صلات مین اکثر غلطیان کرتے ہین، اسی غرض سے مولوی محمد طیب مکی مرحوم نے اس رسالہ مین اصولاً تمام افعال کے صلے بتائے ہین، اور اشعار و امثلہ سے اُن کی توضیح کی ہے، ادبا بالخصوص طلبہ کے لئے وہ بہت مفید ہے، تقطیع خورد، ضخامت ۱۱۲ صفحہ، قیمت ۱۰ر پتہ: شبلی بک ڈپو لکھنؤ،

جامع عثمانی، تقریباً ہر ملک اور ہر شہر کا قبلہ اور ان کے اوقات نماز مین اختلاف ہوتا ہے، اس لئے اوقات نماز کی صحیح تعیین ایک مذہبی خدمت ہے، اور مولوی محمد عبد اللہ صاحب احقر مدراسی نے جو علم ہیئت کا عمدہ ملکہ رکھتے ہین، اس کتابچہ کے ذریعہ سے حیدرآباد دکن اور اس کے تعلقات کے متعلق یہ خدمت انجام دی ہے، اور اس اسلامی ریاست کے تمام متعلقون کیلئے اوقات نماز کی الگ الگ جدول بنادی ہے جو ۲۰۸ صفحات مین آئی ہے، ہم کو یقین ہے کہ اس اسلامی ریاست کے طول و عرض مین اس کی پابندی سے مسلمانون کے ایک اہم فریضۂ مذہبی پر ٹھیک مذہبی ہدایات کے مطابق عمل ہوسکے گا، لکھائی چھپائی معمولی قیمت اور پتہ درج نہین،

احمد خان و عزیزہ، یہ ایک ناول ہے جس کو آقا محمد کرمانی بی اے مدرس فارسی مدرسۂ عالیہ متعلق بہ نظام کالج حیدرآباد دکن نے جدید فارسی زبان مین لکھا ہے، اور قصے کی دلچسپی کے ساتھ بعض اخلاقی نتائج بھی نکالے ہین، جو لوگ قصص و حکایات کی چاشنی کے ساتھ جدید فارسی محاورات سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہین، ان کے لئے یہ ناول مفید ہوگا، ضخامت ۱۸۴ صفحے لکھائی چھپائی عمدہ قیمت عہ مصنف سے مل سکتا ہے،

پس پردہ، یہ جناب آغا حیدر دہلوی کے ان چند مضامین کا مجموعہ ہے جو دلی کی زنانہ زبان اور زنانہ لب و لہجہ مین لکھے گئے ہین، قدیم زمانہ مین یہی جو اردو شاعری کی ایک صنف ہے، زنانہ محاورات اور زنانہ زبان کے تحفظ کا ذریعہ تھی، لیکن اس زمانہ مین ریختی کے غیر سنجیدہ خیالات نے اس کو بالکل تہذیب و شائستگی کے درجہ سے گرا دیا، اس لئے دور جدید مین گویا زنانہ زبان بالکل متروک ہوگئی، لیکن ان مضامین نے تہذیب و شائستگی کے ساتھ دوبارہ عورتون کی

زبان کو زندہ کر دیا ہے، اس لئے جو لوگ دہلی کی بیگمات کے محاورات سے واقف ہونا چاہتے ہین، ان کے لئے یہ مجموعہ بہت مفید ہوگا، اس مجموعہ مین بہت سے محاورات اور بہت سے الفاظ ایسے آگئے ہین جن کو غیر زبان دان نہین سمجھ سکتے بہتر ہوتا اگر اخیر مین ان کے حل کرنے کے لئے ایک فرہنگ لگادی جاتی لکھائی چھپائی عمدہ ضخامت ۱۸۳ صفحے تقطیع خورد قیمت عہ جناب مولوی عبد الحق صاحب ایم او کالج علی گڈھ سے مل سکتا ہے،

کتاب الہدیٰ، جناب سیٹھ یعقوب حسن صاحب نے کتاب الہدی کے نام سے قرآن مجید کے متحد مضامین کو آیتون کے حوالون کے ساتھ ساتھ یکجا کرنے کا جو کام شروع کیا تھا اور جس کا مقدمہ کشاف الہدی کے نام سے پہلے شائع ہوچکا ہے، اس کا پہلا حصہ اب شایع ہوا ہے جس مین خدا کی ذات وصفات اور تمام اجزائے کائنات کی آفرینش کے متعلق قرآن مجید کی تمام آیتون کو یکجا کرکے ان کا ترجمہ اور ان کی شرح وتفسیر کی ہے، قدیم تفسیرون مین چونکہ ہر آیت کی الگ الگ تفسیر کی گئی ہے، اس لئے ان سے دل پر ایک مضمون کی تمام آیتون کا جو مجموعی اثر پڑنا چاہئے تھا وہ نہین پڑتا، لیکن اس کتاب نے اس کمی کو پورا کر دیا ہے، اس لئے جو لوگ قرآن مجید کے تمام مضامین ومطالب پر الگ الگ دفعۃً واحدۃً حاوی ہونا چاہتے ہین ان کے لئے یہ کتاب نہایت مفید ہے، لکھائی چھپائی عمدہ ضخامت ۲۵۶ صفحے، قیمت ؟ پتہ:- سیٹھ یعقوب حسن صاحب ایمالپور، مدراس،

گہوارۂ اردو، یہ کم سن بچون کو اردو سکھانے کے لئے لکھا گیا ہے، اس کے مؤلف مولوی حکیم محمد عثمان صاحب ندوی ہین جنکو بچون کی تعلیم کا اچھا خاصہ تجربہ بھی حاصل ہے، اس رسالہ کے دو حصے ہین، مصنف کا نظریہ یہ ہے کہ بچون کو ان کے گہوارہ ہی سے صحیح زبان سکھائی جائے، چنانچہ اسی اصول پر انھون نے اپنا یہ رسالہ ترتیب دیا ہے، پہلے حصہ مین چھ ماہ کے بچہ سے لیکر جب وہ غون غان شروع کرتا ہے، بہ ترتیب چار سال کے بچہ کی زبانی تعلیم کے لئے سات چھ چھ مہینے کے تفاوت سے لکھے گئے ہین، ہر شش ماہی کی عمر کی مناسبت سے الفاظ اور اسی مناسبت سے اس کی تدریجی ترقی کے سبق مصنف نے بڑی محنت سے جمع کئے ہین جنمین زیادہ تر مفردات ہین، دوسرے حصہ مین الف بے، اور فقرے اور عبارتین ہین، ہمین امید ہے کہ کم سن بچون کے والدین اس مفید جدت تعلیمی کو پسند کرین گے، قیمت ۸ر پتہ:- مصنف سے محلہ بیگہ، شیخپورہ ضلع مونگیر،

مجلد بستم	ماہ جمادی الثانی سنہ ۱۳۴۶ھ مطابق ماہ دسمبر سنہ ۱۹۲۷ء	عدد ششم

مضامین

شذرات	سید سلیمان ندوی	۴۰۲ - ۴۰۹
القضاء الاسلامی	مولانا عبد السلام صاحب ندوی	۴۱۰ - ۴۲۷
غنی کاشمیری	مولوی اکرام الحق صاحب سلیم ایم اے،	۴۲۸ - ۴۴۳
پرنس کاتانی کی اطالی تواریخ اسلام	شیخ عنایت اللہ صاحب ایم اے معلم عربی گورنمنٹ کالج جھنگ	۴۴۴ - ۴۵۰
روداد ترتیب رقعات عالمگیری	سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم اے	۴۵۱ - ۴۵۷
سرمد کی زندگی کا ایک کہنہ ترین ورق	"	۴۵۸ - ۴۶۰
امریکہ کی مالی اور تعلیمی حالت	"ر"	۴۶۱ - ۴۶۳
جاپانی اخبار نویسی	"ع"	۴۶۴ - ۴۶۶
کیا سری کرشن ایک اسرائیلی پیغمبر تھے،	"ر"	۴۶۷ - ۴۶۸
اخبار علمیہ	"	۴۶۹ - ۴۷۲
رحلت مصطفےٰ	مولوی سید یاست علی صاحب رفیق دار المصنفین	۴۷۳ - ۴۷۶
کلیات ولی	"ع"	۴۷۷ - ۴۷۸
مطبوعات جدیدہ	"	۴۷۹ - ۴۸۰

شذرات

اس نمبر پر یہ جلد تمام ہو جاتی ہے، جن صاحبون کا چندہ اس مہینہ ختم ہو گیا ہوگا، آیندہ جنوری کا پرچہ ان کے نام وی پی ہوگا، جن صاحبون کو آیندہ خریداری منظور نہ ہو وہ اطلاع دیدین تو دفتر پر احسان ہوگا بعض ایسے اصحاب بھی ہین، جو پرچہ خریدنا چاہتے ہین، مگر وی پی وصول ہونے پر ڈاکیہ کو دوسرے وقت اس کے لانے کی ہدایت کرتے ہین، مگر چونکہ ڈاک کا صیغہ صرف ایک ہی دفعہ ان کے پاس اس کے پہنچانے کا ذمہ وار ہے، اس لیے وہ عموماً دوسری دفعہ نہین لے جاتا، یا چند روز ڈاکخانہ مین امانت رہنے کے بعد وہ دفتر مین واپس آجاتا ہے، اور ان صاحبون کو دوبارہ وی پی منگوانا پڑتا ہے اس طرز عمل سے دفتر کو اور خریدارون کو دونون کو نقصان پہنچتا ہے، امید ہے کہ خریدار اصحاب اس طرز عمل کو بدل کر خود اپنے کو بھی اور ہم کو بھی ممنون فرمائین گے،

گذشتہ ماہ اکتوبر مین مدراس سے واپسی مین تقریباً دس برس کے بعد حیدرآباد میرا جانا ہوا، اور مسلسل ۲۰ روز تک وہان رہنے کا اتفاق ہوا، اور ان قیام مین شہر کے ارکان و عمائد، اہل علم، اور اہل قلم اصحاب نے نمائندۂ دارالمصنفین کی جو قدر افزائی کی وہ اسکی توقع سے زیادہ تھی، ان دس برسون کے اندر حیدرآباد نے جو سب سے زیادہ شاندار ترقی کا مظہر پیش کیا ہے وہ اس کا **جامعۂ عثمانیہ** ہے، جامعۂ عثمانیہ اور دارالترجمہ کے توسل سے حیدرآباد مین تقریباً تمام ہندوستان کی روح کھنچ کر آگئی ہے، جامعۂ عثمانیہ کی انجمن اتحاد کی تقریر مین مین نے ظرافۃً کہا تھا کہ ہم کو ہندوستان مین جو قحط رجال نظر آتا ہے اس کی اصلی وجہ یہان آکر معلوم ہوئی، یعنی ہندوستان کے فضلا کا بڑا حصہ ہندوستان سے کھنچکر دکن مین آباد ہو گیا ہے، اور ہندوستان خالی رہ گیا ہے، اس وقت میرے خیال مین جامعۂ عثمانیہ اور دارالترجمہ کے تعلق سے قدیم اور جدید

علوم کے ماہرین کی تعداد سو سے کم نہ ہوگی، اس سے اعلیٰ حضرت فرمانروائے کشورِ دکن کی قدر دانی، مردم شناسی اور علم دوستی کا اندازہ ہوگا، داغ کا مصرع معنوی حیثیت سے اب موزون ہوا ہے،

حیدرآباد آبجل گلزار ہے،

لیکن اس خوشی کے ساتھ ایک غم بھی تھا کہ گو حیدرآباد کے آسمان مین سیکڑون ستارے چمک رہے ہین لیکن علم و دانش کا وہ آفتاب غروب تھا جو اس نظام شمسی کا مرکز تھا یعنی نواب عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی مرحوم، مرحوم اب شہر سے باہر ایک پہاڑی کے دامن مین ایک لطیف و سبک بے سقف کی بارہ دری کے اندر راحت فرما ہین، اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمتون سے سرفراز کرے،

اس بات مین کسی شبہ کی گنجائش نہین کہ جامعۂ عثمانیہ کی تجویز توقع سے زیادہ کامیاب ہوئی، اور بالآخر اس طویل فکری مناظرہ کا کہ مغربی علوم و فنون کی تعلیم مادری زبان مین دی جاسکتی ہے یا نہین، اور اردو زبان اس قابل ہے یا نہین عملی استدلال سے فیصلہ ہوگیا، اور جامعۂ عثمانیہ نے ثابت کردیا کہ مادری زبان ہی مین تعلیم دماغی نشو و نما کے اصلی جوہر کو نمایان کرسکتی ہے، پروفیسرون اور استادون کو کیمیا، طبیعیات اور ریاضیات کے دقیق سے دقیق مسئلہ کو اردو اصطلاحات اور زبان مین تعلیم دیتے ہوئے دیکھکر یہ محسوس ہوتا تھا کہ طلبہ پر غیر مادری زبان اور مسئلہ کی دقت کا دوگونہ بار نہین پڑ رہا ہے، حقیقت یہ ہے کہ جب کبھی ہندوستان کو قومی تعلیم کا خیال آئیگا تو عثمانیہ یونیورسٹی ہی اس خیال کا سنگِ بنیاد قرار پائے گی،

یہ بھی خوشی کی بات ہے کہ خوش قسمتی سے عثمانیہ یونیورسٹی کو ہر علم و فن کے لیے اچھے سے اچھے اور لائق سے لائق استاد جو اس بازار مین مل سکتے تھے میسر آئے ہین، اور اس حیثیت سے وہ ہندوستان کی کسی یونیورسٹی سے کم

مرتبہ نہین ہے، بلکہ شاید وہ بہت سی سرکاری یونیورسٹیون سے اس بارہ مین بہتر ہو،

جامعہ کی بالفعل خود اپنی کوئی عمارت نہین، متعدد بڑی بڑی کوٹھیون اور کرایہ کی عمارتون کو جو آس پاس تھین کرایہ پر لیکر استعمال مین لایا جا رہا ہے، اور کہین کہین ان کو تھوڑے تغیر سے مصرف کے قابل بنا لیا گیا ہے اور بعض کمرے تو ایسے موزون بنگئے ہین کہ وہ بالکل بے جوڑ نہین معلوم ہوتے ہین، خصوصاً تجربہ گاہ، جو معلوم ہوتا ہے کہ بالکل اسی غرض کیلئے بنا ہے، تاہم اگر جامعہ کے لیے کوئی خاص عمارت بنجائے جو زیر غور ہے تو اس کی ظاہری شان وحیثیت بھی دوبالا ہوجائے،

کیمیا اور طبیعیات کے تجربہ گاہ بھی بہت کچھ ترقی یافتہ ہین، یہ سنکر خوشی ہوئی کہ طلبہ کی تعداد سال بسال آرٹس (فنون) کی جگہ علوم (سائنس) مین بڑھ رہی ہے، یہین کے تجربہ گاہ مین وہ نادر زمانہ چیز بھی دیکھنے مین آئی جس کو لوگ ریڈیم کہتے ہین، ایک مختصر کمرہ کو خاص اسی کے لیے موزون کیا گیا ہے، ہر طرف دروازہ بند کرکے اور بیرونی روشنی کی درآمد کو سیاہ پردون سے روک کر جب کوٹھری بحر ظلمات بنائی گئی اور پھر نور کا ٹکڑا ڈبیہ سے نکال کر جب آنکھ کے سامنے کیا گیا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ اندھیری رات مین سینکڑون چھوٹے چھوٹے تارے آسمان سے گر کر ادھر ادھر فضا مین پھیل رہے ہین،

جامعہ عثمانیہ کا کوئی پہلو اگر قابل افسوس ہے تو وہ شعبۂ دینیات ہے، اس شعبہ مین ہندوستان کے بڑے بڑے فاضل استاد ہین، جنہین سے ایک بھی اگر ہندوستان کے کسی عربی مدرسہ کو میسر آجائین تو وہ اسکی شہرت کے لیے کافی ہے، مگر باین ہمہ اوسکی طرف طلبہ یا طلبہ کے اولیا، کا رجحان نہین، حالانکہ اعلیٰ حضرت نے اپنی غایت دین پروری اور قدرشناسی کی وجہ سے اس شعبہ کے طلبہ کو جو حق ملازمت اور عزت پسند مین وہی درجہ عنایت کیا ہے جو دوسرے

شبون کے کامیاب طلبہ کو مرحمت فرمایا ہے، تاہم اودھر میلان نہین، اس کو مسلمانون کی بدبختی کے سوا اور کس چیز سے تعبیر کیا جائے،

جامعۂ عثمانیہ کی تعلیمی کامیابی درحقیقت اس کے **دارالترجمہ** کی ممنونِ احسان ہے، یہی وہ شعبہ ہے، جس نے جامعہ کو اس قابل بنایا ہے کہ وہ مادری زبان مین تعلیم کا اہم کام انجام دے، انگریزی، عربی، فارسی کے ضخیم اور دقیق تراجم کا کام یہان نہایت عمدگی سے انجام پا رہا ہے، یہان کے تراجم اگر اردو کتابون کے عام بازارون تک آجائین تو معلوم ہو کہ اس کے ذریعہ سے اردو زبان کو کس حد تک مالا مال کر دیا گیا ہے، سیاسیات، طبعیات، ریاضیات، اخلاقیات، تاریخ اسلام، تاریخ یورپ، تاریخ ہند، جغرافیہ، اور ہر علم و فن کی کتابین تیار ہو چکی ہین، اور تیار ہوتی جاتی ہین، اور اس وقت تک ایک سو کے قریب کتابین چھپ چکی ہین،

حیدرآباد کی علمی کوششون کا تیسرا میدان **دائرۃ المعارف** ہے جہان سے قدیم مشرقی کتابین چھپکر شائع ہوتی ہین، یہ دائرہ شاید آج سے تیس برس پہلے ملا عبدالقیوم مرحوم اور نواب عماد الملک مرحوم کی کوششون سے وجود مین آیا، اور اس کے ذریعہ سے بہت سی قدیم و نادر عربی کتابین چھپکر شائقین علم کے ہاتھون تک پہنچین، اور جنھون نے نسیم بہار بنکر حیدرآباد کی علم دوستی کی خوشبو چار دانگ عالم مین پھیلا دی، اس وقت دائرہ مین ایسے محنتی اور جفاکش اور لائق کارکن اور مصحح موجود ہین، جو اپنے کام کو فرض شناسی کے ساتھ انجام دے رہے ہین، یہ افسوس ہے کہ دائرہ کی حیثیت ایک غیر سرکاری مجلس کی ہے، اور اس کا مطبع بھی اسکی حیثیت سے فروتر ہے، اور قلت سرمایہ کے باعث کام کرنے والون کا معاوضہ بھی اتنا نہین کہ وہ ایسے گران شہر مین فارغ البالی اور اطمینان سے کام کر سکین، گدائے گوشہ نشین کی یہ رائے، رموز مملکت مین مداخلت تو نہ سمجھی جائے گی کہ مجلس اشاعۃ العلوم نظامیہ اور دائرۃ المعارف کو ایک کر دیا جائے، تاکہ دونون کام ایک نظام مین منسلک ہو جائین اور دونون کو فائدہ پہنچ سکے،

کتبخانۂ آصفیہ حیدرآباد کی علمی عمارت کا چوتھا ستون ہے، ہمارے خیال مین کتابون کی کثرت، نوادر کی کثرت، قلمی کتابون کی کثرت، فائدہ اٹھانے والون کی کثرت، استفادہ کی سہولت اور حسنِ انتظام کے لحاظ سے یہ ہندوستان کے تمام مشرقی کتب خانون سے بہتر ہے، دس برس کے بعد اس کو اب دیکھنے کا اتفاق ہوا، کتابین بڑھی جاتی ہین، ضرورت ہے کہ اسکی جدید فہرست نئے اسلوب پر تیار کیجائے، موجودہ ناظمِ کتب خانہ نے اس کام کا آغاز کر دیا ہے، مگر یہ نہایت اہمیت اور دقتِ نظر کا کام ہے، اس کے لیے خاص توجہ درکار ہے،

امسال **ندوۃ العلماء** کا سالانہ اجلاس امرتسر مین تھا، نومبر کی ۲۵-۲۶-۲۷ تاریخین اس کے لیے مقرر تھین، جناب مولانا غلام حسین صاحب وزیر امور داخلیہ و وزیر تعلیمات ریاست بھاولپور اس کے صدر تھے، جلسہ مین علماء اور تعلیم یافتہ اصحاب اور عام مسلمان شریک تھے، ریاستِ بھاولپور کو ندوۃ العلماء سے اس کے آغاز کار سے جو تعلق رہا ہے مولانا ممدوح کی صدارت نے اس کو اور بھی مستحکم اور ناقابلِ شکست بنا دیا، دارالعلوم کی درسگاہ کی عمارت تمامتر اسی ریاست کی ایک شاہی خاتون کی مرہون منت ہے، ہماری امید تھی کہ اس درسگاہ کا ناتمام حصہ بھی اسی ریاست اسلامیہ کے دست جود و سخا سے انجام کو پہنچے، چنانچہ اس اجلاس مین جناب معلّی القاب ہز ہائنس فرمانروائے ریاست بھاولپور خلد اللہ ملکہ کی طرف سے پندرہ ہزار کی گرانقدر امداد مرحمت فرمائی گئی، ہز ہائنس کی اس توجہ و التفات شاہی سے متاثر ہو کر ریاست عالیہ کے ارکان و عمائد نے بھی دس ہزار کی رقم فراہم کی، اور ریاست کی طرف سے دارالعلوم کے صیغۂ وظائف مین تین سو سالانہ کی جو رقم عنایت ہوئی تھی، وہ بڑھا کر پانچسو سالانہ کر دی گئی،

جہان تک مسلمانانِ شہر کا تعلق ہے، جلسہ کے اہتمام، حسنِ انتظام اور مہمان نوازی کے مصارف کے علاوہ ان سے خود ندوہ کو مالی امداد ان کی حیثیت سے کم ملی، جلسۂ عام مین دو ڈھائی ہزار کا عام چندہ ہوا، مگر اس کی تلافی کا وعدہ جیوری مین کیا گیا ہے یعنی ڈھائی ہزار کی مزید رقم اس مہینہ مین جمع کیجائے گی، ارکانِ

ندوۃ العلما، اس ایفائے عہد کے لیے چشم براہ ہیں،

اس اجلاس کا معنوی ماحصل یہ رہا کہ یہ طے پایا کہ دارالعلوم میں مدرسین اور مبلغین کی تیاری کے لیے دو درجے کھولے جائیں، بڑی مشکل یہ ہے کہ نئے مدرسے جو نئے انداز پر کھل رہے ہیں، ان کے لیے لائق مدرسین نہیں ملتے اور روز بروز تدریس کا فن کم ہو رہا ہے، اس طرح لائق اور قابل مبلغین کا قحط ہے، میری طرف سے یہ تجویز پیش ہوئی، اور اس پر ایک گھنٹہ تک تقریر کا سلسلہ جاری رہا، ہم کو خوشی ہے کہ حاضرین نے اس ضرورت کا اعتراف کیا، اور اس کے لیے مسرت کیساتھ آمادگی کا اظہار کیا، تجویز یہ تھی کہ ہونہار اور مستعد طلبہ کو اس کام کے لیے دو دو برس کے لیے پینتیس پینتیس روپے تک کے وظیفے دیئے جائیں، اور ان کو دارالعلوم میں تدریس و تبلیغ کی تعلیم دیجائے، چنانچہ اب تک اس شعبہ میں جن صاحبوں نے مالی امداد کا وعدہ فرمایا وہ حسب ذیل ہیں، ساہوکار جمال محی الدین صاحب مدراس ۳ وظیفے، مولانا غلام حسین صاحب صدر اجلاس و وزیر داخلیہ و تعلیمات بھاولپور ۱ وظیفہ، جناب نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی ۱ وظیفہ، جناب حاجی نظام الدین صاحب ناظم مالیات حمایت اسلام لاہور، ۱ وظیفہ، مسلمانان ہوشیارپور ۱ وظیفہ، جناب منشی امتیاز علی صاحب وکیل فیض آباد، ۱ وظیفہ، انجمن اسلامیہ امرتسر ۱ وظیفہ، دارالعلوم کے فارغ التحصیل طلبہ جو اس درجہ میں داخل ہونا چاہیں، اپنی درخواستیں معتمد تعلیمات دارالعلوم کے پاس بھیج سکتے ہیں،

حسب دستور، نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی کی دلگداز اور مؤثر تقریر جلسہ کی روح تھی، دارالعلوم کے طلبہ نے عربی اور اردو میں جو تقریریں کیں وہ نہایت حوصلہ فزا تھیں، مولوی عبدالرحمان کاشغری کا عربی قصیدہ، اور محمد اکبر اور نجم الدین طالب علم کی تقریریں بہت پسند کیگئیں، اور ان کو انعامات دیے گئے اور تین فارغ التحصیل طلبہ، مولوی عبدالرحمان کاشغری، مولوی قاری محمد منیر لکھنوی، اور مولوی عتیق احمد بھاگلپوری کو سند فراغ دیگئی،

امرتسر سے جمعیۃ العلماء کے اجلاس سالانہ کی شرکت کے لیے پشاور عمر میں پہلی دفعہ جانے کا اتفاق ہوا، جمعیۃ العلماء کے اجلاس کے حالات اور تجویزیں اخبارات میں شایع ہو چکی ہیں، مولانا انور شاہ صاحب کا خطبۂ صدارت اپنی جامعیت اور بصیرت افزائی کے سبب سے لائق توصیف تھا، اجلاس میں صوبۂ سرحد کے بہت سے علماء شریک تھے، عام سرحدی مسلمان بھی بکثرت شریک تھے، تجویزوں میں اہم چیزیں ان رسوم و بدعات کے مٹانے اور چھوڑنے کی ہدایت تھی جو خاص طور سے صوبۂ سرحد اور افغانی مسلمانوں میں جاری ہیں، نیز مدارس اسلامیہ کے نصاب میں اصلاح اور جدید مسائل کے تصفیہ کے لیے علماء کی ایک مجلس کا تقرر، نیز صوبۂ سرحد میں ایک عربی درسگاہ کا قیام،

پشاور میں علمی اور تعلیمی حیثیت سے کوئی چیز قابل ذکر ہے تو وہ دارالعلوم یعنی اسلامیہ کالج ہے، شہر سے چار پانچ میل باہر پشاور اور جمرود کے بیچ میں واقع ہے، وسیع عمارتیں ہیں، درسگاہیں ہیں، دارالاقامے ہیں، کتبخانہ ہے، مسجد ہے، طلبہ کی بھی خاصی تعداد ہے، کئی سو لڑکے ہیں جنمیں خاص صوبۂ سرحدی کے علاوہ بعض آزاد علاقوں کے لڑکے بھی ہیں، اس کالج کے متعلق مخالف و موافق دو رائیں ہیں جنمیں سے ایک یہ ہے کہ یہ جاہل پٹھانوں کو متمدن اور مہذب بنانے کی مشین ہے، دوسری رائے یہ ہے کہ یہ بہادر اور آزاد پٹھانوں کو غلام اور نامرد بنانے کا مہذب ذریعہ ہے، لیکن یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ اس تعلیم جدید سے قومیت کا احساس زندہ رہا ہے، اور پھر ایک ایسی قوم میں یہ احساس جو مذہب، زبان اور نسل میں بالکل متحد اور ایک ہے۔۔۔۔۔۔

اسلامیہ کالج کا مشرقی کتب خانہ بھی قابل قدر ہے، تقریباً اردو اور نادر کتابوں کا خاصہ ذخیرہ اوسکی الماریوں میں ہے، اور اتفاق سے اوس کو ناظم بھی ایک لائق اور شائق علم عالم میسر آگیا ہے، قلمی کتابوں میں بعض طب و کیمیا کی ایک دو حدیث کی اور بعض دوسرے علوم کی نادر کتابیں ہیں، بعض نامور مصنفین کی تحریریں بھی ہیں، کتابیں بھی سلیقہ سے

مرتب کیگئی ہین کتبخانہ کی چھپی ہوئی مفصل فہرست بھی شایع ہوچکی ہے ،

صوبۂ سرحد مین مسلمانون کی تعداد تقریبًا ۲۲ لاکھ ہے، اٹک کے مشہور دریا سے جہان اوس پار ہوئے ، صاف محسوس ہوتا ہے کہ زمین اور آب و ہوا بدل گئی اور زبان پنجابی کے بجائے پشتو ہوگئی، یہ دریائے اٹک گویا ہندوستان کی طبعی حد ہے، دریا پر پرانے بادشاہون کے قلعے کے آثار ریل سے نظر آتے ہین، ریلوے پل پر آہنی پھاٹک اور مسلح سنتریون کا پہرہ بتاتا ہے کہ باب الہند شروع ہوگیا، پشاور سے دس بارہ میل پر جمرود آتا ہے، یہ بالکل درۂ خیبر کے دہانہ پر آباد ہے مشہور درۂ خیبر کا ذکر تاریخون مین ہزارون بار پڑھا تھا، مگر ہندوستان کے اس پہاڑی پھاٹک کو دیکھنے کا پہلی دفعہ اتفاق ہوا، جمرود سے لنڈی خانہ تک ۲۰ میل کی مسافت ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دو پہاڑون کے بیچ مین بیس میل کی ایک گلی ہے، جو افغانستان سے ہندوستان کو یا ہندوستان سے افغانستان کو ملاتی ہے، مشہور مسجد علی جو کبھی ہندوستان اور افغانستان کی سرحد تھی، دو گز سے زیادہ بڑی مسجد نہ ہوگی، اور اس مقام پر اس قدر کم چوڑا راستہ ہے کہ اگر پہاڑ پر پچاس آدمی بھی ہون، تو وہ بڑی سی بڑی فوج کا راستہ بھی روک دین، حکومت برطانیہ نے اس تمام راستہ پر پورا دخل پالیا ہے، اور تین قسم کے راستے اس مین نکال دیئے ہین، ایک کاروان کے لیے پرانا رستہ، دوسرا نہایت عمدہ راستہ موٹرون کے لیے اور تیسری ریلوے لائن، اور اونچی پہاڑیون پر مورچے بنائے ہین ، پہاڑون کے داہنے بائین، اوپر نیچے آفریدیون، محسودیون، شنواریون وغیرہ کے مکانات اور کچے قلعے ہین، ہر چہار دیواری بجائے خود ایک قلعہ اور ایک خان کی حکومت ہے، اگر کسی دن یہ پوری قوم واحد قوم بنجائے تو کیا ہو؟ اس کا سمجھنا آسان نہین ،

مقالات

القضاء الاسلامی

۲

از مولانا عبد السلام صاحب ندوی،

مقدمات فوجداری اگرچہ خود عہد رسالت ہی مین ایک صحابی کا تقرر بحیثیت افسر پولیس کے ہو چکا تھا، لیکن یہ صیغہ باضابطہ طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ مین قائم ہوا اور بعد مین اس صیغے کے افسر "صاحب الاحداث"، "والی نظام" اور "والی حرب" وغیرہ مختلف لقبون سے ممتاز ہوتے رہے، جن کے فرائض مین مختلف جرائم کی سزاؤن کا نفاذ، فتنہ و فساد کی روک تھام، اور مجرمین کی سرکوبی داخل تھی، اور فوجداری کے جن مقدمات مین شہادت یا اقرار کا وجود نہین ہوتا تھا، ان کا فیصلہ بھی انھین افسرون سے متعلق تھا[۱]۔

عام تعزیری جرائم مثلاً چوری، ڈاکہ، قتل، اور زنا وغیرہ کے علاوہ جن کی سزائین اسلام نے مقرر کردی ہین، اور بھی متعدد مذہبی، اخلاقی اور تمدنی جرائم ہین جن کی اسلام مین کوئی سزا مقرر نہین ہے، اور عادۃً عدالتون مین کوئی شخص ان کے متعلق مرافعہ نہین کرتا، مثلاً اگر کوئی شخص نماز نہ پڑھے، وقت اور جماعت کا پابند نہ ہو، تاجر پیمانہ و وزن مین کمی کرین، کھانے پینے کی چیزون مین مضر یا ناجائز چیزین ملائین، یا ناجائز چیزون کی تجارت کرین تو گو اسلام مین ان کی کوئی سزا مقرر نہین ہے، اور عام طور پر ان کے متعلق مقدمات بھی دائر نہین ہوتے،

---

[۱] الطرق الحکمیہ صفحہ ۱۰۵ ۲۱۸

لیکن اگر ان کی اصلاح و نگرانی نہ کیجائے تو مذہب، اخلاق اور تمدن کو سخت نقصانات پہنچ جائین، اس لیے اس ضرورت کے لیے اسلام نے احتساب کا ایک مستقل صیغہ قائم کیا جسکی ابتدا حضرت عمرؓ کے زمانے مین ہوئی اور انھون نے بازار کی نگرانی کے لیے حضرت عبداللہؓ اور حضرت صائبؓ کو مقرر کیا، لیکن بعد کو چل کر احتساب کا ایک مستقل محکمہ قائم ہوگیا، اور محتسب کے اختیارات و فرائض اس قدر وسیع ہوگئے، کہ ان پر مستقل کتابین لکھی گئین، اور امام غزالیؒ نے احیاء العلوم مین اس پر نہایت تفصیلی بحث کی ہے، بہرحال اسلام مین یہ صیغہ پولیس کے صیغہ سے الگ تھا اور ان جرائم پر سزا دینا، اونکی اصلاح و نگرانی کرنا محتسب کے فرائض مین داخل تھا لیکن ان چھوٹے چھوٹے جرائم کے علاوہ اہم جرائم مثلاً چوری، ڈاکہ، قتل، زنا اور خیانت وغیرہ کے اور تمام مقدمات قاضی سے تعلق رکھتے ہین، اور وہ ان کی تحقیقات کے لیے مجرمین کی تلاشی لے سکتا ہے، چنانچہ صحیح بخاری مین یہ واقعہ مذکور ہے کہ ایک ایک صحابیؓ نے اپنے بعض فوائد کے لیے مشرکین مکہ کو رسول اللہ صلعم کے خلاف ایک خط لکھا اور اس کو ایک مشرک عورت کے ذریعہ سے روانہ کیا، رسول اللہ صلعم کو اس کی خبر ہوئی تو چند سوار روانہ کئے، جنھون نے تعاقب کرکے اس کو گرفتار کیا، لیکن جب اس نے خط کے حوالہ کرنے سے انکار کیا تو ان لوگون نے دھمکی دی، کہ اگر تم نے خط واپس نہین کیا تو ہم تم کو برہنہ کر دینگے، مجبوراً اس نے کمر سے خط نکال کر ان کے حوالہ کیا[۵]۔

انکشاف جرائم کے متعلق تو اس حدیث سے قطعاً تلاشی لینے کا جواز ثابت ہوتا ہے، لیکن علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ اگر مدعا علیہ دیوالیہ ہونے کا دعویٰ کرے اور اس کے برخلاف مدعی کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ صاحب مال ہے تو اس کی درخواست پر قاضی کو اس کی تلاشی لینی بھی ضروری ہو جاتی ہے[۶]۔

(۲) انکشافِ جرائم مین وہ نہایت ظنی قرائن سے بھی کام لے سکتا ہے، مثلاً ایک بار معتضد کے ایک غلام نے رات کے وقت دوسرے غلام کو قتل کرکے خود تمام غلامون مین جاکر سو رہا، معتضد نے تحقیقات شروع کی، تو ہر ایک کے دل پر ہاتھ رکھا، جنمین اس غلام کے دل کی حرکت نہایت تیز محسوس ہوئی جس نے

---

[۵] موطائے امام مالک کتاب الجہاد ع، [۶] صحیح بخاری کتاب المغازی باب فضل من شہد بدرا [۷] الطرق الحکمیہ صفحہ ۹،

ارتکاب قتل کیا تھا، چنانچہ اس نے اس سے اقرار جرم کروایا اور اس کو سزائے قتل دی[1]،

(۳) وہ اثبات جرم سے پہلے مجرمین کو زیر حراست بھی رکھ سکتا ہے، اور رسول اللہ صلعم نے بھی مجرمین کو زیر حراست رکھا ہے[2]، البتہ زمانۂ حراست کی مقدار مین اختلاف ہے، بعض لوگون کے نزدیک اسکی مدت صرف ایک مہینہ ہے، اور بعضون کے نزدیک اسکی کوئی تعیین نہین ہے بلکہ افسر پولیس خود مناسب مدت مقرر کر سکتا ہے[3]،

پیروی مقدمات اسلام مین اگرچہ بذریعہ وکیل کے مقدمہ کی پیروی کرائی جا سکتی ہے لیکن یہ پتہ نہین چلتا کہ اسلام کی عدالتی تاریخ مین بطور پیشہ کے وکالت کا رواج کبھی تھا یا نہین؟ بعض کتابون مین ہے کہ امام شافعیؒ کے معاصرین مین عیسیٰ بن ایانؒ جب بصرہ کے قاضی مقرر ہوئے تو ان کے پاس دو بھائی آئے، جو مقدمات مین وکیل ہوا کرتے تھے، جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام مین وکالت کا پیشہ قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے اور وہ کوئی بدعت نہین تھی[4]

فیصلہ ان تمام مراتب کے بعد قاضی کو بہ ترتیب دو مرحلے طے کرنے پڑتے ہین،

(۱) ایک تو یہ کہ مدعی اور مدعا علیہ مین جس چیز کے متعلق نزاع ہے اسکی نسبت اصلی حالات کا پتہ لگانا،

(۲) اور ان حالات کے مطابق منصفانہ فیصلے صادر کرنا،

اور اسلام مین ان دونون مراحل کے متعلق چند کلی اور عام اصول متعین کئے ہین، مثلاً مقدمات کے اصلی حالات کے پتہ لگانے کے لیے اسلام نے شہادت کو ضروری قرار دیا ہے، کیونکہ مدعی ایک ایسا دعویٰ کر رہا ہے، جو ظاہری حالات کے مطابق نہین ہے، اس کے برعکس مدعا علیہ ظاہری حالت سے استشہاد کرتا ہے، مثلاً ایک چیز کے متعلق جو عمرو کے قبضے مین ہے، اگر زید یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ میری ہے تو اس کا یہ دعویٰ اس شے کی ظاہری حالت کے مطابق نہین ہے، لیکن عمرو کا یہ کہنا کہ وہ چیز میری ہے، بالکل ظاہری حالت کے مطابق ہے، ایسی حالت مین انصاف کا اقتضا یہ ہے کہ جب مدعی کا دعویٰ ظاہری حالات کے مخالف ہے تو اس سے اس کے اثبات کیلئے شہادت طلب کی جائے، لیکن اگر وہ شہادت نہ پیش کر سکے، تو مدعا علیہ سے جو ظاہری حالات کی مطابقت

---

[1] الطرق الحکمیہ ص ۱۱ [2] ، ص ۱۲ [3] ، ص ۱۰۳ [4] المقارنات والمقابلات ص ۵۱-۵۲

ہی کو سند قرار دے رہا ہے شہادت کے بجائے صرف حلف لیا جائے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قاعدہ کی شرعیت کی طرف ان الفاظ مین اشارہ فرمایا ہے،

لو یعطی الناس بدعواھم لادعی ناس دماء	اگر لوگون کے حقوق صرف ان کے دعوی کرنے سے دلا دیئے جائین
رجال واموالھم ولکن البینۃ علی المدعی	تو بہت سے لوگ لوگون کے جان و مال کے مدعی ہو جائین اس لیے
والیمین علی المدعی علیہ[1]	مدعی پر گواہ کا لانا فرض ہے، اور مدعا علیہ پر حلف،

اب اس حدیث کے رو سے اسلام مین مقدمات کے فیصلہ کی بنیاد دو چیزون یعنی شہادت اور حلف پر قائم ہوتی ہے اور ہم ان دونون چیزون پر بتفصیل بحث کرتے ہین۔

شہادت اس زمانے مین شہادت بہت زیادہ شرائط کی پابند نہین ہے، لیکن اسلام نے شاہد کے لیے ایسے اوصاف ضروری قرار دیے ہین جن سے انصاف و صداقت کا ظن غالب پیدا ہو، اور وہ اسکو لوگون کی نگاہون مین عام طور پر مقبول و برگزیدہ بنا سکین، چنانچہ خداوند تعالی خود فرماتا ہے،

ممن ترضون من الشھداء،	وہ گواہ جن کو تم پسند کرتے ہو،
واشھدوا ذوی عدل منکم،	اور اپنون مین سے دو عادلون کو گواہ بناؤ،

اس لیے جو لوگ ان اوصاف سے متصف نہین ہین وہ حق شہادت سے محروم کر دیئے گئے اور رسول اللہ صلعم نے ان کی نسبت ارشاد فرمایا ہے،

لا تجوز شھادۃ خائن ولا خائنۃ ولا زان	خائن اور زانی مرد اور خائنہ اور زانیہ عورت کی شہادت جائز
ولا زانیۃ[2]	نہین ہے۔

اور جو لوگ کسی مسلمان پر زنا کی تہمت لگا کر اس کو ثابت نہین کر سکتے ان کی نسبت خداوند تعالی نے فرمایا

[1] صحیح مسلم مین "ولکن البینۃ علی المدعی" کا فقرہ نہین ہے، لیکن بیہقی وغیرہ نے بسند صحیح اس فقرے کی روایت کی ہے، اور شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ مین اسی روایت کو لیا ہے، [2] ابوداؤد کتاب الاقضیۃ باب من ترد شہادتہ،

ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا واولئک ھم الفاسقون الا الذین تابوا الخ، — ان کی شہادت کبھی نہ قبول کرو، اور وہ لوگ فاسق ہین بجز ان لوگون کے جنھون نے توبہ کی،

زنا اور تہمتِ زنا کے حکم مین اور دوسرے کبائر بھی داخل ہین[1]،

یہی وجہ ہے کہ عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ مین جھوٹی شہادتون کا رواج نہین ہوا اور بعد مین بھی لوگ اس کو اس قدر اہم چیز خیال کرتے تھے کہ جھوٹی شہادت تو الگ بچون تک کو شہادت دینے سے منع کرتے تھے، چنانچہ

قال ابراھیم کنا ینھون نحن وھم غلمان عن العھد والشھادات[2]، — ابراہیم کہتے ہین کہ بچپن مین لوگ ہم کو شہادت اور معاہدہ سے منع کرتے تھے،

لیکن جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشینگوئی فرمائی تھی کہ

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یجئ قوم یبتدر شھادۃ احدھم یمینہ ویبتدر یمینہ شھادتہ[3] — سب سے بہتر زمانہ میرا ہے، پھر ان لوگون کا جو ان کے بعد ہونگے (یعنی تابعین کا) پھر ان لوگون کا جو ان کے بعد ہون گے (یعنی تبع تابعین کا)، اس کے بعد ایک ایسی قوم آئیگی کہ ان مین ہر شخص کی شہادت اوسکی قسم سے اور اس کی قسم اوسکی شہادت سے مسابقت کرے گی،

پھر جب یہ نامبارک زمانہ آیا تو قضاۃِ اسلام نے شاہدون کی تعدیل کی یعنی سرًا و علانیۃً لوگون کے ذریعہ سے شاہدون کی عدالت، صداقت اور دوسرے اخلاقی اوصاف کے متعلق جانچ پرتال کرنا شروع کی، لیکن چونکہ عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ مین اسکی نظیر قائم نہین ہوئی تھی، اس لیے اوّل اوّل جب قاضی شریح نے حنفیہ طور پر شاہدون کی اخلاقی تحقیقات کی تو لوگون نے اعتراض کیا کہ "احدثت" یعنی آپ نے یہ نئی بات پیدا کی

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم صـ ۱۲۵ [2] مسلم کتاب المناقب صـ ۳۰۸

مگر انھون نے خود اسی اعتراض کو جواب کے قالب مین بدل کر کہا کہ "احد تو" یعنی لوگون نے بھی تو نئی نئی باتین پیدا کرلی ہین[1] لیکن باایں ہمہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ

المسلمون عدول بعضهم علی بعض الا محدودًا فی القذف، بجز اس شخص کے جس کو تہمت زنا کے لگانے کی وجہ سے سزا دیگئی ہو تمام مسلمان شہادت دینے مین عادل ہین،

اس لیے فقہاء کے نزدیک قاضی کو صرف گواہون کی ظاہری عدالت پر اکتفا کرنی چاہیئے، اور اس کے چال چلن کے متعلق کوئی پوچھ گچھ نہین کرنی چاہیئے - البتہ فوجداری کے مقدمات مین چونکہ قاضی کا یہ فرض ہے کہ ہر ممکن طریقہ سے ملزم کے بری کرنے کی کوشش کرے، اس لیے وہ اس سلسلے مین گواہون کی چال چلن کے متعلق بھی جانچ پرتال کرسکتا ہے، لیکن اگر فریق مقدمہ خود گواہ پر کوئی الزام لگائے تو خفیہ و علانیہ دونون طریقون سے اس کے چال چلن کی جانچ پرتال قاضی کے فرائض مین داخل ہوجاتی ہے، بلکہ امام محمدؒ اور قاضی ابو یوسفؒ کے نزدیک فوجداری اور دیوانی دونون قسم کے مقدمات مین قاضی کو گواہون کے چال چلن کی جانچ کرنی چاہیئے[2] بہرحال جب زمانہ مابعد مین عہد صحابہؓ کی طرح گواہون کی ثقاہت، اور عدالت پر اعتماد نہین رہا، تو قضاۃ اسلام نے ان کے چال چلن کے متعلق جانچ پرتال شروع کردی، چنانچہ مصر مین ایک زمانہ تک یہ رواج تھا کہ جب کوئی اچھا شخص شہادت دیتا تھا تو وہ بلا چون وچرا قبول کرلیجاتی تھی ورنہ اس کو مردود کردیا جاتا تھا، اور اگر اس کی عدالت و ثقاہت غیر معلوم ہوتی تھی تو اس کے متعلق اس کے پڑوسیون سے پوچھ لیا جاتا تھا، اور وہ اس کی برائی اور بھلائی جو کچھ بیان کردیتے تھے اس پر عمل کیا جاتا تھا، لیکن جب جھوٹی شہادتون کا بہت زیادہ رواج ہوا تو قاضی غوث بن سلیمان نے خلیفہ منصور کے زمانے مین خفیہ طور پر گواہون کے چال چلن کی جانچ پرتال شروع کی اور اس کے بعد اس کا عام رواج ہوگیا[3]

یہ احتیاط تو ان گواہون کے متعلق تھی جو عام مقدمات مین شہادت دینے کے لیے پیش کیے جاتے تھے، لیکن مقدمات کے سلسلے سے الگ وقف وصیت

---

[1] محاضرۃ الاوائل صفحہ ۹ [2] ہدایہ جلد ثالث صفحہ ۹۵، [3] کتاب الولاۃ للکندی صفحہ ۳۶۱،

اور دستاویز وغیرہ پر جن گواہوں کی شہادت ثبت ہوتی تھی، ان کے متعلق اور بھی زیادہ احتیاط سے کام لیا گیا اور چند ثقہ لوگ اس کے لیے مخصوص کر لیے گئے، چنانچہ بغداد مین سب سے پہلے قاضی اسمٰعیل مالکی نے اس قسم کی شہادتون کے لیے ثقات کی ایک جماعت کو مخصوص کر دیا اور دوسرے لوگون کے لیے اسکی ممانعت کر دی اور کہا کہ "اب لوگون کی اخلاقی حالت خراب ہو گئی ہے، اور شہادت کی باضابطگی اس طریقہ کے بغیر ناممکن ہے"[1] اگرچہ بعد کو اس طریقہ کے رائج کرنے مین بہت سی دشواریان پیش آئین، کیونکہ اس طریقہ سے اور لوگ اپنے ایک اخلاقی اور تمدنی حق سے محروم ہو جاتے تھے، اور در پردہ گویا ان کی اجازت پر حملہ ہوتا تھا، تاہم قضاۃ اسلام نے ان تمام مشکلات کی کچھ پروا نہین کی، اور اس طریقہ کو نہایت عزم و استقلال کے ساتھ قائم رکھا، چنانچہ قاضی محمد بن مسرور جب مصر مین آئے اور وہان ثقات کی ایک جماعت کو ان معاملات کی شہادت کے لیے مخصوص کیا تو لوگ ان کو برا بھلا کہنے لگے، لیکن انھون نے بھی ان کا مقابلہ کیا،[2] قاضی مفضل بن فضالہ نے اس قسم کے گواہون کی تعداد کو محدود کیا تو لوگون پر سخت گران گذرا اور اسحاق بن مفضل نے چند اشعار مین ان کی ہجو کی، چنانچہ ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے،

مین صبح تک خدا سے دعا کرون گا کہ تجھکو ایک لاغر کتا بنا دے، تو نے ہمارے فیصلے مین ظالمانہ طریقہ اختیار کیا، اور ڈاکوؤن کی ایک جماعت کو ثقہ بنا دیا، گذشتہ زمانے مین لوگون نے یہ نہین سنا تھا کہ ثقہ صرف چند آدمی ہین،[3]

قاضی عمری نے اہل مدینہ مین قریش اور انصار وغیرہ کے آزاد شدہ غلامون مین سے اس مقصد کیلئے سو آدمیون کو منتخب کیا، اور معافری کو ان کا سردار بنایا تو بعض شعراء نے ان گواہون کی ہجو لکھی،[4] لیکن باایں ہمہ مشکلات اس تعیین و تحدید مین روز بروز زیادہ باقاعدگی اور باضابطگی پیدا ہوتی گئی، یہان تک کہ قاضی عبدالرحمان المہری

[1] محاضرۃ الاوائل صفحہ ۹۸، [2] کتاب الولاۃ للکندی صفحہ ۳۸۹، [3] ایضاً صفحہ ۳۸۶،
[4] ایضاً صفحہ ۳۹۶،

نے سب سے پہلے ان گواہون کا نام باقاعدہ طور پر ایک رجسٹر مین درج کیا اور ان کے بعد اور قاضیون نے بھی اس کی تقلید کی[1]، اگرچہ اس قسم کے گواہ نہایت ثقہ اور معزز لوگون مین سے انتخاب کیے جاتے تھے، چنانچہ جب قاضی عیسیٰ منکدر کے زمانے مین عبداللہ بن حکم نے جو اس جانچ پر تال پر مقرر کیا گیا تھا، عام بازاری لوگون کو عادل قرار دیکر گواہ بنا دیا تو بعض لوگون نے اس پر سخت اعتراض کیا[2]۔ لیکن باایں ہمہ اس قسم کے ثقہ لوگون کی اخلاقی حالت مین بھی تغیرات ہو سکتے تھے، اس لیے قاضی لبسیہ بن عیسیٰ نے ہر چھ مہینہ کے بعد ان کی جانچ پر تال بھی شروع کر دی، اور ان مین جس شخص کو ناقابل اعتبار پایا، ان کو شہادت سے روک دیا[3]،

مختلف فیہ شہادتین اسلام نے شہادت کے لیے عقل، بلوغ، واقعہ کی یاد داشت، گویائی، اسلام، عدالت، مروت اور غیر متہم ہونے کی شرط لگائی ہے، اس لیے بظاہر دیوانے، نابالغ، گونگے، کافر اور فاسق یعنی بدکار لوگون کی شہادت قابل اعتبار نہین ہو سکتی لیکن دیوانون اور گونگون کو چھوڑ کر بچون، کافرون، بدکارون کی اور اس قسم کے اور بھی بہت سے لوگون کی شہادت کے متعلق مباحث و اختلافات موجود ہین،

بچون کی شہادت مثلاً امام شافعیؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام ابن حنبلؒ سے بھی ایک روایت ہے کہ انھون نے بچون کی شہادت کو غیر مقبول قرار دیا ہے، لیکن ان سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اگر بچے ہوشمند ہون اور ان مین شہادت کے اور تمام متذکرۂ بالا شرائط پائے جائین تو ان کی شہادت مقبول ہو سکتی ہے، ان سے تیسری روایت یہ ہے کہ اگر بچے آپس مین ایک دوسرے کے جسم و جان کو نقصان پہنچائین، اور موقع واردات سے منتشر ہونے سے پہلے ہی شہادت دین تو ان کی شہادت مقبول ہو سکتی ہے، چنانچہ ایک بار چھ لڑکے ایک ساتھ تیرنے کو گئے جنمین ایک ڈوب گیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا، تو تین لڑکون نے دو لڑکون کے متعلق شہادت دی کہ انھون نے اس کو ڈبویا ہے، اور دو نے تین لڑکون کی نسبت اسی قسم کی شہادت دی تو

---

[1] کتاب الولاۃ للکندی صفحہ ۴۹۴،

[2] ,, صفحہ ۴۲۱، [3] ,, صفحہ ۴۲۲،

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تین لڑکوں سے دو خمس اور دو لڑکوں سے تین خمس وراثت دلوائی، قاضی شریحؒ کا قول ہے کہ اگر وہ متفقہ طور پر شہادت دیں تو ان کی شہادت مقبول ہو سکتی ہے، لیکن اگر باہم اختلاف کریں تو ان کی شہادت کو قبول نہیں کیا جا سکتا، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے گواہوں کی نسبت فرمایا۔

ممن ترضون من الشھداء ۱؎ وہ گواہ جنکو تم پسند کرتے ہو،

اور بچے ان لوگوں میں شامل نہیں ہیں جنکو ہم شہادت کے لیے پسند کرتے ہیں، لیکن حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا ایک قول یہ ہے کہ اگر بچوں سے شہادت کی خواہش کیجائے، تو وہ اس کے لیے سب سے زیادہ موزوں ہیں، لیکن اسی کے ساتھ ان کے نزدیک وہ اسوقت شہادت کے قابل ہو سکتے ہیں، جب مصیبت کی آزمائش میں اپنے ہوش و حواس کو بجا رکھکر ثابت قدم رہ سکیں اور قضاۃ اسلام نے انھیں کے قول کو قبول کیا ہے، لیکن بچوں کی شہادت کیلئے اور بھی بہت سے شرائط لازمی ہیں، مثلاً وہ مرد، آزاد اور مسلمان ہوں اور ان میں واقعہ کے سمجھنے کی صلاحیت پائی جائے، ان کی تعداد دو یا دو سے زیادہ ہو، ان کی شہادت میں اتفاق ہو، اختلاف نہ ہو، ایک دوسرے سے منتشر ہو کر گھروں میں چھپ نہ گئے ہوں، ان کے شہادت باہم ایک دوسرے کے مقابل میں ہو، اور صرف باہمی قتل یا مار پیٹ کے مقدمات کے متعلق شہادت دیں، کیونکہ شریعت نے بچوں کے لیے تیر اندازی کشتی، اور تمام فوجی کرتبوں کی تعلیم ضروری قرار دی ہے، اور ان کو ننگ و عار سے غیرت دلائی ہے اور بھاگ جانے کو شرمناک فعل قرار دیا ہے، اس لیے جب کبھی وہ تنہا ہوتے ہیں تو لازمی طور پر باہم زد و کوب کرتے ہیں، ایسی حالت میں اگر ہم اس قسم کے مقدمات کے متعلق ان کی شہادت قبول نہ کیجائے تو ان کے خون کے ضایع ہونے کا اندیشہ ہے، حالانکہ شریعت نے انسان کے جانی نقصانات کے متعلق بہت زیادہ احتیاط کی ہے

کفار کی شہادت کفار کی شہادت کی دو صورتیں ہیں،

۱؎ الطرق الحکمیہ صفحہ ۱۵۲-۱۵۳۔

(۱) ایک تو یہ کہ خود آپس مین ایک دوسرے کے موافق یا مخالف شہادت دین،

(۲) دوسرے یہ کہ وہ مسلمانون کے موافق یا مخالف شہادت دین،

پہلی صورت کے متعلق ہمیشہ سے اختلاف چلا آتا ہے، بعض لوگون کے نزدیک کفار کا باہم شہادت دینا جائز نہین ہے، کیونکہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

فاغرینا بینھم العداوۃ والبغضاء — ہم نے کفار کے درمیان عداوت کی آگ بھڑکا دی ہے،

اور دشمن کی شہادت دشمن کے مقابل مین ناجائز ہے،

لیکن بہت سے لوگون کے نزدیک کفار کی باہمی شہادت جائز ہے، چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک عیسائی کی شہادت کو ایک مجوسی کے لیے یا ایک مجوسی کی شہادت کو ایک عیسائی کے لیے جائز قرار دیا ہے، حماد بن ابی سلیمانؒ ایک عیسائی کی شہادت کو ایک یہودی اور عیسائی دونون کے لیے جائز سمجھتے ہین، لیکن امام زہریؒ کے نزدیک ایک عیسائی ایک عیسائی کے لیے اور ایک یہودی ایک یہودی کے لیے تو شہادت دے سکتا ہے، لیکن عیسائی کی شہادت یہودی کے مقابل مین اور یہودی کی شہادت عیسائی کے مقابل مین ناجائز ہے، بلکہ اصول یہ ہے کہ جب دو شخصون کے مذہب مین اختلاف ہو جاتا ہے تو ایک کی شہادت دوسرے کے لیے ناجائز ہو جاتی ہے، البتہ ایک کافر طبیب یا ڈاکٹر کی شہادت اس سے مستثنیٰ ہے، کیونکہ بسا اوقات اس کی ضرورت ہوتی ہے،

جو لوگ کفار کی باہمی شہادت کے قائل ہین ان کا استدلال یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ خود فرماتا ہے،

(۱) ومن اھل الکتاب من ان تامنہ بقنطار یؤدہ الیک — اور اہل کتاب مین بعض لوگ ایسے ہین کہ اگر تم ان کے پاس ڈھیر کا ڈھیر مال رکھدو تو وہ تم کو ادا کر دینگے،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن مین ایسے دیانت دار لوگ بھی موجود ہین جو خود مسلمانون کے مال کثیر کے امین ہو سکتے ہین، اور جو شخص دوسرے لوگون کے معاملات مین اس قدر متدین ہو سکتا ہے، وہ خود

اپنے اہلِ قرابت اور اہلِ مذہب کے معاملات مین تو اس سے بھی زیادہ متدین ہوگا،

(۲) والذین کفروا بعضھم اولیاء بعض — کفار ایک دوسرے کے ولی ہین،

اور ولایت کا درجہ شہادت سے بڑا ہے، اس لیے جب کفار مین باہمی ولایت خود قرآن مجید سے ثابت ہی تو ان کی باہمی شہادت کیون نہین جائز ہوگی؛ حدود و قصاص مین خود رسول اللہ صلعم نے ان کی شہادت قبول فرمائی ہے، اگر کوئی مسلمان سفر مین مرتا ہو اور وصیت پر کفار کو گواہ بنائے، تو ضرورۃً اس شہادت کو شریعتِ اسلام نے جائز رکھا ہے، لیکن خود کفار کے باہمی معاملات مین ان کی شہادت کی ضرورت اس سے بہت زیادہ ہی، کیونکہ کفار باہم بہت سے معاملات کرتے ہین، اور ان مین بہت سے جرائم سرزد ہوتے ہین، اور ان حالات مین کوئی مسلمان موجود نہین ہوتا، اس لیے اگر باہم ان کی شہادتین قبول نہ کیجائین، تو ان کے تمام تمدنی حقوق ضائع ہوجائین، بہت سے کفار اپنے مذہب کے رو سے عادل، راست باز اور امین ہوتے ہین، اور اپنی قوم بلکہ خود مسلمانون مین بھی اس حیثیت سے اس قدر شہرت و اعتماد رکھتے ہین کہ بہت سے مسلمانون پر بھی اتنا اعتماد نہین کیا جاسکتا، خود خداوند تعالیٰ نے ان کے ساتھ معاملت، ان کی عورتون کے ساتھ نکاح، اور ان کے ذبیحہ کو مسلمانون کے لیے جائز قرار دیا ہے، تو جب ہم ان چیزون مین ان پر اعتماد کرتے ہین تو ان کی شہادت پر بطریق اولی اعتماد کیا جاسکتا ہے، بے شبہہ قرآن مجید نے ان کی باہمی دشمنی کا ذکر کیا ہی لیکن وہ بعینہ اسی قسم کی فروعی عداوت ہے جو خود مسلمانون کے مختلف فرقون مین موجود ہے، لیکن جس طرح یہ عداوت مسلمانون کو باہمی شہادت سے نہین روکتی، اسی طرح کفار کے لیے بھی اس قسم کی شہادت سے مانع نہین ہے، دوسری صورت کے (یعنی یہ کہ کفار مسلمانون کے لیے شہادت دے سکتے ہین یا نہین) متعلق قرآن و حدیث اور عمل صحابہؓ سے اس قدر بہ تصریح ثابت ہے کہ اگر کوئی مسلمان حالتِ سفر مین مرنے لگے، اور اس جگہ کوئی مسلمان موجود نہ ہو تو وہ وصیت پر کفار کو گواہ بنا سکتا ہے، چنانچہ قرآن مجید مین اس کے متعلق یہ صریح آیت موجود ہے،

یا ایھا الذین اٰمنوا شھادۃ بینکم اذا حضر احدکم الموت حین الوصیۃ اثنٰن ذوا عدل منکم او اٰخران من غیرکم ان انتم ضربتم فی الارض فاصابتکم مصیبۃ الموت،	مسلمانو! جب تم مین سے کسی کے سامنے موت آموجود ہو (اور وہ وصیت کرنے لگے) تو وصیت کرتے وقت تم مین گواہی (کا یہ فائدہ ہونا چاہیئے) کہ تم مین کے دو معتبر (آدمیون) کی (گواہی) ہو یا اگر تم کہین کو سفر کرو اور (حالت سفر مین) تم پر موت کی مصیبت آپڑے (اور مسلمان گواہ میسر نہ ہون) تو تم مسلمانون کے سوا (دو گواہ غیر ہی سہی)

اس صورت کے سوا اسلام مین مسلمانون کے متعلق کافر کی شہادت کسی حالت مین مقبول نہین ہے، کیونکہ سلطنتون کی بنیاد مختلف حیثیتون پر قائم ہوتی ہے، مثلاً اس زمانے مین یورپین حکومتون کی بنیاد قومی و نسلی امتیازات پر قائم ہے، اس لیے خود یورپین قومون کے مقدمات کی سماعت کے طریقے بھی عام رعایا سے مختلف ہین، اسلام نے اپنے حکومت کی بنیاد مذہبی امتیازات پر رکھی ہے، اس لیے وہ مسلمانون کے معاملے مین کسی غیر قوم کی شہادت کو قبول نہین کرتا، لیکن اس سے اس قوم کی تحقیر و تذلیل مقصود نہین، بلکہ مذہب و عقیدہ کا اصولی اختلاف دونون مین قابل اعتماد اشتراک نہین پیدا کرتا اور شہادت کی بنیاد اعتماد ہی پر قائم ہے

لونڈی غلامون کی شہادت صحابہ کرامؓ کے زمانہ تک لونڈی اور غلام شہادت کے معاملے مین آزاد لوگون کے برابر خیال کیے جاتے تھے اور تمام مقدمات مین ان کی شہادت قبول کیجاتی تھی، چنانچہ ایک بار جب قاضی شریحؒ نے کہا کہ "مین غلامون کی شہادت کو جائز نہین سمجھتا" تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ "ہم تو جائز سمجھتے ہین" اس کے بعد قاضی شریحؒ بھی غلامون کی شہادت کو جائز سمجھنے لگے، یہان تک کہ ایک بار ان کے اجلاس مین ایک غلام نے شہادت دی اور ان سے کہا گیا کہ یہ غلام ہے تو بولے کہ "ہم سب کے سب لونڈی غلام ہین" ایاس ابن معاویہؒ سے غلامون کی شہادت کے متعلق سوال کیا گیا تو انھون نے تعجب سے کہا، کیا مین عبدالعزیز بن صہیبؒ کی شہادت کو رد کر سکتا ہون؟ لیکن عہد صحابہؓ کے بعد اس مین اختلاف پیدا ہوا، اور چونکہ امام شافعیؒ

امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ نے غلاموں کی شہادت کو غیر معتبر قرار دیا تھا، اس لیے عام طور پر ان کے اقوال شہرت پا گئے اور بہت سے لوگ ان کے ہمخیال پیدا ہو گئے، لیکن قرآن، حدیث، آثار صحابہ، قیاس اور اصول شریعت سے ان بزرگوں کے اقوال کی تائید نہیں کیجا سکتی، کیونکہ شہادت کے لیے صرف ضبط، اسلام اور عدالت کی شرط ہے اور وہ غلاموں میں پائی جاتی ہے، چنانچہ خداوند تعالیٰ کہتا ہے،

وکذالک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیدا — اسی طرح ہم نے تم کو ایک عادل قوم بنایا تاکہ تم لوگوں پر شہادت دو اور پیغمبر تم پر شہادت دے،

اور اس میں شبہہ نہیں کہ غلام اس عام خطاب میں داخل ہیں، اس لئے خداوند تعالیٰ کا یہ قول

واشہدوا ذوی عدل منکم — اپنے میں سے عادل لوگوں کو گواہ بناؤ،

آزاد لوگوں کی طرح غلاموں کو بھی شامل ہے،

خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

یاایہا الذین امنوا کونوا قوامین بالقسط شہداء للہ — اے ایمان والو! انصاف کے قائم والے بن کر خدا کے آگے گواہ بنو،

لونڈی غلام مومن ہیں، اس لیے وہ گواہ بھی ہو سکتے ہیں،

خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے،

واستشہدوا شہیدین من رجالکم — اپنے مردوں میں سے دو شخصوں کو گواہ بناؤ،

اور اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ غلام ہمارے مردوں میں شامل ہیں،

خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

ان الذین امنوا وعملوا الصلحت اولئک — جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیا وہ لوگ بہترین

هم خیر البریۃ — خلائق ہین،

اور ایک غلام جو مومن وصالح ہو، وہ اس آیت کے بموجب بہترین خلائق مین شامل ہے، اسلیے اس کی شہادت کیونکر غیر مقبول ہوسکتی ہے،

روایت حدیث کا درجہ شہادت سے بڑھا ہوا ہے، اور ایک راوی کو گواہ سے زیادہ ثقہ وعادل ہونا چاہیئے، لیکن جب غلام رسول اللہ صلعم سے حدیث روایت کرسکتا ہے تو وہ شہادت کیون نہین دیسکتا[1]

اندھون کی شہادت | اندھون کی شہادت مین بھی اختلاف ہے، کیونکہ وہ صرف سمعی شہادت دیسکتے ہین، لیکن چونکہ انسانون کا لب ولہجہ باہم بہت کچھ ملتا جلتا ہے، اس لیے قطعی طور پر یہ نہین کہا جاسکتا کہ شخص کے متعلق وہ شہادت دے رہے ہین اوس کی آواز کو انھون نے بالکل غیر مشتبہ طور پر پہچان لیا ہے، لیکن علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ اگر وہ ایک شخص کی آواز کو اچھی طرح پہچانتے ہین تو وہ اس کے متعلق سمعی شہادت دے سکتے ہین[2]،

قرابتدارون کی شہادت | قرابت دارون اور رشتہ دارون کی شہادت کے متعلق بھی اختلاف ہے، فقہ کی کتابون مین یہ روایت موجود ہے

لا تقبل شہادۃ الولد لوالد ولا الوالد	لڑکے کی شہادت باپ کے متعلق، باپ کی شہادت لڑکے کے
لولد ولا المرأۃ لزوجہا ولا الزوج	متعلق، بی بی کی شہادت شوہر کے متعلق، اور شوہر کی شہادت
لامرأتہ ولا العبد لسیدہ ولا المولی	بی بی کے متعلق اور آقا کی شہادت غلام کے متعلق اور امیر کی شہادت
لعبدہ ولا الاجیر لمن استاجرہ[3]	اس شخص کے متعلق جس نے اس کو اجرت پر مقرر کیا، قبول نہین کیجاسکتی،

لیکن صحاح کی کتابون مین جن لوگون کی شہادت کو غیر مقبول قرار دیا گیا ہے، وہ رسول اللہ صلعم

[1] الطرق الحکمیہ صفحہ ۱۴۷-۱۴۸، [2] ۵ صفحہ ۸۰، [3] ہدایہ جلد ثالث صفحہ ۹۸،

کے الفاظ مین حسب ذیل ہین،

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تجوز شہادۃ خائن ولا خائنۃ ولا زان ولا زانیۃ ولا ذی غمر علی اخیہ ورد شہادۃ القانع لاہل البیت واجازہا لغیرہم،	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خائن مرد، خائنہ عورت، زانی مرد اور زانی عورت، اور اس شخص کی شہادت اس شخص کے متعلق جس سے وہ دشمنی رکھتا ہے، جائز نہین، اور آپنے نوکر چاکر کی شہادت کو اس خاندان کے حق مین جس سے وہ تعلق رکھتا ہے مردود کر دیا، اور دوسرے لوگون کے حق مین جائز رکھا،
لا تجوز شہادۃ بدوی علی صاحب قریۃ[1]	بدو کی شہادت گاؤن کے مالک کے خلاف جائز نہین،

لیکن قرابتدار، رشتہ دار، شرکا، اور اجیر وغیرہ ان ممنوع الشہادۃ لوگون مین شامل نہین ہین، اور صحاح مین ان کے متعلق کوئی دوسری حدیث بھی موجود نہین ہے، اور مذکورہ بالا حدیث جس مین ان لوگون کی شہادت کو غیر معتبر قرار دیا گیا ہے، بہت کچھ قابل بحث ہے، یہان تک کہ مصنف ابن ابی شیبہ مین ہے کہ یہ قاضی شریح کا قول ہے، حدیث نہین ہے[2]۔ اس لیے اگر ایک رشتہ دار شہادت کے شرائط کا جامع یعنی، ثقہ، قابل اعتماد، اور عادل ہو تو وہ اپنے رشتہ دارون کے متعلق شہادت دے سکتا ہے، چنانچہ قاضی خیر بن نعیم کے متعلق کندی نے کتاب ولاۃ مصر مین لکھا ہے،

کان یجیز شہادۃ ذوی رحم لہ حمۃ اذا کان معدلا[3]	ایک قرابتدار اگر عدالت مین مشہور ہوتا تھا تو دوسرے قرابتدار کے متعلق وہ اس کی شہادت کو جائز قرار دیتے تھے

نیل الاوطار مین ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب، قاضی شریح، اور حضرت عمر بن عبد العزیز وغیرہ نے

---

[1] ابو داؤد کتاب الاقضیہ باب من ترد شہادتہ [2] نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ صفحہ ۲۱۰،

[3] کندی مذکور صفحہ ۳۵۱ ۔

بھی قرابت داروں کی شہادت کو جائز رکھا ہے، لیکن جو لوگ اس کو ناجائز سمجھتے ہیں وہ اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ قرابتداروں پر جانب داری کا شبہہ ہو سکتا ہے، لیکن جو قرابت دار اس قدر پابند مذہب ہوں کہ اس کی راست بازی پر اس کا اثر پڑ سکے ان پر طرفداری کا شبہہ نہیں کیا جا سکتا، اس لیے ان کی شہادت قبول کی جائے گی[1]

فاسق کی شہادت اسلام نے شہادت کے لیے جو اوصاف ضروری قرار دیئے ہیں، ان کے لحاظ سے یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ اکثر حالات میں اس قسم کے ثقہ، عادل، متدین اور پاکیزہ خو اشخاص کی شہادت کا بہم پہنچانا ناممکن ہے، اور اس حالت میں بہت سے مقدمات کے غیر منفصل رہنے کا احتمال ہے، اس بنا پر اصلی سوال یہ ہے کہ فاسق یعنی بدعقیدہ، بداخلاق، اور بدکار لوگوں کی شہادت معتبر ہو سکتی ہے، یا نہیں؟

قرآن مجید نے اس قسم کے لوگوں کی خبروں کو بالکل غیر معتبر نہیں قرار دیا ہے، بلکہ ان کے متعلق تحقیقات کا حکم دیا ہے،

یا ایھا الذین اٰمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا	مسلمانو! اگر کوئی بدکار تمہارے پاس کوئی خبر لاوے تو بھی طرح اس کو تحقیق کر لو،

اور علامہ ابن قیم اس حکم ربانی کی توجیہ اس طرح کرتے ہیں،

فان الکافر الفاسق قد یقوم علی خبر شواھد الصدق، فیجب قبولہ والعمل بہ[2]	کیونکہ ایک بدکار کافر کی خبر میں کبھی سچائی کی علامات اس قدر جمع ہو جاتی ہیں کہ اس کا قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہو جاتا ہے،

شہادت بھی درحقیقت ایک قسم کی خبر ہی ہے، اس لیے قرآن مجید کی تصریح کے رو سے ایک بدکار شخص کی شہادت کو کلیۃً رد نہیں کیا جا سکتا، البتہ اس کے متعلق ہر ممکن طریقہ سے تحقیقات کیجا سکتی ہے،

---

[1] نیل الاوطار جلد ۸ صفحہ ۵۵۷ [2] الطرق الحکمیہ صفحہ ۲۳۰

بالخصوص ایسے زمانے مین جبمین ثقہ اور متدین شخص بہت کم رہ جائین، اور اس قسم کے بدکار لوگون کی کثرت ہو جائے ان کی شہادت بلا تامل قبول کیجا سکتی ہے، چنانچہ علامہ ابن قیم لکھتے ہین،

جب معدودے چند لوگون کے سوا تمام لوگ بدکار ہو جائین تو ان مین ایک کی شہادت دوسرے کے لیے قبول کیجا سکتی ہے اور درجہ بدرجہ بہتر پھر اس سے کم درجہ کے بہتر اشخاص کی شہادت پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے یہی بات ٹھیک ہے، اور اسی پر عمل ہے، گو بہت سے فقہا نے زبان سے اس کا انکار کیا ہے، کیونکہ بدکار کی سچائی کا جب گمان غالب ہو گیا تو اسکی شہادت قبول کر لیجائے گی، اور اس پر فیصلہ کیا جائیگا، خداوند تعالی نے بدکار کی خبر کے رد کرنے کا حکم نہین دیا ہے، اس لیے مطلقاً اوس کو رد نہین کیا جا سکتا بلکہ اوسکی تحقیقات کیجائے گی تا یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا، اگر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ سچا ہے تو اس کا قول قبول کیا جائے گا اور اس پر عمل ہوگا، اور اگر جھوٹا ہوگا تو اوسکی خبر رد کر دیجائے گی اور اس کی طرف توجہ نہ کیجائے گی،

اصل یہ ہے کہ شہادت کے رد و قبول کا دارمدار سچائی کے ظن غالب پر ہے، اور یقینی بات یہ ہے کہ ایک آدمی ایک بات مین عادل اور دوسری مین فاسق ہوتا ہے، اس لیے اگر حاکم پر یہ ثابت ہو گیا کہ وہ جس چیز کے متعلق شہادت دے رہا ہے اس مین عادل ہے تو اس کی شہادت قبول کریگا، اور دوسرے معاملات مین اسکی بدکاری اس کے لیے مضر نہ ہوگی[1]

قرافی نے بھی بعض علما کی بھی رائے نقل کی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہین کہ

بعض علما نے تصریح کی ہے کہ جب ہم غیر عادل گواہون کے سوا کسی اور کو نہ پائین گے تو ان مین سے شہادت کے لیے ایسے اشخاص کو پیش کرینگے جو ان مین سب سے بہتر اور سب سے کم بدکار ہون تا کہ مصالح برباد نہ ہونے پائین،

---

[1] الطرق الحکمیہ ۲۳، [2] ایضاً ۱۵۶-۱۵۷،

اس کے بعد محمد حافظ صیری نے المقارنات والمقابلات مین علامہ ابن قیم کی وہ رائے نقل کی ہے جسکا خلاصہ اوپر گذر چکا ہے، اور لکھا ہے کہ قرائن اور ابن قیم کا مذہب قوانین جدیدہ سے جس نے قبول شہادت کے معاملے مین بہت زیادہ وسعت اور گنجائش پیدا کر دی ہے، بہت زیادہ قریب ہے اور یہی ٹھیک ہے[1]

احناف نے اگر بدکار شخص کی شہادت کو ناجائز قرار دیا ہے تاہم اگر کوئی حاکم ایسے شخص کی شہادت پر فیصلہ کر دے تو وہ ان کے نزدیک بھی جائز ہوگا، بلکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر ایک بدکار آدمی صاحب وجاہت اور باوقار ہو تو اسکی شہادت بھی قبول کیجا سکتی ہے کیونکہ اپنی وجاہت کی وجہ سے وہ روپیہ لیکر گواہی نہ دیگا اور اپنے وقار کی وجہ سے جھوٹ نہ بولیگا[2]

عورتون کی شہادت عورتون کی شہادت دو قسم کی ہے ایک تو وہ جسمین وہ مردون کے ساتھ شریک ہوکر شہادت دیتی ہین، دوسرے وہ جسمین ان کو تنہا شہادت دینی پڑتی ہے، مثلاً عورتون کے مخصوص معاملات یعنی حمل، حیض، رضاعت اور عورتون کے جسمانی عیوب کے متعلق تنہا عورتون کی شہادت قابل تسلیم ہوسکتی ہے، لیکن ان معاملات مین ان کی تعداد مین اختلافات ہین، بعض ائمہ کے نزدیک چار اور بعض کے نزدیک تین عورتون سے کم کی شہادت مقبول نہین ہے، لیکن بعض کے نزدیک دو عورتون کی شہادت کافی ہے، البتہ ولادت کے متعلق صرف ایک عورت یعنی دائی کی شہادت قابل قبول ہوسکتی ہے، بلکہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان تمام معاملات مین جنسے عورتون کے سوا کوئی دوسرا شخص واقف نہین ہوسکتا، صرف ایک ہی عورت کی شہادت کافی ہوسکتی ہے، رضاعت کے متعلق بھی ایک ہی عورت کی شہادت کافی ہے، حدود یعنی ان مقدمات مین جنمین ملزمین کو سزائین دیجاتی ہین عورتون کی شہادت مقبول نہین ہے اور ان مقدمات مین وہ تنہا شہادت دیسکتی ہین، نہ مردون کیساتھ شریک ہوکر ان کو یہ حق حاصل ہوتا ہے لیکن طاؤس کا قول ہے کہ عورتین زنا کے سوا اور تمام تعزیری معاملات مین مردون کے ساتھ شریک ہوکر شہادت دیسکتی ہین، طلاق، نکاح وغیرہ کے متعلق بعض ائمہ کے نزدیک عورتون کی شہادت مقبول نہین ہے لیکن بعض ائمہ نے اس کو جائز رکھا ہے[3]

---

[1] المقارنات والمقابلات صفحہ ۵۶ [2] ہدایہ جلد ثالث صفحہ ۹، [3] الطرق الحکمیہ صفحہ ۱۳۲، ۱۳۵، ۱۳۷

غنی کشمیری

(۲)

از

جناب مولوی اکرام الحق صاحب سیتم ایم اے،

غنی کی شاعری،

یہ مسلمہ ہے کہ ایک حقیقی شاعر کے جذبات نسبتہً سریع الانفعال ہوتے ہین، اور اسی وجہ سے شعر کے تاثر کا راز بھی انہین داخلی حسیات کے اظہار مین مضمر ہے، غنی کی شاعری، باوجود اس کے کہ ان کی طبیعت خیال بندی اور دقت پسندی پر زیادہ مائل ہے، ان کے جذبات اور احساسات کا صحیح آئینہ ہے، وہ خود اس کی تصدیق ان الفاظ مین کرتے ہین:

ہرچہ در دل ہست مارا بر زبان می آوریم — از کسے پنہان نمیداریم راز خود چو شمع

شاعری بقول علامہ شبلی، تنہا نشینی اور مطالعہ نفس کا نتیجہ ہے، مولانا غنی فعلاً اور قولاً اسے ثابت کرتے ہین، فرماتے ہین:-

از فکر تا سخن نشود قابل رقم — مانند خامہ سر ز گریبان نمی کشم

تخیل غنی کی شاعری کی ایک بڑی خصوصیت تخیل ہے تخیل شاعری کے لئے روح رواں سے کم نہین، بلکہ بہتیرے لوگ تو یہ کہتے ہین، کہ شاعری صرف قوت تخیل کا نام ہے، اگر یہ صحیح ہے، تو غنی، ہمہ تن شاعری ہے، اور اس کا ہر شعر قوت تخیل کا ایک نمایان مظہر ہے، اس کے کلام کو دیکھو تو صاف نظر آتا ہے، کہ مناظر قدرت کی ہر چیز مین ہر بار جب وہ اسے دیکھتا ہے، ایک نیا عالم پنہان پاتا ہے، اور دنیا کے معمولی واقعات اس کے سامنے نئے

نئے انداز مین جلوہ گر ہوتے ہین، متاملین ملاحظہ ہون،

ایک خوبصورت پھول کو دیکھتے ہین، قوت تخیل کی بدولت ایسا نظر آتا ہے کہ وہ رعنائی کے باعث بس اڑا ہی چاہتا ہے چنانچہ اس کے لئے قید و بندگی کرتے ہین، تاکہ وہ اس بلند پروازی سے باز آجائے ؎

زشوخی بسکہ در پرواز مینم ہر نفس گل را چو بلبل می توان کردن ز گلبن در قفس گل را

دوسرا منظر دیکھئے پھول اپنے حسن و نزاکت پر ناز کرتا ہے، کہ معشوق سیر کو چمن مین آنکلا پھول کی رعنائی معشوق کے حسن کے مقابلے مین پھیکی نظر آئی، مولانا کی قوت تخیل نے سمجھا کہ پھول کا رنگ فق ہوگیا،

چون بہ سیر چمن آن دلبر طناز آید رنگ گل پیشتر از بوی بپرواز آید

اور منظر ملاحظہ ہو اسی پھول کو پھر دیکھتے ہین، بلبل اپنی والہانہ محبت مین سرشار اس پر ہر وقت بیٹھی ہوئی دکھائی دیتی ہے، غنی کی قوت تخیل بلبل کے پاؤن پر رگہائے گل کا ایک جال بن دیتی ہے،

ہر رگ گل رشتہ باشد بپائے عندلیب دام دیگر نیست حاجت از برائے عندلیب

ہر پھول مین جو زیرے ہوتے ہین، ان کو زر گل کہتے ہین، نرگس کو چشم مست سے تشبیہ دیا کرتے ہین، ان دونون کے مجموعہ نے یہ خیال پیدا کیا، کہ چشم مست نے چونکہ بادہ کشی کا عام رواج پیدا کر دیا ہے اس لئے نرگس کے پاس جو کچھ زر تھا، وہ اس نے صرف کر دیا،

آن چشم مست بادہ کشی را چو عام کرد نرگس زر یکہ داشت ہمہ صرف جام کرد

یہان پر زر پر ایہام ہے،

بہار کے دن ہین، چمن کی رنگینی، مین نرگس نے بھی حصہ لیا ہے، لوگون پر مے نوشی کا شوق غلبہ پا رہا ہے، چنانچہ اس کی طیاری مین ساغر مینا کی گردن پر رکھے ہوئے ہے، یہ تمام نظارہ یہ تخیل پیدا کرتا ہے کہ:-

در موسم بہار چو نرگس ز شوق مے سر می کشد ز گردن مینا پیالہ ہا

وہی بہار ہے، بید ہوا مین لرز رہا ہے، نوک دار پتے تازہ تازہ نکلے ہین مولانا کی قوت تخیل اس سے یہ مضمون پیدا کرتی ہے،

مجنون شد ست بید کہ در موسم بہار — خونش بجوش آمد و خنجر بخود کشید

بید کے پتون کو خنجر سے تشبیہ دیجاتی ہے،

غنی قوس قزح کو دیکھتے ہین، اس مین زرد رنگ غالب نظر آتا ہے خیال کرتے ہین کہ قوس نے اپنی خوبصورتی اور بلندی پر تفاخر کرنا چاہا ہے، مگر جب ابر وے یار کے ساتھ مقابلہ کیا ہے تو شرمندگی اور یاس سے رنگ متغیر ہوگیا ہے، ؎

قوس قزح اگرچہ بگردون کشیدہ سر — ابر ے یار دیدہ در نگش پریدہ است،

سرو کو قد یار کے ساتھ تشبیہ دیتے ہین، مگر غنی خیال کرتے ہین کہ جب سرو نے معشوق کی قد کے ساتھ اپنی قامت کا مقابلہ کیا تو اپنی بے مایگی کا احساس ہوا، چنانچہ بھاگنے کی ٹھہرائی، مگر قمری نے جھٹ اپنی گردن کا طوق اس کے پاؤن مین ڈال دیا، تاکہ بھاگ نہ جائے،

از شرم قامتش سرو چون در گریز رو کرد — قمری ز طوق گردن زنجیر پائے او کرد

(قمری کو سرو کا عاشق قرار دیا جاتا ہے،)

اس سے بڑھ کر نخیل کی وسعت کیا ہوسکتی ہے، کوہ بے ستون کی بلندی، صحرائے بخد کی فراخی کا خیال مولانا کے دل مین عشق کی ہمہ گیری کا نقشہ قائم کرتا ہے،

عشق را دولت ست در پست و بلند روزگار — کوہکن در بیستون مجنون بصحرا بند شد

لوگ عام طور پر کمان کو کندھے پر ڈال کر لیجاتے ہین، غنی کو قوت تخیل سے یہ نظر آتا ہے کہ کمان نے ابر وے یار کی ہمسری کا دعوی کیا، مگر اس قدر خجلت اٹھانی پڑی کہ اس نے مارے شرم کے جان دیدی اور اسے کندھے پر اٹھا کر لائے ہین،

کمان پیشِ دوابرو کیش بدعوی رفت از مخلت تہی کرد آنچنان قالب کہ آورد ند بر دوشش

ہلال کو دیکھا تو ابروے یار کا خیال آیا تخیل نے ایک نئی توجیہ پیش کی کہ آسمان نے یار کے ابرو کا مصرع سونے کے پانی سے لکھا، لوگون نے اس کا نام ہلال رکھدیا،

گردون زشوق مصرعِ ابروے آن نگار باآب زر رقم زدہ نامش ہلال شد،

تا کند دریوزۂ آتش بہ گلشن از چنار کاسہ بر کف ہست سرو از آشیانِ بلبلان

سرو کو انسان کے قد سے تشبیہ دیتے ہین اور بلبلون کے گھونسلے کی پیالہ سے مشابہت ظاہر ہے، چنار کی نسبت یہ خیال ہے کہ اس سے آگ نکلتی ہے مولانا کی قوت تخیل یہ منظر پیش کرتی ہے، کہ سرو کے ہاتھ مین پیالہ ہے اور وہ آگ کی بھیک مانگ رہا ہے، کس قدر لطیف تخیل ہے،

پہلے آچکا ہے، کہ قوت تخیل کی بدولت دنیا کے عام واقعات نئے نئے انداز مین نظر آتے ہین، غنی بھی چونکہ ایک وسیع تخیل کے مالک ہین وہ بھی عام چیزون مین نئے نئے معنی پیدا کرتے ہین، مثلاً ملاحظہ ہو، نماز کے قیام و قعود، رکوع و سجود، کو فرط اشتیاق سے تعبیر کرتے ہین،

از تمازم نیست مطلب غیر جست وجوئے دوست میروم از اشتیاق افتان وخیزان سوے دوست

زلیخا پاکدامنی کا دعوی کرتی ہے، مگر یہ ادعا اس قدر غلط تھا، کہ پیراہن یوسف کا چاک زلیخا کی پاکدامنی کا تمسخر اڑا رہا ہے،

چاک پیراہنِ یوسف بنود بے معنی خندہ پر یا کئی دامانِ زلیخا دارد

چاک اور خندہ کی مناسبت لطیف ہے،

ایک اور جگہ فرہاد کے اپنے سر پر تیشہ مارنے سے یہ معنی نکالتے ہین کہ کسی سنگین دل کا ستم رسیدہ ہے،

ستم رسیدۂ سنگین دل است پنداری کہ جائے دست بسر تیشہ می زند فرہاد

مولانا کو معلوم ہے کہ شمع کو زیادہ روشن کرنے کے لئے بتی کو ذرا کاٹ دیتے ہین، تاکہ جلا ہوا حصہ جھڑ جائے مگر قوت تخیل یہ نتیجہ پیدا کرتی ہے، کہ تلوار کی دھار دم عیسیٰ سے بھی اچھی ہے،

دم بریدن سر شمع می کند روشن — کہ خوش تر از دم عیسیٰ بود دم شمشیر

تخیل کی ایک بڑی جولانگاہ حسن تعلیل ہے غنی اس میدان کے بھی مرد ہین، فرماتے ہین:-

تہمت خانہ نشینی نہ پسندید بخویش — ورنہ مجنون گلہ از سختی زنجیر نداشت

لطافت تخیل دیکھئے مجنون زنجیرون سے اس لئے متنفر نہ تھا کہ ان کی سختیان شاق تھی، بلکہ وجہ یہ تھی کہ چونکہ وہ خانہ نشینی کو پسند نہین کرتا تھا اس لئے وہ یہ تہمت گوارا نہین کر سکتا،

ہست میل خوردن پان گلرخان ہند را — عاشقان گوئی کہ از خون خودش دادند آب

ہندوستان مین پان عام طور پر کھایا جاتا ہے، مگر مہ جبینون کے لبان نازک پر تو اور ہی زیب دیتا ہے، مولانا کے تخیل نے یہ علت پیش کی ہے کہ عاشقون نے اسے اپنے خون سے سینچا ہے، اس لئے معشوق اسے رغبت سے کھاتے ہین،

معشوق کی لمبی لمبی سیاہ زلفین اس کے خمیدہ پاؤن تک لٹک رہی ہین، غنی فرماتے ہین، کہ یہ تو لازمی ہے اور اس کے ثبوت مین ان کی قوت تخیل نے تعلیل یہ پیش کی، کہ چونکہ زلف کو سیاہ ہونے کی نسبت سے ہندو کہا جاتا ہے اور ایک ہندو کے لئے آتش پرستی سے بڑھکر اور کوئی عمدہ کام نہین، اس لئے مجبوراً سیاہ زلفین سرخ سرخ پاؤن کو بوسہ دے رہی ہین،

کند در پیش آن پائے نگارین سجدہ از لفش — بلے کارے بہ از آتش پرستی نیست ہندو را

"قوت تخیل کے استدلال کا طریقہ عام استدلال سے بالکل الگ ہوتا ہے" (علامہ شبلی) اس مین شک نہین کہ منطقی اصولون کے رو سے یہ استدلال غلط ہوتا ہے، مگر شاعر کے اندازِ بیان کی دلفریبی ہی سامع کو اس کی طرف ملتفت نہین ہونے دیتی، مولانا غنی اکثر اس استدلال سے کام لیتے ہین، مثلاً فرماتے ہین،

عزتِ شاہ و گدا از یزمین یکسان است می کند خاک برائے ہمہ کس جا خالی ،

قرین شاہ و گدا سب کی عزت یکسان ہوتی ہے، اس دعوی کو غنی یون ثابت کرتے ہین کہ دیکھو زمین سب کے لئے جگہ خالی کر دیتی ہے یعنی تعظیم کرتی ہے ،

یہ بات کہ جو رذیل ہوتے ہین، انھین اپنی ذلت کی پروا نہین ہوتی ، اس کو غنی اس طرح ثابت کرتے ہین ۔

از تنزل پست فطرت را بنا شد ہیچ باک بیم افتادن بنا شد ہر کہ با شد نے سوار

کمینہ آدمی کو اپنی ذلت کا کوئی ڈر نہین ہوتا، کیونکہ جو شخص سرکنڈے کے گھوڑے پر سوار ہو اسے گرنے کا کیا خوف ہو سکتا ہے ؟

چاند کے داغ دیکھتے ہین تو قوت تخیل یہ استدلال پیش کرتی ہے، کہ یہ کلنگ کا ٹیکہ اس لئے ہے کہ چاند اکتسابی نور کی بدولت خورشید کا شرمندۂ احسان ہے، چنانچہ فرماتے ہین ،

کاسۂ خود پر کمن زنہار از خوانِ کسے داغ از احسانِ خورشید است بر دل ماہ را

چشم کرم مدار ز شاہان کہ جز نمد آئینہ خلعتے ز سکندر نیافت است

صاف طینت لوگون کو بادشاہون اور امیرون سے لطف و کرم کی توقع رکھنا فضول ہے، ثبوت یہ ہے کہ آئینہ نے جز نمد کے اور کوئی خلعت سکندر سے نہین پائی ،

روزی کی تنگی کو اس طرح ثابت کرتے ہین ،

خوشہ چینان را درین مزرع امید توشہ نیست حاصلِ نہ خرمنِ افلاک جز یک خوشہ نیست

نادارون کو اس دنیا سے کوئی توقع نہین ہو سکتی، کیونکہ نہ افلاک کا حاصل صرف ایک پرُ دین کا خوشہ ہے

حجام کی تعریف کی ہے، کہ استغنا سے اس کا کیسہ اس قدر پر ہو چکا ہے، کہ وہ ہر چیز سے بے نیاز ہے، اس کا بدیہی ثبوت یہی ہے، کہ وہ کسی گاہک سے بجز ناخن کے اور کچھ نہین لیتا،

زلقدِ بے نیازی کیسۂ او آنچنان پر شد کہ از دست کسے چیزے بجز ناخن نمی گیرد

یہان ناخن گرفتن بر ابہام ہے، ناخن گرفتن ناخن کا مٹنا، ع

ناخن چو شد بلند گرفتن سزاے اوست (حاجی گیلانی)

تخیل کی بے اعتدالی | غنی تخیل کا استعمال اس قدر کرتے ہین کہ اعتدال سے تجاوز کر جاتے ہین، سچ پوچھئے تو یہی انکی شاعری کا سب سے زیادہ بدنما داغ ہے تخیل کو استعمال کرنے کا بڑا موقع مبالغہ مین ملتا ہے، چونکہ مبالغہ مین اصلیت کی ضرورت نہین ہوئی اس لئے خیال بندی کے لئے میدان وسیع ہوتا ہے، اور استعارہ در استعارہ سے استعارہ اور بھی چیستان بن کر رہ جاتے ہین، نمونے ملاحظہ ہون،

معشوق کے دم زندگی بخش کی تعریف مین فرماتے ہین،

دم جان بخش رو تا رنگ حیرت ریخت در عالم زہر آئینہ در پیشِ نفس دیدم مسیحا را،

معشوق کے دم جان بخش نے وہ اعجاز دکھایا ہے، کہ دنیا کی ہر چیز حضرت عیسیٰ اس قدر وقف تحیر و سکوت ہو گئے ہین کہ ان کی زندگی تک کا شک پڑ گیا ہے، اور اس لئے آئینۂ آفتاب سامنے رکھا گیا ہے، تاکہ ان کی حیات کا احساس ہو،

طفل اشکم گر سیازی رو بصحرا آورد، کاغذ بادی شمارد ابر دریا بار را

(اگر میرے اشک کا لڑکا کھلتا ہوا صحرا کی طرف آنکلے تو ابر دریا بار کو بھی پتنگ خیال کرے)

مطلب یہ ہے، کہ مین اس قدر روتا ہون کہ "ابر دریا بار" کی بھی اس کے مقابلے مین کچھ حقیقت نہین، یہان تو صحرا کے صحرا سیل زدہ ہو جاتے ہین، تخیل کی مزید بے اعتدالی دیکھئے کہ اگر طفل اشک باندھا ہے، تو اس کے لئے کھیل کود میدان سامان لہو، سب کا فکر کرتے چلے جاتے ہین،

۳۔ معشوق کے شنفِ شانہ کشی کو مبالغہ سے بیان کرتے ہین مگر بے اعتدالی نے مار زلف کے دانت مہیا کرنے پر مجبور کیا ہے،

دندانِ مار گرچہ بافسون توان کشید ار زلفِ او جدا نتوان کرد شانہ را

۴۔ چشم سیاہ کی توصیف کی ہے، مگر سیاہی کا اثر صرف نام لینے سے ہی زبان تک پہونچا دیا ہے،

از بسکہ وصفِ چشمِ سیاہ تو کردہ ایم گردید میل سرمہ زبان در دہانِ ما

۵۔ عام طور پر تنگ ذہنی خوبصورتی مین داخل سمجھی جاتی ہے، شاعرون کے تخیل نے اسے چھوٹا کرتے کرتے نقطہ اور پھر نقطہ موہومہ[1] بنا دیا، مولانا نے اسے معدوم کیا تو اسی تخیل مین اپنی ہستی کو بھی نیست کرنے کو تیار ہوگئے،

بگزار از خویش چو مینی دہنِ یار غنی دل بہ ہستی چہ دہی راہ عدم در پیش است

تشبیہات کے استعمال مین بھی سررشتۂ اعتدال ہاتھ سے چھوٹ جانے کا احتمال ہوتا ہے، بے اعتدالی یہ ہوتی ہے کہ ایک چیز کو کسی دوسری چیز سے تشبیہ دیتے ہین، پھر دوسری کی جس قدر خصوصیتین ہوتی ہین وہ پہلی مین ثابت کرتے چلے جاتے ہین، غنی اس بائے مین اکثر لغزش کھاتے ہین، چنانچہ ان کے دیوان مین اس قسم کے متعدد شعر دیکھنے مین آئے ہین، مثلاً:-

پہلے کمر کو بال سے تشبیہ دی ہے، پھر بال کے تمام خصائص، آنکھ مین پڑنا، کاسہ کا چرخ سے جدا کرنا وغیرہ ثابت کئے ہین،

(۱) دیدم میان یار و ندیدیم دہان یار نتوان بہ ہیچ دیدہ چو در دیدہ معو فتد

قاعدہ ہے جب آنکھون مین بال پڑتا ہے تو جھپتا ہے، پھر آنکھین کھولی نہین جاتین، غنی کہتے ہین مین نے معشوق کی کمر دیکھی، لیکن اس کا منہ نہ دیکھ سکا، کیونکہ جب آنکھون مین بال پڑجاتا ہے تو کوئی چیز نظر نہین آتی[2]

موئے میان تو شدہ کرالپن کرد جدا کاسۂ سر ہا ز تن،

کرالپن وہ بال ہوتا ہے، جس سے کوزہ گر کاسہ کو چرخ سے جدا کرتے ہین، غنی کہتے ہین، تیری کمر کا بال اب کرالپن بن گیا ہے، اور کئی کاسۂ سر تن سے جدا کئے ہین، کرالپن کی نسبت سے کاسۂ تن وغیرہ سب آتے ہین،

---

[1] کردے بہ نطق نقطۂ موہومہ را دو نیم ای ناقضِ کلام حکیمان بیان تو

[2] شعر العجم ج ۴، ص ۱۵۴،

از کنارم دخترِ رز کرد تا پہلو تہی کار من اکنون غنی با طفلِ انگ افتادہ است

مطلب یہ ہے، کہ جب سے شراب چھوٹی ہے، غم و رنج سے آنسو بہار ہا ہون، شراب کو دخترِ رز کہا جاتا ہے، مگر تخیل کی بے اعتدالی نے مولانا کو دختر کی مناسبت سے طفل کو بھی ساتھ لائے پر مجبور کیا ہے، نورالعین واقف کا شعر اسی مضمون مین اس سے بھی زیادہ حد سے تجاوز کر گیا ہے، ؎

ہم صحبتیِ دخترِ رز کرد ملولم، اے شیخ ترا گر سرِ ہست بمن دہ

۴- خضاب سوئے زلیخا مگر کند یوسف کہ بردہ است سیاہی ز دیدۂ یعقوب

یوسف شاید زلیخا کے بالون مین خضاب لگانے جاتے ہین، کہ انھون نے یعقوب کی آنکھ سے سیاہی لے لی ہے،

نابینائی مین آنکھ کی سیاہی زائل ہو جاتی ہے، حضرت یعقوبؑ بیٹے کی فراق مین نابینا ہو گئے تھے اس لئے غنی خیال کرتے ہین کہ حضرت یوسفؑ نے باپ کے آنکھ کی سیاہی اس لئے لی ہے، کہ موئے زلیخا کے لئے وسمہ کا کام دے، تخیل کی بے اعتدالی اس سے بڑھکر کیا ہوگی، کہ آنکھ کی سیاہی کا وسمہ لگا رہے ہین،

۵- زبس در جزو جزوم نقشِ ابرے تو جادارد شود قوسِ قزح ہر گہ پر در نگی زرخسارم

تیرا نقشِ ابرو اس طرح میرا جزوِ بدن بن گیا ہے، کہ اگر کسی وجہ سے میرا رنگ اڑتا ہے تو قوسِ قزح کی شکل اختیار کر لیتا ہے،

مولانا کہنا یہ چاہتے ہین، کہ وہ خیالِ یار مین اس قدر محو ہین، کہ فنا فی المعشوق کی حد کو پہونچ گئے ہین، مگر تخیل کے بے جا استعمال نے ایک دور از کار اور فرضی تشبیہ پیدا کر دی ہے،

دیکھئے اس نکتہ کو جامی کس خوبی سے ادا کرتے ہین، ؎

بس کہ در جانِ نگارم چشمِ بیدارم توئی ہر چہ پیدا می شود از دور بندارم توئی

دلہائے عاشقان برہ دوست آب شد اما بپائے نازکِ او شیشہ پارہ است

گو عاشقوں کے دل دوست کی راہ مین پگھل گئے ہین، لیکن اس کے نازک پاؤں مین شیشہ کے ذرون کی طرح چبھ رہے ہین، دل کو شیشہ کے ساتھ تشبیہ دیتے ہین مگر غنی اس شیشہ کے ٹکڑے کو معشوق کے پاؤں مین چبھو دیتے ہین،

مثالیہ غنی کی شاعری کی دوسری خصوصیت مثالیہ کا کمال ہے، شاعری کی اس صنف کا آغاز خسرو سے ہوا، اور انجام صائب پر، مگر غنی نے اسے اس قدر ترقی دی کہ خاص فن بنا دیا غنی کا استدلال نہایت عمدہ، اور شاعرانہ ہوتا ہے، ذیل کی مثالون سے اندازہ ہوگا،

۱۔ درکمر بستن مضمون رنگین لطف نیست کم دہد رنگ ار کسے بندد حنائے بستہ را

۲۔ با تو نزدیکم و لے دورم ز نیض عام تو موم در زر نگین خالی ست از نقش نگین

۳۔ توکل پیشہ را روزی بدستِ خویش می باشد مکد انگشت خود کودک چو بنود شیر پستانرا

۴۔ نصیبے نیست از اہلِ کرم برگشتہ بختانرا کہ ہرگز پر نسازد کاسۂ گرداب را دریا،

۵۔ می نوازد ساز عیش آندم کہ طالع یافت قوت باشد از پائے مگس مضراب تارِ عنکبوت

۶۔ بے ریاضت نہ شود دلشدۂ عرفان حاصل تا کدو خشک نگردید مے ناب نیافت،

۷۔ توان از چرب زبانی کرد اسیر خویش سرکش را کہ تارِ شمع دایم شعلہ را زنجیر پا باشد،

۸۔ زند ربط بہم پیوستگان را گفتگو برہم سخن چون در میان آمد دو لب از ہم جدا گردد

۹۔ رفیقِ اہل غفلت ہر کہ شد از کار می ماند چو پائے خفتہ پائے دیگر از رفتار می ماند

۱۰۔ نمی سازد غذائی چرب زائل ضعف پیری را کمان را گرچہ روغن می دہی فربہ نمی گردد

۱۱۔ بنا شد دل زیار گرم خو بردا شتن آسان ز آتش چون سپند افتد جدا، گرم فغان گردد

۱۲۔ نیست حسن بے بقا شایستۂ دل بستگی با چراغِ برق یک پروانہ ہمراہی نکرد

۱۳- میرسد روزی بہر کس در خور ہمت ز غیب — کے بدام عنکبوت افتد شکارے جز مگس

۱۴- نیست شہرت طلب آنکس کہ کمالے دارد — ہرگز انگشت نما بدر بنا شد چو ہلال،

۱۵- وقت پیری بے مذاقِ نخ نتوان زیستن — کے تواند داشت بے فلفل کسے کافور را

۱۶- خرقِ عادت کے بکار آید دل افسردہ را — گر رود در آب (؟) معتقد شد مردہ را

۱۷- رسوا بود کسے کہ سخن چین بود غنی — ہر جا کہ خامہ ایست زبانش بریدنست

جدت ادا و مضمون آفرینی

فارسی شاعری کے دورِ اول کی خصوصیت سادگی اور بے تکلفی تھی، مگر ترقی کے ساتھ طرزِ ادا مین بلاغت اور اسالیبِ بیان مین زیادہ رنگینی آتی گئی، حتیٰ کہ باریک بینی اور دقت آفرینی تک نوبت پہونچی، بال کی کھال نکلنے لگی، تشبیہین بعید از کار، اور استعارات پیچیدہ ہوگئے، اور شاعری محسوسات سے نکل کر طلسم خانۂ خیال مین گھر گئی، غنی کا عہد فارسی شاعری کا آخری دور تھا، مضامین اس وقت تک اس قدر فرسودہ ہو چکے تھے، کہ غنی خود اس کا ذکر کرتے ہین، ؎

از بسکہ شعر گفتن شد مبتذل درین عہد — لب بستن است اکنون مضمونِ تازہ بستن،

تاہم مولانا انھین مضامین کو جو مدتون جولانگاہِ خیال رہے، اس جدت سے ادا کرتے ہین، اور انھین پرانی باتون مین ایسے نکتے پیدا کرتے ہین کہ شعر دل پذیر ہو جاتا ہے، ذیل مین چند مثالین پیش کی جاتی ہین،

۱- دنیا مین اپنا عدم و وقار اس طرح ثابت کرتے ہین،

بارہا با سایہ سنجیدیم خود را در وقار — از نگین بر زمین بنشست و ما بر خاستم،

ہم نے کئی مرتبہ اپنے وقار کا سایہ کے ساتھ مقابلہ کیا ہے مگر وہ زیادہ وزندار ثابت ہوا ہے)

کیونکہ یہ مسلم ہے کہ انسان جب اُٹھ کھڑا ہوتا ہے تو اس کا سایہ زمین پر پڑتا ہے،

۲- غنی صدر مجلس کی خود داری کے مدعی ہین، اس نکتہ کو کہ جب کسی مجلس مین انسان کی توقیر و تعظیم مین فروگذاشت ہو تو وہان سے اُٹھ جانا ہی بہتر ہے، نہایت جدت سے ادا کرتے ہین،

کس پے تعظیم ما از اہل مجلس بر نخاست — بہر پاس عزت آخر خود ز جا بر خاستم

دیکھئے معشوق طبع کی تعریف مین غنی کا وہ مشہور شعر جس نے صائب اور بیدل سے خراج تحسین وصول کیا، کس انوکھی تشبیہ کا حامل ہے، ؎

حسن سبزے بخط سبز مرا کرد اسیر — دام ہمرنگ زمین بود گرفتار شدم

صائب نے اسی شعر پر کہا ہے، ؎

خط سبز آفت جان بود نمی دانستم — دام در سبزہ نہان بود نمی دانستم

ارباب نظر جانتے ہین کہ یہ چبائے ہوے نوالہ کا چبانا ہے، اس مین وہ لطافت نہین رہی،

غنی ساغر بکف جمشید پیش میفروش آمد — کہ شاید در بہائے بادہ گیرد ملک دینا را

جمشید کے پیالہ مین تمام دنیا نظر آتی تھی اور اس کا شمار بڑی قیمتی چیزون مین کیا جاتا تھا، مولانا فرماتے ہین کہ جمشید وہی جام جہان نما لے کر میفروش کی خدمت مین حاضر ہوتا ہے اور اس کے عوض دو چار گھونٹ بادہ یعنی کا متمنی ہے، مگر پھر بھی وثوق نہین شاید میفروش اسے مہنگا سودا خیال کرے، دیکھئے کتنا وسیع مضمون اس شعر مین ادا کیا گیا ہے،

تنور بارقہ کا ہیبت زا نظارہ اللہ تعالیٰ کی صنعت کاملہ کا تحیر انگیز نمونہ ہے، مولانا غنی کی مضمون آفرینی ملاحظہ ہو، ؎

چون برم افروز ضع خویش گردد قدر یکچون — چراغ برق را در باد و باران می کند روشن

مشہور ہے کہ جمشید کے پیالہ مین تمام دنیا نظر آتی تھی، مگر غنی اس سے دنیا کی تنگی کا استدلال کرتے ہین،

غنی تا چند پرسی دستگاہ اہل دنیا را — کہ باشد وسعت آن از حصار جام جم پیدا

ہم پہلے کہہ آئے ہین کہ غنی کے زمانہ مین قحط الرجال کا یہ عالم تھا کہ حضرت اورنگ زیبؒ کے دل حق آگاہ کے بھی "آہ" نکلتی تھی، غنی اس وقت کا مقابلہ عہد رسالت سے کرتے ہین تو ایسا بین فرق معلوم ہوتا ہے کہ بے اختیار

پکار اُٹھتے ہین ؎

خوشا عہدے کہ مردم آدم بے سایہ را دیدند غریب است این زمان گر سایۂ آدم شود پیدا

روحانی امور مین استدلال اور قیاسات کی بیچارگی اکثر شاعر بیان کرتے ہین، مگر غنی نے جس تشبیہ سے ثابت کیا ہے وہ نہایت پرزور اور معنی خیز ہے، ؎

دل با استدلال بستم ماندم بمقصود دور نردبان کردم تصور راہ ناہموار را

لوگ اپنی سال گرہ کی خوشی مناتے ہین، مگر مولانا فرماتے ہین، اس سے تو اتنی بات ظاہر ہوتی ہے کہ ایک سال عمر کا کم ہوگیا ہے، ساتھ ہی یہ بھی قابل غور ہے کہ گرہ دینے سے تاگے کی لمبائی کم ہوجاتی ہے، ؎

گشت چون رشتۂ عمرم کوتاہ معنی سالگرہ فہمیدم،

غنی دنیا کی بیرنگیان عجیب تشبیہ سے ثابت کرتے ہین، تلک الایام نداولها بین الناس

غنی روز سیاہ پیر کنعان را تماشا کن کہ روشن کرد نور دیدہ اش چشم زلیخا را

یعقوبؑ کی مصیبت دیکھئے کہ ان کا وہی لخت جگر جس کے فراق مین وہ آنکھین کھو بیٹھے ہین ایک اور انسان کی آنکھون کی ٹھنڈک کا سامان بنتا ہے،

مختلف نمونے ملاحظہ ہون،

کاروان بگذشت و من از کاہلی ماندم براہ بہر خواب ما ہم آواز جرس افسانہ شد

نیست حسن بے لقا شایستۂ دل بستگی باچراغ برق یک پروانہ ہمراہی نکرد

جز آبلۂ پائے من امروز درین دشت جرسے نبود قافلۂ ریگ روان را

رفتیم سوے یار ندیدیم روے یار مانند برسرے کہ رود رو بہ آفتاب

ایہام | مولانا کی طبیعت ایہام کی طرف بہت مائل ہے، چنانچہ محمد افضل سرخوش، کلمات الشعراء (قلمی نسخہ) مین لکھتے ہین، ..... داکثر شعرش بطرز ایہام است و در طرز ایہام بندی تلاش اداء و ابیات

خوب می بندد طبعش بر ایہام این قدر راغب بود، کہ روزے مطلع تازہ گفتہ پیش محمد علی خواند ؎

بے چراغ است اگر بزم خیالم غم نیست مصرعہ ریختہ شمع است کہ در عالم ہست

"مرزا ..... بطرز ایشان فرمود، گفت مصرع ریختہ کہ در عین خود گفتہ باشد ہمین خواہد بود"

ان کے اکثر شعروں مین مضامین کی بنیاد الفاظ پر ہوتی ہے یعنی لفظ کے لغوی معانی کو حقیقی بات قرار دیکر اس پر مضمون کی بنیاد قائم کرتے ہین، مثلاً یہ شعر ؎

امروز منم شہرۂ عالم زنخیفی عمریست کہ از ضعف نتادم بزبانہا

"زبان افتادن" کے اصطلاحی معنی مشہور تو نا ہے، لیکن لغوی معنی زبان پر چڑھنا، مولانا انھین معنون کو لے کر مضمون قائم کرتے ہین، کہ کمزوری مین مین کچھ آج سے مشہور نہین، مدت سے زبانون پر چڑھ گیا ہون اور ساتھ ہی ضعف کی رعایت سے کہا ہے، کہ مین اس قدر ضعیف ہون کہ لوگون کی زبانون پر چڑھا پھرتا ہون،

نمی بینم نہالے سایہ افگن بر سر مجنون مگر گاہے کہ بنشیند بزیر شاخ آہوئے

مین نے ایک درخت کو بھی مجنون کے سر پر سایہ ڈالتے نہین دیکھا، البتہ کبھی کبھی ہرن کے سینگ کا سایہ مل جاتا ہے، یہان شاخ پر ایہام ہے،

کسے کہ زندہ بہ اظہار زندگی باشد دمی کہ گشت ز دعوی خموش گویا نیست

"گویا" کے دو معنی ہین، بولنے والا اور حرف تشبیہ، یہان دونون کو لیکر ایہام پیدا کیا گیا ہے،

کسے بہ پرسش احوال من نمی آید بغیر گریہ کہ آمد بحال خویشم مرا

یہان گریہ آمدن کے لغوی معنون کو لے کر مضمون کی بنیاد قائم کی گئی ہے،

دمِ بریدنِ سر شمع می کند روشن کہ خوش تراز دمِ عیسی بود دمِ شمشیر

یہان دم، وقت، سانس، اور دھار کے سہ گانہ معنون مین استعمال کیا گیا ہے،

فراغتے بہ نیستانِ بوریا دارم مباد راہ درین بیشہ شیر قالی را

(مجھے اپنے بوریا پر وہ فارغ البالی نصیب ہے کہ مین نہین چاہتا کہ جاہ و احتشام کی کوئی علامت بھی مجھے میسر آئے،)

یہان شیرِ قالی پر ایہام ہے اور کنایہ ہے تنعم اور تمول سے،

مثالون کے انبار لگانے کی ضرورت نہین، مولانا کو اس صنعت مین اس قدر شغف ہے کہ وہ ضلع جگت کی حد کو بھی پہونچ جاتے ہین، مثلاً:-

شدہ از خوردنِ پانش زبان لعل — لبش لعل و دہن مو رخ آن لعل

کند در ہر قدم فریاد خلخال — کہ حسنِ گلرخان پا در رکاب است

چو دیدم قامتت از پا فتادم — مکن رحمے کہ از بالا فتادم

دقت پسندی | قدما کے وقت مین چونکہ شاعری کا آغاز تھا اور نئے مضامین کی کثرت تھی، اس لئے ان کی تشبیہین صاف اور سادہ ہوتی تھین، مگر بمرور زمان تمام مضامین بندھ چکنے کی وجہ سے ختم ہو چکے، قریب الماخذ تشبیہات کام آ چکے، تو مجبوراً متاخرین کے لئے بغیر تکلف اور آورد کے اور کوئی میدان نہ رہا، اور استعارہ در استعارہ اور دور از کار تشبیہات سے کام لینا پڑا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر شعر چیستان بن کر رہ گئے، مولانا غنی بھی اپنے آپ کو اس ورطہ سے نہ نکال سکے، اسی بنا پر جب عنایت خان ابن ظفر خان نے اشعار کے پیچیدہ ہونے کو قابل اعتراض قرار دیا، تو مولانا نے فرمایا "تا حال ہیچ شاعرے بر شعر فہمی عنایت خان دانشتم امروز آن اعتماد برخاست"

ہم بخوف طوالت صرف دو مین مثالون پر قناعت کرین گے، ؎

دمِ جان بخشِ او تا رنگِ حیرت ریخت در عالم — ز مہرِ آئینہ در پیشِ نفس دیدم مسیحا را

معشوق کے دمِ جان بخش نے وہ اعجاز دکھایا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بھی حیرت سے بے ہوش ہو گئے ہین اور ان کی زندگی کے احساس کے لئے آفتاب کا آئینہ ان کے منہ کے سامنے رکھنا پڑا ہے، اب اس شعر کے سمجھنے کے لئے امور ذیل کو ذہن نشین کرنا پڑتا ہے،

۱ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف احیاے موتی کا معجزہ منسوب کیا جاتا ہے،

۲ جب کسی آدمی کی نسبت معلوم کرنا ہو، کہ آیا مر چکا ہے، یا ابھی رمقِ جان باقی ہے، تو آئینہ منہ کے سامنے رکھتے ہین، کیونکہ سانس اگر آتا ہوتا ہے، تو آئینہ مکدر ہو جاتا ہے،

۳ حضرت عیسیٰ کا مسکن آسمان چہارم خیال کیا جاتا ہے، اور آفتاب کا محل گردش بھی پرانے نظام ہیئت کے مطابق وہی قرار دیا جاتا ہے، اسی نسبت سے آئینہ آفتاب باندھا ہے،

۴ معشوق کے کلام کو زندگی بخش کہتے ہین،

اب غور کیجئے ان تمام چیزون کے لانے سے شعر کس قدر پیچیدہ ہو گیا ہے، ؎

بدست از زلف او تا سر خطِ دیوانگی دارم چو کلکم شکل زنجیرست از نقشِ قدم پیدا

(جب میرے ہاتھون مین اس کی زلفون کی عطا کردہ دستاویزِ دیوانگی موجود ہے، میرے نقش قدم میرے لئے قلم کے حروف کی طرح زنجیر بنے ہوئے نظر آتے ہین)

مطلب یہ ہے کہ مجھے ان عنبر بیز زلفون نے دیوانہ کر دیا ہے، مگر مین ان مین اس قدر گرفتار ہون کہ ان کے ارد گرد پھرتا رہتا ہون، اور کہین نہین جا سکتا، مولانا نے صرف اپنی انتہائی گرفتاری اور فریفتگی کا اظہار کیا ہے، مگر نہایت پیچیدہ طریقہ سے جس کے لئے یہ ضروری ہو گیا ہے، کہ خواننده اس سے واقف ہو کہ جب ایک شخص از خود رفتگی مین کسی چیز کے ارد گرد پھرتا ہے، تو اس نے نقشِ قدم اس بے خودی مین ایسی ترتیب اختیار کرتے ہین جو زنجیر کے مشابہ ہوتی ہے،

مرا از دستِ این مشکل کشایان دل تنگ آمد زنا خنہا گرہ چون غنچہ افتاد ست در کارم

مطلب یہ ہے کہ ان مخمور دن کے ہاتھون مین تنگ آ چکا ہون، کیونکہ انکی مساعی سے تو الٹے میری مشکلین بڑھ جاتی ہین، شعر کے سمجھنے کے لئے امور ذیل کا سمجھنا ضروری ہے،

گرہ در کار افتادن سے مراد کام مین پیچیدگی پیدا ہونا اور توقف پڑنا، ناخن ہاے غنچہ سے مراد وہ برگ سبز ہین جو غنچہ کے نیچے ہوا کرتے ہین، چونکہ ان کے درمیان غنچہ کی گرہ ہوتی ہے اس لئے اسی تمثیل سے گرہ کار کی ناکشودگی ثابت کی گئی ہے، (باقی باقی)

پرنسکائستانی کی اطالی تواریخِ اسلام

کا

مقدمہ

مترجمہ شیخ عنایت اللہ صاحب ایم اے معلم عربی گورنمنٹ کالج جھنگ،

فصل دوم

یورپ اور دنیائے اسلام کی اس باہمی جنگ وجدال کو زمانۂ قدیم مین ہمیشہ سے بڑی اہمیت حاصل رہی ہے اور آیندہ بھی حاصل رہے گی، کیونکہ تہذیبِ حاضرہ، ایشیا کے پرانے اور قدامت پسند تمدن پر جو تجزیہ وتحلیل کا عمل کر رہی ہے، مسلمان اقوام مین اس کے ردِ عمل اور مقابلہ کی ناقابلِ تسخیر قوت موجود ہے، یہ کشمکش کئی مختلف پہلو رکھتی ہے اور مورخ کے سامنے بہت سے مسائلِ مہمہ پیش کرتی ہے، لہذا اب انتہا ملاحظات کے لیے میدان کھلا ہے اور مطالعہ وتحقیق کے لیے بہت سا مواد موجود ہے، عیسائی کلیسا کی رائے مین ظہورِ اسلام ایک بڑی مصیبت تھی جو اس پر نازل ہوئی، کیونکہ اسلام نے اس کے بہت سے پیرو ہمیشہ کے لیے توڑ لیے اور اسے بیحد اخلاقی اور مادی نقصانات پہنچائے، مگر وہ کتاب ابھی تک قلبند ہونے والی ہے جو اس بھلائی اور فائدہ کو دکھلائے جو اس مذہب نے عیسائیت کو اس کے بیمار اور ناکارہ اعضاء کو قطع کرکے اور اس کو ایک سخت امتحان مین ڈالکر پہنچایا ہے، کیا پروٹسٹنٹ اصلاح نے ایک مفید اثر پیدا نہین کیا تھا جس کی بدولت فرقۂ کیتھولک کا تنزل رک گیا؟ ہمارا ارادہ اسلام کی مدافعت مین کوئی کتاب لکھنے کا نہین ہے، کیونکہ ہمارے فرائض مین سے ایک یہ بھی فرض ہوگا

کہ ہم ان بیشمار خطیون اور ناگفتہ بہ مصائب کو انصاف کے ساتھ بلا رعایت بیان کرین جنہین اس جنگجو مذہب نے نوعِ انسان کو مبتلا کیا، مگر بہت مناسب ہوگا کہ اسلام کے مطالعہ کے دوران مین ہم اس افسوسناک منظر کو فراموش نہ کرین جو ساتوین صدی مسیحی کے وسط مین سلطنت بزنطینی کے اخلاقی اور سیاسی حالات ہمارے سامنے پیش کرتے ہین، اس بات کو بھی ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ وہ اور تھوڈوکس عیسائیت جس کے یونانی اور روسی لوگ ہمیشہ سے معتقد رہے ہین اور جس نے ساتوین صدی سے لیکر آج تک ترقی کی طرف ایک قدم نہین بڑھایا، (عہدِ ظہورِ اسلام مین) کیا صورت اختیار کرتی، ہم اس پر یہ بھی اضافہ کرسکتے ہین کہ عیسائیت کے مختلف فرقون مین جو اس وقت موجود ہین، اور تھوڈوکس فرقہ بوجہ اپنے جمود کے جو تنزل و ادبار کے مساوی ہے، بلاشبہہ سب سے زیادہ بدنصیب ہے، کوئی نہین کہہ سکتا کہ مشرقِ قریب اور قرونِ وسطیٰ کے یورپ کا کیا انجام ہوتا اگر اسلام پیدا نہ ہوتا اور زوال پذیر اور ظلمت زا کلیسا عیسائیت ہی اس وقت سے لیکر آج تک بلا شرکتِ غیرے حکمرانی کے لیے باقی رہتی اور (عہدِ اسلام کی) اس عظیم الشان عربی ایرانی تہذیب کی پیدائش مین سدِ راہ ہوتی جس نے قرونِ وسطیٰ کی تاریک صدیون مین دنیا کو روشن اور منور رکھا، جو شخص مشرق کی سیاحت کرے وہ اور تھوڈوکس فرقہ کی پستی کو بمقابلہ دوسرے عیسائی فرقون مثل کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے بچشم خود ملاحظہ کرسکتا ہے، اور اس تنقید کے مفہوم و معنی کو بخوبی سمجھ سکتا ہے جو بعض اصحاب کو شاید غیر منصفانہ معلوم ہو، ظہورِ اسلام سے پہلے ہی مشرق مین اور تھوڈوکس فرقہ توسیع و اشاعت کی تمام قوت کو ضایع کرچکا تھا، ساتوین صدی کے عیسائیون نے اپنے تمام قویٰ کو بے سود مذہبی جھگڑون اور مباحثون مین صرف کر رکھا تھا اور قدیم عیسائیت کے اعلیٰ مقصد و مدعا یعنی تمام نوعِ انسان کو دینِ حق کی تبلیغ کرنے اور ان کو ابدی ہلاکت سے بچانے سے بالکل غافل ہوچکے تھے، اور تھوڈوکس عیسائی پیشتر ہی سے اتنے کمزور ہوچکے تھے کہ جب انھین اسلام کے ساتھ معرکہ پیش آیا تو ان کی کمزوری ان کے لیے لازمی طور پر مہلک ثابت ہوئی، یونانیون کی اخلاقی اور فوجی کمزوری اور ساسانیون کا سیاسی انحطاط بدرجۂ مساوی تھے، اسی طرح مجوسی مذہب بھی فرسودہ ہوچکا تھا، غرض یہ کہ مشرقِ قریب ایسے دو تمدنون کے بوجھ کے نیچے کراہ رہا تھا

جن کی اندرونی قوت اور زور بالکل ختم ہو چکا تھا جنمین احیا، اور نوزائیدگی کی قوت ناپید تھی اور جو در حقیقت پیرانہ ضعیفی کے مارے بالکل ناتوان و نزار ہو چکے تھے،

پھر اچانک دینِ اسلام نے ظہور کیا، اس کا ظہور گویا تباہی اور بربادی کا تہدید آمیز پیغام تھا، اس کے اصول اگرچہ عیسائیت کے مثل اعلیٰ نہ تھے، مگر ایشیائی اور افریقی اقوام کیلئے زیادہ قریب الفہم[1] تھے، ان اصول کی بدولت اسلام نے آغاز ہی سے ایسی ناقابلِ تسخیر قوت پیدا کر لی جس سے وہ آسانی کے ساتھ مسیحی دین پر غالب آ گیا، اس دین جدید نے کمزور اور ضعیف اقوام مین ایک برقی لہر دوڑا دی، ان کے فرسودہ جسمون کو حیات تازہ بخشی اور ایک عظیم الشان تہذیب پیدا کی، اگرچہ اس کا تبلیغی زور زیادہ تر صرف ہو چکا ہے، مگر وہ آج بھی دنیا کی زبردست روحانی یا اخلاقی قوتون مین سے ایک قوت ہے اور ایشیا اور افریقہ مین عیسائی خیالات و عقائد کی اشاعت مین سدِ راہ ہے،

فصلِ سوم

ان مختصر ملاحظات سے اس بات کا سمجھنا آسان ہوگا کہ اسلام کی نسبت ہمیشہ سے عیسائیون کے کیا خیالات و احساسات رہے ہین اور کس طرح مدتِ دراز سے عیسائیون اور مسلمانون کے باہمی تعلقات کی کچھ ایسی نوعیت رہی ہے کہ اس نے فریقین کو ایک دوسرے کے متعلق دلچسپی سے بے لاگ رائے قائم کرنے سے باز رکھا ہے، ان دو مذہبون کے درمیان اتنی مدت سے اور ایسی شدت سے لڑائی ٹھنی رہی ہے کہ ان کے پیرو ہمیشہ سے صرف خوف اور گہری نفرت کے جذبات سے متاثر رہے ہین، بوجہ دینوی روایات کے یہ نفرت و حقارت ان کی طبیعت مین راسخ ہو گئی ہے، اور اس عہد مین بھی نفرت کی یہ آگ ترکون کی غلطیون کے سبب کئی بار مشتعل

[1] ہمنے نا کہ ایشیا اور افریقہ کی وحشی اور غیر مہذب اقوام کے فہم و ذہانت مسیحیت کے "اصولِ عالیہ" کی حقیقت عالیہ تک پہنچنے سے عاجز ہین مگر مصنفِ علام اس امر واقعہ کے متعلق کیا ارشاد فرمائین گے، کہ عہدِ حاضر مین متمدن اور مہذب یورپ مین بھی تربیت یافتہ آبادی کا معتدبہ حصہ مسیحیت کی بعید الفہم تعلیم سے قطعاً بیزار ہو چکا ہے (مترجم)

ہو چکی ہے کئی صدیون تک عیسائیون اور مسلمانون نے اس طور پر زندگی بسر کی ہے اور اب بھی بسر کر رہے ہین کہ ان کے دل و دماغ باہمی تعصبات اور بدگمانیون سے مکدر رہے ہین جو نقصانات کی یاد انتقام کے جذبہ اور بازیافت کی خواہش اور شدید مذہبی جوش کا نتیجہ ہین، اگرچہ جغرافی، سیاسی اور تجارتی وجوہات سے ان کے مابین ہمیشہ میل جول قائم رہا ہے، تاہم باہمی تنفر اس قدر شدید رہا ہے کہ فریقین مین سے کوئی بھی دوسرے فریق کے مذہب پر نظر التفات کرنے اور اس کا اطمینان و سکون کے ساتھ مطالعہ کرنے کا روادار نہ تھا، ہر ایک از خود خیال کرتا تھا کہ دوسرا فریق گمراہ ہے اور اس لیے توجہ یا التفات کا مستحق نہین، یہ صرف انیسوین صدی کی علمی تحریک اور محققانہ میلان کی مقدم فضیلت ہے کہ شائستہ اور مہذب اشخاص کی ایک محدود جماعت اپنے دنیوی دشمن کا بلا رو رعایت مطالعہ کرنے پر راغب ہوئی اور ان لوگون کی بڑھتی ہوئی تعداد جو اپنی قابلیت کو ان تحقیقات مین صرف کرتے ہین، صاف بتا رہی ہے کہ موجودہ نسل نے آخر کار اس مضمون کی اہمیت کو سمجھ لیا ہے،

اگرچہ اٹھارہوین صدی کے عیسائی، اسلامی اصول و عقائد سے اسی قدر نابلد تھے جس قدر ان کے ساتوین صدی والے آبا و اجداد، مگر یہ قول انیسوین صدی کی آخری نسلون پر صادق نہین آسکتا، اس بات کو ملاحظہ کرنا خالی از دلچسپی نہین کہ کس طرح اسلام کے متعلق علمار کی دقیقہ شناسی نے مسیحیت کے مبادی اور منابع کی علمی تحقیق کے قدم بقدم ترقی کی ہے تحقیق و تفتیش کے ان دونون میدانون مین زمانۂ حال کے علما محققین نے راست بازی اور علمی منصف مزاجی کا جو ثبوت دیا ہے وہ ہمارے عہد کے لیے باعث عزت و شرف ہے، تحقیق مذاہب مین علمار کو ہمیشہ سے مسیحیت کے ساتھ سب سے زیادہ دلچسپی رہی ہے، مگر اسلام کو اس لحاظ سے بلاشبہہ دوسرا درجہ حاصل ہے، سائنس یعنی علم و حکمت نے تربیت یافتہ لوگون کے درمیان مذہبی جوش اور مذہبی جنگ و جدال کے جذبہ کو نیست و نابود کر دیا ہے، چنانچہ زمانۂ حال کی تاریخی تحقیقات مین موجودہ نسل نے جس مین تجزیہ و تشریح کا ولولہ جاری و ساری ہے، بجائے قدیم مذاہب یا اخلاقی قواعد کو فنا کرنے یا ان کا مضحکہ اڑانے کے اس بات کا اظہار و اقرار کیا ہے کہ حقیقت علیا تک پہنچنا

ناممکن ہے اور اس تصور اعلیٰ (یعنی ذات باری کے تصور) کو تمام نقلی اور روایتی حشو وزوائد سے پاک کرکے جو دماغ گذشتہ کے اخلاقی اور سیاسی ضروریات سے پیدا ہوئے تھے، ایسی بنیاد پر قائم کیا ہے جو موجودہ علمی مذاق کے زیادہ قرین ہے اس قسم کی تحقیقات مین اسلام کا مطالعہ ایک خاص دلچسپی رکھتا ہے کیونکہ یہی واحد مذہب ہے جس کے باقی کے متعلق کثیر التعداد مصدقہ دستاویزین اور سندین موجود ہین اور جو بدین لحاظ دوسرے مذاہب کی پیدائش پر بالواسطہ روشنی ڈالتا ہے اور جو اگرچہ عیسائیت کے چھ صدی بعد ظاہر ہوا، ایک طرح سے بطریق قیاس قدیم مسیحیت کے متعلق بعض مخفی اور مشکل باتون کے سمجھنے مین مدد دے سکتا ہے،

حضرت مسیح اور حضرت محمد صلعم دونون نے جاہل اور اکھڑ قومون کے درمیان جو ہر نئی چیز کے دشمن تھے، ایک نئے دین کا وعظ کیا، قدیم مقدس روایات کی مخالفت کی مطلب پرستون کو جو اپنی اپنی دینی یا دنیوی اغراض رکھتے تھے، نقصان پہنچایا اور ایک عالمگیر انقلاب کے لیے راستہ صاف کردیا، دونون نے سامی اقوام کے درمیان تبلیغ کی جنین دیگر اقوام کی نسبت مذہبی احساس زیادہ قوی ہے، اور حالانکہ حضرت مسیح کے حالات زندگی اور عہد رسالت ایسی تاریکی کے پردے مین مستور ہین کہ جس کا ازالہ اناجیل بھی محض ناقص طور پر کرتی ہین حضرت محمد (صلعم) کا عہد نبوت، روایات کے ایک ضخیم ذخیرہ کے واسطے سے اخلاف تک منقول ہوا ہے، اگرچہ ان روایات کا صرف ایک حصہ مستند ہے مگر تمام کی تمام غایت درجہ کی دلچسپی اور فائدہ رکھتی ہین، زمانۂ حال کے مورخ کے نزدیک محمد (صلعم) شیطان کا پلوٹھا بیٹا نہین ہے (جیسا کہ حروب صلیبی کے مورخین کا خیال تھا) نہ وہ ایسا آدمی ہے جو لوگون کو جہنم کے ہولناک عذاب سے ڈراکر دھوکہ دیتا تھا اور نہ وہ اب ایک مفتری خیال کیا جاتا ہے جس کی تکذیب ضروری ہے، بجائے اس کے وہ ایک انسان ہے جو انتہائی درجہ کی دلچسپی رکھتا ہے اور ایک مذہب کا بانی ہے جس نے مسیحیت سے اتر کر دنیا کی تاریخ مین سب سے بڑا اخلاقی اور سیاسی انقلاب پیدا کیا ہے،

عہد حاضرہ کے علماء اس بات پر تلے ہوئے ہین کہ وہ اقوام کی وسیع نقل وحرکت اور مختلف انسانون

روایتون اور تدنون کے اختلاط کے اسباب وعلل کو دریافت کرین، ان پچھلے سالون مین کتب علمی کی ایک کثیر تعداد شائع ہوئی ہے جس مین اسلام کے ہر پہلو کا مطالعہ اُسی محققانہ انداز سے خالی الذہن ہوکر کیا گیا ہے جس کی بدولت جدید اسکول نے طبعیات کے میدان مین بڑے بڑے انکشافات کئے ہین، اس سلسلہ مین انیسوین صدی کے پچھلے بیس سالون مین بڑی تسلی بخش ترقی ہوئی ہے، اگرچہ جو کتابین پہلے پہل لکھی گئی ہین ان مین ابھی تک وہ نفرت پائی جاتی ہے جو ان دو مذہبون کی قدیمی معاندانہ کشمکش سے متوارث ہوتی چلی آئی ہے، قدیم مورخین کا موضوع اس امر کو ثابت کرنا تھا کہ کس طرح محمد (صلعم) نے جو ان کے نزدیک ایک مفتری تھا (نعوذ باللہ) اپنے ہمعصرونکو دھوکہ دینے مین کامیابی حاصل کی، بعد مین اس قضیہ کو بطریق دیگر پیش کیا گیا یعنی اس کے متعلق فیصلہ صادر کرنے سے پہلے اس بات کا دریافت کرنا ضروری سمجھا گیا کہ وہ کون تھا؟ اس نے کیا کچھ کیا؟ اس کی تعلیمات اور اصول مذہب مین کونسی بات اچھی اور کونسی بری تھی؟ اور پھر ان مقدمات سے اس بانی مذہب کے کام کو پرکھکر نتائج اخذ کیے جائین، اس کے گرد وپیش کے حالات کیسے تھے؟ اور کس طرح اسکی آواز کی گونج نے ایک قوم کی قوم کو دنیوی غفلت سے بیدار کرکے تسخیر عالم کی طرف تحریک کی؟ اس زعم کو کہ وہ ایک مفتری تھا، ترک کردیا گیا کیونکہ ایک ایسے مذہب پر افترا کا الزام لگانا ناممکن تھا جس نے روئے زمین کو بدل دیا تھا، اس بات کو محسوس کیا گیا کہ نبی (علیہ السّلام) کی تعلیم نے سازِ قلب انسانی کے کسی گہرے اندرونی تار کو چھیڑا تھا، اور اب بھی اس کی گہرائیون مین بڑے زور کے ساتھ جنبش پیدا کر رہی ہے اگرچہ پیغمبرؐ کی آواز کو خاموش ہوئے تیرہ صدیان گذر چکی ہین

مگر چونکہ علماء نے حضرت محمدؐ کی واحد ذات کو اپنی تحقیقات کی بنیاد قرار دیا اس لیے وہ پیشتر کی طرح غلطی مین مبتلا رہے بلکہ انھون نے اس طرح حقیقت کی تلاش مین ایک مصنوعی رکاوٹ پیدا کرلی، یہ بات انسان کی طبیعت مین داخل ہے کہ وہ تاریخی واقعات کو ایک خاص شخص کے ساتھ منسوب کرتا ہے یعنی ہر ایک شے کی اصل کو کسی ایک شخص واحد کی ذات مین ڈھونڈھتا ہے اور جو دیگر اہم عناصر اس کے علاوہ ہین ان کو نظر انداز کرتا ہے، ان عناصر سے ہماری مراد جماعت انسانی کے وہ حالات ہین جن کے درمیان رہکر ایک خاص شخص

مصروفِ کار رہا، اور جنھوں نے معلّم دین کی ابتدائی اور اصلی تعلیمات مین آہستہ آہستہ تبدیلی پیدا کی اور ان پر اضافہ کیا، یہ محض اس اکیلے شخص کی ذات نہ تھی بلکہ یہ کل جماعت انسانی مع اپنے مجموعۂ محاسن و معایب کے تھی جس نے عظیم الشان تاریخی واقعات کو پیدا کیا، ہم مطالعہ و تحقیق کے وقت فرد کو اس جماعت سے علیحدہ نہین کر سکتے جس کے درمیان اُسنے جد و جہد جاری رکھی، یہ بات کہنا کہ ایک معمولی تربیت والے انسان کی مختصر زندگی جو ایک غیر مہذب اور ناشائستہ فضا مین گذری[1] جیسی کہ ساتوین صدی مین مدینہ کی حالت تھی، ایک عالمگیر انقلاب کا باعث ہو سکتی ہے ایک ایسا دعویٰ ہے جو انسان کو بالضرور غلطی مین مبتلا کریگا، اور جس کا ثابت کرنا خاصہ مشکل ہے، یہ دعویٰ درحقیقت ایسا مشکل ہے کہ وہ لوگ جو اس کو پیش کرتے ہین، اس بات پر مجبور ہو جاتے ہین کہ جہان وجوہ اور واقعات مفقود ہون، وہان کی پوری کرنے کے لیے اپنے تخیل کو کام مین لائین، ان اغلاط کو رفع کرنے کے لیے ایک جدید طبقہ علماء کا ظاہر ہوا جس کے مدنظر کوئی دعویٰ نہ تھا، اور جو کسی خاص بات کو ثابت کرنا نہین چاہتا تھا، انھون نے اخبار و آثار کو تلاش کر کے ان کا مطالعہ کیا، ان کو یکجا جمع کر کے مرتب و مدون کیا، اور ان کا ایک دوسرے سے مقابلہ کیا اور صرف اس بات کو مدنظر رکھا کہ سچ اور جھوٹ کو صاف صاف آشکارا کیا جائے، ان کی اس صبر آزما محنت و کوشش سے سچائی کی روشنی خود بخود ظاہر ہوئی، اور جھوٹی روایات اور قدیم تعصبات کی تاریکی مین اجالا ہونا شروع ہوا، آج ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہین کہ اسلام کے متعلق تاریخی تحقیقات نے وہ راستہ اختیار کر لیا ہے، جو سچائی کی طرف رہنمائی کرتا ہے، ابھی ہم کو بہت سا راستہ طے کرنا ہے اور بہت سے رخنے بند کرنے ہین، تاہم تاریخ اسلام مضبوط بنیاد پر قائم ہو چکی ہے، اور مبادیِ اسلام کی واحد اور اصلی صورت نظر آنے لگ گئی ہے تالیف ہذا کا مقصد صرف یہ ہے کہ مین نے ان تحقیقات عالیہ مین جو نا چیز حصہ لیا ہے، اس کو پیش کرون،

[1] معارف :- بشرطیکہ ہمارا فاضل ایطالی شہزادہ تہذیب اور شائستگی کے معنی پہلے متعین کرے، یہ بھی مباحثہ طلب امر ہے کہ شخص جماعت کو پیدا کرتا ہے، یا جماعت شخص کو پیدا کرتی ہے، اگر دوسرا مفروضہ صحیح ہو تو جماعتون مین کبھی انقلاب پیدا نہ ہو، تاریخ کی مثالین اس پر گواہ ہین پھر اسی طرح سوال ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کے احد کی جماعت نے حضرت مسیح کو پیدا کیا یا حضرت مسیح نے اس جماعت کو پیدا کیا،

رُوداد ترتیب رقعات عالمگیری

از

سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم اے،

رقعات عالمگیری کی ترتیب کا جو کام دار المصنفین کی طرف سے انجام پا رہا ہے اس کے متعلق بعض شائقین اکثر سوالات کرتے رہتے ہیں، اس غرض سے کہ یہ معلوم ہو کہ یہ کام کس محنت سے اور کس طرح انجام دیا جا رہا ہے، ذیل میں سید نجیب اشرف صاحب ندوی کی مرسلہ دفتری روداد شایع کرتے ہیں، «معارف»

میں نے اپنے ایک عریضہ میں جناب کو لکھا تھا کہ اورنگ زیب کے خطوط کو بکمال و تمام جمع کرنے کے لئے ایک عرصہ کی ضرورت ہے، یہ تمام مجموعے نہ صرف یہ کہ ہندوستان کی کسی ایک لائبریری، ایک شہر یا ایک صوبہ میں جمع نہیں بلکہ یورپ میں بھی مختلف مقامات پر منتشر ہیں، کوئی برطانوی عجائب خانہ میں ہے کوئی دفتر وزیر ہند میں، کوئی پیرس میں، کوئی برلن میں وقس علی ہذا، اور چونکہ ان خطوط کی اشاعت کا مقصد جہاں تک میں سمجھا ہوں کسی ایک خاص کتاب کا اخذ کرنا نہیں، بلکہ ایک ایک عہد (PERIOD) کے متعلق اورنگ زیب کے تمام خطوط کا جمع کرنا ہے، اس لئے میں نے ابتدا سے کار ہی سے یہ طریقہ رکھا ہے کہ جس جس کتاب میں بھی جو جو خط مل گیا اور جس جس جگہ بھی اس کا پتہ چلا اسے نقل کر لیا، چنانچہ جن مجموعوں اور تاریخوں میں یہ خطوط ہیں، ان کی فہرست بطور ضمیمہ الگ درج ہے، جناب بابو جدوناتھ سرکار دائس چانسلر کلکتہ یونیورسٹی کے ہم ممنون ہیں کہ ان کی توجہ سے برٹش میوزیم، انڈیا آفس، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، خدا بخش خاں کتب خانہ سے کتابیں نقل کرنے کے لئے آجاتی ہیں،

اس کے علاوہ یقیناً آپ کو اس بات کا بھی کامل علم ہوگا کہ شاہجہان کے آخری بارہ سال اور اس کے بعد کی پچیسالہ خانہ جنگی کی کوئی تاریخ اب تک شایع نہیں ہوئی ہے، اور ان کی عدم موجودگی میں ان خطوط کی ترتیب نہ صرف محال بلکہ ناممکن ہے،

عالمگیر نامہ اگرچہ شایع ہوچکا ہے لیکن وہ اورنگ زیب کا سرکاری اذکیا چھٹا یا ان ہے، اور وہ بھی صرف برادرانہ جنگ کے متعلق، آثر عالمگیری بالکل ہیکا ہے، اب اس عہد کے لئے چار یا پانچ قلمی کتابوں کی ضرورت ہوئی ان میں سے متن تو ہندوستان ہی میں سرے سے نہ تھیں، میں نے نہایت محنت و جانفشانی سے اس کام کے لئے حسب ذیل قلمی کتابوں کو نقل کرایا، جن کی فہرست درج ذیل ہے:-

فہرست کتب نقل شدہ

(۱) بادشاہ نامہ وارث،	۶۰۰ صفحے	شاہجہان کے ۳۰-۳۱ سال کے روزانہ حالات،	نقل از کتبخانۂ خدا بخش خان و مقابلہ کردہ ایشیاٹک سوسائٹی
(۲) تاریخ صالح کنبو،	۲۰۰ صفحے،	شاہجہان کے آخری سالوں کی تاریخ،	"
(۳) آداب عالمگیری،	۳۰۰ صفحے،	اورنگزیب کے خطوط بتوسط ابوالفتح و بعد از شاہجہان و خطوط شہزادۂ اکبر بنام اورنگ زیب وغیرہ،	.
(۴) ظفرنامۂ عالمگیری مصنفۂ عاقل خان رازی	۵۰۰ صفحے		از ایشیاٹک سوسائٹی بنگال،
(۵) تاریخ شاہ شجاعی	۳۲۶ صفحے،	شاہ شجاعی کے ایک افسر کا چشم دید حال و خطوط،	انڈیا آفس لائبریری،
(۶) تاریخ جنگ دارا	۱۶۰ صفحے،	مصنفۂ صادق اناوی معتمد اکبر پسر عالمگیر،	خدا بخش خان لائبریری،
(۷) فیاض الفوائد،	۲۵۰ صفحے،	خطوط مراد، شجاع، دارا، جہان آرا بنام اورنگزیب شاہجہان وغیرہ،	جدوناتھ سرکار لائبریری،
(۸) خطوط مرزا راجہ،	۱۰۰ صفحے	خطوط راجہ جے سنگھ متعلق تعاقب دارا وجواب از جانب عالمگیر،	پیرس قومی کتبخانہ،
(۹) انشائے فارسی	۵۰ صفحے	خطوط اورنگزیب بنام اکبر وغیرہ	ایشیاٹک سوسائٹی،

(۱۰) روزنامچۂ اورنگ زیب ۷۰۰ صفحے اسکی پیدائش سے موت تک کے تقریباً روزانہ حالات خود تیار کردہ، وکتبخانۂ جدد ناتھ سرکار،
مع بطیق سن ہجری، برس عیسوی،

(۱۱) (مجموعہ خطوط) موسومہ گلدستہ ۱۰۰ صفحے خطوط سلاطین دکن اورنگزیب شاہجہان وغیرہ، سرسالار جنگ لائبریری،

(۱۲) تلخیص خطوط وواقعات از ۵۰ صفحے، برٹش میوزیم نمبر ۲۳۸۸۶،
فتوحات عالمگیری مصنفۂ ایشردداس ناگر،

(۱۳) مجموعہ فرامین وخطوط عالمگیر متعلق سیواجی وغیرہ، ۴۰ صفحے مملوکہ (Mr. D. B. Parvanis (Poona)

(۱۴) ، ، ۴۰ ، ((Mr Vasudev Vishnu (Satora)

(۱۵) ، ، ۲۰ ، ((Mr William (mine (London)

(۱۶) ، ، ۲۰ ، ((Dhar State Dhar)

(۱۷) تاریخ قرینہ شاہجہان ۲۰۰ زیر کتابت (بوہار لائبریری امپیریل لائبریری کلکتہ،

(۱۸) طبقات رجال مندرجہ خطوط، ۴۰۰ زیر کتابت وترتیب

(۱۹) خطوط از بہارستان، ۲۰۰ عالمگیر کا خط بنام شاہ ایران وفرمان معافی محصول،

اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ان کتابوں کی نقل وترتیب کے بعد دوسرا کام ان کا اصل یا دوسرے نسخوں سے بالاستیعاب مقابلہ بھی تھا اور یہ کام ایک آدمی کے بس کا نہیں ہے، اس لئے اس کی دشواری واہمیت وقت طلبی کو آپ مجھ سے بہتر سمجھ سکتے ہیں،

اب نفس خطوط کے متعلق عرض ہے،

ہر خط کو یوں تو چار مرتبہ پڑھنا پڑتا ہے

(الف) ہر خط کو جس جس نسخہ میں وہ ہے، اس سے مقابلہ کرکے اس میں ایک ایک نقطہ کا جو اختلاف ہو اس کو لکھنا، چنانچہ بعض خطوط چار چار یا پانچ پانچ مرتبہ مقابلہ کے لئے ہی پڑھنے پڑے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دو خط میں ۶۶ گھنٹے

ختم ہوگئے،

(ب) اشخاص اور مقامات کے نامون کے لئے پرھنا،

(ج) واقعات کو تاریخی (CHRONOLOGICALLY) ترتیب دینے کے لئے پڑھنا (جواب تیار ہوچکی ہے)

(د) کتابون سے ان خطوط کا پتہ چلانا جن کے جواب مین یہ خطوط لکھے گئے ہین، یا جو جوابات ان خطوط کے متعلق لکھے گئے ہین، اور ان کو نقل کرنا، اس کے علاوہ ایسے خطوط کا پتہ چلانا جن سے ان خطوط کے متعلقہ واقعات پر بین الاقوامی یا ڈپلومیٹک روشنی پڑتی ہے، مثلاً حکومتِ ایران سے خط وکتابت، دکنی حکومت کی شیعہ سلطنت کے قیام کے لئے سازش، یا قندھار کے متعلق مراسلات وغیرہ، مین آپ سے سچ عرض کرتا ہون کہ ایک جگہ، ایک راستہ یا ایک آدمی کے یقین و تحقیق مین ہفتہ کا ہفتہ گذر جاتا ہے،

مین نے آپ کو اپنے ایک عریضہ مین جس کی بنا پر آپ نے معارف کے شذرہ مین بھی تذکرہ کیا تھا، لکھا تھا کہ پہلی جلد اس طرح ہوگی،

جلد اول، حصۂ اول،

(۱) خطوط بنام شاہجہان،

(الف) نظامتِ ملتان (ب) محاصرۂ قندھار، (ج) واپسی از قندھار تا برہان پور (د) قیام دہ سالہ برہان پور (ہ) قیام دولت آباد، (و) دکنی ریاستین، (ز) جنگِ گولکنڈہ، (ح) جنگِ بیجاپور، (ط) خانہ جنگی، (ی) بعد از جنگ تا وفاتِ شاہجہان،

(۲) خطوط بنام شاہ شجاع،

(۳) خطوط بنام مراد بخش،

(۴) خطوط بنام جہان آرا بیگم،

(۵) خطوط بنام سلطان معظم،

(۶) ضمیمہ،

(الف) خطوط شاہجہان بنام اورنگ زیب،

(ب) خطوط شاہجہان بنام دارا، مراد بخش، شاہ شجاع وغیرہ،

(ج) خطوط مراد بخش بنام اورنگ زیب، شاہ شجاع، شاہجہان وغیرہ،

(د) خطوط شجاع بنام اورنگ زیب، مراد، شاہجہان، وغیرہ،

(ہ) خطوط جہان آرا بنام اورنگ زیب، مراد وغیرہ،

(و) خطوط دارا بنام سلیمان شکوہ، اورنگ زیب وغیرہ،

(ز) خطوط شاہ ایران، وغیرہ،

اس کے علاوہ اس جلد کی ابتدا میں ایک دیباچہ ہوگا، اور اس کی مفصل ذیل سرخیاں ہونگی:-

"دیباچہ"

(الف)

(۱) فن انشا کی تاریخ:-

(الف) ابتدا، (ب) مختلف اقوام میں اس کا رواج،

۲- اسلامی ادبیات میں اس کا درجہ- ... عربی و فارسی،

(الف) دار الانشاء (ب) اس فن پر کتابیں عربی و فارسی، (ج) ہندوستان میں اس سلسلہ میں کوشش، اس کی ارتقاء، اس کے اقسام،

۳- تاریخی خطوط عموماً اور مکاتیب اورنگزیب کی خصوصاً تاریخی اہمیت،

(الف) ان کے اقسام (ب) ان کی موجودگی (ج) خطوط کون لکھتا تھا (د) اورنگزیب خط نویسی کے اعتبار سے،

(ب)

(۴) تاریخ اورنگزیب پر روشنی،

(۱) گورنر

(الف) ایک ناظم کی حیثیت سے :-

نظام حکومت، زراعت، مالگذاری، افسروں کی سفارش و تنبیہ، ہندو افسروں سے برتاؤ، ایمانداری، راست بازی، انتظام خرچ، فوج کا ضابطہ، تنخواہ کا صحیح مصرف، ہندوؤں کی آبادی، تجارت وغیرہ،

(ب) محاصرہ قندہار، :-

روانگی، حربی قابلیت، ناکامیابی کے اسباب، اورنگزیب کی معصومیت،

(ج) سرحدی قبائل اور دیسی ریاستیں، :-

بلوچ قبائل، دیوگڈھ، جوار، چاندہ، کرناٹک، سیواجی وغیرہ،

(د) گولکنڈہ و بیجاپور، :-

ڈپلومیٹک قابلیت، میر جملہ، اورنگ زیب کی اصلی نیت، جنگ کا افسوس ناک انجام،

(۲) خانہ جنگی،

(الف) تعلقات باپ سے،

(ب) " دارا "

(ج) " جہان آرا "

(د) " مراد "

(ہ) " شجاع "

(و) " وزراء و حکام "

(ز) دارا کی اورنگزیب کو ذلیل کرنے کی مسلسل سازشیں، باپ کا ضرورت سے زیادہ لاڈ اور پیار، باپ کے کان بھرنا، سرحدی قبائل کو ورغلانا، جھوٹے الزامات تراشنا، دخل در معقولات، دربار میں جملے کسنے وغیرہ، دارا کی دوسرے بھائیوں کے

خلاف سازش، اس کا مذہبی عقیدہ، اس کی تنگ نظری، بھائیوں کے خلاف کارروائیاں، اور ان سب کا لازمی نتیجہ شاہجہان کی علالت کی افواہ کے ساتھ بھائیوں کی جنگ کا آغاز،

(ج) مراد و شجاع کی جلد بازی، اور نگزیب کا تدبر، اس کا حقیقی ارادہ ... یقیناً حکومت تھا ... ثبوت میر جملہ سے سازش مراد سے معاہدہ، برادرانہ خطوط بنام شجاع،

(ط) دارا شاہجہان آگرہ، شاہجہان وغیرہ کا متفقہ طور سے اورنگزیب کو تباہ کرنیکی کوشش ہندی خط بنام دارا بنام شجاع و بنام راؤ

(ی) باپ سے سلوک، ضرورت جنگ، و بعد از جنگ تلافی مافات،

(ک) مراد کی قید،

(ل) دارا کا معاملہ،

(م) شجاع سے جنگ،

(۳) بین الاقوامی تعلقات بلخ و بخارا، ایران وغیرہ سے خط و کتابت، ایران سے مراد کی طلب امداد، ایران کا حقیقی مقصد اور اس کا ثبوت، اسکا دکن کی اسلامی سلطنتوں پر مہلک اثر،

(۴) خاتمہ،

اس کے علاوہ آخر میں اختلافات قرأۃ کا ایک ضمیمہ ہوگا، اس کے بعد جتنے آدمی اور مقامات کا تذکرہ آیا ہے اسکے مختصر حالات، اور بشرط امکان راستوں اور محاصرہ کے مقاموں کے نقشے بھی دیئے جائیں گے، یہ صرف حصہ اول جلد اول ہے حصہ دوم میں جو خطوط ہیں وہ چونکہ اسی عہد کے ہیں اس لئے ان پر کوئی الگ دیباچہ تو نہ ہوگا لیکن سوانح و مقامات کا ضمیمہ اور جن جن لوگوں کے جوابات ملے ہیں ان کے بھی خطوط کا ضمیمہ دیا جائیگا، اور اس طرح یہ جلد اورنگزیب کے عہد شہزادگی سے لیکر تخت نشینی و جنگ برادرانہ کے خاتمہ تک کی مفصل تاریخ ہوگی،

سرمد کی زندگی

کا

ایک کہنہ ترین ورق

سرمد کے حالات جن کتابون مین ملتے ہین، ان مین سب سے قدیم کتاب دبستان المذاہب ہے، جس کا مصنف ۱۰۵۷ھ مین حیدرآباد دکن مین اس سے ملا تھا، اس کے بعد عہد عالمگیری کے دو تذکرہ نویس طاہر نصرآبادی (یا نصیر آبادی) اور شیر خان لودی نے اپنے اپنے تذکرون مین اس کے قتل کا حال لکھا ہے، اس کے بعد اور دوسرے بہت سے متاخر زمانہ کے تذکرے ہین، اور بھی سرمایہ ہے جو اب تک سرمد کے حالات زندگی کے بیان و تشریح مین کم و بیش استعمال کیا گیا ہے، لیکن اب ہمارے ایک لائق دوست مولوی ابوظفر صاحب خیر جمالی نے سرمد کے متعلق ایک اور پرانی دستاویز کی تحقیق کی ہے، یہ دستاویز بانکی پور کے مشہور مشرقی کتبخانہ کی ایک قلمی کتاب مجمع الافکار مین ہے، صاحب مجمع الافکار نے اس کو نواب معتمد خان کی یادداشت سے بعینہ نقل کیا ہے،

نواب معتمد خان شاہجہان کے دربار کا ایک مشہور امیر تھا، وہ اورنگ زیب اور دارا شکوہ کی جنگ مین دارا شکوہ کی طرف سے لڑتا ہوا ۱۰۶۸ھ مین مارا گیا[1]، اس لئے اس کا بیان متعصب اور ظاہر پرست، اورنگزیب کے عہد کی رنگ آمیزی سے خالی ہوگا، اور چونکہ وہ دارا شکوہ کا طرفدار تھا، اس لئے یہ شبہہ نہ گذریگا کہ دارا شکوہ کی دشمنی مین اس نے اپنی یہ رائے ظاہر کی ہے،

معتمد خان لاہور مین سرمد سے ملا تھا، اور سرمد کے محبوب لڑکے چند کو بھی اس نے دیکھا تھا، معتمد خان نے اپنی

---

[1] ماثر الامرا جلد سوم صفحہ ۱۱۵

ملاقات کی تاریخ نہیں لکھی ہے لیکن اتنا پتہ دیا ہے کہ وہ شاہجہان کے ساتھ کشمیر سے واپس ہوتے ہوئے لاہور میں اس سے ملا تھا، یہ ظاہر ہے کہ سرمد سندھ سے بالاتفاق ۱۰۴۲ھ میں آیا تھا، اور وہاں چند سال تک رہا، اور ۱۰۵۷ھ میں وہ دلستان المذاہب کے مصنف کے بیان کے مطابق حیدرآباد میں تھا، اور ۱۰۶۸ھ میں معتمد خان مارا گیا، اب شاہجہان کے سفر کشمیر کی تاریخیں دیکھئے شاہجہان چار بار کشمیر گیا ہے اور آیا ہے، پہلی دفعہ ۱۰۴۳ھ میں گیا اور آیا، دوسری دفعہ ۱۰۴۹ھ میں جا کر ۱۰۵۰ھ میں لاہور واپس آیا پھر ۱۰۵۴ھ میں جا کر ۱۰۵۵ھ میں واپس آیا، پھر ۱۰۶۰ھ میں کشمیر گیا اور ۱۰۶۱ھ میں واپس آیا، اس بنا پر نواب معتمد خان کا سرمد سے ملنا ۱۰۴۳ھ کے سفر لاہور میں ناممکن ہے کہ وہ اس وقت سے سندھ میں تھا، اس لئے یہ ملاقات ۱۰۵۰ھ میں ہوئی ہوگی، یا ۱۰۵۵ھ میں یا ۱۰۶۱ھ میں،

اس تمہید کے بعد اب مجمع الافکار کی عبارت آپ کے سامنے ہے،

"از وارداتِ طبعِ نواب معتمد خان مرحوم است: سرمد نام ہمو دلبسرے کہ بقدر کسب فضیلت کردہ چندے بخدمت شیخ بہاؤ الدین محمدؒ دوبرے در ملازمت میر محمدؒ باقر داماد بسر بردہ در ۱۰۴۲ھ ہمولے سیر و تفریح تماشاے ممالک ہندوستان قدم ہمت در بادیۂ طلب نہادہ، از راہِ دریا بولایت ٹھٹھہ برسید و از اتفاقات حسنہ در نمک زار ٹھٹھہ بکمندِ عشقِ ہندو پسرے اسیر گشتہ ازان کانِ ملاحت نمک چشِ محبت می نماید، و در آغازِ تعلق و گرفتاری آن کافرِ بے رحم نگاہ آشنا بجانب او نمی کند بدرش از بیم رسوائی نزد محمود بیگ بخشی واقعہ نویس ٹھٹھہ اظہار این معنی می نماید، و آن بے دردِ یک چندے مطلوب او را در جائگہ صباؤ شمال متعذر بود مخفی می دارد، آشوبِ عشق و جنونِ سرمد بہ شورش در می آرد از تلاطمِ محبت و جوشش و خروشش جنون انچہ در بساط داشتہ با آتش سوختہ خود را از لوث تعلقات پاک ساختہ، خاکسترش را چار بالشِ سلطنت و انستہ عریان تن لباس عاریتی نشنیدہ اتفاقاً بیتے از محمود بیگ بخشی واقعہ نویس در گوش او می رسد ؎

کلیدِ مخزنِ افلاک اگر در دستِ من باشد — کواکب را براہِ اہلِ حاجت چون درم پاشم

سرمد باعی گفتہ نزد محمود بیگ فرستاد،

اے باد بگو بہ میرزاے بخشی — کاے کردہ فلک بزیرِ دایت رخشی

گفتی کہ کو اگب چون درم می بخشم خود شید مرا نیز بمن می بخشی

چون نشاط محبت او از صدق چاشنی داشت، دامن خودش از آلودگی پاک بود، و پس از مدتے ہر دو سرا پا برہنہ رہ نورد بادیۂ جنون گشتہ بہ لاہور شتافتند و چون موکب سفور حضرت شہنشاہی از سیر و تماشاے گلگشت ہمیشہ بہار کشمیر عطف عنان نمودہ بدار السلطنۃ لاہور نزول اجلال ارزانی فرمودہ، راقم الحروف در باغ سراغ آنہا یافتہ بذوق ملاقات شتافت، سرمد را دیوانہ، سرو پا برہنہ عریان از لباس عاریت دید، موی سر و ریش در ہم رجولیدہ (ژولیدہ؟) و مجعد شدے، ناخن دست و پا دراز، با فلک و ملک در جنگ و گاہ بکائنات در صلح سخن لبسیار گفتے، و شعر خواندے اکثر مربوط، احیانا نامربوط، لیکن بہر جا رشتہ رضا جوئی محبوب از دست نہ دادہ، و ملبوسش بالاپوش کہنہ بر خود پیچیدہ نشستہ بود، خالی از ملاحتے نبود، و فارسی را درست می گفت و طبیعت موزون ہم داشت،،

نواب معتمد خان کی اس تحریر کے بعد سرمد کی زندگی کے متعلق دوسری سب سے پرانی تحریر دبستان المذاہب کے مصنف کی ہے، جس نے ۱۰۶۱ھ میں حیدر آباد میں اس سے ملاقات کی تھی، لیکن یہ دونوں تحریریں عہد عالمگیری سے پہلے کی ہیں اور ان سے "عالمگیر اور سرمد" کے تعلقات پر روشنی نہیں پڑتی، یہ روشنی دوسرے تذکروں سے حاصل ہو سکتی ہے، معارف میں جب منصور حلاج پر ایک مضمون لکھا گیا تھا، تو ہمارے محترم دوست ڈاکٹر اقبال نے لکھا تھا کہ ابھی ایک "شہید" اور باقی ہے، کیا عجب ہے کہ اس "شہید" کی قتل کی بھی باری آجائے،

نوٹس

مشہور جرمن فلاسفر فریڈرک نٹشے کی سوانحعمری اور اس کے خیالات، افکار اور تصانیف پر بحث و تبصرہ مصنف پروفیسر مظفر الدین ندوی ایم اے، اس کتاب کو مصنف نے چار ابواب پر تقسیم کیا ہے پہلے باب میں اس کے سوانح اور تصنیفات کا حال ہے باقی تین ابواب میں خیر و شر مسیحیت اور آیندہ سپر مین (فوق البشر) پر اس کے خیالات اور نظریوں کی تشریح قیمت عہ

"منیجر"

تلخیص و تبصرہ

امریکہ کی مالی اور تعلیمی حالت

یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ امریکہ اپنی دولت و ثروت مین دنیا کے تمام بر اعظمون سے ممتاز حیثیت رکھتا ہے، چنانچہ باوجودیکہ اس کی آبادی سارے عالم کے تناسب سے صرف ۶ ۱/۲ فی صدی ہے، اور اس کا رقبہ دنیا کے پورے رقبہ کے تناسب سے صرف ۱/۲ ۶ فی صدی ہے، مگر دنیا کی دولت و ثروت کا نصف حصہ امریکہ کی سرزمین سے وابستہ ہے، کیونکہ روئی، لوہا، فولاد، سیسہ، لکڑی، تانبا، اور پیٹرول وغیرہ کا وجود دنیا مین جس قدر ہے ان مین کم سے کم ۵۰ فی صدی اور اکثر چیزون کا اس سے زیادہ حصہ صرف امریکہ کے قبضۂ قدرت مین ہے،

مفلوک ہندوستان جس مین ہر شخص کی ذاتی آمدنی کا اوسط صرف ۷ پائی روزانہ ہی کے تخیل سے یہ بالاتر ہے کہ امریکہ مین اس وقت ہر شخص کی ذاتی آمدنی کا اوسط ۷۰۰ پونڈ سالانہ ہے، جو آج سے ۲۳ سال پہلے ۲۷۳ پونڈ کی تعداد مین تھا، اور ۵۰ سال پہلے ۱۲۵ پونڈ کی تعداد تھی، ۱۲۵ سے ۷۰۰ پونڈ کی ترقی صرف ۵۰ سال کی صنعتی و تجارتی جد وجہد کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے،

خیر یا بزیخ ہندوستان اور آزاد امریکہ کی ثروت کا موازنہ تو ایک المناک داستان چھیڑ دیگا، جب امریکہ کا خود یورپ کے ممتاز و متمدن ممالک سے مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس وقت امریکہ مین ایسے ۴۰ فی صدی افراد ہین جو ڈنمارک اور آسٹریلیا کے تمام اعلیٰ سے اعلیٰ اصحاب ثروت سے زیادہ صاحب ثروت ہین، اور جرمنی کے اصحاب ثروت کے تناسب سے امریکہ مین ایسے ۷۰ فی صدی اشخاص پائے جاتے ہین، اور جب جدید تہذیب و تمدن کے سب سے بڑے مرکز پیرس کے اصحاب ثروت کا تناسب دیکھا جائے تو امریکہ مین ۵۰ فی صدی ایسے افراد ملینگے جن کی ثروت کے مقابلہ مین

کوئی صاحب تردد پیش نہین کیا جاسکتا، اور ان کے علاوہ سوئیڈن اور ہالینڈ وغیرہ کا تناسب تو پورے پورے ۱۰۰ فی صدی ہے،

اس کے باوجود امریکہ کے ہر دس آدمیون مین صرف چار شخص ایسے ہوتے ہین جو معاش پیدا کرتے ہین، اور باقی چھ اشخاص انہین چار اشخاص کی محنت سے پرورش پاتے ہین،

ایک طرف ان کی دولت و ثروت کی یہ بہتات ہے اب دوسری طرف ان کی تعلیمی دلچسپیون پر بھی ایک سرسری نظر ڈالنی چاہیے،

یہان کے اکثر حصون مین ابتدائی اور ثانوی تعلیم جبری قرار دیگئی، حکومت کی طرف سے مدارس قائم ہین جن کے تمام اخراجات خود حکومت برداشت کرتی ہے، ابتدائی تعلیم کی مدت آٹھ سال اور ثانوی کی چار سال ہے، ان مدارس مین ۵ سے ۱۸ سال تک کی عمر کے لڑکے اور لڑکیان تعلیم پاتی ہین، ان کے علاوہ غیر سرکاری مدرسے بھی قائم ہین جن مین بالعموم سرکاری مدارس کی عمر کی قید سے بڑھ جانے کی وجہ سے طلبہ آکر داخل ہوتے ہین، اس کے علاوہ بعض دیگر وجوہ سے بھی طلبہ ان مدارس کا رخ کرتے ہین،

آج کل وہان ۵ سے ۱۷ برس کے ۲۹ ملین لڑکے اور لڑکیان ہین جن مین سے ۲۵ ملین سرکاری مدرسون مین تعلیم پاتے ہین جس مین سے ہر لڑکے پر ۱۴، ۱۵ پونڈ سالانہ خرچ ہوتا ہے، اور یہ تعداد ان طلبہ کے علاوہ ہے جو غیر سرکاری مدرسون مین تعلیم پا رہے ہین، امریکہ کی خاص خوبی یہ ہے کہ وہان کی اعلیٰ تعلیم مین ہر قسم کے طلبہ بلا امتیاز شریک ہوتے ہین جس کا اندازہ یونیورسٹی کے طلبہ کی مجموعی تعداد سے لگایا جاسکتا ہے، چنانچہ سنہ ۱۹۱۰ء مین اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والون کی تعداد ۲۷۰۰ ہزار تھی، پھر یہی تعداد سنہ ۱۹۲۴ء مین ۷۵۰۰ ہزار تک پہونچ گئی، اور اس سال سنہ ۱۹۲۶ء مین صرف کلمبیا یونیورسٹی نیویارک سے ۷۰۰۰ مرد اور عورتین فارغ التحصیل ہوئی ہین صرف یہان کی یونیورسٹیون کے مصارف ۱۰ ملین پونڈ سے بھی زیادہ ہین جس کا ایک تہائی حصہ طلبہ کی فیس سے ادا ہوتا ہے،

امریکہ کے اس تعلیمی سلسلہ کے ساتھ وہان کے شعبۂ نشر و اشاعت کو دیکھا جائے تو مثلاً صرف سنہ ۱۹۱۴ء مین ۵۰ ملین

کتابین چھپ کر شائع ہوئین، اور اسی طرح ۱۹۲۵ء مین ۲۲۵ ملین کتابین طبع ہوئین، اور اگر آج کل کی کتابون کی مجموعی تعداد دریافت کرتی ہے تو صرف یہ کہنا کافی ہے کہ وہان کی شایع شدہ کتابون کی مجموعی تعداد اور روزانہ اتنی ہوتی ہے کہ امریکہ کے ہر ایک مرد و عورت، لڑکے اور لڑکی کے حصہ مین تین تین کتابین آتی ہین یعنی وہان کی مجموعی آبادی سے تین گنا زیادہ کتابین روزانہ طبع ہوتی ہین، اور پھر اخبارون کی تعداد کو شمار کیا جائے تو وہان کے ہر جاندار آدمیون مین مستقل ایک اخبار حصہ مین آتا ہے، اور ان کے علاوہ ماہوار ہفتہ وار رسالے وغیرہ کی تعداد ۲۵ ہزار ہے،

اس لئے اگر امریکہ اپنی دولت و ثروت اور کیمیاوی و صنعتی ترقیون مین یورپ سے پیش پیش ہے تو علمی و تعلیمی میدان مین بھی بہت آگے نکل چکا ہے،

" "

جاپانی اخبار نویسی

تمام متمدن ممالک مین امریکہ اور انگلستان اخباری ترقی کے لحاظ سے نہایت بلند پایہ خیال کئے جاتے ہین لیکن حال مین ایک جاپانی اخبار نویس نے امریکہ کے رسالہ ایشیا مین جاپانی اخبار نویسی کی ترقی پر ایک مضمون لکھا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جاپان اس مین امریکہ اور انگلستان پر بھی فوقیت رکھتا ہے، اس مضمون کا خلاصہ نومبر ۱۹۲۰ء کے مقتطف مین شایع ہوا ہے، اور ہم معارف مین اس کا خلاصہ شایع کرتے ہین،

جاپان کا رقبہ امریکہ کے ایک صوبے کے رقبہ کے برابر ہے، اور اس کی مردم شماری ۷۵ ملین ہے حالانکہ ولایات متحدہ امریکہ کی مردم شماری ۱۱۵ ملین سے بھی زائد ہے لیکن باایں ہمہ جاپان مین ۳۷۰۰ اخبار روزانہ اور ۲۸۵۰ اخبار ہفتہ وار اور ماہوار نکلتے ہین، روزانہ اخبارات کی مجموعی تعداد جو ہر روز شایع ہوتی ہے ۱۰ ملین ہے یا بالفاظ دیگر ہر ۶ آدمی کے حصے مین ایک اخبار آتا ہے،

اس دس ملین کی تعداد مین تقریباً نصف یعنی پانچ ملین کی تعداد صرف دس بڑے اخبارات پوری کرتے ہین، جو ٹوکیو اور اوساکا سے شائع ہوتے ہین، ان مین دو اخبار جو اوساکا مائنشی، کمپنی سے تعلق

رکھتے ہین سب سے بڑے ہین، ایک کا نام "اوساکا مائنیشی" ہے جس کی روزانہ اشاعت تقریباً ایک ملین ۲ لاکھ ہے، دوسرے کا نام "ٹوکیو نیشی نیشی" ہے اور وہ روزانہ ۸۰۰ ہزار کی تعداد مین چھپتا ہے،

ان دونون کے بعد دو اخبارون کا درجہ ہے جو "اوساکا اساہی" کمپنی سے تعلق رکھتے ہین، ان مین ایک کا نام "اوساکا اساہی" ہے جو "اوساکا" سے شائع ہوتا ہے، دوسرے کا نام "ٹوکیو اساہی" ہے جو ٹوکیو سے شائع ہوتا ہے ان کی اشاعت کی مجموعی تعداد ایک ملین روزانہ ہے،

ان چارون اخبارات کے بعد ۷ اخبار اور ہین جن کی روزانہ اشاعت نصف ملین سے ایک لاکھ تک ہے،

جاپان سے انگریزی اخبارات بھی شائع ہوتے ہین جن مین سب سے بڑا اور سب سے زیادہ وسیع الاشاعت اخبار "اوساکا مائنیشی" کمپنی کی طرف سے ۸۰ صفحات مین شائع ہوتا ہے، ایک اخبار جس کا نام "معلن جاپانی" ہے ایک امریکن ٹوکیو سے شائع کرتا ہے، اور زیادہ تر اس کی اشاعت یورپین لوگون مین ہے، "کوبی کرانیکل" کے نام سے ایک انگریز ایک اخبار نکالتا ہے جس کے ذریعہ سے حکومت کے سیاسی کامون پر نکتہ چینی کرتا ہے، ایک اور انگریزی اخبار "ٹوکیو ٹیمس" ہے جو پہلے حکومت کی زبان تھا اور اب معلوم نہین کہ وزارت خارجیہ سے اس کا تعلق ہے یا نہین؟

جاپان مین اس اخباری ترقی کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ "اوساکا مائنیشی" اور "اوساکا اساہی" کمپنی مین تاجرانہ مقابلہ نے سخت رشک و رقابت پیدا کر دی ہے چنانچہ ۷ سال کا زمانہ گذرا کہ "اوساکا مائنیشی" کمپنی نے ڈھائی لاکھ گنی کے صرف سے ایک عظیم الشان شش منزلہ عمارت بنوائی، تو اخبار "ٹوکیو نیشی نیشی" نے بھی ایک عالی شان عمارت تیار کرائی اور اخبار "ٹوکیو اساہی" بھی عنقریب اپنی جدید عمارت مین منتقل ہونا چاہتا ہے جو ریلوے اسٹیشن کے قریب ۳۰ ہزار گنی کے صرف سے تیار ہوئی ہے،

اخیر دو سالون مین اخبار "المائنیشی" نے پانچ ہوائی جہاز خرید کر "ٹوکیو" اور "اوساکا" کے درمیان ہوائی ڈاک قائم کر دی، جس کے ذریعہ سے خبرین اور تصویرین روانہ کیجاتی تھین، اس کی دیکھا دیکھی اخبار "اوساکا اساہی" نے بھی ہوائی جہاز خریدے اور "اوساکا" اور "ٹوکیو" اور "ٹوکیو" اور "سنداے" کے درمیان ہوائی ڈاک کا انتظام کیا

اس اخباری رقابت سے پبلک کو بڑا فائدہ پہونچتا ہے کیونکہ جب ایک اخبار اپنی شام کی اشاعت کو مفت تقسیم کرتا ہے تو دوسرا اخبار بھی اس کی تقلید کرتا ہے، یا جب کوئی اخبار دیہاتوں میں جہاں اخبار کی اشاعت زیادہ نہ ہوتی ہے کوئی مفت ضمیمہ شایع کرتا ہے، تو دوسرے اخبارات بھی ایسا کرتے ہیں،

ضمیموں کی اشاعت ایک ایسی چیز ہے جو جاپانی اخبارات کے ساتھ مخصوص ہوگئی ہے، مثلاً اخبار "المانیشی" روزانہ ۳ ضمیمے شایع کرتا ہے جن میں لوکل خبریں شایع ہوتی ہیں اور خریداروں کے یہاں مفت روانہ کئے جاتے ہیں، یہ ضمیمے زیادہ تر دیہاتوں میں شایع ہوتے ہیں، اور ان میں دن کی مخصوص خبریں درج ہوتی ہیں لیکن جب کوئی اہم واقعہ پیش آتا ہے مثلاً کوئی بڑی جنگ چھڑ جاتی ہے، یا بڑا زلزلہ آتا ہے، یا کوئی عام وبا پھیل جاتی ہے، یا بادشاہ کی وفات ہو جاتی ہے تو بڑے بڑے شہروں میں بھی ضمیمے شایع ہوتے ہیں،

بعض اوقات یہ ضمیمے صرف ایک چھوٹے سے ورق پر شایع ہوتے ہیں اور ان میں صرف ایک مختصر سی خبر درج ہوتی ہے، اخبار بیچنے والے اُن کو لیجاتے ہیں اور گذرگاہوں میں اس زور سے چیختے ہیں کہ گویا صور اسرافیل پھونکا جاتا ہے، اور لوگ ان کو اس لئے خریدتے ہیں کہ مبادا دنیا فنا ہو جائے اور ہم واقعاتِ عالم سے بے خبر رہیں،

اس رشک و رقابت کا ایک مفید نتیجہ یہ بھی ہے کہ اخبارات کثیر رقم صرف کرکے اطراف عالم سے خبریں جمع کرتے ہیں، چنانچہ ستمبر ۱۹۲۳ء میں جب جاپان میں سخت زلزلہ آیا تو "اوساکا مائینشی" اور "ٹوکیو نیتی نیشی" کمپنی نے ۴۴ ہزار گنی کے صرف سے خبریں و تصویریں کی ایک جماعت مقرر کر دی اور انھوں نے تمام مقامات سے زلزلہ کے متعلق اہم خبریں اور تصویریں بھیجیں، چونکہ زلزلہ کی وجہ سے ڈاک بالکل بند ہوگئی تھی، اس لئے اسی کمپنی نے ملک کے گوشے گوشے میں زلزلہ کے متعلق خبریں اور تصویریں روانہ کیں جن میں بعض متحرک تصویریں بھی تھیں، اس سے بھی بڑھکر یہ کہ اخبار "المانیشی" اور "الاساہی" ریل، ہوائی جہاز اور تار پر بھی اعتماد نہیں کرتے کیونکہ بعض اوقات ریلیں ٹکرا جاتی ہیں، ہوائی جہاز ٹوٹ جاتے ہیں، اور تار کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے، اس لئے ان اخبارات نے

پیامبر کبوترون کی بہت بڑی تعداد پال رکھی ہے، جو مخبرون اور ہوائی جہازون کے ساتھ روانہ کی جاتی ہین، اور جب مخبرون اور ہوائی جہازون کو کوئی سانحہ پیش آجاتا ہے تو وہ ان کبوترون کے ذریعہ سے خبرین روانہ کردیتے ہین،

ان دونون کمپنیون مین خبر رسانی کے متعلق جو مقابلہ پیدا ہوگیا ہے، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ۱۹۲۶ء مین جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ شاہ جاپان حالت نزع مین ہے، تو ان دونون کمپنیون نے شاہی محل کے قریب دو گھر کرایہ پر لئے، اور اخبار نویسون کی ایک جماعت مقرر کی اور ان کے لئے خبر رسانی کے تمام ذرائع مثلاً ٹیلیفون، موٹر، ہوائی جہاز، نامہ بر کبوتر وغیرہ مہیا کردیئے، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جاپانی پبلک شاہی خاندان کے حالات سے کس قدر شغف رکھتی ہے،

ان اخبارات کے اسٹاف کی وسعت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ دارالاوساکا مائینشی کمپنی کے دفتر مین ۲۴۲۵ آدمی ملازم ہین جو مختلف خدمات انجام دیتے ہین،

خبرون کی فراہمی کا جو طریقہ یورپ اور امریکہ مین جاری ہے، وہی جاپان مین بھی ہے یعنی رائٹر اور ایسوسی ایٹڈ پریس کی طرح یہان بھی کمپنیان قائم ہین جو خبرین جمع کرتی ہین، اور جو اخبار ان کمپنیون سے تعلق رکھتے ہین وہ ان خبرون کو شایع کرتے ہین،

بڑے بڑے اخبار مراسلہ نگار بھی مقرر کرتے ہین بالخصوص یورپ، امریکہ اور ایشیا کے بڑے بڑے شہرون مین خاص جاپانی مراسلہ نگار مقرر ہین تاکہ اہم واقعات کے متعلق خاص جاپانیون کے نقطۂ نظر کے مطابق خبرین شایع کی جاسکین،

جاپان مین اس اخباری ترقی کی اصلی وجہ یہ ہے کہ جاپان کے ہر طبقے مین تعلیم کی اشاعت عام ہوگئی ہے چنانچہ یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ ابتدائی مدارس کے طلبا مین ۹۱ فی صدی سکنڈری مدارس مین داخل ہوتے ہین، جاپان کے تمام مدارس اور کالج کی تعداد ۴۴ ہزار ہے جس مین ساڑھے دس ملین سے زیادہ طلبا تعلیم پاتے ہین،

تعلیم کی اشاعت کے ساتھ جاپانی مطالعہ کا بھی نہایت ذوق رکھتے ہین، چنانچہ ۱۹۲۵ء مین جاپان مین مختلف موضوع پر ۱۰۰۰۰ کتابین شایع ہوئین، انگریزی فرنچ، جرمن اور چینی زبانون مین جو کتابین باہر سے آئین اور فروخت ہوئین انکی قیمت پانچ لاکھ

"ع"

کیا سری کرشن ایک اسرائیلی پیغمبر تھے؟

پروفیسر پیرزادہ محمد ابراہیم صنیف (دہلی) نے چند ماہرین علوم السنہ کی معاونت سے "سری کرشن اسمبلی" کے نام سے ایک علمی مجلس کی بنا ڈالی ہے، جس میں علوم السنہ کی روشنی میں مختلف علمی مباحث کی تحقیق و تدقیق اور ان پر بحث و تمحیص ہوگی، اس مجلس نے اپنے دائرہ عمل کو چند نظریوں میں محدود کر لیا ہے، اور اس کی تمام سعی و کاوش انھیں چند مسائل کے اثبات میں صرف ہوگی اس مجلس کی ایک اہم نظریہ یہ ہے کہ سری کرشن دراصل ایک اسرائیلی پیغمبر تھے، کیونکہ محققین علوم السنہ کے نزدیک یہ پایۂ ثبوت کو پہونچ چکا ہے کہ "بعل سرقیص کاہن" یا "بال سری کشن کاہنا" یہ چار الفاظ عبرانی زبان کے ہیں جو اس زبان میں نہایت درست رسم خط کے ساتھ موجود ہیں، اور اس سلسلہ میں اس کڑی کو ملا دینے سے اس نظریہ پر مزید روشنی پڑتی ہے کہ قدیم و جدید برج بھاشا اور دیگر ہندوستانی زبانوں میں عبرانی، اشوری، بابلی، عربی اور حمیری زبانوں کے بہ کثرت الفاظ موجود ہیں،

اسی طرح اس مجلس علمی کا ایک دعویٰ یہ بھی ہے کہ **اردو** ایک ایسی زبان ہے جو **عالمگیر زبان** (LEN-GUE FRANCA) کی حیثیت سے قبول کی جا سکتی ہے، کیونکہ یہ برج بھاشا کی ایک مکمل ترین شکل ہے، جو قدیم سامی زبانوں (عبرانی، اشوری، عربی) اور سنسکرت اور دیگر زبانوں سے مرتب ہوئی ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ یہ زبان ہندوستان میں مسلمانوں کے داخلہ سے بہت پہلے مکمل ہو چکی تھی، اور اس کے بعد جب عرب، ترک، مغل، پٹھان ہندوستان آئے تو الفاظ کا بہت بڑا ذخیرہ اپنے ساتھ لائے، اور اس کو برج بھاشا میں داخل کر دیا، اور اسی طرح یورپین اقوام کے ہندوستان میں آنے سے بیشتر اس زبان میں انھیں سامی، سنسکرت اور فارسی زبانوں کے ذریعہ سے اٹلی، جرمن، فرنچ یونانی اور انگریزی زبانوں کے بہت سے الفاظ داخل ہو چکے تھے، اس لئے اردو زبان لینگو فرینکو کی حیثیت سے دنیا میں مقبول ہوگی، اور خصوصاً جہاں کے الفاظ اس زبان میں زیادہ موجود ہیں وہاں بڑی آسانی سے سمجھی اور بولی جا سکتی ہے،

اس مجلس نے اس کا بھی اظہار کیا ہے کہ یورپ کی انگریزی اور دیگر زبانوں کے حروف تہجی عبرانی زبان

سے ماخوذ ہین، مثلاً

ابجد	A. B. C. D
کلمن	K. L. M. N
قرشت	Q R S T وغیرہ

اس مجلس نے اپنا ایک ماہوار جاری کیا ہے جس مین اپنی اور ان جیسے چند اور مباحث پر بحث و تمحیص ہوتی ہے اور اس نے ہندوستان کی موجودہ فضا کا لحاظ کرکے یہ بھی تصریح کردی ہے کہ اس کے قیام کا منشا محض علمی تحقیق و جستجو ہے ان مباحث سے کسی خاص فرقہ اور مذہب کی دل آزاری مقصود نہین،

مجلس کو توقع ہے کہ ہندوستان کے ممتاز اہل قلم ان مباحث مین کافی حصہ لے کر اون کے تحقیقی مدارج کو ترقی دین گے، ناظرین معارف مین جو لوگ ان مباحث مین حصہ لینا چاہین، وہ "سری کشن اسمبلی عباس منزل جامع مسجد اسٹریٹ دہلی" کے عنوان سے خط و کتابت کرسکتے ہین،

" ر "

علی گڑھ میگزین کا نوویکشن نمبر

ہندوستان کے مشہور اور ممتاز علمی رسالہ علی گڑھ میگزین کا نوویکشن نمبر خاص اہتمام اور نہایت آب و تاب کے ساتھ جنوری ۱۹۲۸ء مین شایع ہوگا، اس پرچہ مین تصاویر کے علاوہ ایک ممتاز انشاپردازون کے مضامین اور بلند پایہ شعرا کے افکار عالیہ شایع ہونگے اس پرچہ کی ضخامت بھی غیر معمولی ہوگی اور اردو کتابت و طباعت کا بہترین نظر فریب نمونہ ہوگا، تمام اہل علم ادب اور خصوصاً ان ارباب علم سے جنکا تعلق مسلم یونیورسٹی سے بحیثیت اولڈ بوائز رہا ہے استدعا کیجاتی ہے کہ اپنے ادبی و علمی کے اس رسالہ کے خاص نمبر کو کامیاب بنانیکی کوشش کرین، مضامین اور حصۂ نظم ایڈیٹر صاحب علی گڑھ میگزین مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے پتہ پر ۱۵ دسمبر ۱۹۲۷ء سے قبل پہنچ جانا چاہیے

خریداری رسالہ و اجرت اشتہارات کے واسطے منیجر صاحب مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ سے خط و کتابت کیجئے،

منیجر علی گڑھ میگزین "

اخبار علمیہ

انسان خوار نباتات، جزیرہ مدگاسکر جنوبی مشرقی حصہ مین ایک درخت ہے جو انسان کو کھا جاتا ہے، دین پرانسانون کا ایک قبیلہ ہے جس کا نام مکودوس ہے، وہ اس مقدس درخت کی پرستش کرتا ہے، یہ درخت دس فیٹ سے عموماً زیادہ بلند نہین ہوتا، اور اسکی شکل چھتے کی طرح مدور ہوتی ہے، اور اسکی پھننگ سے دس پتے بڑے بڑے نیچے لٹکا کرتے ہین، ہر پتے کی سطح پر زہریلے کانٹے ہوتے ہین، اس قبیلہ کے لوگ تہوار کے دن سال مین ایک دفعہ اپنے قبیلہ کی حسین ترین لڑکی اس درخت کو قربانی دیتے ہین، اور اس دن وہ نہایت ہنسی خوشی اور ناچ رنگ مناتے ہین،

سامریون کی توراۃ، سامری فرقہ کے ان موسویون کے پاس جو نابلس (شام) مین رہتے ہین، حضرت موسیٰ کی پانچون کتابون کا سب سے قدیم نسخہ موجود ہے، جو مطبوعہ اور مشہورہ نسخہ سے جو موجودہ یہودیون کے پاس ہے مختلف ہے، سامریون کا دعویٰ ہے کہ یہ نسخہ حضرت موسیٰ کی اولاد مین سے ایک کا لکھا ہوا ہے، اور جو بنی اسرائیل کے کنعان مین داخل ہونے کے تھوڑے دن کے بعد لکھا گیا،

قرآن پاک عرب عیسائی کی نگاہ مین، فلسطین مین سرکاری مدرسون کے اعلیٰ مدرسین کی کانفرنس اس غرض سے منعقد کیگئی تھی، تاکہ فلسطین کے مدارس کا نظام و نصاب تعلیم مقرر کیا جائے، اس کانفرنس مین استاذ انیس صبدادی نے جو مسیحی ہین اور یافا کے مدرسۂ نانویہ کے مدرس اعلیٰ ہین، یہ تجویز پیش کی کہ سرکاری مدرسون کے اعلیٰ درجون مین قرآن کی تعلیم لازمی قرار دیجائے، تاکہ عیسائیون کی آیندہ نسل قرآن کی بلاغت کے فائدہ سے محروم نہ رہے، اور انکی

زبان درست ہو، اور ملکۂ بیان حاصل ہو،

مچھلی کی تیزروی سب سے تیز رو مچھلی ایک گھنٹہ مین ۲۵ میل کی مسافت پانی مین طے کرتی ہے،

چائے اور انگریز، دنیا مین جتنی چائے پیدا ہوتی ہے، اس کا آدھا حصہ انگریزون کے مصرف مین آتا ہے،

شعاع رنٹجن کے مضر اثرات، رنٹجن کی شعاعین انسان کے جسم مین نفوذ کرکے اس کے فاسد مادون کو اطبا کے سامنے واضح کرتی ہین، ان شعاعون کے اکتشاف کو ابھی نہایت تھوڑا زمانہ گذرا ہے، مگر اسی قلیل مدت مین اس کا استعمال نہایت سرعت سے عام ہوچکا ہے، خصوصاً مرض سرطان اور سلسلہ تناسل مین بعض تغیرات پیدا کرنے مین نہایت مفید ثابت ہوا ہے،

گو یورپ کی علمی تحقیق کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا جاتا ہے، چنانچہ اب پروفیسر مولر نے ان شعاعون کے متعلق بعض ایسے تجربون کا اعلان کیا ہے جس سے ممکن ہے کہ یورپ مین بعض مخصوص چیزون کے لیے ان کے استعمال مین بہت کچھ کمی آجائے، پروفیسر مولر نے ان شعاعون کو بعض مکھیون اور چوہون پر آزمایا، اور اس نتیجہ تک پہنچے کہ یہ شعاعین چہرے کی ساخت اور اس کے آب و تاب مین ایک بہت بڑا انقلاب پیدا کردیتی ہین، اور زیادہ حیرت انگیز واقعہ یہ ہے کہ یہ خرابی نسلاً بعد نسلٍ متوارث ہوجاتی ہے، اور جس درجہ نسل بڑھتی جائیگی چہرہ کی بدہیئتی مین ترقی ہوتی جائے گی، کیونکہ اس کے نشو و نما کا وہ نظام ہی سرے سے قائم نہین رہتا جو ان شعاعون کے اثر انداز ہونے سے پہلے قائم تھا، اس لیے پروفیسر مولر نے ان تمام لوگون سے جو ان شعاعون کو سلسلہ تناسل مین استعمال کرتے ہین، پرہیز کرنے کی درخواست کی ہے، اور پروفیسر مولر نے یورپ کی ان خواتین کو خاص طور پر مخاطب

کیا ہے جو با تجھین اختیار کرنے کے لیے ان شعاعون کو کام مین لاتی ہین، کیا خدا کی قدرت ہے کہ یہی شعاعین جو آج تک یورپ مین حسن و شباب کی بہترین محافظ سمجھی جاتی تھین، اب وہی شعاعین ان کے لیے اس درجہ تباہ کن ثابت ہو رہی ہین،

روئی کی کاشت کا رقبہ سنہ ۱۹۲۰ء کے اعداد و شمار سے جو اب تک آخری اعداد و شمار ہین، واضح ہوتا ہے کہ روئی کی کاشت ولایات متحدہ امریکہ مین ۳۴۹۷۰۰۰۰ ایکڑ زمین ہین، اور اس کے علاوہ ہندوستان مین ۳۶۰۰۰۰۰۰ ایکڑ اور مصر مین ۱۵۷۳۲۶۲ ایکڑ، اس طرح تقریباً ساری دنیا مین ۷۰ ملین زمین روئی کے لیے وقف ہے،

فن زراعت مین ایک سریع السیر انقلاب، اگرچہ علوم جدیدہ کے ماہرین زراعت کی طبعی پیداوار پر کوئی لائق توجہ دسترس حاصل نہین کی ہے، مگر امریکہ کی ایک خبر مظہر ہے کہ نیویارک کے ایک انسٹیٹیوشن نے یہ مہم بھی سر کر لی، اور گیہون کی فصل جو بالعموم پانچ چھ مہینہ مین تیار ہوتی ہے، صرف ۳۵ دن مین تیار کر کے کاٹ لیگئی،

امریکہ کی اس تمام زرعی جد و جہد کا مقصد یہ ہے کہ صنعت و حرفت کی تجارت مین مثلاً فورڈ ایک دن مین ایک ہزار موٹر تیار کر سکتا ہے، اور اس کو یہ فکر دامنگیر رہتی ہے کہ ایسے وسائل اختیار کیے جائین کہ اس کو ترقی دیکر ایک دن مثلاً پانچ ہزار تک پہنچائے، تو پھر کیا وجہ ہے کہ ایک کاشتکار بھی ایسے وسائل اختیار نہ کرے کہ وہ بھی ایسے ہی اصول پیش نظر رکھ کر اپنی زراعت سے فائدہ اٹھائے اور فائدہ پہنچا سکے، مگر فن زراعت مین اہم ترین دشواری اسکی طبعی پیداوار ہے، کہ زمین زیادہ سے زیادہ سال مین تین یا چار فصل پیدا کر سکتی ہے، اس لیے اسی مشکل کو حل کرنے کی جد و جہد جاری ہے، چنانچہ ۳۵ دن کی جو فصل حاصل کیگئی ہے اسی کی ایک کامیاب پہلی منزل ہے،

اس فصل کے حصول کی صورت یہ اختیار کیگئی کہ پہلے بیج کو ایک شب کہربائی قوت کے سامنے رکھ کر اس مین حرارت پیدا کیگئی، تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ سرعت کیساتھ زمین سے اپنی غذا حاصل کر سکے، اور پھر اس مین اکسیڈ کریون کی ایک مقدار کا اضافہ کرکے اس کو زمین کے سپرد کر دیا گیا، اس طرح بیج نے چار چھ مہینہ کے مرحلہ کو صرف ۳۵ دن مین طے کر لیا، اور پختہ خانون سے لدی ہوئی کھیتی کاٹ لیگئی، مگر افسوس ہے کہ انسٹی ٹیوشن نے یہ بھی اعلان کیا ہے، کہ اگرچہ یہ تجربہ صحیح ثابت ہوا اور اس کے علاوہ آلو وغیرہ پر بھی تجربہ کیا جا چکا، مگر ان طریقون پر عمل کرنے مین جو دشواریان اور وسائل اختیار کرنے پڑین گے، وہ عام کاشتکار برداشت نہین کر سکتے، اس لیے اس طریقہ کی ترویج سردست قطعی طور پر ناممکن ہے۔ یہ ممکن ہے کہ آیندہ کوئی معقول صورت پیدا کر سکے،

لومڑی کی فاقہ کشی، کہا جاتا ہے کہ حیوانون مین، لومڑی سب سے زیادہ دنون تک بے آب و دانہ رہ سکتی ہے، چنانچہ تجربہ سے معلوم ہوا کہ لومڑی کی فاقہ کشی کی انتہائی مدت دو سال ہے، اسی طرح دوسرے جانورون کے متعلق بھی آزمایا گیا، جس سے معلوم ہوا کہ اگر مینڈک کو ۱۶ مہینے تک غذا نہ دیجائے، تو بھی وہ زندہ رہ سکتا ہے، اسی طرح کچھوا بھی چند ہفتون تک غذا سے بے نیاز رہنے کی صلاحیت رکھتا ہے

ماہ پرواز، یہ عجیب تاریخی اتفاق ہے کہ فن پرواز کی جد و جہد مین اکثر سالون مین ماہ مئی کو ایک نمایان خصوصیت حاصل رہی ہے، چنانچہ ۱۹۱۹ء کے ماہ مئی مین انگلستان کے ماہر پرواز مسٹر کاک نے جزیرہ نیوزیلینڈ سے ائرلینڈ تک پرواز کرکے سب سے پہلی مرتبہ بحر اٹلانٹک کو عبور کیا، ۱۹۲۴ء کے مئی مین امریکہ کے چند ماہرین نے بحر پاسفیک کو چند مراحل مین عبور کیا، ۱۹۲۶ء کے مئی مین کمانڈر برڈ نے قطب شمالی کی طرف پرواز کی، اور اس سال ۱۹۲۷ء کے مئی مین ایک نوجوان امریکی، ۳۲۰۰ فٹ بلندی تک پہنچا جو اب تک انسان کی غایت پرواز ہے اور پھر اسی سال اسی مہینہ مین امریکہ مشہور معروف لنڈبرگ نیویارک سے پیرس تک کے سفر کو ایک ہی مرحلہ مین طے کیا، اس لیے اگر اس مہینہ کو "ماہ پرواز" سے موسوم کیا جائے تو بیجا نہ ہوگا

بالبصر بالحفظ والانتقاد

رحلت مصطفےٰ

مؤلفہ مولانا عبدالرزاق صاحب ندوی ملیح آبادی

از

سید ریاست علی ندوی رفیق دار المصنفین

مولانا عبدالرزاق صاحب ندوی نے اس رسالہ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ تمام حالات جو آپکی وفات سے تعلق رکھتے ہین یکجا کر دیئے ہین، اس لیے دراصل یہ رسالہ اپنی نوعیت کا سب سے پہلا رسالہ ہے، اور سیرت نبوی صلعم مین ایک خاص باب کا اضافہ ہے، کیونکہ انسان کی زندگی کے آخری لمحے اس کی تمام زندگی کا آئینہ ہوتے ہین، جس مین اس کے تمام اخلاقی حالات و اوصاف نہایت واضح طور پر آشکارا ہو جاتے ہین اگر اس کی زندگی راست بازی، اخلاص، صداقت، دیانت، جرأت، بسالت، اور دیگر اوصاف حمیدہ سے مملو تھی، تو جس درجہ یہ اوصاف اس مین موجود ہونگے اسی درجہ اس آئینہ مین ان کا واضح پرتو منعکس ہوگا، چنانچہ ہم دیکھتے ہین کہ آنحضرت صلعم کو آپکی وفات کی اطلاع چند ماہ پیشتر ہی ملجاتی ہے جس کا آپ نہایت خندہ جبینی سے استقبال فرماتے ہین، حیات کے آخری لمحون مین آپ کو اسلام اور مسلمانون کیلئے جو کام انجام دینا تھا، ادا فرماتے ہین، اور وہ ساعت جیسے جیسے قریب آتی جاتی ہے، جوار رحمت خداوندی کا اشتیاق بڑھتا جاتا ہے، یہانتک کہ دعا و دوا کی بھی ممانعت کر دیجاتی ہے، اور آپ ہوالرفیق الاعلی ہوالرفیق الاعلی کا ورد فرماتے ہوئے دنیا سے تشریف لیجاتے ہین، دنیا کی بلند ترین سیرت کا

یہی مرقع "رحمت مصطفےٰ" مین کھینچا گیا ہے، جناب مولف کو اس کی ترتیب و تالیف مین لائق ستائش جد و جہد کرنی پڑی ہے جس کے لیے وہ قابل مبارکباد ہین، لیکن رسالہ کی تالیف مین چند فروگذاشتین بھی ہین، جن مین اہم مسئلہ اسکی زبان کا ہے، مثلاً اردو اسلوب تحریر مین پیشوایان مذاہب کے لیے ایک خاص طریقہ یہ رائج ہے کہ ان کے نامون کے آگے توصیفی الفاظ بڑھا دیئے جاتے ہین، اور اسکی اسقدر پابندی کیجاتی ہے کہ کسی موقع پر بغیر توصیفی الفاظ بڑھائے کسی نام کو لے لینا ان کی شان مین گستاخی کے مترادف قرار دیا جاتا ہے، اس لیے مثلاً محض یہ لکھنا "غرضیکہ جب ابو بکر روئے اور رسول اللہ کو یہ جواب دیا" (ص ۴۴) "ام سلمہ کہتی ہین" (ص ۶۳) "عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے" (ص ۵۳) موزون نہین معلوم ہوتا،

اسی طرح یہ بھی ملحوظ رکھنا تھا کہ جس شخص یا جماعت کی گفتگو نقل کیجارہی ہے، اگر وہ اردو زبان مین گفتگو کرتی تو وہی اسلوب ہوتا جو رسالہ کی زبان مین اختیار کیا گیا ہے، مثلاً حضرت عباسؓ کا حضرت علیؓ سے یہ فرمانا، کہ "تجھ کو تین دن مین ڈنڈے کا غلام ہوگا" (ص ۴۷) یا حضرت عمرؓ کا آنحضرت صلعم کی موجودگی مین ازواج مطہراتؓ سے یون خطاب کرنا "آپ بیمار ہوتے ہین تو سوے بہاتی ہو، تندرست ہوتے ہین تو گردن لیتی ہو" (ص ۳۹) یا جا بجا صحابہ کرامؓ سے آنحضرت صلعم کے خطاب کو صیغۂ واحد سے ادا کیا گیا ہے جو اردو مین تحقیر کا پہلو پیدا کرتا ہے مثلاً حضرت ابو بکرؓ کے متعلق آنحضرت صلعم کا ارشاد "ابوبکر سے کہو نماز پڑھائے" (ص ۲۰) یا حضرت معاذ بن جبلؓ سے ارشاد فرمانا "مین تجھے ایسے لوگون کی طرف بھیج رہا ہون" (ص ۱۹) اسی سلسلہ مین اس موقع پر یہ تذکرہ بھی بے محل نہ ہوگا کہ اب اردو اسلوب بیان مین آنحضرت صلعم کے متعلق صیغۂ واحد سے گفتگو کرنا قطعی سوء ادب سمجھ لیا گیا ہے، گو گفتگو کرنیوالا آپ کی شان مین جس درجہ اعلیٰ و ارفع اوصاف بیان کرے لیکن مؤلف رحمت مصطفےٰ نے ان چیزون کو نظر انداز کر دیا ہے،

رسالہ مین ایک دو مقام پر ایسے واقعات بھی آ گئے ہین، جنکا تعلق آپ کی ازدواجی زندگی سے ہے، اور اگرچہ ان واقعات پر اس لحاظ سے نظر نہین ڈالنی چاہیئے کہ یہ خطاب ایک پیغمبر کا اپنی امتی سے یا امتی کا ایک

پیغمبر سے ہے، بلکہ واضح طور پر سمجھنا چاہیے کہ ایک بیوی اپنے شوہر سے یا ایک شوہر اپنی بیوی سے گفتگو کر رہا ہے، اسکے باوجود ضرورت تھی کہ جناب مؤلف انتہائی حزم و احتیاط سے ایسی گفتگوؤں کو نقل کرتے مثلاً "میں خوب جانتی ہوں آپ میری موت چاہتے ہیں، تاکہ میرے گھر میں کوئی بیوی لے کر زندگی بھر عیش کریں" (ص ۲۲) اسی واقعہ کو اردو کی ایک دوسری بلند پایہ کتاب میں یوں ادا کیا گیا ہے، "آپ میری موت مناتے ہیں، اگر ایسا ہو جائے تو آپ اسی حجرے میں نئی بیوی لا کر رکھیں"

رسالہ کے اسلوب تحریر کے علاوہ چند چیزیں اور بھی قابل تذکرہ ہیں، مثلاً ایک ہی واقعہ کو دو مختلف موقعوں پر درج کرنا، جیسے جب آپ حضرت میمونہؓ کے مکان میں تھے اس وقت حضرت عمرؓ کی امامت کا تذکرہ، مسند عائشہ و ابن سعد کے حوالہ سے، پھر ص ۲۸ پر یہی واقعہ اسی ابن سعد کے حوالہ سے اس وقت درج کیا گیا ہے جبکہ آپ حضرت عائشہؓ کے مکان میں اٹھ آئے تھے، روایات کے انتخاب میں بھی احتیاط مدنظر نہیں رہی ہے، یہاں تک کہ ابن عساکر اور عقد الفرید سے بھی استناد کیا گیا ہے،

اسی طرح مؤلف نے آنحضرت صلعم کی وراثت کے سلسلہ میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آپ نے اپنے مال اور جائداد میں اس لیے وراثت کی ممانعت فرمائی کہ آپ دنیا سے "سرمایہ داری" اور "غیر منقولہ جائداد کی شخصی ملکیت" کو فنا کرنا چاہتے تھے، مگر چونکہ دنیا عہد طفولیت میں تھی اس لیے آپ نے اس میں بھی وہی طریقہ اختیار فرمایا جو غلامی کی قدیم رسم کے ابطال میں برتا تھا، ہمیں حیرت ہے کہ آجکل ہندوستان کا نوجوان سیاسی طبقہ ایک طرف مذہب کو سیاست میں دخل انداز ہونے سے روکنا چاہتا ہے، پھر دوسری طرف اپنے وقتی سیاسی نظریوں میں مذہب سے خلاف قیاس مسائل استنباط کر کے اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے، اگر آنحضرت صلعم کے طرز عمل کا یہی مقصود ہوتا تو پہلے آیات توریث منسوخ ہوتیں،

رسالہ میں بعض غیر متعلق چیزیں بھی آگئی ہیں، مثلاً وصال نبوی کے تذکرہ میں "حضرت ابوبکر کی عظمت" کے عنوان سے ان میں اور حضرت عمرؓ میں موازنہ کرنا اور بعض مورخین کا حضرت عمرؓ ہی کو اسلام کا ہیرو قرار دینے پر تعجب کا

اظہار کرنا، اس کا تذکرہ اگر ہو سکتا تھا تو حلت صدیقی مین نہ کہ حلت مصطفوی مین،

اس مختصر رسالہ پر اس تفصیلی تبصرہ کا مقصود یہ ہے کہ یہ رسالہ ایک بسیط سلسلہ کی پہلی کڑی ہے، اس کے بعد اسی طرح خلفائے راشدینؓ، دیگر صحابہ کرامؓ اور ائمہ صالحینؒ و دیگر رجال اسلام کے حالات وفات شائع ہونے والے ہین، اس لیے ضرورت ہے کہ باقی حصون کی طباعت سے پیشتر ان امور کو پیش نظر رکھکر نظر ثانی کر لیجائے، ورنہ یہ رسالہ اپنی جگہ غائت درجہ مفید اور صحیح تاریخی واقعات سے مملو ہے، اور رقت انگیزی کا یہ عالم ہے کہ ناممکن ہے کہ پڑھتے پڑھتے آنکھین اشکبار نہ ہو جائین، اور رسالہ کی عام زبان بھی صاف سلیس، اور صحیح ہے، حجم چھوٹی تقطیع پر ۳۰ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ خاصہ ہے، قیمت عہ، ہندبک ایجنسی پوسٹ بکس نمبر ۲۰۲، ۱۰، بالی گنج کلکتہ سے طلب کیجئے

کلیات ولی

مرتبہ

مولوی علی احسن صاحب احسن مارہروی،

تصحیح و تہذیب کے ساتھ قدیم کتابون کی اشاعت ایک علمی خدمت ہے، اور اب اس نے اس قدر وسعت و اہمیت حاصل کر لی ہے کہ تصنیف و تالیف کے برابر سمجھی جاتی ہے،

یہ خدمت اگرچہ ہر زمانے مین جاری رہی ہے، لیکن یورپ نے سب سے پہلے اس کا معیار بلند کیا اور اسکی دیکھا دیکھی مصر و ہندوستان مین اس کی تقلید کیگئی، جس سے بہت سی قدیم کتابین، جو کیڑون کی معاش کا ذریعہ ہو رہی تھین، دست برد زمانہ سے محفوظ رہگئین،

ہندوستان مین مرکزی حیثیت سے دائرۃ المعارف حیدرآباد قدیم عربی کتابون کی اشاعت کر رہا ہے، اور انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن اردو کتابون کی اشاعت مین مصروف ہے، اور اس سلسلہ مین اس نے حال مین ایک نہایت قدیم کتاب یعنی دیوان ولی کو نہایت خوبی کے ساتھ شائع کیا ہے،

ولی کا دیوان اگرچہ اس سے پہلے یورپ اور ہندوستان مین چھپ چکا ہے، اور اس کے قلمی نسخے بھی جابجا

ہندوستان مین موجود ہین، لیکن اس کے مطبوعہ و قلمی نسخے اب اس قدر نایاب ہین کہ عام دسترس سے باہر ہین، اور اس کے ساتھ باہم اس قدر مختلف و متناقض ہین کہ ان پر عام اعتماد نہین کیا جا سکتا، اس لیے اسکی ضرورت تھی کہ ان تمام نسخون کے مقابلہ و موازنہ سے ایک نہایت مکمل اور صحیح نسخہ مرتب کرکے شائع کیا جاتا، اور مولوی علی احسن صاحب مارہروی نے سب سے پہلے اس ضرورت کو محسوس کیا اور دیوانِ ولی کے دس نسخون سے مقابلہ کرکے ایک صحیح نسخہ مرتب فرمایا، اور اس کے ساتھ مختلف تذکرون سے ولی کے حالات بہم پہنچائے، ان کے کلام پر ایک مفصل ریویو کیا، غیر معروف و متروک قدیم دکنی الفاظ کی ایک فرہنگ مین تشریح کی اور اس نسخہ کو اشاعت کے لیے انجمن ترقی اردو کے حوالے کیا، اگر انجمن کا مقصد محض تجارتی ہوتا تو وہ اسی نسخے کو تجارتی نقطۂ نظر سے نظر فریب صورت مین پبلک کے سامنے پیش کر دیتی، لیکن انجمن کے سکریٹری مولوی عبدالحق صاحب نے اس پر علمی حیثیت سے نگاہ ڈالی اور اس حیثیت سے ان کو اس نسخہ کی ترتیب و تہذیب مین اور بھی زیادہ کد و کاوش کی ضرورت نظر آئی، چنانچہ انھون نے سب سے پہلے اس کے مقدمہ سے غیر ضروری باتین حذف کرکے صرف اسی قدر باقی رکھا جس کا تعلق ولی کے کلام سے تھا، اس کے ساتھ اس نسخہ کا اپنے قلمی نسخون سے مقابلہ کیا تو معلوم ہوا کہ اختلافِ نسخ اس سے بہت زیادہ ہے، جس قدر اس نسخے مین دکھایا گیا ہے، اور ساتھ ہی ولی کا کچھ کلام ایسا بھی ہے جو مولوی احسن صاحب کے فراہم کردہ نسخون مین موجود نہین ہے، اس لیے انھون نے اصل کتاب مین دو ضمیمے اور شامل کیے، جن مین ایک ضمیمہ اس کلام کا ہے جو انجمن کے نسخون مین ہے اور احسن صاحب کے مرتبہ نسخون مین نہین، دوسرا ضمیمہ اختلاف نسخ کا ہے، اور وہ اس ضمیمہ سے بہت زیادہ بڑا ہے، اب اس تصحیح و ترتیب و ترمیم و اضافہ سے ولی کا دیوان جو چند پوسیدہ اوراق مین کیڑون کی غذا بن رہا تھا، پانچ چھ سو صفحون کی ایک کتاب بن گیا ہے، جو ٹائپ مین شائع ہوئی ہے،

کتاب کی ابتدا ولی کے حالات اور تبصرہ کلام سے ہوئی ہے، اگرچہ جامع کتاب نے تقریباً تمام تذکرون کی ورق گردانی کی ہے لیکن ولی کے حالات مین انھون نے کوئی نئی بات نہین لکھی ہے، اور نہ غیر معمولی دلچسپ حالات

فراہم کئے ہین، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ان حالات کو حالات کہا بھی نہین جاسکتا، صرف ولی کے نام، وطن اور مذہب مین جو اختلافات تھے، ان مین اپنی رائے کی تائید مین قرائن و قیاسات سے مدد لیکر چند دلائل فراہم کئے ہین، جو یورپین مصنفین کا تذکرہ نویسون کی شان ہے، اس کے بعد ولی کے کلام پر مختلف حیثیتون سے تبصرہ کیا ہے جس مین اگرچہ اب بھی بہت سی غیر ضروری باتین شامل ہین، تاہم اس مین تقریباً تمام حیثیتون سے ولی کے کلام پر نظر ڈالی گئی ہے، اس کے بعد فرہنگ الفاظ ہے جس سے ولی بلکہ قدما کے کلام کے سمجھنے مین بہت کچھ مدد مل سکتی ہے، فرہنگ کے بعد دیوان شروع ہوتا ہے، جو تمام اصناف سخن پر مشتمل ہے، اور اسی مین جابجا حاشیے پر اختلاف نسخ دکھایا گیا ہے یا اور کوئی مفید بات درج کیگئی ہے،

جناب احسن صاحب کا کارنامہ یہین ختم ہوجاتا ہے، اور اس کے بعد مولوی عبدالحق صاحب کا اضافہ شروع ہوتا ہے جس مین سب سے پہلے ضمیمہ نمبر ۱ ہے، جو ولی کے اوس کلام پر مشتمل ہے جو احسن صاحب کے مرتبہ نسخون مین نہین ہے، پھر ضمیمہ نمبر ۲ کی باری آتی ہے جس مین ان نسخون کے اختلافات کو دکھایا گیا ہے، جو انجمن اور اس مرتبہ نسخے کے درمیان نظر آئے، اور یہ ضمیمہ بہت بڑا ہے، اخیر مین ایک غلطنامہ بھی شامل ہے اور اس طرح ایک نہایت عمدہ کتاب شائع ہوگئی ہے جس سے اردو زبان، اردو شاعری اردو املا و طرز کتابت کے متعلق بہت سی تاریخی باتین معلوم ہوسکتی ہین،

کتاب کی قیمت مجلد صہ غیر مجلد للعہ ہے، اور انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن سے مل سکتی ہے،

ع،

کتاب الفلاحت

ابو ذکریا علامہ یحیی ابن شبلی کی کتاب کا ترجمہ جسے مولوی سید ہاشم ندوی نے ترجمہ کیا ہے، اس مین مصریون بنبلیون یونانیون اور مسلمانون کی زراعت اور باغبانی کے اصول کی تشریح کیگئی ہے، مطبوعہ معارف پریس حجم ۶۱۶ صفحے قیمت للعہ

مطبوعات جدیدہ

عشرۂ کاملہ، مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے دعووں کی تردید مین شیخ محمد یعقوب صاحب مستوری پٹیالوی نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اشارہ سے یہ کتاب دس فصلون مین لکھی ہے، ہر فصل مین دس دلیلین ہین، اس طرح سو دلیلون سے ان کے مختلف دعووں کی تردید کیگئی ہے، مصنف نے اس مین التزام کیا ہے کہ مرزا صاحب کے دعووں کی تردید خود انھین کی کتابون اور تحریرون سے کیا جائے، تردید مین عموماً سنجیدگی قائم رکھی گئی ہے، جواب کی تحدی بھی کیگئی ہے، امید ہے کہ لوگون کو اس کتاب سے فائدہ پہنچیگا، ضخامت ۱۶۸ صفحے، لکھائی چھپائی متوسط قیمت عہ، پتہ: کتبخانۂ یحیوی، سہارنپور،

آثار صنادید دکن، حیدرآباد اور گولکنڈہ کی قدیم عمارات اور آثار کی تاریخ، کتبات اور حالات اس مین بیان کئے گئے ہین، اس کے مؤلف مولوی سید ہمایون مرزا صاحب بیرسٹر (حیدرآباد دکن) ہین، ان عمارتون کے بیانات مین جہانتک ہمین معلوم ہے، مصنف سے پہلے کسی نے کوئی کتاب نہین لکھی، یہ ۱۳۴۰ھ کی تالیف ہے، اہل علم اور شائقین کے لیے یہ معلومات نہایت مفید ہین، ضخامت ۸۲ صفحے، لکھائی چھپائی اچھی قیمت عہ، مصنف سے ہمایون نگر حیدرآباد دکن کے پتہ سے ملے گی"

استبداد، ایک اٹالین فاضل نے استبداد (مطلق العنان فرمانروائی) کی برے اثرات اور نتائج پر یہ کتاب لکھی تھی، یہ اٹالین سے فرنچ مین، اور فرنچ سے سلطان عبدالحمید کے زمانہ مین عربی مین ترجمہ ہوئی، اور لوگون نے اس کو بہت پسند کیا، اب اسکو عربی سے اردو مین مولانا عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی نے منتقل کیا، کتاب خطیبانہ انداز مین لکھی ہے، اور متعدد فصلون مین استبداد کی حقیقت، استبداد اور مذہب، استبداد اور علم، استبداد اور عزت، استبداد اور دولت، استبداد اور اخلاق، استبداد اور تربیت، استبداد اور ترقی، استبداد

سے نجات، ان باتون پر بحث کیگئی ہے، ضخامت ۷۶ صفحے، قیمت ۱۲ر پتہ، ہندبک ایجنسی پوسٹ بکس نمبر ۲۰۲، بالی گنج کلکتہ،

ائمۂ اسلام، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ رفع الملام عن ائمۃ الاعلام کا یہ اردو ترجمہ مولوی سید ریاست علی صاحب ندوی رفیق دارالمصنفین نے کیا ہے، ترجمہ صاف اور سلیس ہے، اس رسالہ مین مصنف نے اس شبہہ کا جواب دیا ہے کہ ائمۂ مجتہدین مین باہم اختلاف کیون ہے؟ آخر مین مترجم نے بعض ان اصولی اصطلاحات کا فرہنگ اضافہ کیا ہے، جو اس رسالہ مین مستعمل ہوئے ہین، اور عام اردو خوان ان کو نہین جانتے، لکھائی چھپائی، کاغذ عمدہ، قیمت شاید ۱۲ر ہو، پتہ الہلال بک ایجنسی نمبر ۴۴ شیرانوالہ دروازہ، لاہور،

نجد و حجاز، سید رشید رضا صاحب اڈیٹر المنار نے نجد و حجاز کے مسئلہ پر المنار اور الاہرام مین جو سلسلہ وار مضامین لکھا تھا، مولوی عبدالرحیم صاحب ناظم کتبخانہ علوم مشرقیہ دارالعلوم پشاور نے اس کا اردو مین ترجمہ کیا ہے، اور وہ ایک مسلسل کتاب کی صورت مین ہے، اس مین نجد و حجاز کی جنگ، اس کے اسباب، سلطان نجد کی سرکاری تحریرین، معاہدات، نجدیون کا قبور اور قبون کے ساتھ برتاؤ، اور اسکی شرعی حیثیت اور شریف حسین کے اعمال یہ سب مفصل لکھے ہین، ۱۹۶ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ درمیانی، قیمت ۴ر، پتہ الہلال بک ایجنسی نمبر ۴۴ شیرانوالہ دروازہ لاہور،

اسلامی کہانیان، چھوٹے مسلمان بچون کے مطالعہ کے لیے آسان اور سہل زبان مین اسلامی تصورات اور کہانیون کی بڑی ضرورت ہے، شیخ بدرالاسلام صاحب فضل بی اے بی ٹی نے اس نام سے ایک مختصر رسالہ لکھکر اس ضرورت کو پورا کرنے کی طرف پہلا قدم اٹھایا ہے، اس رسالہ مین بارہ تاریخی کہانیان ہین، آخر مین دو نظمین ہین اور خاتمہ مین انھین کہانیون کے متعلق بچون سے سوالات پوچھے گئے ہین، بچون کے خیال سے عبارت اور خط دونون صاف ہین، اس رسالہ مین اگر کوئی عیب ہے تو یہ ہے کہ نہایت مختصر ہے، قیمت ۸ر مجلد ۱۲ر پتہ:- حالی بک ڈپو، پانی پت،

کے ذریعہ ہونے پر ایک مدلل اور پرزور رسالہ، یہودیوں اور عیسائیوں کے اس باب میں ہر قسم کے اعتراضات کا قلع قمع کر دیا ہے، ۱۲ر

اسباق النحو حصہ اوّل و دوم، اردو میں سہل طرز پر علمی مشغولوں کے ذریعہ عربی گرامر، قیمت حصہ اول ۲ر دوم ۵ر

تحفۃ الاعراب، مائۃ عامل کے طرز پر عربی کی نحو جدید اردو نظم میں چھوٹے بچوں کے حفظ کے لئے، قیمت ۲ر

مولانا سید سلیمان ندوی

سیرۃ نبوی حصہ معجزات، قیمت عہ سے

ارض القرآن حصہ اوّل، عرب کا قدیم جغرافیہ، عاد و ثمود، سبا، اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الفیل کی تاریخ کا اس طرح لکھی گئی ہے جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کی یونانی، رومی، اسرائیلی لٹریچر اور موجودہ آثار قدیمہ کی تحقیقات سے تائید و تصدیق ثابت ہو، عہ

ارض القرآن جلد دوم، اقوام قرآن میں سے مدین، اصحاب الایکہ، قوم ایوب، بنو اسمٰعیل، اصحاب الرس، اصحاب الجی، بنو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ اور عرب کی تجارت، زبان اور مذہب پر تفصیلی مباحث صفحہ ۴۰۰ قیمت عہ

سیرت عائشہؓ، (طبع دوم) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالات زندگی اور ان کے مناقب و فضائل و اخلاق اور ان کے علمی کارنامے اور ان کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر ان کے احسانات اور اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیاں اور معترضین کے جوابات، قیمت ۲ر

دروس الادب، عربی کی پہلی ریڈر، طبع سوم مع ترجمہ قیمت ۲ر

دوسری ریڈر، طبع سوم ۴ر

رسالہ اہل السنت و الجماعہ، فرقہ اہل سنت و الجماعہ کے اصولی عقائد کی تحقیق، طبع سوم، قیمت ۸ر

حیات مالک، امام مالک کی سوانحعمری اور موطائے امام مالک پر تبصرہ عہ

خلافت اور ہندوستان، آغاز اسلام سے اس عہد تک مسلمانان ہند اور غضائے اسلام کے تعلقات اور سلاطین ہند کے مکتوب اور کتبوں سے ان کا ثبوت، قیمت ۸ر

دینیات اسلام اور خلافت، موجودہ عہد میں خلافت عثمانیہ کے قیام و بقا کے لئے دنیا کی مسلمان قومیں کیا جد و جہد کر رہی ہیں، مصنف کے سفر یورپ کے دلچسپ معلومات ہیں، قیمت ۶ر

خلافت عثمانیہ اور دینیات اسلام، اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ خلافت عثمانیہ نے مسلمانوں اور اسلامی ملکوں کی گذشتہ صدیوں میں کیا کیا خدمتیں انجام دی ہیں، قیمت عہ

بہادر خواتین اسلام، مسلمان عورتوں کے جنگی اور اخلاقی بہادری کے کارنامے طبع سوم، قیمت ۴ر

تبشیری، عیسائیوں کا اعتراض تھا کہ مسلمانوں کا خدا قہار و جبار ہے، اس میں اس کا جواب دیا گیا ہے، اور دکھایا گیا ہے کہ اسلام میں محبت الٰہی کا کیا درجہ ہے، اور مذہب کس قدر ہمہ تن محبت ہے، اور اس باب میں اسلام کی تعلیم کیا ہے، قیمت ۸ر

لغات جدیدہ، ۱۵ ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری مطبوعہ معارف پریس عہ

خطبات مدراس، یعنی سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤں پر آٹھ لکچر جو گویا آنحضرت صلعم کی تمام پیغمبرانہ زندگی کا خلاصہ ہیں، قیمت ۱۲ر

مولانا عبد السلام ندوی

اسوۂ صحابہ جلد اول، صحابہؓ کے عقائد، عبادات، اخلاق و معاشرت کی صحیح تصویر، اور قرون اولی کے اسلام کا عملی خاکہ، اس کا مطالعہ ہر مسلمان کا فرض ہے، ضخامت ۳۰۰ صفحے، قیمت ۱۲ر

ایضاً جلد دوم، صحابہ کے سیاسی انتظامی اور علمی کارناموں کی تفصیل ضخامت ۵۰۰ صفحے، قیمت للعہ

انقلاب الامم، ڈاکٹر لیبان کی مشہور کتاب قوموں کی ترقی و تنزل کے قوانین نفسی کا خلاصہ، طبع دوم، قیمت ۱۲ر

اسوۂ صحابیات، صحابیات کے مذہبی اخلاقی اور علمی کارناموں کا مرقع، قیمت عہ

سیرت عمر بن عبد العزیزؒ، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ خلیفہ ہوئے کے سوانح حیات اور ان کے مجددانہ کارنامے طبع دوم ضخامت ۱۱۰ صفحے عہ

شعر الہند حصہ اول، جس میں قدما کے دور سے لیکر دور جدید تک اردو شاعری کے تمام تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے اور ہر دور کے مشہور شاعروں کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ، مطبوعہ معارف پریس ضخامت ۴۴۵ صفحے قیمت للعہ

حصہ دوم، جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ مثنوی، اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، کاغذ اور کتابت و طباعت عمدہ، ضخامت ۴۵۱ صفحے، قیمت للعہ

فطرت نسوانی، جس میں عورتوں کے اخلاق پر بحث کی گئی ہے اور مولانا کے

مولوی عبد الباری ندوی

برکلے اور اس کا فلسفہ، مشہور فلاسفر برکلے کے حالات زندگی اور اس کے فلسفہ کی تشریح قیمت مجلد عہ غیر مجلد یہ ضخامت ۱۴۴ صفحے

مبادی علم النسانی، مادیت کی تردید میں برکلے کی مشہور کتاب پرنسپلز آف ہیومن نالج، کا نہایت فصیحانہ اور سلیس ترجمہ، جس میں حواس انسانی پر بحث کرکے مادیت کا ابطال کیا ہے، ضخامت ۱۳۰ صفحے قیمت مجلد عہ غیر مجلد

مولوی عبد الماجد بی اے،

مثنوی بحر الحیات، شیخ سعدی کی ایک نایاب مثنوی مع سوانح سعدی ضخامت ۹۰ صفحے، قیمت

فلسفۂ جذبات، جذبات انسانی کی نفسیاتی تشریح ضخامت ۲۴۰ صفحے قیمت

تصوف اسلام، اسلامی تصوف کا عنصر، اور عہد بعہد کے ایک ایک نام تصوف کی سوانحعمری اور ان کی تصانیف کے حقائق کا بیان ضخامت ۲۸۰ صفحے، قیمت

پیام امن، موسیو رچرڈ پال ایک فرانسیسی مصنف کے خیالات دربارۂ امن عالم و اخوت انسانی و خوش آئندی دول یورپ کی ترجمانی ہے، اس کے بعد مولوی صاحب موصوف کا تبصرہ ہے جس میں ان تین مسائل پر انجیل اور قرآن کی تعلیمات کی تفصیل ہے، اور دین بالکل سے جدا ثابت ہیں، حجم ۱۸۰ صفحے، قیمت

مکالمات برکلے، برکلے کی ڈائلاگس کا ترجمہ جس میں مکالمہ کی صورت میں برکلے نے مادیت کا ابطال کیا ہے، ضخامت ۲۰۴ صفحے قیمت باحلات کاغذ عہ عہ

مولوی سعید صاحب انصاری

تفسیر ابو مسلم اصفہانی، (عربی) معتزلہ کی مفصل اور نادر اور جدید عقلی تفسیر قرآن کے اجزا جو نہایت دیدہ ریزی سے امام رازی کی تفسیر کبیر سے جمع کئے گئے ہیں، عمدہ کاغذ و طباعت میں چھپی ہے، حجم ۱۳۰ صفحے عہ

سیر الصحابیات، اردو میں صحابیات کے حالات، بیانات، طاہرات اور عام صحابیات کی سوانحعمریاں اور ان کے اخلاقی کارنامے، ضخامت ۲۸۰ صفحے

سیر الانصار حصہ اول، انصار کرام کی مستند سوانحعمریاں اور ان کے اخلاقی اور مذہبی کارنامے، اور ان کے فضائل و کمالات مستند ذرائع سے مرتب کرکے پیش کئے گئے ہیں، حجم ۲۰۰ صفحے

ایضاً حصہ دوم، انصار کرام کے بقیہ حالات زندگی اور ان کے اخلاقی اور مذہبی کارنامے، ضخامت ۲۸۰ صفحے قیمت عہ

پروفیسر داج الدین صاحب،

نفسیات ترغیب، کسی انسان کو کسی کام یا چیز یا فریب کیلئے ہم کیونکر آمادہ کرسکتے ہیں، اور اس کو ترغیب اور شوق دلا سکتے ہیں، اس کے نفسیاتی اصول کیا ہیں، اس کتاب میں انہیں اصول کی تشریح تجارت، اشتہارات اور تقریر و وعظ میں ہر جگہ ان اصول کی رعایت کی ضرورت ہے، اس لئے تجارت کے مشتہرین، واعظین، مدرسین اور وکلا، سب کو اس کتاب کی ضرورت ہے ضخامت ۱۴۰ صفحے

مولانا حکیم عبد الحئی،

گل رعنا، اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے اردو شعرا کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، ضخامت ۵۴۸ صفحے قیمت صہ

صاحبزادہ ظفر حسین خان صاحب

مقالۂ روسو، حسین فرانس کے مشہور فلسفی انقلابی پیرو روسو نے علوم و فنون کے افادی اثرات و نتائج کی تنقید کی ہے ضخامت ۵۱ صفحے

مولوی محمد یونس مرحوم فرنگی محلی،

روح الاجتماع، موسیو لیبان کی کتاب جماعتہائے انسانی کے اصول نفسیہ کا اردو ترجمہ، جس میں انسانی جماعت کے اخلاق، مذہبی رہنماؤں کی خصوصیات اور جماعتوں کے بننے بگڑنے کے قوانین نفسی بیان کئے گئے ہیں، ضخامت ۲۳۲ صفحے، قیمت

این رشد، مشہور مسلمان اندلسی حکیم جو مسلمانوں میں ارسطو کے فلسفہ کا بہترین شارح سمجھا جاتا ہے، اور جس کی تصنیفات مدتوں تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی تھیں، اس کے سوانح اور اس کے فلسفہ پر تبصرہ اور اسی ضمن میں مسلمانوں کے علم کلام و فلسفہ پر بھی ریویو، اور یورپ میں اسلامی علوم کی اشاعت کی تاریخ، اور فلسفہ جدیدہ و قدیمہ کا موازنہ بھی آگیا ہے، طالب رشد کے مستقل اہتمام پڑھنے کا ذخیرۂ معلومات کسی مشرقی زبان میں کیا کسی مغربی زبان میں بھی نہیں مل سکتا، ضخامت ۴۰۰ صفحے، قیمت